بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ

مفکر اسلام خطیب اعظم حضرت علامہ قمر الزماں صاحب اعظمی مدظلہٗ
کے بیان کردہ قرآن عظیم کی سورتوں کا مفسرانہ، محققانہ، نادر المثال گراں قدر خلاصہ

خطبات رمضان فی ضوء القرآن

جلد دوم

مرتب:

مولانا محمد ساجد حسین قادری

بانی و ناظم انوار الحق انسٹیٹیوٹ شکاگو، خطیب غوثیہ اسلامک سینٹر، ہاروی امریکہ

ناشر: مکتبۂ طیبہ، سنی دعوت اسلامی ممبئی، انڈیا

جملہ حقوق بحق حضور مفکر اسلام مدظلہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**
خطابات	:	حضور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں صاحب اعظمی ادام اللہ فیوضہٗ
مرتب	:	مولانا محمد ساجد حسین قادری (شکاگو، امریکہ)
صفحات	:	۸۳۲
پروف ریڈنگ	:	مولانا محمد ساجد حسین قادری، مولانا ذکی اللہ مصباحی، مولانا صادق الاسلام مصباحی
نظر ثانی	:	مولانا مظہر حسین علیمی
کمپوزنگ	:	ماڈرن پرنٹرس ممبئی (9096590530)
اشاعت اول	:	ربیع الثانی ۱۴۴۴ ہجری، مطابق دسمبر ۲۰۲۲ عیسوی
تعداد	:	۱۱۰۰
ناشر	:	مکتبۂ طیبہ سنی دعوت اسلامی ممبئی انڈیا
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

۱) مکتبۂ طیبہ سنی دعوت اسلامی، مسجد اسماعیل حبیب کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی انڈیا

۲) بیرسٹر معین الزماں اعظمی
ورلڈ اسلامک مشن، مسلم کالج ہمفرے اسٹریٹ، مانچسٹر، ایم ۸، ۹ جے آر

۳) النور سوسائٹی آف گریٹر ہیوسٹن، ٹیکساس، امریکہ

۴) مولانا محمد ساجد حسین قادری

Contact: +1-773-619-3804 | Email; muftisajid.usa@gmail.com

فہرست مضامین جلد دوم

خطاب	عنوان	صفحہ
	تاثر جلیل حضرت مولانا سید حمزہ اشرف	۷
	تقریظ جمیل حضرت علامہ محمد محمود عالم اشرفی نعیمی	۱۰
	تقریظ جلیل حضرت مولانا مفتی محمد ممنون حسین اشرفی	۱۴
	تاثرات حضرت مفتی شفیق رضا شمسی	۱۶
	عرض مرتب	۱۹
۶۵	سورۃ المجادلۃ (آیت: ۱ تا ۸)	۲۵
۶۶	سورۃ المجادلۃ (آیت: ۱۴ تا ۲۱)	۳۶
۶۷	سورۃ الحشر (پس منظر و تاریخی حیثیت) حصہ اول	۴۴
۶۸	سورۃ الحشر (پس منظر و تاریخی حیثیت) حصہ دوم و تفسیر آیت: ۱ تا ۵	۵۴
۶۹	سورۃ الحشر (آیت: ۶ تا ۲۴)	۶۳
۷۰	سورۃ الممتحنۃ (شانِ نزول و تفسیر و ترجمہ آیت: ۱ تا ۱۳)	۷۰
۷۱	سورۃ الصف (آیت: ۱ تا ۹)	۹۵
۷۲	سورۃ الصف (آیت: ۱۰ تا ۱۴)	۱۰۷
۷۳	سورۃ الجمعۃ (آیت: ۱ تا ۱۱ مکمل)	۱۱۸
۷۴	سورۃ المنافقون (آیت: ۱ تا ۴)	۱۳۷
۷۵	سورۃ التغابن (آیت: ۱ تا ۱۴)	۱۴۸
۷۶	سورۃ الطلاق (خلاصۂ احکام و مسائل)	۱۶۳

۷۷	سورۃ الطلاق (آیت: ۱ تا ۱۲ مکمل)	۱۷۵
۷۸	سورۃ التحریم (مکمل تفسیر آیت ۱ تا ۱۲)	۱۹۵
۷۹	سورۃ الملک (تعارف و فضائل)	۲۱۰
۸۰	سورۃ الملک (آیت: ۱ تا ۱۲)	۲۲۰
۸۱	سورۃ الملک (آیت: ۱۲ تا ۲۳)	۲۳۰
۸۲	سورۃ القلم (مضامین و مشمولات)	۲۴۱
۸۳	سورۃ الحاقۃ (مضامین و مشمولات و تفسیر و ترجمۂ آیت: ۱ تا ۵۲)	۲۵۷
۸۴	سورۃ المعارج (آیت: ۱ تا ۴۴ مکمل)	۲۷۱
۸۵	سورۃ الجن (آیت: ۱ تا ۱۷)	۲۸۴
۸۶	سورۃ المزمل (آیت: ۱ تا ۵)	۲۹۷
۸۷	سورۃ المزمل (آیت: ۶ تا ۱۳)	۳۱۰
۸۸	سورۃ المزمل) آیت: ۱۴ تا ۲۰ مکمل)	۳۲۲
۸۹	سورۃ المدثر (آیت: ۱ تا ۷)	۳۲۹
۹۰	سورۃ المدثر (آیت: ۸ تا ۵۶)	۳۴۱
۹۱	سورۃ القیامۃ (آیت: ۱ تا ۱۹)	۳۵۵
۹۲	سورۃ القیامۃ (آیت: ۲۶ تا ۴۰)	۳۶۸
۹۳	سورۃ الدہر (تعارف و توضیح و آیت: ۱ تا ۳)	۳۷۹
۹۴	سورۃ الدہر (آیت: ۴ تا ۳۱)	۳۹۱
۹۵	سورۃ المرسلات (آیت: ۱ تا ۳۷)	۴۰۴
۹۶	سورۃ النبأ (آیت: ۱ تا ۱۱)	۴۱۷
۹۷	سورۃ النبأ (آیت: ۶ تا ۴۰)	۴۲۸

۹۸	سورۃ النازعات (آیت ۱ تا ۴۶ مکمل سورہ)	۴۳۸
۹۹	سورۃ عبس (تعارف)	۴۵۲
۱۰۰	سورۃ عبس (آیت: ۱ تا ۴۲)	۴۶۰
۱۰۱	سورۃ التکویر (آیت: ۱ تا ۹)	۴۷۲
۱۰۲	سورۃ التکویر (آیت: ۱۰ تا ۲۶)	۴۸۲
۱۰۳	سورۃ الانفطار (مکمل)	۴۹۳
۱۰۴	سورۃ المطففین (مکمل مع ترجمہ ومفہوم)	۵۰۲
۱۰۵	سورۃ الانشقاق (ترجمہ ومفہوم)	۵۱۵
۱۰۶	سورۃ البروج (ترجمہ ومفہوم)	۵۲۷
۱۰۷	سورۃ البروج (ترجمہ وتفسیر)	۵۳۶
۱۰۸	سورۃ الطلاق (مکمل ترجمہ وتفسیر)	۵۴۹
۱۰۹	سورۃ الاعلیٰ (مضامین ومفاہیم)	۵۵۸
۱۱۰	سورۃ الاعلیٰ (ترجمہ وتفسیر)	۵۷۴
۱۱۱	سورۃ الغاشیۃ (ترجمہ وتفسیر)	۵۸۴
۱۱۲	سورۃ الفجر (آیت: ۶ تا ۳۰)	۵۹۴
۱۱۳	سورۃ الفجر (آیت: ۶ تا ۳۰)	۶۰۵
۱۱۴	سورۃ الشمس (ترجمہ ومفہوم)	۶۱۵
۱۱۵	سورۃ اللیل (ترجمہ وتفسیر)	۶۲۶
۱۱۶	سورۃ الضحیٰ (تعارف ومفہوم)	۶۳۶
۱۱۷	سورۃ الضحیٰ (ترجمہ وتفسیر آیت: ۱ تا ۴)	۶۴۰
۱۱۸	سورۃ الضحیٰ (آیت: ۵ تا ۶)	۶۴۹

۱۱۹	سورۃ الضحیٰ (آیت: ۷ تا ۱۱)	۶۵۸
۱۲۰	سورۃ الانشراح (آیت: ۱)	۶۷۱
۱۲۱	سورۃ الانشراح (آیت: ۲ تا ۸)	۶۷۸
۱۲۲	سورۃ التین (ترجمہ وتفسیر)	۶۸۶
۱۲۳	سورۃ العلق (آیت: ۱ تا ۱۹ مکمل ترجمہ وتفسیر)	۶۹۴
۱۲۴	سورۃ القدر (ترجمہ وتفسیر)	۷۰۸
۱۲۵	سورۃ البینہ (آیت: ۱ تا ۸ مکمل تفسیر)	۷۱۸
۱۲۶	سورۃ القارعۃ (ترجمہ وتفسیر)	۷۲۹
۱۲۷	سورۃ التکاثر (ترجمہ وتفسیر)	۷۳۷
۱۲۸	سورۃ العصر (ترجمہ وتفسیر)	۷۴۷
۱۲۹	سورۃ الفیل (مضامین وترجمہ وتفسیر)	۷۵۷
۱۳۰	سورۃ قریش (مفہوم، ترجمہ وتفسیر)	۷۶۷
۱۳۱	سورۃ الماعون (مفہوم، ترجمہ وتفسیر)	۷۷۲
۱۳۲	سورۃ الکوثر (مفہوم، ترجمہ وتفسیر)	۷۸۰
۱۳۳	سورۃ الکافرون (ترجمہ وتفسیر)	۷۸۵
۱۳۴	سورۃ النصر (ترجمہ وتفسیر)	۷۹۰
۱۳۵	سورۃ اللہب (ترجمہ وتفسیر)	۷۹۷
۱۳۶	سورۃ الاخلاص (تعارف، ترجمہ وتفسیر)	۸۰۹
۱۳۷	المعوذتین (ترجمہ وتفسیر)	۸۲۶

تاثر جلیل

فاضل علوم اسلامیہ شہزادہ گرامی وقار حضرت مولانا سید حمزہ اشرف دام ظلہ علینا
جانشین حضور شیخ الاسلام کچھوچھہ مقدسہ

۷۸۶/۹۲

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

قرآن کریم اللہ رب العزت کا وہ کلام ہے کہ اس کتاب میں زندگی کے تمام ابواب اور فصلوں کا ذکر تفصیل سے مرقوم ہے، چناں چہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ''ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شیء'' لیکن مسلمان اس کتاب ہدایت سے احکام ومسائل سمجھنے کے بجائے محض تبرک کے طور پر طاقوں میں سجائے رکھنے کو اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں اور کسی خاص محفل یا ایصال ثواب کے موقع پر تلاوت کرکے فیض حاصل کرنے کو اپنے لیے کافی سمجھتے ہیں جب کہ قرآن کریم صرف تلاوت کرنے کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے رہنما خطوط ونقوش ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کتاب میں زندگی کے تمام مسائل ومعاملات کا حل روز روشن کی طرح بیان فرمادیا ہے۔ انسان اگر اس کتاب مبین کی تلاوت وقرأت کرکے احکام سمجھے اور قرآنی پیغامات کو عملی جامہ پہنادے تو یقینا حیات انسانی کا ہر گوشہ روشن ومنور ہوسکتا ہے اور زندگی کی کمزور زنجیریں مربوط ومستحکم ہوسکتی ہیں۔

قرآن کریم ایک مکمل عظیم اسلامی انسائیکلو پیڈیا اور آفاقی قانون ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی، قرآن کریم کو اگر اپنی زندگی کا رفیق بنالیا جائے تو نہ صرف ہماری آخرت سنورے گی بلکہ دنیا میں بھی شرف وبزرگی ملے گی، اور آخرت میں بھی بلند مقام ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ'' یہی وہ قرآن ہے کہ جس کی تلاوت سے زندگی میں بلندیاں آتی ہیں اور ترک کرنے سے ذلت ورسوائی مقدر بن جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ'' (صحیح مسلم شریف)

تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی قرآن کریم سے اپنا تعلق مضبوط رکھا انہیں دنیا میں بلند رتبے ملے اور جنہوں نے رشتہ کمزور کرلیا ذلیل وخوار ہوئے۔ ع

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

زیرِ نظر کتاب ''**خطباتِ رمضان فی ضوء القرآن**'' اگرچہ خطبات کے نام سے موسوم ہے مگر حقیقت میں قرآن کریم کا سلیس، عام فہم مگر محقق، مدلل تفسیری بیان ہے۔ جس کے مفسر عالم اسلام کے معروف عالم دین حضرت علامہ قمر الزماں خان اعظمی مصباحی صاحب قبلہ ہیں جنہوں نے ہر پارے اور ہر سورت کی جامع تفسیر کی ہے۔ تیس پاروں کی تفسیر کو تیس دن کے بیان میں سمیٹنا یقینا علامہ اعظمی صاحب کے پختہ علم، تفسیری معلومات اور کامل تجربات کا نتیجہ ہے۔ تیس پاروں کی تفاسیر کا تفصیلی مطالعہ آج کے اس دور قحط الرجال میں بہت مشکل ہے لیکن علامہ صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں خاص خاص باتوں کی نشاندہی کی ہے، احکام کو بیان فرمایا ہے، اور واقعات کا ذکر کیا ہے اس لیے اس کتاب کو اگر مختصر وقت میں مطالعہ میں رکھا جائے اور روزانہ ایک گھنٹہ نکالا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ علوم قرآن اور تفسیری

معلومات میں کافی اضافہ ہوگا نیز قرآن فہمی کا شعور بھی بیدار ہوگا۔

میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں مولانا محمد ساجد حسین قادری (بانی وناظم انوار الحق انسٹی ٹیوٹ شکاگو، خطیب غوثیہ اسلامک سینٹر ہاروی امریکہ) کو کہ انہوں نے اس کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی اور بڑی محنت ومشقت سے تفسیری بیان کو قلم بند فرمایا اور امت مسلمہ کو مختصر وقت میں ایک جامع بیان سے فیض یاب ہونے کا موقع فراہم کیا۔

اللہ تبارک وتبارک مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خان اعظمی مصباحی صاحب قبلہ اور ان کے تفسیری بیان کے جامع ومرتب مولانا محمد ساجد حسین قادری کے علمی مراتب میں مزید بلندی عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو اس تفسیری بیان سے مستفید ومستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

آمین بجاہ اشرف المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فقط والسلام

سید حمزہ اشرف کچھوچھوی

جانشین حضور شیخ الاسلام

وارد حال احمد آباد

باسمہ تبارک

تقریظ جمیل

حضرت علامہ مولانا محمد محمود عالم اشرفی نعیمی دام ظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم

لوہار منڈی برہانپور، ایم پی۔

الحمد للہ الذی کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

امابعد!

علم نور ہے وہ انسان کو جہالت وگمراہی کی تاریکی سے نکال کے معرفت کی شاہ راہ پر لگا دیتا ہے۔ علم ہی وہ شے ہے جو انسان کو تمام حیوانات سے ممتاز کرتا ہے، علم دین ہی کی وجہ سے انسان کے سر پر اشرف المخلوقات کا تاج زریں رکھا گیا، اور قرآن پاک وہ مقدس کتاب ہے جس میں ہر چیز کا علم اور ہر شے کا روشن بیان موجود ہے جیسا کہ آیت کریمہ ''تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ'' اس پر دال ہے۔

چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ

الْبَيَانَ ''اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر بالمشافہہ قرآن پاک کا علم حاصل فرمایا، اور پھر آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ''اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ'' فرما کر اپنی امت کے علما کے سروں پر اپنی وراثت و نیابت کا تاج پہنا دیا، اب تا قیام قیامت قرآن و حدیث کا علم دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی ذمہ داری انہی علمائے امت کے کندھوں پر ہے، چنانچہ اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے بے شمار مفسرین، محدثین، مصنفین، مؤلفین اور خطبا نے اپنی اپنی بساط کے مطابق علم دین کا کام اپنی اپنی تصنیفات و تالیفات اور خطبات وغیرہ کے ذریعہ بحسن وخوبی انجام دیا اور دے رہے ہیں۔

ہند و پاک کے مشہور و معروف علما و خطبا کی فہرست میں ایک نام حافظ ملت علیہ الرحمہ کے فیض یافتگاں میں حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی (اطال اللہ عمرہ و زاد مجدہ و شرفہ) کا ہے جن کو آج دنیا مفکر اسلام کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ آپ نیابت رسول کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے لندن کو اپنی امامت و خطابت، تبلیغ و اشاعت، درس و تدریس اور تقریر و تحریر کے ذریعے وہاں کے بسنے والوں کو بالخصوص، تو دنیا بھر کو بالعموم کتاب و سنت اور دین و ملت کے نور سے منور کر رہے ہیں۔ اسی دوران علامہ موصوف نے لندن ہی میں دروس قرآن کا سلسلہ جاری فرمایا تھا اور الحمد للہ مکمل قرآن پاک کا درس بھی دے چکے اور آج انہی دروس قرآن کو کتابی شکل دینے کی تیاری میں ہیں جو کہ دین و ملت کے لئے عظیم سرمایہ ہوگا۔

فقیر اشرفی کے پاس اسی کتاب پر تقریظ کے لئے PDF بھیجی گئی، ضعف و نقاہت کے ساتھ ساتھ PDF میں ہونے کی وجہ سے زیادہ تو نہیں پڑھ سکا، تاہم چند

جگہوں سے کچھ صفحات کا مطالعہ کیا، ماشاء اللہ خوب سے خوب تر پایا۔ اور چونکہ موصوف اردو زبان کے بہترین ادیب بھی ہیں اس لیے کتاب میں سلاست و روانی بھی ہے، پڑھتے جائیے اور اردو ادب کی جلوہ سامانیوں سے لطف اندوز بھی ہوتے رہیے بالکل اکتاہٹ نہیں ہوگی، نیز آپ جیسے جیسے پڑھتے جائیں گے نئی نئی فکروں سے بھی روبرو ہوتے چلے جائیں گے، واقعی موصوف نے مفکر اسلام ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور جگہ جگہ لوگوں میں در آئی خرابیوں کی بحسن وخوبی اصلاح بھی فرمائی ہے۔ مثلاً: ''الحمد للہ رب العالمین'' کی ہی تفسیر دیکھ لیجئے لکھتے ہیں:

عجیب معاملہ ہے کہ ہم کائنات کی ہر چیز کی تعریف کرتے ہیں، ہم نے آسمان کو دیکھا، ستاروں کی انجمن دیکھی، اس کی تعریف کی، دریاؤں کی روانی دیکھی اس کی تعریف کی، ہم نے ہر حسن کی تعریف کی، ہر خوبی کی تعریف کی، ہم نے ہر جمال کی تعریف کی جبکہ اللہ فرماتا ہے تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم غیر اللہ کی تعریف کر کے، مخلوقات کی تعریف کر کے کہیں شرک کا ارتکاب تو نہیں کر رہے ہیں؟ اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے تم جس کی بھی تعریف کرو گے وہ اللہ کی تعریف ہوگی، اس لئے کہ مخلوق کی تعریف خالق کی تعریف ہوتی ہے، مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف ہوتی ہے۔ بنی ہوئی چیزوں کی تعریف سے بنانے والے کی تعریف خود بخود ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اگر تم کائنات میں کسی بھی حسن و جمال کا کسی بھی خوبی کا تذکرہ کرو گے تو وہ اللہ کی تعریف ہوگی۔

آگے اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب بھی کوئی کامیابی ملتی ہے تو ہم کہتے ہیں " الحمد للہ" ہم اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں ۔کسی نے پوچھا آپ امتحان میں کامیاب ہوئے ،ہم نے کہا الحمد للہ ۔ آپ کو شفا مل گئی؟ ہم نے کہا الحمد للہ ۔ تو ہر خوبی کے بعد ہم اللہ کی حمد اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ دنیا یہ جان سکے کہ جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے ۔جو بھی میسر آتا ہے وہ اللہ کی بارگاہ سے آتا ہے ۔جو بھی عطا فرماتا ہے وہ اللہ ہی عطا فرماتا ہے ۔ باقی سب وسائل و وسائط ہیں ۔

اسی لئے اگر کوئی آپ سے آپ کا حال پوچھے کہ How are you? آپ کیسے ہیں؟ تو یہ مت کہیے کہ I am fine. بلکہ یہ کہیے کہ Alhamdulilla I am fine.

اسی طرح آپ پڑھتے چلے جائیں لطف اندوز ہوتے جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ یہ تفسیر علما ،طلبا ،اور عام اردو خواں کے لئے یکساں مفید ثابت ہوگی ۔اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ علامہ موصوف کا سایہ ہم پر تا دیر قائم فرمائے اور خصوصا اس کتاب کو مقبول خواص وعوام بنائے ،ان کے ذریعے ہماری بخشش فرمائے ۔

آمین یارب العلمین بجاہ سید الانبیاء و المرسلین عزوجل

وصلی اللہ علیہ الہ وسلم ۔

محمد محمود عالم اشرفی نعیمی غفرلہ

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم

لوہار منڈی برہانپور ،ایم پی ۔

تقریظ جلیل

استادِ محترم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ممنون حسین اشرفی صاحب مدظلہ العالی

مدرس مدرسہ اشرفیہ نظامیہ فتحپور بھاگلپور ،الہند

شہرۂ آفاق خطیب اعظم ،مقبول خواص وعوام ،مفکر اسلام حضرت العلام الحاج قمر الزماں خاں اعظمی مدظلہ النورانی حال مقیم لندن ،علما وخطبا اور دانشوران کے طبقہ میں محتاج تعارف نہیں ۔ وہ انٹرنیشنل خطیب ہیں ۔ان کی کتاب "**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**" قرآنی سورتوں اور آیتوں کی تفسیر و توضیح ہے ۔نہایت حکیمانہ ، عالمانہ ، مفسرانہ ، مفکرانہ ،اندازِ بیان ہے ۔میں نے بالاستیعاب تو نہیں جا بجا مسودہ کو دیکھا اور پڑھا بے حد کارآمد و مفید پایا ۔اس رسالۂ مبارکہ کے مطالعہ سے عیاں ہوگا کہ ممدوح محترم نے تفسیر آیات الٰہیہ کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جواب عنایت فرمایا ہے ۔ اسلام کی صداقت وحقانیت کو عمدہ پیرائے میں اجاگر کیا ہے ۔علم وادب کا بہترین گلدستہ بلکہ گل سرسبد ہے ،فکر وفن کی سبز روش پر سرخاب اتار دیا ہے ۔علامہ جو ایک فاضل وقابل انسان ہیں ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ۔مولیٰ تعالیٰ علامہ کو آفات ارضی وسماوی سے موصون ومحفوظ رکھے ،صحت وتندرستی کی نعمتوں سے بہرہ مند فرمائے آمین ۔

اخیر میں مرتب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ساجد حسین قادری طول اللہ حیاتہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سات سمند پار سے مجھ جیسے ناکارہ انسان کو آواز دی کہ علامہ کی کتاب ''**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**'' پر کچھ خامہ فرسائی کروں، چند جملے انہی کے کہنے پر تحریر کئے۔ مفتی محمد ساجد حسین قادری صاحب، بڑے محنتی اور زیرک و ذکی آدمی ہیں۔ اخاذ طبیعت کے عالم ہیں، ان کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے کہ علامہ کی کتاب ''خطبات رمضان فی ضوء القرآن'' منظر عام پر آرہی ہے۔ ازیں قبل مرتب گرامی علامہ کی کتاب خطبات مفکر اسلام حصہ دوم، سوم اور خطبات امریکہ کو ترتیب وتزئین دے کر چھاپ چکے ہیں اور خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ فی الحال مفتی صاحب امریکہ میں سکونت پذیر ہیں۔ خدمت دین متین بطریقۂ احسن انجام دے رہے ہیں۔

دیار غیر میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئی صبح وشام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ وگل سے کلام پیدا کر

مولیٰ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں مزید فراوانی عطا فرمائے۔ اپنے لطف وکرم کے سائے میں حیات دراز عنایت فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم

گدائے اشرف
محمد ممنون حسین اشرفی
مدرسہ اشرفیہ نظامیہ، فتحپور، بھاگلپور (بہار)

تاثرات

از: حضرت علامہ ومفتی شفیق رضا شمسی سرپلونیپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفان محبت عام نہیں

ابھی میرے پاس میرے برادرِ اسعد، نازش علم وحکمت، پیکر خلوص ومحبت، سیاح یورپ وایشیا، خطیب انٹرنیشنل حضرت علامہ ومولانا محمد ساجد حسین قادری صاحب قبلہ زید مجدہ الکریم نے پی ڈی ایف کی شکل میں ایک کتاب کا مسودہ بھیجا جس کا نام ''**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**'' ہے۔ یہ کتاب مطالعہ کیا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مفکر اسلام خطیب اعظم حضرت علامہ قمر الزماں خان صاحب قبلہ اعظمی نے آغاز رمضان المبارک سے آخرِ ماہ تک قرآن عظیم کی تفسیر وتشریح احادیث کے ساتھ جو پیش فرمائی ہیں انہیں کتابی شکل دے کر علما وعوام تک پہونچانے کی ایک

بہترین کوشش کی گئی ہے،لفظ لفظ سے علم وحکمت کے موتی جھڑتے دکھائی دے رہے ہیں۔سطر سطر سے حبِ خدا عزوجل وعشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو مہکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

میں نے سورۂ فاتحہ سے لے کر معوذتین (سورۂ فلق و ناس) تک اجمالاً پڑھا ایسا لگا کہ آج تک تمام کتب تفاسیر کے مضامین کو نچوڑ کر علامہ قمر الزماں خان اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے رکھ دیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں احادیث کریمہ پیش کردی گئی ہیں۔ساتھ ہی ساتھ اصول قرآن و احادیث کی خوبصورت جھلکیاں بھی باصرہ نواز ہوئیں۔ایسا کیوں نہ ہو کہ علامہ اعظمی کی شخصیت آج پوری دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔

اہل سنت و جماعت کا بچہ بچہ انہیں جانتا ہے اور جماعت اہل سنت کے اکابرین میں انہیں شمار کیا جاتا ہے یقینا یہ فیض وکرم جلالۃ العلم استاذ العلماء والفضلاء سرکار حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ الرضوان کا ہے کہ یورپ وایشیا میں علامہ اعظمی کے علم وفضل کا ڈنکا بجتا ہوا نظر آتا ہے۔راقم الحروف کو علامہ اعظمی صاحب قبلہ کے خطبات سننے کا موقع کئی بار فراہم ہوا۔ان کا انداز بیان اتنا حسین و دلکش ہوتا ہے کہ سامعین کے دلوں کو چھوتا ہوا روح تک پہونچ جاتا ہے اور تنگیٔ وقت کا احساس ہی نہیں ہو پاتا ہر جملہ علم و ادب کی بہاریں لٹاتا ہوا نظر آتا ہے۔علامہ اعظمی صاحب قبلہ صرف میدان خطابت کے شہسوار نہیں بلکہ اربابِ علم و دانش پر مخفی نہیں کہ انہوں نے دینی خدمت اور اشاعت سنیت میں کتنا کلیدی کردار ادا کیا ہے۔وہ صرف گفتار کے ہی نہیں بلکہ کردار کے غازی بھی ہیں۔رب العلمین اہل سنت کے سروں پر ان کا سایہ تادیر قائم

فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے آمین۔

یہ کتاب کافی ضخیم ہے ایک سو سینتیس (۱۳۷) تقریروں کا بیش بہا انمول نگینہ ہے جہاں علما وخطبا کے لئے قیمتی خزانہ ہے وہیں حضرت علامہ ساجد حسین قادری کو جس قدر مبارکبادی پیش کروں کم ہے کہ ان کے ذریعے رہتی دنیا تک یہ بیش قیمت تحفہ لوگوں تک پہونچتا رہے گا۔اور لوگ مستفید و مستفیض ہوتے رہیں گے۔

اللہ جل شانہ علامہ اعظمی صاحب قبلہ اور علامہ ساجد حسین قادری صاحب قبلہ کو عمر خضر عطا فرمائے اور خطبات رمضان کو قبولیت عامہ سے سرفراز فرمائے،آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یکے از خادمان اہل سنت
محمد شفیق رضا شمسی سرپلونیپال
۱۴ فروری ۲۰۲۳ء بروز دوشنبہ

عرضِ مرتب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَاَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ، وَصَحْبِہِ الْاَکْرَمِیْنَ اَجْمَعِیْنَ، اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخہء اسرارِ تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
(ڈاکٹر اقبال)

مفہوم: حکمت والا قرآن وہ کتابِ زندہ ہے، جس کی حکمت لازوال اور قدیم ہے۔ یہ کتاب زندگی کی تکوین یا بناوٹ کے رازوں کا خزانہ ہے اور اس کی قوت سے بے ثبات (فانی) بھی ثبات (بقا) حاصل کرسکتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے پیارے حبیب حضور سیدنا ومولانا محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے نعلین شریفین کے تصدق، اور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سرکار غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیوض و برکات سے خطباتِ رمضان فی ضوء القرآن کی ترتیب دینے کی ادنیٰ سی سعی کی ہے۔ یقیناً مجھ غریب کے لئے یہ سعادتِ عظمیٰ سے کم نہیں ہے۔ میرے مشفق، و کرم فرما، عالم اسلام کے بلند پایہ مفکر، مدبر، مفسر، محقق، محدث، حضور مفکر اسلام، خطیب اعظم، علامہ قمر الزماں خان اعظمی ادام اللہ فیوضہم و دامت برکاتہم القدسیہ، سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کا یہ بے پایاں احسان ہے کہ جہاں پوری دنیا میں انکے کروڑوں مداح پائے جاتے ہیں، جن میں لاکھوں کی تعداد میں علما، فضلا، نقبا، خطبا اور اہلِ قلم وارباب علم ودانش موجود ہیں، لیکن ان سب کے باوجود حضور مفکر اسلام کی نظرِ انتخاب نے مجھ ہیچ مداں فقیر کو اس عظیم کام کے لیے منتخب فرمایا۔ ورنہ

من آنم کہ من دانم

مزید کرم بالائے کرم یہ کہ

مورخہ ۶ نومبر ۲۰۲۲ء کو سرزمین امریکہ پر اہلِ سنت وجماعت کے عظیم مرکز جامع مسجد النور ہوسٹن ٹیکساس میں مجھ غریب کی ایک اور کاوش، حضرت علامہ ڈاکٹر شاہد رضا نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر انگیز تقاریر کا مجموعہ **"خطباتِ یو ایس اے"** کا اجرا فرماتے ہوئے یہ بھی اعلان فرمایا کہ "مولانا محمد ساجد حسین قادری ایک عظیم عالم دین ہیں، کیسٹوں سے تقریروں کو نقل کرکے لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ انہوں نے میری تقریروں کی تین جلدیں لکھی اور شائع کی ہیں، خطباتِ مفکر اسلام حصہ دوم وسوم اور خطباتِ امریکہ، اور چوتھی کتاب خطباتِ رمضان فی ضوء القرآن بھی جلد ہی آنے والی ہے۔ کئی ہزار صفحات انہوں نے مرتب کئے ہیں۔ اور مجھے محفوظ کردیا ہے، اور علامہ شاہد رضا نعیمی علیہ الرحمہ کو بھی محفوظ کردیا ہے، اس لئے کہ تقریریں تو ہواؤں

میں گم ہو جاتی ہیں، تقریریں سننے والے زندگی میں اگر چند لمحے ستائش کر بھی لیں تو پھر فراموش کر جاتے ہیں۔ اور آج کی دنیا اس قدر احسان فراموش ہے کہ وہ یاد کرنا تو بڑی دور کی بات ہے ،ملنا بھی پسند نہیں کرتی۔ مگر یہ کتابیں علامہ شاہد رضا کو اور مجھے حیات میں بھی اور مرنے کے بعد بھی زندہ رکھتی ہیں، اس لئے میں مولانا کا بے پناہ مشکور ہوں کہ انہوں نے علامہ شاہد رضا نعیمی کو بھی ہیوسٹن امریکہ کی تقریروں کے حوالے سے زندہ کر دیا۔ (حضور مفکر اسلام مدظلہ)

زیرِ نظر کتاب ''**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**'' دراصل سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک قرآنِ عظیم کی مکمل ایک سو سے زائد سورتوں کی منتخب آیاتِ مبارکہ کی تفسیر، ان کا شانِ نزول، اور تفسیر نہایت ہی علمی، فکری انداز میں اس طریقے سے پیش کی گئی ہے کہ اس میں علما متقدمین و متأخرین کی جملہ تفاسیر کا حاصل مطالعہ بھی ہے اور عصرِ حاضر میں سرزمین مغرب پر دشمنانِ اسلام کی جانب سے قرآن، صاحبِ قرآن اور مذہبِ اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کے بہت ہی عمدہ پیرائے میں جوابات دئے گئے ہیں۔ اس تفسیر میں شان الوہیت اور منصبِ رسالت کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے، خدائے وحدہٗ لا شریک کی ذات پر کامل ایمان و یقین، رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر، سچی محبت، اور جذبہء اطاعت، اولیا و صلحا سے وابستگی، انبیائے کرام اور ملائکہ کرام کی عصمت، بعث بعد الموت کی حقانیت، تقدیر کے خیر و شر کے متعلق بھی نادر و نایاب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی ایک وہ خوبی جو اس کتاب کو دیگر کتب سے ممتاز کر دے گی، وہ یہ ہے کہ علامہ صاحب نے جگہ جگہ تاریخ اسلام کے حوالے سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان پہلوؤں کو مدلل، مفصل اور مبرہن انداز میں بیان فرمایا ہے، جس کا صحیح اندازہ کسی بھی قاری کو اس کتاب کے مطالعے کے بعد ہی حاصل ہو پائے گا۔ یہ کتاب حضور مفکر اسلام کے علمی نگارشات میں سے ایک

عظیم شہ پارہ ہے۔ اب تک عالمی سطح پر مسلمانانِ عالم بالعموم اور اہلِ سنن بالخصوص ان کے ولولہ انگیز علمی اور فکری خطابات سے بہرہ ور ہوتے رہے، لیکن اب اسی سمندرِ علم و حکمت میں چھپے ہوئے موتیوں کو خود غواص نے اپنی حیات میں پہلی بار صفحہء قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔ ع

جو بڑھ کر تھام لے ہاتھ سے ساغر و مینا اسی کا ہے

میں یہ سمجھتا ہوں کہ پوری دنیائے سنیت میں شاید ہی کسی نے ماضی قریب میں ایسی کوئی تصنیف قوم کو دی ہو جس میں اس قدر قرآنِ عظیم کی مکمل ایک سو سے زائد سورتوں کی منتخب آیاتِ مبارکہ کی تفسیر، ان کا شانِ نزول، اس عمدہ پیرائے میں تلخیصا بیان کی ہو، حضور مفکر اسلام فرماتے ہیں'' میں چاہوں گا کہ ہر ایک عنوان کے تعلق سے چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ پیش کر کے سورت کے بنیادی مضامین کی طرف اشارہ کر سکوں۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی سورت کے نہ تمام مضامین کو بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ بیان کرنا ممکن ہے۔

اللہ کی کتاب کا ہر جملہ علوم و معانی کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ آدمی سوچتا ہے کہ میں بیان کر لوں گا لیکن جب غور کرتا ہے تو وہ حیرت و استعجاب میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ حضرتِ سعدی علیہ الرحمہ نے ایک مثال دی ہے کہ میں ایک گلشن کی سیر کے لیے روانہ ہوا اور میں نے دیکھا کہ ہر طرف بہار آئی ہوئی ہے، پھول کھلے ہوئے ہیں۔ میں نے پھولوں کو اپنے دامن میں جمع کرنا شروع کر دیا کہ اپنے دوستوں کے پاس لے جاؤں گا، انہیں پیش کروں گا لیکن آگے بڑھتا رہا اور میری حیرت بڑھتی رہی، باغ کا حسن مجھے کھینچتا رہا۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

یہیں ٹھہر جاؤ، یہیں سب کچھ ہے۔ اور پھر ایک مقام ایسا بھی آیا کہ پھولوں کے حسن اور باغ نے مجھے اس قدر محو کر دیا کہ نہ مجھے دامن کا احساس رہا اور نہ ان کا جو دامن میں سمیٹے

تھے۔قرآن پاک پڑھنے والا نہ جانے اس طرح کے کتنے مقامات سے گزرتا ہے میں کیا بیان کرسکوں،مگر وہ ہمیشہ اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کلام الٰہی کے حسن کو انسان اپنے لفظوں میں پیش کرسکے۔بہرکیف! کوشش ہوتی ہے کہ کچھ باتیں ذہنوں میں منتقل ہوجائیں،اگر لوگ ان پر غور کریں تو وہی چند باتیں ہی ہدایت اور نجات کے لیے کافی ہوں گی۔

دورانِ تفسیر حضور مفکر اسلام نے جہاں جہاں جن جن آیاتِ طیبات ، احادیثِ مبارکہ اور واقعات کو بیان فرمائے ہیں ان سب کے اصل متن کی تخریج کرکے ان کے مآخذ، مراجع اور مصادر کو وہیں پر قوسین میں درج کردیا گیا ہے۔تاکہ کتاب کی جامعیت میں اضافہ ہوسکے۔

بطور خاص میں حضور داعیٔ کبیر حضرت مولانا حافظ وقاری شاکر علی نوری صاحب مدظلہ العالی،امیر عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی ممبئی انڈیا کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت اور ابلاغ وتبلیغ میں نہایت گراں قدر تعاون سے نوازا۔

اس کتاب کی جمع وترتیب میں جن علما کا علمی تعاون رہا ان میں قابل ذکر مولانا مظہر حسین علیمی ،مولانا عبداللہ اعظمی نجمی ،مولانا ذکی اللہ مصباحی ،مولانا صادق الاسلام مصباحی ،مولانا محمد شرف الدین ثقافی ہیں،اللہ پاک ان کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے۔آمین

اس کتاب کی کمپوزنگ میں بتقاضۂ بشریت کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مجھ غریب کے ای میل آئی ڈی پر مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کے نسخوں میں اس کی تصحیح ہوسکے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء حضور مفکر اسلام کے تفسیری ،تقریری اور علمی فیضان سے دنیا تادیر مستفیض ومستنیر ہوتی رہے۔خدائے تعالیٰ اس کتاب

کو مقبولِ بارگاہِ خیر الانام اور مفیدِ عوام بنائے۔

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا،روِی تھی کیا کیسے قافیے تھے
(اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ)

آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین
صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

احقر العباد
محمد ساجد حسین قادری عفی عنہ
خطیب مسجد غوثیہ اسلامک سنٹر ہاروی،امریکہ
muftisajid.usa@gmail.com

خطاب نمبر (۲۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اللّٰہُ یَسْمَعُ
تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

سامعین کرام، حضرات وخواتین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آیئے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، سرور کائنات کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَآلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

آج سورۂ مجادلہ کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالی ہمارے دلوں کو قرآن پاک کے انوار سے منور فرمادے۔ سورۃ المجادلہ میں ۳ رکوع اور ۲۲ آیات مبارکہ ہیں۔ اس سورت سے اٹھائیسویں پارے کا آغاز ہورہا ہے،

اس سورت کی ابتدائی آیات میں مسئلہ ظہار کی وضاحت کی گئی ہے۔

اسلام سے پہلے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں سے تشبیہ دیتا تھا تو طلاق واقع ہوجاتی تھی۔ قران عظیم نے اس کے بارے میں وضاحت کی ہے وہ تذکرہ اس سورت میں کیا گیا ہے کہ طلاق نہیں ہے لیکن گناہ ہے جس کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ پھر یہودیوں اور منافقوں کی سازشوں کا اور ان کی سرگوشیوں کا بھی ذکر کیا گیا کہ وہ سازشیں کرتے تھے، آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے تھے، خاموشی سے، چپکے چپکے پروگرام بناتے تھے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اور اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ پیغمبر اعظم کو اس کی خبر نہیں ہے، اور اگر یہ ہم کوئی غلط کام کررہے ہیں تو ہم پہ عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا۔ قرآن پاک نے اس کا بھی جواب دیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آدابِ مجالس کی بھی تعلیم دی گئی ہے کہ مجلس میں کس طرح بیٹھا جائے، اور اگر کوئی آجائے اور جگہ تنگ ہو تو سمٹ کر اس کو جگہ دی جائے، ان کے لیے کشادگی پیدا کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سورت کے آخر میں اللہ نے مومنین کی جماعت کا تذکرہ کیا ہے اور اس جماعت کو اللہ نے حزب اللہ سے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی جماعت ہے۔

حضرات! اس مختصر سے تعارف کے بعد آیئے ہم چند آیات سمجھنے کی کوشش کریں۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ○ (سورۃ المجادلۃ، الآیۃ: 1)

اللہ نے سن لیا اس عورت کی بات جو اے محبوب! اپنے شوہر کے بارے میں

بحث کر رہی تھی اور اللہ کے حضور میں شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

حضرات! اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک صحابی ہیں حضرت اوس بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ جو بوڑھے ہو گئے ہیں اور بوڑھاپے میں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آتا ہے، اسے جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالی عنہا کو یہ کہہ دیا: "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّی" تم میرے لیے ایسے ہو جیسے میرے لیے میری ماں کی پیٹھ۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ قول طلاق تصور کیا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بوڑھی ہوں، بال بچے والی ہوں، میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے، میرے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے، اگر بچوں کو چھوڑ دوں تو مجھے تکلیف ہوگی، اور اگر نہ چھوڑوں تو انہیں تکلیف ہوگی۔ کوئی ایسی صورت ہو کہ ہماری جدائی نہ ہو آقائے دو جہاں، حضور سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش رہے لیکن اللہ نے اس خاتون پر رحم فرمایا اور یہ آیت طیبہ نازل ہوئی، جس کی میں نے تلاوت کی ہے، اور اس کے بعد احکامات بھی عطا فرمائے گئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاموشی اس انتظار میں تھی کہ دیکھیں رب کا کیا فرمان ہوتا ہے، وہ اس سلسلہ میں کیا فیصلہ فرماتا ہے اس لیے کہ پیغمبر اعظم کا تو یہ عالم تھا

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○

(سورۃ النجم: الآیات: 4/3)

پیغمبر اعظم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں فرمانِ الٰہی ہوتا ہے۔

احکامات کے سلسلہ میں وہ حکمِ الٰہی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔ یہاں بھی ایسے ہی ہوا ابھی انتظار کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اللہ تبارک وتعالی نے سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات مبارکہ نازل فرمائی جس میں ظہار کے احکامات بیان کیے گئے۔

وہ خاتون بارگاہ رسول میں تشریف لائیں تھی اور حضور سے اپنے شوہر کے بارے میں شکایت کر رہی تھی لیکن اللہ یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ میری بندی نے آپ سے شکایت کی ہے، اور میں نے سن لیا ہے کہ وہ کیا بحث کر رہی تھی۔ بے شک میں سننے والا اور دیکھنے والا ہوں۔

(تفسیر القرطبی، سورۃ المجادلۃ، آیۃ 2)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور کی بارگاہ میں فریاد کرنا گویا رب سے فریاد کرنا ہے، فریاد حضور سے کر رہی تھیں جواب اللہ عطا فرما رہا ہے۔ تمام امت کے افراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام اور باندیاں ہیں، حضور سے اپنے دکھ اور درد کا اظہار کر سکتے ہیں۔ حضرت خولہ نے بھی حضور سے شکایت کی مگر رب نے فرمایا کہ گویا انہوں نے مجھ سے شکایت کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی اس کی بات سنتا ہے، اور کرم فرماتا ہے جو حضور کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ حضور کے واسطہ رب سے عرض کرنا، ان کے وسیلہ سے قبولیت کی سند ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ سے ہر طرح کی شکایت بری نہیں ہے جائز مقاصد کے لیے اپنے رب سے مدد طلب کرنا یا اس کے بارگاہ میں معروضہ پیش کرنا جائز ہے۔ اگر رسول پاک کی بارگاہ کے وسیلہ سے مدد طلب کی جائے تو اللہ یقیناً قبول فرمائے گا۔ وہ خاتون بارگاہ رسول ہی میں حاضر ہوئی تھیں۔

اللہ سب کی سنتا ہے مگر مجبور اور بے سہارا افراد اگر حضور کے واسطہ سے دعا کریں تو اللہ تبارک وتعالی سمع قبول اور نظر کرم سے سنتا اور دیکھتا ہے۔ ظاہر ہے وہ سمیع وبصیر ہے، ہر ایک کی سنتا ہے لیکن ہر ایک کی بات اور ہر ایک کی دعا قبول نہیں فرماتا ہاں! جو بارگاہ رسول

میں حاضر ہو کر اللہ تبارک وتعالی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرتے ہیں، قبولیت دعا کے لیے تو وہ ان کی دعا قبول کرتا ہے۔ اللہ تو دشمنانِ اسلام کی بات بھی سنتا ہے مگر قبول کرنے کے لیے نہیں بلکہ سزا دینے کے لیے۔ اس کے بعد اللہ نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی طرح کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں بلکہ مائیں تو صرف وہ ہیں جنہوں نے ان کو پیدا کیا ہے اور جنا ہے، ایسے لوگ بلاشبہ بری بات اور جھوٹ بات کہتے ہیں، بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا ہے اور بخشنے والا ہے۔

(سورۃ المجادلۃ، الآیۃ: 2)

غلطی کی بنیاد پر اگر کسی شخص نے ایسا کہہ دیا اور اسے احساس ہو گیا کہ میں نے غلطی کی ہے تو اللہ بخشنے والا بھی ہے اور معاف کرنے والا بھی ہے۔ چونکہ ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے اللہ تعالی نے پہلے ہی فرما دیا کہ وہ بخشنے اور مہربانی کرنے والا ہے۔

''اور وہ جو اپنی بیویوں کو اپنی ماں جیسی کہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کا تدارک (تلافی) کرنا چاہیں تو (اس کا کفارہ) میاں بیوی کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ یہ وہ ہے جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے''۔

سبحان اللہ! اسلام نے غلاموں کی آزادی کو بڑی اہمیت دی ہے، یہ وہ دور تھا کہ جب غلاموں کی کثرت ہوتی تھی، باضابطہ تجارت ہوتی تھی، ان کے جسموں کو دیکھ کر قیمت متعین کی جاتی تھی، جس طرح جانوروں کو دیکھ کر متعین کی جاتی ہے۔ عرب کا معاشرہ اسلام سے پہلے جنگ وجدل کا معاشرہ تھا، قبائلی جنگیں ہوتی تھیں جو قبیلہ مغلوب ہوتا تھا اس کی عورتوں کو، اس کے بچوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا۔

حضور سید عالم، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے بہت سے مقامات پر اسے کفارہ بھی قرار دیا اور عبادت کا مرتبہ بھی عطا کیا ہے۔ کوئی روزہ چھوٹ جائے غلام آزاد کرو، کوئی غلطی ہو جائے غلام آزاد کرو، اگر قسم توڑ دو تو غلام آزاد کرو، ظہار کی کیفیت میں غلام آزاد کرو، اللہ کی رضا کے حصول کے لیے غلاموں کو آزاد کرو۔ یہ صرف اس لیے کہ دھیرے دھیرے اس طرح سے ظلم اور جبر کی چکی میں پسنے والے غلام آزاد ہو جائیں۔

اگر صرف یہ کہا جاتا کہ غلاموں کو آزاد کر دو تو وہ لوگ جو کافروں کے پاس تھے انہیں آزاد کرانا مشکل تھا مگر جب یہ احساس دلایا گیا کہ جب تم غلطی کرو گے تو اس کے بدلے میں غلاموں کو آزاد کرنا ہوگا تو انہوں نے ان غلاموں کو بھی جو کافروں کے قبضہ میں تھے انہیں بھی آزاد کرایا۔ پھر تو یہ روایت بن گئی کہ ہر موقع پر غلام آزاد کئے جانے لگے۔ جمعہ کا دن ہوا تو غلام آزاد کریں، کسی مشکل میں مبتلا ہوں تو غلام آزاد کریں اور دھیرے دھیرے جزیرۃ العرب سے غلامی کے رسم کو انتہائی مصلحت کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔

مغربی دنیا جو انسانی دوستی کا دعوی کرتی ہے ان کے یہاں تو اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک غلاموں کی منڈیاں لگتی تھیں۔ اور آج دیکھ رہے ہیں غلاموں کی نسل کے سیاہ فام لوگ انتقام لے رہے ہیں اپنے دورِ غلامی کا، مگر آقائے دو جہاں نے چودہ سو سال پہلے غلاموں کی آزادی کو مستقل عبادت کا مقام دے دیا تھا۔

تو یہاں بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر ظہار ہو جائے، اپنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دے دیں اس کے کسی عضو سے تو اسے سب سے پہلے یہ کہا جائے کہ غلام آزاد کرے لیکن اگر غلام نہیں آزاد کر سکتا ہے، اس کی طاقت نہ ہو تو وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، یعنی بیچ میں چھوٹنے نہ پائیں اگر چھوٹے گا تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ یہ اپنی بیوی کو چھونے سے پہلے، اس سے تعلق قائم

کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایسا وہ کرے۔اور اگر کوئی دو مہینے کے مسلسل ساٹھ روزے نہیں رکھ سکتا ہے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے لیکن اسی ترتیب سے کہ پہلے غلام آزاد کرے نہیں کرسکتا ہے تو ساٹھ روزے رکھے، ساٹھ روزوں کی طاقت نہیں ہے تو غلام آزاد کرے۔

اللہ فرماتا ہے: یہ نصیحت ہے جو تمہیں کی جارہی ہے تاکہ تم آئندہ اس طرح کی بات نہ کہو اس لیے کہ جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے، جو کہتے ہو اللہ اس سے بھی خبردار ہے، اور اس لیے بھی کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ ان آیات مبارکہ کا ترجمہ ہے اور مختصر تشریح ہے جو ظہار کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔

حضراتِ گرامی! چونکہ اس میں یہ قید نہیں لگائی گئی ہے کہ اگر اس نے غلام آزاد کردیا ہے یا ابھی روزہ رکھ رہا ہے اور اگر اس نے چھولیا تو اس نے روزہ رکھنے کی مکمل نیت کر لی ہے اور رکھ رہا ہے تو اسے گناہ سے تعبیر نہیں کیا جائے گا لیکن بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھنے یا مسکین کو کھانا کھلانے یا غلام کو آزاد کرنے کے بعد ہی ان سے دوبارہ رابطہ قائم کیا جائے اور یہ فرمادیا گیا کہ جاہلیت کی رسموں کو ترک کردو یعنی ظہار کو طلاق نہ تصور کرو۔ طلاق نہیں ہوئی مگر یہ غلط بات کی گئی جو گناہ ہے اس لیے یہ سزا مقرر کی گئی ہے، یہ کفارہ مقرر کیا گیا ہے کہ وہ غلام آزاد کرے یا ساٹھ دن روزے رکھیں یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ پیغمبر اعظم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کے حوالہ سے یہ بات فرمارہا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ

قَبۡلِہِمۡ وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ۔

(سورۃ المجادلۃ، الآیۃ: 5)

بے شک وہ لوگ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کی ذلیل کیے گئے ہیں جیسے کے ان سے پہلے کے لوگوں کو ذلت دی گئی اور ہم نے روشن آیات نازل فرمائی ہیں اور ان کافروں کے لیے ذلت اور رسوائی کا عذاب ہے۔

حضرات گرامی! آپ ذرا غور فرمائیں انسان رسولِ پاک کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ اسے اپنی مخالفت سے تعبیر فرمارہا ہے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولِ پاک کی دشمنی اللہ کی دشمنی ہے، اللہ کے رسول اور اللہ کے محبوبین سے دشمنی اللہ سے ایسی دشمنی ہے کہ اللہ نے خود ان کے خلاف اعلانِ جنگ فرمایا ہے، اللہ اور رسول کے دشمنوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مغلوب ہوں گے اور رسوا ہوں گے۔حدیث قدسی ہے۔

مَنۡ عَادَلِی وَلِیًّا فَقَدۡ اٰذَنۡتُہٗ بِالۡحَرۡب

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع الرقم:6502)

جو میرے کسی ولی سے، دوست سے دشمنی کرے گا تو میں اس سے اعلانِ جنگ کروں گا۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اور اللہ اس سے انتقام لے گا جو اللہ کے رسول یا محبوبین پروردگار سے دشمنی کرے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ گذشتہ قومیں تو عذاب الٰہی سے مکمل ختم کردی گئی تھیں جب انہوں نے اللہ و رسول کی دشمنی کی، اپنے انبیا کی مخالفت کی تو انہیں ختم کردیا گیا لیکن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ختم تو ہوئے مگر اس سے پہلے رسوائی سے بھی دوچار ہوئے، ان کے لیے اہانت آمیز عذاب مقرر کیا گیا ہے۔

اور انبیائے کرام کو بھی معجزات دیے گئے مگر حضور کے بارے میں اللہ نے فرمایا:
"قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ" ہم نے (آپ کیلئے) روشن نشانیاں اتاریں، روشن معجزات عطا فرمائے ہیں۔ اور انبیائے کرام کو معجزات دیے گئے، چند معجزات دیے گئے، ان کا زمانہ محدود تھا، ان کے معجزات محدود تھے مگر سرورِ کائنات کو قیامت تک کے لیے نبی بنایا گیا تو آپ کو بہت سے معجزات عطا فرمائے گئے بلکہ آپ کو سرتاپا معجزہ بنا دیا گیا۔ ان سارے معجزات میں سب سے عظیم معجزہ قرآن عظیم ہے، لافانی معجزہ۔ اور انبیائے کرام کے معجزات موجود نہیں ہے، نہ دستِ مسیحا موجود ہے، نہ عصائے موسوی موجود ہے، نہ ید بیضاء موجود ہے لیکن قرآن عظیم اللہ کا لافانی معجزہ ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور صرف یہ ایک معجزہ نہیں ہے بلکہ قرآن عظیم تنہا کئی ہزار معجزات کا مجموعہ ہے۔

آیت قرآن پاک کے ایک مکمل جملے کو بھی کہتے ہیں اور آیت معجزہ کو بھی کہتے ہیں۔ اس لیے ہر آیت مستقل معجزہ ہے۔ معجزہ وہ ہے کہ جس کے جواب سے عقلِ انسانی عاجز ہو جائے اور قرآن پاک کے ہر آیت کی جواب کا عالم یہی ہے کہ اس سے عقلِ انسانی عاجز ہے، چیلنج ہر دور کے لیے ہے۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

(سورۃ المجادلۃ، الآیۃ: 8)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں پوشیدہ مشوروں سے منع فرمایا گیا تھا۔ پھر وہ اسی کام

کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا، اور آپس میں گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں۔ اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو اُن الفاظ سے تمہیں سلام کرتے ہیں جن سے اللہ نے تمہیں سلام نہیں فرمایا۔ اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری باتوں کی وجہ سے اللہ ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا؟ انہیں جہنم کافی ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے تو وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اے پیغمبر! کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں ان لوگوں کو جنہیں آپ کے خلاف سرگوشیوں سے منع کیا گیا تھا محبوب تمہارے خلاف، اسلام کے خلاف لیکن اس کے باوجود وہ اس کا ارتکاب کر رہے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں، خاموشی سے سازشیں کرتے ہیں چپکے سے يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ نافرمانی اور سرکشی کرنے کے لیے وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ اور نبی سے نافرمانی کے لیے اور ان کے ظلم کا یہ عالم ہے کہ وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں یا سلام آپ پر کہتے ہیں کہ جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا یا اللہ نے اس طرح سلام فرمانے کا حکم نہیں دیا ہے ان کو اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ عذاب کیوں نہیں دیتا اس بات پر جو وہ کہتے ہیں۔ اے پیغمبر! ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے جہاں وہ ڈالے جائیں گے اور کیا ہی برا ٹھکانہ ہے جہنم۔

حضرات گرامی! بات یہ ہے کہ یہود بارگاہِ رسول میں حاضر ہوتے تو السلام علیکم کی بجائے معاذ اللہ السام علیکم کہتے۔ السلام علیکم کے معنی ہیں آپ پر سلامتی ہو لیکن السام کا معنی موت کے ہیں اس طرح وہ کہتے تھے کہ آپ پر موت ہو اور پھر یہ سوچتے تھے کہ اگر یہ سچے رسول ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، ہم اتنی سخت بات کرتے ہیں ان کے خلاف اور پھر بھی آزادی سے گھوم پھر رہے ہیں، پھل پھول رہے ہیں۔ اللہ نے انہیں

جواب دیا ہے، اللہ جانتا ہے کہ یہ کیا کر رہے ہیں، اور کتنی سازشیں کر رہے ہیں لیکن ان کے لیے ایک دن مقرر ہے اور اس دن وہ جہنم سے ہمکنار کیے جائیں گے، اس میں ضرور ڈالے جائیں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہوگا۔ بہت سی قومیں معذب ہوگئی ہیں ان کو بھی عذاب سے ہمکنار کیا جائے گا۔ یہ اس غفلت میں نہ رہیں کہ اللہ ان کے فریب کو، سازشوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو جو یہ آپس میں کرتے ہیں نہیں جانتا۔ اللہ جانتا ہے اور اللہ کے کرم سے اللہ کے رسول بھی جانتے ہیں اور مسلمانوں نے ان کو بار بار منع بھی کیا ہے اس کے باجود یہ باز نہیں آرہے ہیں تو یقیناً ان کو سزا دی جائے گی۔

حضرات گرامی! آپ اندازہ کیجیے اس آیت میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ حضور کو انہیں الفاظ سے یاد کریں جن الفاظ سے خدائے عزوجل نے یاد فرمایا ہے، انہیں اپنی طرح بھائی وغیرہ نہ کہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ بھیانک جرأت کی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۲۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی

وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْھُمْ ۙ وَ یَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

سامعین حضرات! آیئے ہم اور آپ آقائے دوجہاں، سرور کائنات کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یہود جو مغضوب علیہم قوم ہے، جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اگلی آیات انہیں کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔ سورۂ فاتحہ میں بھی جن کا تذکرہ "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ" کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا

مِنْهُمْ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ(سورۃ المجادلۃ، الآیۃ :14)

اے محبوب ! کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایک ایسی قوم سے موالات کیا، تعلق قائم کیا جن پہ اللہ کا غضب نازل ہوا تھا یا اللہ ان سے ناراض ہے مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ، ایسے لوگ نہ تمہارے ساتھ ہیں نہ ان کے ساتھ ہیں وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْن یہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

اصل میں جن کے دل میں ایمان راسخ نہیں ہوتا بلکہ مصلحتاً ایمان کا دعوی کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے بھی رسم وراہ رکھتے ہیں ان کو قرآن عظیم نے مغضوب علیھم فرمایا ہے یعنی وہ صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ گمراہوں اور کافروں سے بدتر ہیں اس لیے کہ وہ اپنی اس روش سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اصل میں مدینہ کے منافقین یہود سے رابطہ رکھتے تھے اور ان سے ان کا رشتۂ موالات تھا، مسلمانوں کے بارے میں خبر دیتے تھے، عبداللہ ابن ابی جیسے منافقین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر رہتے تھے اور بارگاہ رسول کی باتیں یہود مدینہ تک پہنچایا کرتے تھے تاکہ وہ ان سے مالی فائدہ حاصل کرسکیں۔

افسوس کہ امت مسلمہ میں بھی ایسے بہت سے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو اپنے دنیاوی اور سیاسی مفادات یا اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے اسلام دشمن قوتوں سے نہ صرف رابطہ رکھتے ہیں بلکہ ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان ان کے جیسے ہو جائیں، مسلم ملکوں کے حکمراں اور ان کا میڈیا اس طرح کے لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ منافقین نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے ہیں یعنی نہ یہ مسلمان ہیں اور نہ یہود ہیں لَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ، ان میں سے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھاتے ہیں جبکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے

سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، کیا ہی برا کام ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے قسموں کو اپنے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔ اس طرح وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روک رہے ہیں، پس ان کے لیے ذلت اور رسوائی کا عذاب ہے۔

حضرات ! منافقین ایسا کیوں کر رہے تھے اس لیے کہ مدینہ میں یہود مالدار بھی تھے اور صاحب اقتدار بھی تھے، یہ چاہتے تھے کہ انہیں خوش رکھ کر کے اپنے لیے مال اور اپنی اولاد کے لیے سرمایہ اکٹھا کرسکیں، انہیں یقین تھا کہ یہود اپنی سیاسی طاقت اور سرمایہ کی بنیاد پر اہلِ ایمان پر غالب آجائیں گے اور ایک روز ان سے ہمارا رابطہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا۔ اور مسلمانوں سے اس لیے ملتے تھے اسلام کے جھوٹے دعوی کے ساتھ کہ اگر کہیں یہ کامیاب ہو گئے تو ہم ان سے بھی فائدہ اٹھاسکیں گے۔ اللہ فرماتا ہے:

ان کے مال اور اولاد سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، ان کا مال اور ان کی اولاد انہیں عذابِ الٰہی سے نہ بچاسکیں گے، یہ لوگ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

(سورۃ المجادلۃ، الآیۃ :17)

ان منافقین کا یہ حال ہے کہ اللہ انہیں جب قیامت میں اٹھائے گا تو وہاں دنیاوی عادت کے طور پر اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح قسم کھائیں گے جس طرح وہ تمہارے آگے قسم کھا رہے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے کچھ بہتر کام کیا ہے حالانکہ وہ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان غالب آگیا ہے تو اس نے انہیں اللہ کی یاد سے دور کر دیا ہے، انہوں نے اللہ کے ذکر کو فراموش کر دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کے گروہ سے ہیں یعنی حزب الشیطان ہے بلاشبہ شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ و رسول سے دشمنی رکھتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگ ہیں، بے شک اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً، بلاشبہ ہم اور ہمارے رسول ہی

غالب رہیں گے اور بے شک اللہ غالب اور قوت والا ہے۔

(سورۃ المجادلۃ من الآیۃ 18 الی 21)

حضراتِ گرامی! یہ آیات کا مختصر مفہوم ہے جو میں نے آپ کے سامنے عرض کیا ہے، اس میں منافقین کے طرزِ عمل کی وضاحت کی گئی ہے اور اس کے بعد جو سورت آنے والی ہے وہ بھی یہود اور منافقین کے طرزِ عمل ہی کے حوالہ سے نازل ہوئی ہے سورۃ الحشر۔

حضرات! نفاق بہت ہی بڑا مرض ہے، قرآن عظیم نے ابتدائی آیات ہی میں سورۂ بقرہ میں منافقین سے آگاہ رہنے کا حکم دیا کہ یہ لوگ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو ایمان کا دعوی کرتے ہیں اور جب کافروں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے پاس مذاق کرنے کے لیے گئے تھے حالانکہ وہ خود اپنی زندگی کو مذاق بنا رہے ہیں۔ اللہ ان کو ان کے مذاق کا مزا چکھائے گا۔ یہ آیات گزر چکی ہیں اور قرآن عظیم میں جگہ جگہ مسلمانوں کو منافقین کے طرزِ عمل سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ ڈبل چہرے والے لوگ، ذوالوجہین لوگ انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔ کھلا ہوا کافر اس سے بچنا آسان بھی ہے اور مقابلہ بھی آسان ہے لیکن جو چھپے ہوئے دشمن ہیں ان سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔

اسلام کو جب کبھی نقصان پہنچا ہے اسی طرح کی منافق طبیعت سے نقصان پہنچا ہے بغداد کی تباہی مہر ابن داؤد کی وجہ سے ہوئی جو خود تو اسلام کا دعویدار تھا مگر دشمنوں سے ساز باز کر کے اس نے بغداد کو تباہ کروا دیا، بنگال کا زوال اور سراج الدولہ کی حکومت میر جعفر کے ذریعہ ہوئی جو انگریزوں سے مل کر حملہ کرایا اس نے اور خود بھی تباہ ہوگیا، دکن کی بربادی بھی میر صادق کے ذریعہ ہوئی۔ یہ لوگ کھلے ہوئے دشمن نہیں تھے بلکہ مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر مسلم بادشاہوں اور سلاطین کا اعتماد حاصل کر کے انہوں نے نقصان پہنچایا، مملکتیں تباہ ہوگئیں، یہ

انفرادی طور پر بھی نقصان دے سکتے ہیں اور اجتماعی طور پر بھی، اس لیے مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہمیشہ باخبر رہنا چاہیے اور ان کی گفتگو اور طرزِ عمل سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آج مسلمان ایسے لوگوں سے بچنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں جب کہ آج بھی ایسے لوگ مسلم معاشرہ میں موجود ہیں جو باطل سے صلح چاہتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے ہو کر رہیں اور شیطان کے راستہ پر بھی چلیں۔

ہاتھ چومیں گے میرے ہندو مسلماں دونوں
ایک میں دست صنم ایک میں قراں ہوگا

یہ طرزِ عمل انتہائی نقصان دہ ہے۔ قرآن عظیم نے بارہا کہا ہے: اے ایمان والو! ایمان لاؤ اور حقیقی ایمان لاؤ صرف ایمان کا دعوی نہ کرو بلکہ ایمان کے تقاضوں کو پورا بھی کرو۔

اس کے بعد اللہ رب العزت مسلمانوں کو بارگاہ رسول میں حاضر ہو کر گفتگو کے آداب سکھا رہا ہے اور تعلیم دے رہا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اے ایمان والو! جب تم رسول پاک کی بارگاہ میں خاموشی کے ساتھ گفتگو کرنا چاہو یا سرگوشی کرو فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً، تو خاموش گفتگو سے پہلے صدقہ پیش کرو، صدقہ نکالو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور پاکیزہ بھی لیکن اگر تم صدقہ کی استطاعت نہیں رکھتے ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرات! یہ حکم کیوں دیا گیا، اللہ کے رسول کی بارگاہ بڑی نازک ہے وہاں گفتگو کے درمیان کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ کوئی بات خلاف ادب ہو، اس لیے ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے

سے پہلے صدقہ دے دیا کرو اور پھر ان سے گفتگو کرو اور مشورہ کرو خاموشی کے ساتھ اس لیے کہ اگر تم سے کوئی خطا ہو جائے تو صدقہ معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔

الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔

صدقہ رب کے غضب کو بجھا دیا کرتا ہے۔

حضرات گرامی! جیسے ہی مولائے کائنات نے یہ آیت کریمہ سنی تو پہلے دس دینار دیے پھر بارگاہ رسول میں حاضر ہو کر کچھ مشورے کیے۔ خاموشی کے ساتھ گفتگو کو نَاجَيْتُمْ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ مسکین کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ صدقہ پیش کرے اس لیے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا مگر استحباب باقی تھا عہد رسالت میں بھی اور آج بھی یعنی اگر آج اللہ توفیق عطا فرمائے اور سرکارِ اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا موقع ملے مدینہ طیبہ میں تو اس سے پہلے صدقہ دینا آج بھی مستحب ہے۔ مسلمان یہ تصور کریں کہ ہم آقا کے بارگاہ میں ویسے ہی حاضر ہو رہے ہیں جیسے لوگ زندگی میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ آج بھی حیات سے ہیں اور ان کی بارگاہ کے آداب کو ویسے ہی ملحوظ رکھا جائے گا جیسے کہ حیات طیبہ میں ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ یہ ایسی بارگاہ ہے جہاں جبرئیل بھی آتے ہیں تو پر سمیٹے ہوئے آتے ہیں۔ باب جبرئیل میں کہیں چھپ کے شاہ جبرئیل کو یہ کہتے ہوئے پایا گیا۔

بھیگی پلکوں سے در یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

حزب الشیطان کے تذکرے کے بعد اللہ تبارک وتعالی جماعت مسلمین کا تذکرہ فرما رہا ہے جو حزب اللہ کے نام سے قرآن پاک میں موسوم کی گئی ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:
تم ایسے لوگوں کو نہیں پاؤ گے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان لوگوں سے

دوستی کریں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔ اور وہ انہیں اُن باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ اللہ کی جماعت ہے، سن لو! اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔

حضرات گرامی! صحابۂ کرام کی مقدس زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو ان آیات پر کس طرح عمل کیا جائے ان کے طرز عمل سے معلوم ہو جائے گا ان کی زندگی بہترین مثال ہے۔

مشہور سپہ سالار اسلام حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالی عنہ نے میدانِ جہاد میں اپنے باپ کو قتل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو اور حضرت موسی بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے بھائی عبد اللہ بن عمیر کو بدر کے میدان میں قتل کیا۔ جناب صدیق اکبر اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن جو بعد میں صحابی ہوئے ان کا واقعہ جو مشہور ہے ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن نے کہا: جو کہ ان کے مدمقابل تھے کفر کے طرف سے آئے تھے کہ ابا حضور! میدان جنگ میں کئی بار آپ میرے سامنے آئے لیکن مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ باپ ہیں اور میں نے آپ پر حملہ نہیں کیا یہ ایمان لانے کے بعد بات کر رہے ہیں ہے وہ تو جناب صدیق اکبر نے کہا: کہ بیٹے! اگر تم میرے سامنے آتے تو میرے ایمان کا مطالبہ یہ ہوتا کہ میں تمہیں قتل کر دیتا۔ یہ وہ جذبہ تھا کہ جس کی بنیاد پر ساری دنیا سے ٹوٹ کر لوگ آقائے دو جہاں کے قدموں میں حاضر ہوتے تھے اور اپنا سب کچھ قربان کر دیتے تھے۔ ؎

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

فدائے یک تن بیگانہ آشنا باشد

ہزار رشتے دار جو اللہ کے باغی ہوں، اللہ سے دور ہوں، اللہ سے بیگانہ ہوں وہ اس بیگانہ فرد سے جو اللہ سے آشنا اور ایمان والا ہو اس پر ہزاروں رشتے دار قربان کیے جاسکتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! قرآن پاک کی ان آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے اہلِ اسلام کو، اہلِ ایمان کو یہ بتایا ہے کہ دین ہر چیز سے زیادہ اہم اور مقدم ہے، سب کچھ دین پر قربان کیا جائے گا اور دین کو کسی بھی خواہش پر قربان نہیں کیا جائے گا یہ نفاقِ عملی ہوگا آج کے دور میں اگر انسان اپنے کو مسلمان بھی کہے اور کفر سے موالات بھی رکھے، اس کی تائید بھی کرے۔ آخر سب کو ایک روز بارگاہِ رسول میں حاضر بھی ہونا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دہ بھی ہونا ہے۔ کیا ہوگا ان لوگوں کا جو دنیا میں باغیانہ دین سے، رسول اللہ کے دشمنوں سے دوستی بھی رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کا دعوی بھی کرتے ہیں، یقیناً وہ مومن نہیں ہے، مومن وہی ہے جو اپنا سب کچھ دین پر قربان کردے اور اللہ کی رضا کے لیے سب کچھ پیش کرنے کے لیے ہر وقت، ہر لمحہ آمادہ رہے۔

اللہ تبارک وتعالی ہمیں اور آپ کو سچا مومن اور پکا مسلمان اور وفادار مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنائے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۶۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی

وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۃ الحشر کے بارے میں کچھ عرض کرنے کا شرف حاصل کروں گا، یہ سورت مدنی ہے اس میں ۲۴ آیات اور ۳ رکوع ہیں۔

حضرات! اس سورت کا پس منظر اور اس کی تاریخی حیثیت کا جاننا بے پناہ ضروری ہے اس لیے کہ یہ سورت قبیلہ بنونضیر کے جلاوطنی سے متعلق ہے اور یہودیوں کے غداریوں سے متعلق ہے جن کے وجہ سے انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن کیا گیا تھا۔

آج تک یہود یہ الزام لگاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے یہودیوں پہ ظلم کیا تھا کہ انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن کیا تھا اور ان کے بعض افراد کو قتل کیا گیا تھا بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ

پہلا ہو روکوش پیغمبر اسلام نے کیا تھا معاذ اللہ ! انہیں جلا وطن کیوں کیا گیا تھا؟ اس کا جاننا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ہمارے نوجوان یا ہمارے اسٹوڈنٹ اسکولوں یا کالج میں جاتے ہیں تو انہیں اس طرح کے سوالات کا جواب دینا پڑتا ہے اور چونکہ بیشتر نوجوان اسلامی تاریخ سے واقف نہیں ہیں اس لیے وہ کبھی یا تو گمراہ ہو جاتے ہیں یا جواب نہیں دے پاتے ہیں۔ اس لیے میں قدرِ تفصیل کے ساتھ مدینہ طیبہ میں جسے پہلے یثرب کہا جاتا تھا وہاں یہودیوں کی آمد اور ان کا قیام اور ان کا بار بار اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معاہدہ کے بعد غداری، فریب اور دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی تھی جس کا تذکرہ اس سورت میں کیا گیا ہے لیکن اس سورت کو سمجھنے کے لیے تاریخ کا مطالعہ کرنا بے پناہ ضروری ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ سرورِ کائنات کی تشریف آوری سے پہلے مدینۃ النبی کا نام یثرب تھا اور یہ نام یہودیوں کے آنے سے بھی پہلے تھا۔ یثرب میں پہلے قوم عمالقہ آباد تھے اور یثرب دراصل عمالقہ کے مورث اعلیٰ کا نام تھا، ایک عملاق نافی شخص کا جس نے اس شہر کو آباد کیا تھا اسی کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام طاب اور طیبہ رکھا اور یثرب کہنے سے منع فرمایا بعد میں یہ شہر آقائے دو جہاں کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرات ! یہ عمالقہ بہت ظالم تھے، ان کا کام صحراؤں میں لوٹ مار کرنا تھا، قتل وغارت گری کرنا تھا، اللہ کے منکر تھے اور حجاز مقدس کا کوئی بھی علاقہ ان کے تاخت اور تار سے محفوظ نہ تھا۔ ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب یوشع بن نون کو ان کی سرکشی ختم کرنے کے لیے بھیجا انہوں نے عمالقہ کے مظالم سے اس سرزمین کو پاک کیا لیکن جب حضرت یوشع فلسطین واپس گئے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہو چکا تھا اور

یہودیوں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا بلکہ یہ خیال تھا کہ کہیں انہیں قتل نہ کر دیا جائے چنانچہ جناب یوشع مع اپنے رفقاء کے یثرب آگئے اور یہ یہودیوں کی پہلی آبادی تھی۔

آپ جانتے ہیں کہ یہودیوں کا یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ یہ انبیاء کو قتل کرتے رہے ہیں یا سزا دیتے رہے ہیں۔ جناب یوشع بن نون کے ساتھ جو ناانصافی کی گئی تھی اس کی سزا ان کو دی گئی اور اس کے بعد انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو بھی قتل کیا تھا اس لیے اللہ نے بخت نصر کو بطور سزا فلسطین پر مقرر کیا، اس نے یہودیوں کا قتل عام کیا، بیت المقدس کو تباہ اور برباد کیا، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا اور ہیکل سلیمانی اور دوسری اہم چیزیں یہودیوں سے متعلق وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ جب یہ صورتِ حال پیش آئی اور یہودیوں کا فلسطین میں رہنا مشکل ہو گیا تو وہاں سے یہودی مختلف مقامات پر منتشر ہو گئے اور اس میں سے کچھ یہودی بھاگ کر یثرب میں آباد ہو گئے، میں یثرب اس لیے بول رہا ہوں کہ اس وقت اس کا نام یثرب ہی تھا اور تاریخ میں یہی نام آپ کو ملے گا۔

بخت نصر کا حملہ ۵۵۸ قبل مسیح، رفع مسیح علیہ السلام سے پانچ سو اٹھاون سال پہلے ہوا تھا، یہ دوسری بار یہودیوں کا وہاں آنا ہوا اور تیسری بار جب ۴۵۰ عیسوی میں رومیوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مظالم کی انتہا کر دی تو کچھ یہودی وہاں سے یثرب، کچھ خیبر، کچھ فدک وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ اس وقت یہودیوں کے دو طاقت ور قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر تھے یہ یثرب میں آباد ہوئے۔

حضراتِ گرامی ! یہودیوں کے علاوہ یثرب میں دو اور مشہور قبائل آباد تھے ان میں سے ایک کا نام اوس تھا اور دوسرے قبیلہ کا نام خزرج تھا جنہیں اسلام قبول کرنے کے بعد انصار الاسلام بننے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں اسی قبیلہ نے اسلام قبول کیا تھا اس

لیے آقائے دو جہاں کے نگاہ میں ان کی بڑی عزت تھی اور اسلام کی نگاہ میں بھی۔

اوس وخزرج ان قبیلوں کا اصل وطن یمن تھا مگر جب اہل یمن کو ان کے گناہوں کی بنیاد پر عذاب الٰہی آیا اور یمن کی حفاظت کے لیے صدیوں پرانا انتہائی مضبوط بندسدِ معارف ٹوٹ گیا اور پوری آبادی غرق ہونے لگی تو اوس وخزرج اور دوسرے قبائل وہاں سے ہجرت کر کے یثرب میں آباد ہو گئے غالباً اسی سیلاب کو سیل عرم کے نام سے جانا جاتا ہے۔

حضرات! چونکہ یہودی صدیوں سے یہاں آباد تھے اس لیے انتہائی طاقتور تھے، ساری معیشت اور معاش پر ان کا قبضہ تھا، یثرب پر ان کی حکومت تھی، وہ بہت مالدار تھے، سودی کاروبار نے انہیں بے پناہ دولت مند بنا دیا تھا۔ انہوں نے اوس وخزرج کو جو یہاں آ کر نئے نئے آباد ہوئے تھے ان کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کرنا شروع کر دیا اور یہ دونوں قبائل بدترین زندگی گزارنے پر مجبور تھے، انہیں سود پر قرض دیا جاتا تھا اور سود در سود کی لعنت میں مبتلا کر کے ان پہ مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔

یمن سے آنے والے بعض قبائل جو غسان میں آباد تھے، اوس وخزرج نے ان سے شکایت کی۔ وہاں کے ایک طاقتور حکمراں نے یہودیوں پر حملہ کیا اور اوس وخزرج کو ان کے مظالم سے نجات دلادی۔ سالوں تک یہ دونوں قبیلہ متحد رہے مگر بعد میں یہودیوں کی سازش کے بنیاد پر ان میں شدید اختلاف ہوا، ان میں جنگیں شروع ہو گئیں اور یہ دونوں قبیلے کمزور ہو گئے اور پھر یہودیوں کی سیاسی اور معاشی غلامی کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اب آئیے! آقائے دو جہاں، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی تو یہودی ابتداً بہت خوش ہوئے کہ اب اوس وخزرج کی طرح مکہ سے آنے والے مہاجرین جو لٹے پٹے آرہے ہیں ان پر بھی مشق ستم کا موقع ملے گا مگر ان کی خوش

فہمی زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوئی۔ اس لیے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوس وخزرج میں صلح کرادی، انہیں متحد اور منظم کر دیا اس لیے کہ وہ اسلام لا چکے تھے۔ مہاجرین اور انصار میں عقد مواخات قائم کر دیا مکہ سے آنے والے مہاجر اور یہاں کے باشندے یہ دونوں ایک قوم بن گئے۔

یثرب کا نام ظلم کے حوالے سے رکھا گیا تھا یا وہاں بیماریاں آیا کرتی تھیں اب تو وہ امن کا مرکز، غبارِ مدینہ بھی شفا ہے لیکن اس وقت تک وہاں بیماریاں بہت آتی تھیں اس لیے آقا نے اس کو طیبہ اور طابہ نام دیا اور منع فرمایا کہ اس شہر کو یثرب کے نام سے یاد کیا جائے۔ یہ ناقابل یقین تبدیلی دیکھ کر یہودی آتش زیر پا ہو گئے مگر مجبور تھے اس لیے خاموش رہے۔ اب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ کو استحکام بخشنے کے لیے اور اسے امن کا گہوارہ بنانے کے لیے یہودیوں سے معاہدہ کیا جسے تاریخ انسانی کا پہلا امن کا معاہدہ کہا جاسکتا ہے۔ چونکہ مدینہ کے یہود اہلِ کتاب تھے اور مدتوں سے پیغمبر آخر الزماں کا انتظار کر رہے تھے اور جب کبھی مشرکین سے جنگ ہوتی تو نبی آخر الزماں کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے جس کا تذکرہ قرآن عظیم میں ہے۔ یمن کے بادشاہ تبع حمیری کو بھی یہودِ مدینہ ہی نے بتایا تھا کہ اس شہر میں توریت کے موعود ومبشر نبی آنے والے ہیں، جس کی بنیاد پر تبع نے ایک خط لکھا تھا اور یہودیوں کے سب سے بڑے عالم کے حوالے کیا تھا جس میں اس نے اپنے قبولِ اسلام کے علاوہ، آقائے دو جہاں پر سلام عرض کیا تھا۔

جب آقائے دو جہاں ہجرت فرما کر مدینہ شریف تشریف لے گئے اور جناب ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام پر قیام فرمایا تو سب سے پہلے انہوں نے یہ کہا: کہ اے ایوب! تمہارا غلام ابو لیلیٰ کہاں ہے؟ جس کے پاس تبع کا خط منتقل ہوتے ہوئے چلا آرہا ہے۔ صدیوں

سے خط پیش کیا گیا اور اللہ کے رسول نے ان کا سلام بھی قبول کیا اور ان کا اسلام بھی قبول کیا۔

اس لیے یہودیوں سے امن کے معاہدے کو آقا نے ضروری قرار دیا کہ شاید وہ توریت کی بشارت کی بنیاد پر یا موعود ومبشر نبی کے بنیاد پر ایمان لے آئیں اور معاہدے کی تحریر دونوں فریق کے اتفاق کے بنیاد پر کی گئی، معاہدے کی تحریر پر دستخط ہوئے، معاہدے کی عبارت کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

یہود اور مسلمان اس شہر میں متحد ہو کر رہیں گے ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ اگر کوئی تیسرا حملہ آور ہوگا تو مل کر دفاع کریں گے اور اپنی اخراجاتِ جنگ خود برداشت کریں گے، اگر باہر کا کوئی دشمن حملہ آور ہو تو دشمن کی مدد نہیں کریں گے اور ہر قسم کے گناہ اور ظلم وزیادتی سے پرہیز کریں گے۔

حضراتِ گرامی! اس معاہدے پر دستخط ہوئے اور مدینہ طیبہ میں اور وہاں کے رہنے والے باشندوں میں مکمل امن قائم ہوگیا اگر مہاجرین کو انصار نے وقتی طور پر پناہ دی ہوتی تو شاید بعد میں اختلاف پیدا ہوتا مگر اللہ کے رسول نے انہیں بھائی بھائی بنا دیا تھا اور انہوں نے ایمان کے بھائیوں کو اپنے بھائیوں پر زیادہ ترجیح دی، اپنی جائداد تقسیم کر دی اور اس طرح سے ایک ایسا مضبوط معاہدہ قائم ہوا کہ کبھی اختلاف نہ ہو مگر غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی اور غزوۂ احد میں نقصان کے بعد اور بئر معونہ جو کافروں کی سازشوں کے بنیاد پر جہاں ستر داعیانِ اسلام اور حفاظِ کرام شہید کیے گئے تھے یہودیوں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں چنانچہ انہوں نے معاہدے سے انحراف کرنا شروع کر دیا۔ حضرات! یہ سارے واقعات ہیں جن کو آپ تاریخ میں پڑھیں، میں بہت تفصیل نہیں بیان کر پاؤں گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بئر معونہ پر جو واقعات پیش آئے تھے ان پر گفتگو کرنے

انہیں کی دعوت پر ان کے قبیلہ تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے ایک بھیانک سازش رچی ہوئی تھی۔ وہ سازش تھی کہ آپ کو ایک دیوار کے نیچے ٹھہرایا جائے اور جب آپ وہاں بیٹھیں تو ان پر چٹان لڑھکا دی جائے تاکہ آپ شہید ہو جائیں اور اسلام ختم ہو جائے۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنہا نہیں گئے تھے آپ کے ساتھ جناب صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی گئے تھے یعنی گویا اگر منصوبے میں کامیاب ہو جاتے تو شاید اسلام ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔ آقائے دو جہاں کے بعد اسلام کے کشتی کے جو ہونہار تھے اور دنیا کے تین براعظموں میں اسلام کو پھیلایا یہی صحابہ کرام تھے جو آج بھی یارمزار بن کر آرام فرما ہیں۔ اس خوف ناک سازش اور غداری کی اطلاع اس وقت اللہ نے دی اپنی وحیٔ پاک کے ذریعہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھ چکے تھے اور قریب تھا کہ یہودی اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے مگر اچانک اٹھ گئے اور اپنے صحابہ سے کہا کہ واپس چلیں۔

اس خوفناک سازش اور غداری کے بعد آقائے دو جہاں نے بنونضیر کے پاس قاصد روانہ کیا۔ یاد رکھیے دو قبیلے تھے بنونضیر اور بنوقریظہ، ان دونوں سے معاہدہ تھا۔ بنی نضیر کی طرف قاصد روانہ کیا اور فرمایا کہ تم نے اس قاتلانہ حملہ کی سازش سے معاہدہ توڑ دیا ہے اس لیے تم دس دن کے اندر مدینہ سے چلے جاؤ اور وہ لوگ تیار بھی ہو گئے، مگر رأس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے انہیں روک دیا اور کہا: ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کریں گے اور بنوقریظہ اور بنوغفان بھی تمہاری مدد کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ بنونضیر نے یہ کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے آپ کو جو کرنا ہے کر لو۔

آقائے دو جہاں نے قبیلہ بنونضیر کا دس دن تک محاصرہ کیا مگر نہ منافقین مدد کو پہنچے نہ ہی بنوقریظہ، اس کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے ان شاء اللہ میں آیتوں کے حوالے سے بات

کروں گا نہ بنو غفان پہنچے۔شہر چھوڑنے کا فیصلہ انہوں نے کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ان کی تمام دولت اور ساز وسامان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

آپ ذرا سوچیے کہ کیا کسی غدار کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے جو آقا نے ان غداروں کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تمام دولت کو اونٹوں پہ لادا ساز وسامان کو اور ہنستے کھیلتے ،گاتے ،بجاتے وہاں سے خیبر چلے گئے۔خیبر یہودیوں کا بہت بڑا مرکز تھا، خیبر کے یہودیوں نے ان کا استقبال کیا اور استقبال ہی نہیں کیا بلکہ انہیں خیبر کی سرداری بھی عطا کر دی۔ یہ بنونضیر نے کیا۔

اب آیئے بنو قریظہ کی غداری کا جائزہ لیں۔سن ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا یہ بہت مشکل جنگ تھی اس جنگ میں مکہ مکرمہ کے علاوہ حجاز کے بہت سے قبائل متحد ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے ارادے سے چلے۔ یہ ایسا غزوہ تھا کہ جس میں پہلی بار اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور باہر نکل کر جنگ کرنے سے پرہیز فرمایا اور عالم یہ تھا کہ تین تین روز تک بھوکے صحابۂ کرام اور خود آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے شکم ناز پر پتھر باندھ کر خندق کھودنے میں مصروف تھے، یہ بہت تکلیف دہ صورت حال تھی۔

قرآن پاک نے اس کا منظر کھینچا ہے کہ جب نیچے سے، اوپر سے، ہر طرف سے تم پر حملہ ہوا اور تم یہ محسوس کر رہے تھے کہ گویا دل حلقوم میں اچھل کر آگیا ہے اس وقت اللہ نے تمہاری مدد کی، تو یہ صورتِ حال تھی غزوۂ خندق کی جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔قرآن پاک میں بہت ہی تفصیل کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔حضرات ! اتنے خطرناک موقع پر بنو قریظہ جس نے باضابطہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم دفع کریں گے اس نے غداری کی اور اس نے خیبر کے یہودیوں اور بنونضیر کے یہودیوں کے ورغلانے پر اور منافقین کی سازش کے بنیاد پر

اس نے معاہدہ توڑ دیا۔اور کہا ہم اس کے پابند نہیں ہیں۔آقائے دو جہاں نے پھر بھی صلح کے لیے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ دونوں کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو کیا صورتِ حال ہے؟ انہوں نے معاہدہ کیوں توڑ دیا؟ تو جب بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا گیا کہ تم نے یہ معاہدہ کیا تھا تو بہت گستاخانہ انداز میں انہوں نے جواب دیا: کیوں کہ ان کو پورا یقین تھا کہ اس جنگ میں اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہی منافقین کو بھی یقین تھا۔بہت گستاخانہ انداز میں انہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون ہیں؟ معاذ اللہ! اور معاہدہ کیا ہے۔ یہ صلح کی آخری کوشش تھی جو پیغمبر اسلام نے فرمائی تھی۔

اس جنگ میں یہودیوں کی ایک اور غداری کا واقعہ پیش آیا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ کے اندر محفوظ کر دیا تھا اور آپ اور صحابۂ کرام اور مجاہدین جنگ میں مصروف تھے یعنی خندق کے پاس۔ یہودیوں نے دیکھا کہ مسلمان خندق کے پاس مصروف جنگ ہیں تو انہوں نے خواتین اور بچوں کے قلعہ پر حملہ کیا۔کس قدر بزدلی ہے یہ اور کس قدر بربریت ہے مگر ہوا کیا جب پہلا یہودی قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور کی پھوپی ہیں، انہوں نے خیمہ کی چوب اٹھائی ،اس کے سر پر دے مارا اور وہ گر گیا پھر اس کا سر کاٹ کر کے قلعہ سے پھینک دیا۔ یہودیوں نے یہ محسوس کیا شاید فوج موجود ہے اور پھر ان بزدل یہودیوں کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ عورتوں اور بچوں کے قلعہ پر حملہ کر سکیں۔

جنگ خندق تو اللہ کے نصرت سے ایک عذاب نما آندھی سے ختم ہو گئی، کفار واپس چلے گئے، ان کے خیمے اڑ گئے، اونٹ اڑ گئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہتھیار کھولنے کا ارادہ کیا، صحابہ ہتھیار رکھ چکے ہیں مگر جناب جبرئیل حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آپ نے ہتھیار اتار دئے مگر ہم فرشتوں کی جماعت اب بھی ہتھیار بند ہے۔ بنو قریظہ نے غداری کی ہے۔ آپ اس طرف چلیں آپ نے صحابہ کو حکم دیا اور بنو قریظہ کا محاصرہ کرلیا گیا وہ بھی جنگ کے لیے تیار تھے مگر ایک ماہ کے محاصرے کے بعد انہوں نے کہا کہ حضرت سعد ابن معاذ جو فیصلہ کریں گے ہمیں وہ منظور ہوگا، فیصل انہوں نے مقرر کیا۔ جناب سعد نے پوچھا کہ ہم فیصلہ قرآن کے مطابق کریں گے یا توریت کے مطابق، انہوں نے کہا کہ توریت کے مطابق کیجیے، آپ توریت کے عالم تھے اور یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کو آپ پر بھروسہ تھا کہ آپ ہمارے لیے کوئی مدد کریں گے مگر ایسے غداروں کو جناب سعد نے توریت کے مطابق یہ فیصلہ دیا کہ لڑنے والی فوج کو قتل کردیا جائے، ان کے اہلِ خانہ کو قیدی بنالیا جائے، ان کے مقتولین میں ان کا سردار حیی بن احطب بھی تھا جس نے بارہا کفارِ مکہ کو حملہ کرنے کی دعوت دی، اسے بھی قتل کیا گیا یہ ہے ان کی غداریوں کی سزا کہ انہیں شہر بدر بھی کیا گیا اور بنو قریظہ کو قتل بھی کیا گیا جس کو آج تک یہودی الزام کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ سے واقف ہوں اور جب بھی اس طرح کی بات پیش آئے تو جواب دے سکیں۔

تفصیلات بہت ہیں اس سلسلہ میں غداریوں کی اور بھی بہت سی داستانیں ہیں ان کی مگر آج صرف اتنا ہی، اس سورت کو سمجھانے کے لیے ضروری تھا کہ میں اس کے پس منظر کو اور تاریخی حوالوں کو پیش کروں۔ قرآن پاک کا بیان ہمیشہ تلمیحاتی رہا ہے، اور وہاں واقعات بیان نہیں کیے جاتے صرف تلمیحات کے ذریعہ سے واقعات کی طرف اشارہ کردیا جاتا ہے، اور پھر واقعہ آقائے دو جہاں کے حوالے کردیا جاتا ہے جو احادیث میں موجود ہوتا ہے۔

ان شاء اللہ اگلے درس میں، اگلے خطاب میں سورت کے بارے میں گفتگو ہوگی۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۶۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضراتِ گرامی! گزشتہ درس میں میں نے سورۃ الحشر کے تاریخی پس منظر کو بیان کیا تھا اور میں نے یہ بتایا تھا کہ یہود نے بار بار مسلمانوں کے ساتھ غداری کی، آقائے دو جہاں سے کیے ہوئے معاہدے توڑے، دشمنانِ اسلام کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا، کعبہ مقدسہ میں جا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہوں اور ہم ان کا ساتھ دیں گے، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی کوشش کی۔ ان واقعات کے پس منظر میں ان کو شہر بدر کردیا گیا۔ سورۃ الحشر میں انہیں واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

سورۃ الحشر مدنی ہے اس میں ۲۴ آیات اور ۳ رکوع ہے اور چونکہ اس میں بنو نضیر کا تذکرہ کیا گیا ہے اس لیے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا نام سورۂ بنو نضیر بھی ہے، اس سورت کا مختصر تعارف میں آج بھی کرادوں۔

بنونضیر مدینہ طیبہ میں آباد تھے اور انتہائی طاقت ور تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معاہدۂ امن کے بعد انہوں نے غداری کی، کافروں کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا، پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی، آپ کو ایک یہودی عورت نے زہر بھی دیا جس سے آپ محفوظ رکھے گئے مگر اس کے اثرات زندگی بھر رہے۔ بار بار معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر آقائے دوجہاں نے انہیں مدینہ طیبہ سے یوں شہر بدر کیا کہ تمام مال واسباب کے ساتھ جو ان کے پاس تھا اس کو لے کر خیبر چلے جائیں جو ان کا مرکزی شہر تھا اور وہاں پر طاقتور یہودی آباد تھے تاکہ وہ بھی محفوظ رہیں اور مسلمان بھی ان کے شر سے محفوظ رہیں۔

تاریخ انسانی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں پیش آیا ہوگا کہ کسی غدار قوم کو اتنی سہولتوں کے ساتھ شہر چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہو جتنا کہ آقائے دوجہاں نے عطا فرمائی وہ اپنے تمام مال واسباب کو اونٹوں پر لاد کر رقص کرتے ہوئے، گاتے بجاتے خیبر روانہ ہوئے اور خیبر میں ان کا بھرپور استقبال کیا گیا بلکہ انہیں اس شہر کا باضابطہ حکمراں بنا دیا گیا۔

اس سورت میں یہود کے علاوہ مہاجرین اور انصار کی عظمت کا تذکرہ ہے کہ اس طرح انہوں نے ہجرت کی، اور اپنا سب کچھ ترک کیا دین کے لیے، اور انصار نے کس طرح ان کی مدد کی اپنی خواہشات اور اپنی ضرورتوں کو قربان کر کے مہاجرین کی ضرورتوں کو پورا کیا، عقد مواخات کے بعد انہوں نے ان کو حقیقی بھائیوں سے زیادہ اہمیت دی، اپنی جائداد بھی تقسیم کی، اپنے گھر بھی تقسیم کیے۔ یہاں تک کہ ایک انصاری صحابی تھے جن کی دو بیویاں تھیں انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر ہمارے مہاجر بھائی پسند کریں تو میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دوں اور وہ اس سے شادی کر لیں۔ لیکن انہوں نے پسند نہ فرمایا۔

مہاجرین کچھ دنوں تک تو یقیناً انصار کے تعاون کے سہارے رہے مگر چونکہ مکہ کے لوگ عام طور پر تاجر ہوا کرتے تھے اس لیے انہوں نے تجارت شروع کر دی اور دھیرے دھیرے اللہ نے انہیں خوش حال بنا دیا، اس کے ساتھ ساتھ باضابطہ جنگوں میں کامیابیاں ملیں اور نئی زمینوں پر ان کا کنٹرول ہوا اس کے فوائد بھی ان کو حاصل ہوئے۔ سرمایہ داروں کو دین کے راستہ پہ خرچ کرنے کی تلقین کی گئی اور بطور مثال اس سورت میں انصار کی قربانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنی ضرورتوں کے باوجود مہاجرین کی مدد کی اور آخری آیت میں اللہ تبارک وتعالی کی صفت وجمال کا تذکرہ کیا گیا ہے اتنے اسمائے مبارکہ کسی ایک جگہ پر نہیں ملیں گے۔ یہ مختصر سا تعارف تھا۔

اب میں ان آیات مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنے اور مختصر سی تشریح کا شرف حاصل کروں گا جو اس سورت میں موجود ہیں۔ درود شریف پڑھیے!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں کے اندر ہیں اور جو زمین کے اندر ہیں اور بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے یہاں اپنی تسبیح اور پاکی کا تذکرہ فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر شئی اسکی تسبیح کرتی ہے اور بلاشبہ وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اس سورت کا اس آیت کریمہ سے آغاز کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس سورت میں اہلِ کتاب جو کہ کافر ہو گئے تھے چونکہ ان کی مغلوبیت

کا تذکرہ ہونا ہے اور اہلِ ایمان کی غالب ہونے کی بات ہے تو اہلِ ایمان کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہر نقص سے پاک ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ غالب ہے، ساری کائنات اس کی تسبیح کرتی ہے۔ اس لیے جب وہ کسی قوم کو غلبہ دینا چاہے گا تو اس کے لیے مشکل نہیں اور کسی قوم کو اس کے بدعمل کے بنیاد پر مغلوب کرنا چاہے تو یہ بھی اس کے لیے آسان ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے وہی خدا ہے جس نے باہر نکالا ان اہلِ کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے، ان کے شہر سے لِاَوَّلِ الْحَشْرِ، یہ ان کی پہلی جلاوطنی تھی۔

حضرات! حشر کے معنی ہوتے ہیں جمع کرنے کے چونکہ جب انہیں مدینہ کے مختلف مقامات سے جمع کر کے ان کو نکالا گیا اور شہر بدر کیا گیا تو یہ ایک ساتھ گاتے بجاتے خیبر کی طرف گئے۔ ایک مفہوم تو حشر کا یہ ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ الگ تھے، مدینہ میں تھے اور خیبر میں گئے تو غسان اور دوسرے یہودیوں کے ساتھ جمع ہو گئے۔ یہاں مراد جلاوطنی ہے کہ ان کو نکالا گیا۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا

تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس وہاں سے آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا۔

حضرات گرامی! مدینہ طیبہ میں صرف یہود کا قلعہ تھا بقیہ لوگ وہاں اپنے خیموں میں یا اپنے جھونپڑیوں میں یا شکستہ مکانوں میں رہتے تھے۔ شاندار مکانات بھی یہود کے تھے، دولت مند بھی یہ تھے اور یہ قلعہ بند رہتے تھے تاکہ ان پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔ انہیں بڑا غرور تھا کہ ہم نے صدیوں پہلے عمالقہ کو اس شہر سے نکالا اور غلبہ حاصل کیا تو ہم بہت تجربہ کار اور جنگجو ہیں، ہم

پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک باطل گمان تھا ان کا اور یہ بھول گئے تھے کہ جب انہوں نے عمالقہ سے جنگ کی تھی تو یہ لوگ نہیں تھے بلکہ وہ لوگ تھے جو حضرت یوشع بن نون کے زیر قیادت کام کر رہے تھے، جناب موسیٰ کے پیغمبر ہونے کے قائل تھے ان پر ایمان لائے تھے، وہ سچے مخلص مومن تھے اور اس لیے بھی کامیاب ہوئے تھے کہ اس جنگ کے آغاز سے پہلے ان لوگوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! وہ آخری نبی جن کی بشارت توریت میں دی گئی ہے، مبشر اور موعود ہیں۔ اے اللہ! اس آخری نبی کے صدقے میں ہمیں کامیاب فرما۔

یہ دو وجہیں تھیں جن کے بنیاد پر انہیں کامیابی ملی تھی۔ اس وقت ایک پیغمبر کی اطاعت کر رہے تھے اور آج ایک پیغمبر کی مخالفت کر رہے ہیں علیہما الصلاۃ والسلام۔ اس وقت جس پیغمبر کے وسیلہ سے دعا کر رہے تھے اس کے بعد بھی کفار کے مقابلہ میں دعائیں کرتے ہیں اور آج اسی پیغمبر کی مخالفت کر رہے ہیں اس لیے ان کو وہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے جو ان کو پہلے حاصل ہوا کرتے تھے اس سے پہلے جنگوں میں کافروں کے مقابلہ میں حاصل ہوتے رہیں ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ ان کے قلعے انہیں بچا لیں گے فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا یا قہر نازل فرمایا وہاں سے جہاں سے ان کا گمان بھی نہیں تھا اور یہ کیسے ہوا؟ اللہ قادر مطلق ہے کبھی وہ مچھروں کے ذریعہ نمرود کو تباہ کر دیتا ہے اور کبھی ابابیل کے ذریعہ ابرہہ کو ختم فرما دیتا ہے۔ ان کو تباہ کرنے کے لیے یہ ہوا کہ

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا۔

یہ طاقتور اور دولتمند تھے اور مقابلہ ان مہاجرین و انصار سے تھا جو غریب تھے، بظاہر

معاشی اعتبار سے پریشانیوں کا شکار تھے لیکن اللہ نے یہود کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

ہوا ایسا کہ منافقین نے ان سے پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ تمہیں آبادی سے نکالنا چاہیں تو خبردار مت نکلنا ہم تمہارا تعاون کریں گے، ہم تمہاری مدد کریں گے لیکن ہوا کیا آگے اس کا تذکرہ آرہا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، خوف ڈال دیا اتنا خوف ڈال دیا کہ

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِأَيْدِيْهِمْ وَ أَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ

وہ اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اپنے اور اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے۔

ہوا کیا کہ جب انہیں یہ کہا گیا کہ یہ شہر چھوڑ دو تو انہوں نے یہ اجازت مانگی کہ ہم اپنے سارے سامان کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ حضور رحمت عالم نے اجازت دے دی حالانکہ آقا کو تجربہ اپنے مہاجرین کا بھی تھا جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے وہاں اور مکہ والوں نے کچھ بھی نہیں لانے دیا تھا بال بچوں کو بھی اتار لیا تھا لیکن یہاں حضور رحمت عالم نے انہیں تباہ کرنا نہیں چاہا صرف ان کو سزا دینی چاہی کیونکہ خوف تھا کہ اگر مدینہ میں یہ رہے تو بار بار کفار کو مجتمع کر کے حملہ کرنے کی کوشش کریں گے اس لیے ان کو یہاں سے نکل جانا ہی بہتر ہے تو آپ نے انہیں اجازت دی کہ جو بھی تمہارا مال ہے، جائداد منقولہ وہ سب لے کر چلے جاؤ۔ انہوں نے اپنے اونٹوں پہ اپنا سارا مال لادا یہاں تک کہ اپنے گھر کے دروازوں اور چوکھٹوں کو بھی اکھاڑ اکھاڑ کر بہت آرام سے اپنے ساتھ لیے گئے۔

تو یہ ہے يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِأَيْدِيْهِمْ، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر رہے تھے برباد کر رہے تھے اور پھر وَ أَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ، مسلمانوں نے بھی ان دیواروں کو منہدم کر دیا جو ان کے قلعہ کی دیواریں اور ان کے گھروں کی دیواریں تھیں ان کے جانے

کے بعد فَاعْتَبِرُوْا يٰأُولِي الْأَبْصَارِ، تو اے بصیرت رکھنے والو، شعور رکھنے والو، نگاہ رکھنے والو عبرت حاصل کرو کہ اللہ قادرِ مطلق ہے جب وہ کسی کے مدد کا ارادہ فرمالے گا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔

اور مدینہ کے مسلمانوں کو بھی اس بات کا یقین دلانا تھا جو پہلے تھا ان کو وہ تو مومن تھے کہ آئندہ جو حادثات پیش آنے والے ہیں اور واقعات مثال کے طور پر خندق کا واقعہ پیش آنے والا ہے، یا اور دوسری بڑی جنگیں، غزوۂ تبوک پیش آنے والا ہے، یا خود غزوۂ خیبر پیش آنے والا ہے تو ان غزوات کے لیے بھی یہ یقین کر لے کہ جب اللہ کی مدد شامل حال ہوگی تو کفر کی کوئی طاقت بھی انہیں شکست نہیں دے سکتی ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے وَ لَوْ لَآ أَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ، اگر اللہ نے ان کے مقدر میں جلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو انہیں دنیا ہی میں عذاب دے دیا جاتا اور آخرت میں انہیں جہنم کا عذاب دیا جاتا یعنی اگر وہ جلاوطن نہ ہوتے اور مسلسل غداری کرتے رہتے تو یقیناً مسلمانوں کے ہاتھوں سے انہیں سزا دی جاتی اور مرنے کے بعد جہنم کے عذاب سے ہمکنار ہوتے۔

ایسا کیوں کیا گیا، اللہ ان کے دلوں میں کیوں رعب ڈالا، کیوں ان کو شہر بدر ہونا پڑا، اس کی وجہ خود قرآن ارشاد فرما رہا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

اس لیے کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی۔

سبحان اللہ! پورے قرآن پاک میں یہ اسلوبِ بیان مشیت کا نظر آئے گا کہ مخالفت رسول کی ہو رہی ہے مگر اللہ اسے اپنی مخالفت قرار دے رہا ہے۔ ظاہر ہے وہ اللہ کی مخالفت کیا کر سکتے تھے لیکن محبوب کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے، محبوب کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

اور محبوب کی محبت اللہ کی محبت ہے۔ یہ اسلوبِ بیان آپ کو پورے قرآن پاک میں ملے گا۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔

بغاوت کی، مخالفت کی اور پھر ارشاد فرما رہا ہے ہمیشہ کے لیے قانون

وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

حضراتِ گرامی! اس سے پہلے فرمایا گیا کہ انہیں شہر بدر کیا گیا، اس کو اول الحشر کے نام سے یاد کیا گیا۔ یہ پہلی شہر بدری ہے اس لیے کہ علمِ الٰہی میں یہ بات تھی جو بعد میں پیش آئی کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں انہیں خیبر سے شہر بدر کیا گیا اور شام کی طرف روانہ کر دیا گیا جہاں پہلے ہی سے ان کی آبادی تھی۔

آج دنیا کی ظالم قومیں مظلوموں کو شہروں سے نکالتی ہیں تو صحراؤں میں، دریاؤں میں تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتی ہیں مگر یہ کیسا نظام رحمت تھا آقائے دو جہاں کا اور عمر فاورق کا کہ پہلے انہوں نے شہر بدر کیا تو خیبر میں بھیجا جہاں ان کی آبادی تھی اور جب جناب عمر نے انہیں خیبر سے شہر بدر کیا ان کی غداریوں کے بنیاد پر اور جنگوں کی بنیاد پر اور خطرات کے بنیاد پر تو انہیں شام بھیج دیا گیا جو ان کا اصل وطن تھا۔

ہوا ایسا تھا کہ جب اہلِ ایمان نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا تو وہاں بہت ہی گھنے باغات تھے کھجوروں کے اور دوسری چیزوں کے۔ یہ خوف تھا کہ یہاں چھپ کر دشمن ہم پر حملہ آور ہو سکتا ہے اس لیے کچھ درختوں کو کاٹ دیا گیا اور کچھ درختوں کو اپنی حالت پر باقی رکھا گیا تو مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ کاش ان درختوں کو نہ کاٹا گیا ہوتا تو ان کے پھلوں سے

ہم فائدہ اٹھا سکتے تھے یہ بھی مالِ فیٔ میں شامل ہو جاتا تو اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ دونوں نے ٹھیک کیا اس لیے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ

جو تم نے جڑ سے کاٹ دیے یا جن کو تم نے ان کی جڑوں پر چھوڑ دیا تو یہ دونوں اللہ کے حکم سے تھا۔

اب یہاں سے اللہ تبارک وتعالیٰ یہ قانون عطا فرما رہا ہے کہ اگر کسی قوم پر غلبہ حاصل ہو اور ان کے متروکہ مال پر قبضہ حاصل ہو جائے تو تمہیں کیا کرنا ہوگا۔ یاد رکھیے جنگوں کے بعد جو مال حاصل ہوتا ہے اسے مالِ غنیمت کہا جاتا ہے، اس کا چار حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے اور ایک حصہ اللہ کے رسول کا ہے اور ان کے بعد حکمراں کا ہے لیکن جو فیٔ ہے یعنی جو بغیر کسی جنگ کے مال حاصل ہوا اسے فیٔ کہتے ہیں اور اس کی تقسیم کیسے ہوگی۔ آگے کی آیات میں اس کا تذکرہ ہوگا ان شاء اللہ۔ کل میں عرض کروں گا۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۶۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ علیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی

فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارگاہ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

مال فئے اور اس کی تقسیم کے حوالے سے اگلی آیات میں اس کا تذکرہ ہوگا۔ فئی کہتے ہیں اس مال کو جو بغیر کسی جنگ کے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف لوٹا دیا ان گاؤں والوں کی جانب

سے تو وہ مال اللہ کا ہے، اس کے رسول کا، رشتہ داروں کا ہے، یتیموں کا ہے، مساکین کا ہے اور مسافروں کا ہے۔

حضرات! غیر مسلموں سے جو مال حاصل ہو وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو جنگ کے بعد جو مال حاصل ہوتا ہے اسے غنیمت کہتے ہیں اور اس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ

جان لو کہ جو تم نے غنیمت حاصل کی اس میں اس کا خمس اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

یہ مالِ غنیمت ہے جس کے پانچ حصہ کیے جائیں گے، ایک حصہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نذر کیا جائے گا اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

لیکن جو مال فئی ہو بغیر جنگ کیے ہوئے حاصل ہوا ہو جیسے کہ فدک کا مال، قبیلہ بنونضیر کا مال تو وہ فئی ہے مال غنیمت نہیں ہے وہ سب کا سب اللہ اور اس کے رسول کے مطابق تقسیم کی جائے گا رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر اور مسافروں پر۔ اللہ کے رسول جسے جتنا چاہیں عطا فرما دیں۔ کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا ہے۔

"فللہ وللرسول" اللہ کی ذات بے نیاز ہے وہ عطا فرمانے والی ہے یہاں بطور تبرک، حصولِ برکت کے لیے اللہ نے اپنا نام ذکر فرمایا ہے یا یہ کہ جو کچھ رسول پاک کی ملکیت ہے وہ سب کچھ اللہ ہی کی ملیکت ہے۔ چنانچہ جب بنونضیر کی دولت میسر آئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان کے مطابق اللہ کے رسول تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے تقسیم فرمایا ہے۔

اللہ فرمارہا ہے کہ یہ دولت جو مسلمانوں کو میسر آئی ہے یا آئندہ میسر آئے گی فئی کی شکل میں وہ مال غنیمت نہیں ہے اس لیے وہ تقسیم کر دی جائے گی کہ کہیں وہ دولت مالداروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتی رہ جائے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ

تا کہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے مالداروں کے درمیان میں۔

پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی قوم کا مال کسی کو میسر آجاتا تو وہ جو مالدار طبقہ ہوتا وہ اپنے پاس رکھ لیتا اور کچھ اگر دل چاہتا تو وہ تقسیم کرتا تھا غریبوں میں تھوڑی بہت اور باقی سب کچھ رکھ لیتا تھا۔ لیکن یہاں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ دولت کو سرمایہ داروں کے درمیان ہی گردش نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو تقسیم کرنا چاہیے مگر ضرورت مندوں میں اور وہ ضرورت مند کون لوگ ہیں رشتہ دار ہیں، یتامی ہیں، مساکین ہیں، مسافر ہیں۔

حضراتِ گرامی! جب قبیلہ بنونضیر مدینہ طیبہ سے منتقل ہو کر خیبر کی طرف روانہ ہوا تو اپنی تمام جائداد منقولہ کو لے گیا جو اپنے ساتھ لے جاسکتا تھا لیکن جو باغات اور زمین وغیرہ تھے وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اور پھر اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنی مرضی سے مسلمانوں میں تقسیم فرمایا۔ اب اللہ فرمارہا ہے۔

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

اللہ کے رسول جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ

اگر تم نے پیغمبر سے کسی ایسی بات کا مطالبہ کیا جو تمہارا حق نہیں ہے یا ان کی تقسیم پر تمہیں کوئی اعتراض ہوا تو یاد رکھو سب کچھ اللہ کے رسول ہی کا ہے وہ جو عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے وہ روکیں اس سے رک جاؤ۔ تمہیں اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ تم سرورِ کائنات صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی تقسیم پر کوئی اعتراض کرو۔ یا اپنے دل میں حرج محسوس کرو اور ڈرو اللہ سے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

بات اللہ کے رسول کی تقسیم کی ہو رہی ہے مگر اللہ فرمارہا ہے مجھ سے ڈرو اس لیے کہ تم نے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ سے انحراف کیا تو یاد رکھو! کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ، اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اب یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ فئی کے مال کو تقسیم کرنے کے سلسلہ میں جن کو باضابطہ طور پر ترجیح دے رہا ہے وہ یہ ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

ان فقیر مہاجروں کے لیے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے اس حال میں کہ اللہ کی طرف سے فضل اور رضا چاہتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔

ان اموال پر سب سے پہلا حق ان مہاجرین غریبوں کا ہے جو اپنے شہروں سے نکالے گئے جبراً اور اپنے مال سے محروم کر دیے گئے۔ وہ نکلے تھے اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے، اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور وہ اللہ کے رسول کے دین کی مدد کرنے کے لیے نکلے تھے، یہی لوگ سچے ہیں۔ یعنی گویا اللہ فرمارہا ہے کہ اس مال پر سب سے زیادہ حق ان مہاجرین کا ہے جو اپنا سب کچھ مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر مدینہ طیبہ آئے، انہیں نکلنے پر مجبور کیا گیا، انہوں نے ہجرت کی ان میں خاص طور پر وہ لوگ جو بہت ہی غریب اور نادار ہیں، فقرا ہیں وہ

اسکے زیادہ مستحق ہیں۔ان کا کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے،ان کے گھروں سے انہیں جبراً، نکالا گیا ہے ان کے مال سے انہیں محروم کیا گیا اور یہ اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہوئے مدینہ طیبہ آئے اور اللہ کی رضا کے لیے کوئی اور ان کا مقصد نہیں تھا اور یہ اس لیے بھی آئے تا کہ وہ اللہ کے دین کی اور اس کے رسول کی مدد کریں اور یہ لوگ سچے ہیں اسی سچائی اور راست بازی کا حق یہ ہے کہ جو بھی مال ہو ان میں ان کو ترجیح دی جائے اور ان میں وہ مال تقسیم کیا جائے۔

ان کے بعد وہ لوگ ہیں: وَ الَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ (سورۃ الحشر، الآیۃ:9)

اور وہ جنہوں نے ان (مہاجرین) سے پہلے اس شہر کو اور ایمان کو ٹھکانہ بنالیا وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور وہ اپنے دلوں میں اس کے متعلق کوئی حسد نہیں پاتے جو ان کو دیا گیا اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں خود حاجت ہو اور جو اپنے نفس کی لالچ سے بچالیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

جو ان سے پہلے سے مقیم ہیں اور ایمان میں ثابت قدم ہیں جو لوگ مہاجرین کے آنے سے پہلے وہاں مقیم ہیں اس سے مراد انصار ہیں جنہوں نے مدینہ کو اپنا قیام گاہ بنایا تھا، وہ اپنے ایمان میں مخلص ہیں ان کے بعد بلاشبہ وہ بھی حقدار ہیں۔ان کا یہ عالم ہے یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ وہ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے۔ "وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا" اور جو کچھ انہوں نے مہاجرین کو دیا اس سلسلہ میں اپنے دل میں کوئی خلش محسوس نہیں کرتے بلکہ انتہائی کشادہ دلی کے ساتھ اپنا مال، اپنی

دولت خرچ کیا کرتے ہیں، اپنے مکانات میں ٹھہرایا، اپنے باغات کو تقسیم کیا، انہیں حقیقی بھائی کی طرح پناہ دی۔اپنا سب کچھ قربان کیا۔

اور ان کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ انہوں نے مہاجرین کو دیا اس میں کوئی خلش محسوس نہیں کرتے "وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ" اور وہ اپنی ذات پہ ترجیح دیتے ہیں "وَ لَوۡ کَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ" جب کہ بعض تو وہ ہیں کہ خود ان کو اس مال کی زیادہ حاجت تھی جو انہوں نے مہاجرین پر نذر کیا، مہاجرین کو پیش کیا۔اپنی حاجت کے باوجود، احتیاج کے باوجود انہوں نے اللہ کے راستہ میں اور مہاجرین پر انتہائی کشادہ دلی کے ساتھ خرچ کیا۔

آپ اندازہ فرمائیں! اس میں دو باتیں جو قابل غور ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے مال فئ کو جو بغیر جہاد کے حاصل ہوا تھا اسے تقسیم کا حکم دیا کہ جاہلیت کی رسم ختم ہو جائے کیوں کہ وہ جس مال پر قبضہ کرتے وہ دولت مندوں میں تقسیم ہو جاتی اور وہ دولت ان کے درمیان گردش کرتی رہتی۔ "کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ" تا کہ وہ گردش نہ کرتی رہے تمہارے مالداروں ہی کے درمیان۔

بظاہر یہ آیات ایک خاص موقع کے لیے نازل ہوئی ہیں لیکن یہ قیامت تک کے لیے قانون بن گیا کہ جب کوئی مسلم معاشرہ قائم ہو اور مسلمانوں کو کوئی سرمایہ میسر آئے، یا حکومت قائم ہو تو پھر اسے تقسیم کرے،، اسے ضرورت مندوں پر مساوات کے ساتھ بانٹے، اور وہ دولت مندوں اور حکمرانوں کے درمیان تقسیم نہ ہوتی رہے، بلکہ وہ عوام میں تقسیم کی جائے تا کہ سرمائے کو بہاؤ مل سکے۔

یاد رکھیے! کہ دولت جب کسی ایک مقام پر جمع ہو جاتی ہے تو انتہائی خطرناک بن جاتی ہے۔دولت پانی کی طرح ہے پانی کو بہا دیا جائے تو زندگی بخش اور حیات بخش ہوگا اگر کسی

مقام پر جمع کر دیا جائے تو سڑ جائے گا، بدبودار بن جائے گا۔ یہی حال دولت کا ہے جب تک مسلمان اس حقیقت کو سمجھتے تھے وہ اللہ کی بخشی ہوئی دولت کو کسی بھی ذریعہ سے، جائز طریقہ سے اسے ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم کرتے تھے تو دولت کو بہاؤ حاصل ہوتا تھا، حیات بخش ہوتی تھی بازار بھر جاتے تھے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ لیکن جب سے دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر رہ گئی، ملکوں کے درمیان میں اس وقت سے مسلمان شدید ذلت و رسوائی اور پسماندگی کے شکار ہو کر رہ گئے۔

شانِ نزول تو دراصل مہاجرین اور انصار کے لیے ہے مگر حقیت یہ ہے کہ ہر دور کے مسلمانوں کے لیے قانون بنا دیا ہے کہ تمہارے سرمایہ کو ایک مقام پر ٹھہرنا نہیں چاہیے، تمہارا سرمایہ حکمرانوں کے درمیان، بادشاہوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے بلکہ تم اسے ضرورت مندوں پر تقسیم کرو۔ اللہ کی مرضی اور فیصلہ یہی ہے۔

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے رسول نے اتنا عظیم انقلاب برپا کیا تھا کہ انصار نے نہ صرف مہاجرین کو ٹھہرایا، انہیں بے پناہ محبت دی، عزت دی، ان میں اپنی دولت تقسیم کی بلکہ اپنے قلب کے اندر کوئی حرج محسوس نہ کی اگر انہیں ضرورت بھی ہوئی تب بھی وہ اپنی ضرورت کے باوجود اپنے مسلمان بھائیوں پر خرچ کیا۔ اس کی درجنوں مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔

ایک روز ایک صاحب آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! بہت بھوک لگی ہے، کچھ کھانے کے لئے انتظام فرما دیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے پوچھا مگر وہاں بھی کچھ نہ تھا کہ میزبانی کر سکیں تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کون ہے؟ جو اس مہمان کی میزبانی کر سکے۔ ایک انصاری صحابی (حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ) اٹھے اور اسے لے

کر اپنے گھر گئے، اپنی شریک حیات سے کہا کہ میں ایک مہمان لایا ہوں ان کی بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس تو کچھ نہیں سوائے اس کھانے کے جو اپنے بچوں کے لیے رکھا ہے تو آپ نے فرمایا: ایسا کرو کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو اور چراغ بجھا دو، ہم بھی بیٹھیں گے اور یہ محسوس کرائیں گے کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں یہاں تک کہ مہمان اس کھانے سے آسودہ ہو جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب صبح کو بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے تو غیب داں رسول نے فرمایا کہ تمہارے اس عمل سے اللہ بہت خوش ہوا ہے جو تم نے اپنی ضرورت کے باوجود اپنے مہمان پر خرچ کیا ہے اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ، وہ اپنی ضرورتوں کے باوجود اپنے نفس پر دوسروں کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ انصار کے بارے میں اور ان تمام لوگوں کے بارے میں جنہوں نے اپنی ضرورتوں کے باوجود دوسروں کی مدد کی۔

یہاں تک کہ جنگوں میں ایسے حالات پیش آئے کہ جنگ یرموک ہے اور زخمیوں کو پانی پلایا جا رہا ہے عکرمہ ابوجہل کے بیٹے اسلام لا چکے ہیں، زخمی پڑے ہوئے ہیں پانی لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ میرے دوسرے صاحب کو دے دو، وہاں گئے تو تیسری طرف سے العطش کی آواز آ رہی تھی وہاں گئے تو وہ انتقال کر چکے تھے، واپس آئے تو دوسرے پیاسے بھی انتقال کر چکے تھے یہ عالم ہے ان لوگوں کا جنہوں نے بارگاہِ رسول سے تربیت حاصل تھی اور اپنی جان پر دوسروں کو ترجیح دیتے رہے تھے۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ۔ (سورۃ الحشر، الآیۃ:9)

اور جس نے اپنے نفس کو لالچ سے اور حرص سے بچا لیا یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

حرص اور لالچ اور بخل یہ بدترین خصلت ہے انسانی زندگی میں اور جب کسی کے اندر یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو وہ معاشرے کے لیے انتہائی نقصان دہ ہو جاتا ہے۔ آقائے

دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، الرقم: 2578)

اپنے کو ظلم سے بچاؤ اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن تمہارے لیے بہت سی تاریکیاں لے کر آئے گا اور نفس کو بخل سے بچاؤ، حرص سے بچاؤ، لالچ سے بچاؤ اس لیے کہ تم سے پہلے کئی قومیں اسی کے بنیاد پر ہلاک ہوگئیں۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ سخی اللہ کو اور بندوں کو محبوب ہے۔

سخاوت کرنے والا اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے اور بندوں سے قریب ہے اور بخیل اللہ سے بھی دور ہے، جنت سے بھی دور ہے اور بندوں سے بھی دور ہے۔

(سنن الترمزی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی السخاء، الرقم: 1961)

بخل اور حرص یہ انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے اور صحابۂ کرام نے آقائے دو جہاں کی تربیت میں اس کی بہترین مثالیں پیش کیں کہ اپنی خواہشات کو قربان کر کے دوسروں کی مدد کی اور اسکے بعد یہ ہوا کہ مہاجرین اور انصار کے بعد میں جو آئے ان کا طرزِ عمل کیا تھا۔

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ الحشر، الآیۃ: 10)

اور جو ان کے بعد آئے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ان کے لیے کوئی

بغض نہ رکھ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اے ہمارے رب بے شک تو رؤف و رحیم ہے۔

یعنی اولین مومنین جو ہیں بعد میں آنے والے اور بعد میں ایمان لانے والوں نے ہمیشہ ان کے لیے دعا کی ہے کہ ہمیں بخش دے اور اس سے پہلے جو ایمان لائے ہمارے بھائی انہیں بخش دے۔ اب مسلمانوں کا وہ طبقہ جو ایسا کرتا ہے کہ اپنے ماضی کے یا اپنے گزرے ہوئے مسلمان بھائیوں کے لیے اچھی رائے نہیں رکھتا یقیناً وہ اس آیت کا خلاف کام کر رہا ہے اور خاص طور پر روافض کا وہ طبقہ جو صحابۂ کرام کے بارے میں جو اولین مسلمین ہیں، جو سابق الایمان ہیں، جنہوں نے ساری کائنات میں ایمان کی دولت تقسیم کی ہے وہ ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ اس آیت کے روشنی میں ان کا حشر کیا ہوگا اور ان کی حیثیت کیا ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان لوگوں کی احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور یقیناً جو رسول پاک کی حیات طیبہ سے زیادہ قریب تھے اور اس کے بعد جو زیادہ قریب ہوئے وہ لوگ ہزاروں درجے بعد والوں سے افضل ہیں۔

اللہ کے رسول سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي، ثُمَّ الذين يَلُونهم، ثُمَّ الذين يَلُونهم

(صحیح البخاری کتاب أصحاب النبی، باب فضائل أصحاب النبی، الرقم: 3650)

سب سے پہلے بہتر زمانہ ہے یعنی میرا، پھر میرے صحابہ کا، پھر میرے تابعین کا۔

میری امت کا سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے۔ پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے۔

صحابۂ کرام کے بارے میں جو احادیث کریمہ موجود ہیں وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گی۔ عجیب بات ہے کسی نے یہ کہا تھا کہ یہود جناب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بہت

ہی احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور عیسائی نصاریٰ ان حواریوں کو عظیم تر تصور کرتے ہیں جو جناب عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ تھے مگر کچھ خود کو مسلمان کہنے والے رسولِ پاک کے صحابہ کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتے ہیں یہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِہِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَکُمۡ وَ لَا نُطِیۡعُ فِیۡکُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّکُمۡ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ (سورۃ الحشر، الآیۃ:11)

کیا تم نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے اہلِ کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ قسم ہے! اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہرگز تمہارے بارے میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

کیا مطلب ہے؟ منافقین نے یہودیوں سے اہلِ کتاب سے کہا تھا کہ اگر مسلمانوں نے تم کو یہاں سے نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور اگر جنگ کی تو تمہارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے، تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ جب مسلمانوں نے گھیراؤ کیا تو نہ ان کے ساتھ نکلے نہ ان کے ساتھ جنگ کی۔

لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَا یَخۡرُجُوۡنَ مَعَہُمۡ وَ لَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا یَنۡصُرُوۡنَہُمۡ وَ لَئِنۡ نَّصَرُوۡہُمۡ لَیُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ (سورۃ الحشر، الآیۃ:12)

قسم ہے! اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور قسم ہے! اگر اُن سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور قسم ہے! اگر یہ اُن کی مدد کریں گے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔

اللہ فرماتا ہے! لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَا یَخۡرُجُوۡنَ مَعَہُمۡ اگر انہیں نکالا گیا، تو یہ ان کے ساتھ کبھی نہیں نکلیں گے۔ وَ لَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا یَنۡصُرُوۡنَہُمۡ اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے وَ لَئِنۡ نَّصَرُوۡہُمۡ اور اگر مدد کرنے کی کوشش کریں گے لَیُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو منافقین کے طرزِ عمل کے بارے میں اطلاع دے رہا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے جن لوگوں سے موالات ہیں ان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، تمہارے ساتھ نکلیں گے، تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ لیکن نہ یہ نکلیں گے اور نہ یہ جنگ کریں گے اور اگر جنگ میں گئے بھی تو جنگ سے پہلے یہ پیٹھ پھیر کر کے بھاگ جائیں گے۔

لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَہۡبَۃً فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ مِّنَ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ (سورۃ الحشر، الآیۃ:13)

بیشک ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے یہ اس لیے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔

لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَہۡبَۃً فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ مِّنَ اللّٰہِ تمہارا خوف ہے ان لوگوں کے دلوں میں اللہ کی جانب سے اس لیے کہ یہ قوم وہ ہے جو ناسمجھ ہے۔

لَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ جَمِیۡعًا اِلَّا فِیۡ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاۡسُہُمۡ بَیۡنَہُمۡ شَدِیۡدٌ ؕ تَحۡسَبُہُمۡ جَمِیۡعًا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ شَتّٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ۔

(سورۃ الحشر، الآیۃ:14)

یہ سب (مل کر بھی) تم سے نہ لڑیں گے مگر قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کے پیچھے سے، ان کی آپس میں لڑائی بہت سخت ہے۔ تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں، یہ اس لیے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

وہ تم سے جنگ نہیں کر سکتے ہیں لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ، مگر قلعوں میں قلعہ بند ہو کر اور اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ یا پھر دیواروں کے پیچھے سے بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ان کے آپس کے اختلاف کا خوف بہت زیادہ ہے وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى، آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں لیکن ان کے دل بکھرے ہوئے ہیں، متفرق ہیں ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ، اس لیے کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو عقل نہیں رکھتی۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ اس دور کے منافقین یا اہلِ کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کے دل بکھرے ہوئے ہیں وہ ایک قوم کی حیثیت سے نہیں ہیں اللہ معاف کرے! یہ لفظ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں نہیں کہہ سکتے لیکن طرزِ عمل وہی ہے کہ آج ہم بھی اس قدر منتشر ہو گئے ہیں کہ ہمارا انتشار خود ہمارے لیے خوف کا سبب بنا ہے۔ اللہ ہمیں متحد فرمائے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (سورۃ الحشر، الآیۃ:15)

یہ ان لوگوں کی طرح سے ہیں جو ان سے پہلے اپنے اعمال کا مزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اب اللہ مثال دے رہا ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الحشر، الآیۃ:16)

جیسے شیطان کی مثال جب اس نے آدمی سے کہا: ”کفر کر“ پھر جب اس نے کفر کر لیا تو شیطان نے کہا: بیشک میں تجھ سے بیزار ہوں، بیشک میں اس اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ بالکل یہ شیطانوں کی طرح سے ہیں کہ جب وہ انسانوں سے کہتا تھا کہ کفر کرو فَلَمَّا كَفَرَ، جب اس کی بات مان کر کسی نے کفر کیا قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ، کہا میں تم سے الگ

ہوں اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں یعنی کفر کرانے کے بعد کل میدانِ قیامت میں وہ کہے گا میں تو تم سے بری الذمہ ہوں، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے تو کیا وہ نجات یافتہ ہے یا نہیں؟ اللہ سے خالی ڈرنا کافی نہیں ہے، اللہ سے ڈر کر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ صرف یہ دعوی کرنا کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن عمل بھی نہیں ہے، ایمان بھی نہیں ہے یہ نجات کے لیے کافی نہیں ہے چونکہ شیطان نے یہ ضرور کہا کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں مگر وہ نہ ایمان لایا اور نہ ہی اس نے اعمالِ صالحہ کیے۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ

(سورۃ الحشر، الآیۃ:17)

تو ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے گمراہ ہونے والے کافر اور گمراہ کرنے والے شیطان۔ یہ تو ظالموں کے لیے ہمیشہ کی سزا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ الحشر، الآیۃ:18)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے، آخرت کے لیے۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ آگاہ ہے جو تم کر رہے ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(سورۃ الحشر، الآیۃ:19)

اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا تو اللہ تبارک وتعالی نے ان کو خود فراموش بنا دیا (انہوں نے خود اپنی ذات کو فراموش کر دیا، اپنے عاقبت

سے بے خبر ہو گئے) اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔

(سورۃ الحشر، الآیۃ:20)

جہنم والے اور جنت والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک جنت والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔

اور اے محبوب! اگر اس قرآن کو ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے۔

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ پہاڑ اپنی حالت میں رہ کر خشیت الٰہی میں جھک جاتا یا پھر اللہ قرآن نازل فرماتا تو پہاڑ کو بھی عقل و شعور عطا فرما دیتا اور وہ برداشت نہ کر سکتا مگر قلب نبوت ہے کہ وہ قران پاک کے نزول کا متحمل ہو رہا ہے اور امت مسلمہ تک پہنچا رہا ہے۔

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔

(سورۃ الحشر، الآیۃ:21)

یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ۔

وہی معبود ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ غیب اور شہادت سب کا جاننے والا ہے۔

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (سورۃ الحشر، الآیۃ:22)

اور وہ بے پناہ مہربان اور رحیم ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

وہی معبود ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

اَلْمَلِكُ، وہ بادشاہ حقیقی ہے۔ اَلْقُدُّوْسُ، انتہائی مقدس ہے۔ اَلسَّلٰمُ، سلامتی دینے والا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ، امان بخشنے والا ہے۔ اَلْمُهَیْمِنُ، نگہبان ہے۔ اَلْعَزِیْزُ عزت والا ہے۔ اَلْجَبَّارُ ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا ہے۔ اَلْمُتَكَبِّرُ، کبریائی اسی کے شایان شان ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ، پاک ہے وہ ذات ان باتوں سے مشرک جنہیں اللہ کی ذات میں شریک کرتے ہیں۔ (سورۃ الحشر، الآیۃ:23)

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ، وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہے۔ اَلْبَارِئُ، از سر نو بنانے والا ہے۔ اَلْمُصَوِّرُ، شکم مادر میں تصویر گری کرنے والا ہے۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اس کے بہت پیارے پیارے نام ہیں۔ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ، اور وہ غالب و حکمت والا ہے۔ (سورۃ الحشر، الآیۃ:24)

اس سورت کا آغاز بھی تسبیح الٰہی سے ہوا تھا اور اختتام بھی تسبیح الٰہی سے ہوا ہے اور آخری آیاتِ مبارکہ میں اللہ کی بڑی عظیم صفات ایک ساتھ جمع کر دی گئی ہیں وہ رحمن ہے، وہ رحیم ہے، عالم الغیب والشہادہ ہے، الملک ہے، قدوس ہے، سلام ہے، مومن ہے۔ مہیمن ہے، عزیز ہے، جبار ہے، متکبر ہے، سبحان ہے، خالق ہے، بارئ ہے، مصور ہے اسکے پیارے پیارے نام ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان اسمائے مبارکہ کے ساتھ اپنے معبود حقیقی کا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خطاب نمبر (۷۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُنْذِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْہِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ
صَلَاۃً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ان شاء اللہ سورۂ ممتحنہ کی آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اس سورت میں ۱۳ آیات اور ۲ رکوع ہیں، یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورت صلح حدیبہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اس کی شان نزول میں قبیلہ بنو ہاشم کے ایک کنیز (سارہ) کا تذکرہ ہے جو مکہ سے مدینہ آئی تھی اور آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام نے اس سے کچھ سوال کئے تھے۔

۱) کیا تو مسلمان ہونے آئی ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

۲) آپ نے فرمایا: کیا ہجرت کرلی ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

۳) تو آپ نے پوچھا پھر کیوں مدینہ آنا ہوا ہے؟

تو اس نے کہا کہ میں قبیلہ بنو ہاشم کی کنیز تھی اب میں انتہائی فاقہ کشی کی زندگی گزار رہی ہوں۔ غربت میں ہوں میں اس لئے آئی ہوں کہ عبد المطلب کا خاندان یہاں بس رہا ہے آپ لوگ ہیں، آپ میری مدد کریں گے۔

آقائے دو جہاں علیہ السلام نے اس کی مدد کا حکم دیا اور صحابہ کرام نے اسے مال و دولت بھی دی اور کپڑے بھی عطا فرمائے۔ جب وہ واپس جانے لگی تو ایک بدری صحابی ہیں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالی عنہ انہوں نے اسے دس دینار اور ایک چادر دی اور ساتھ میں ایک خط بھی دیا اس خط میں یہ لکھا تھا کہ پیغمبر اسلام مکہ پہ حملہ کرنا چاہتے ہیں تو اس لئے قریشیو! تم اپنی حفاظت کرنا چاہتے ہو تو کرلو۔ یہ خط انتہائی خطرناک تھا اس طرح گویا انہوں نے پیغمبر اعظم کے اس اقدام کو جسے آپ نے پوشیدہ رکھا تھا اس کا راز فاش کیا اور گویا

انہوں نے مکہ والوں کی مدد کی۔ اللہ کے رسول علیہ السلام نے یہ کام بہت خاموشی سے کیا تھا کسی کو معلوم نہ ہوا تھا اور وہ عورت جس کا نام سارا تھا چلی بھی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے اس علم غیب کی بدولت یہ جان لیا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کارروائی کی ہے۔

چنانچہ آپ نے حضرت علی و حضرت زبیر و حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فوراً ہی روانہ فرمایا کہ تم لوگ "روضۂ خاخ" میں چلے جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے اور اس کے پاس ایک خط ہے۔ اس سے وہ خط چھین کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ یہ تینوں اصحاب کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر "روضۂ خاخ" میں پہنچے اور عورت کو پالیا۔ جب اس سے خط طلب کیا تو اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ خدا کی قسم! رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہہ سکتے، نہ ہم لوگ جھوٹے ہیں۔ لہٰذا تو خط نکال کر ہمیں دے دے ورنہ ہم تیری گردن اڑا دیں گے۔ جب عورت مجبور ہوگئی تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔ جب یہ لوگ خط لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے تو آپ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں، نہ میں نے اپنا دین بدلا ہے، نہ مرتد ہوا ہوں، میرے اس خط کے لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مکہ میں میرے بیوی بچے ہیں۔ مگر مکہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو میری بیوی بچوں کی خبر گیری و نگہداشت کرے۔ میرے سوا دوسرے تمام مہاجرین کے عزیز و اقارب مکہ میں موجود ہیں جو ان کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہ خط لکھ کر قریش پر ایک اپنا احسان

رکھ دیا ہے تا کہ میں ان کی ہمدردی حاصل کرلوں، اور وہ میرے اہل و عیال کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ یارسول اللہ! (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کافروں کو شکست دے گا اور میرے اس خط سے کفار کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان کو سن کر ان کے عذر کو قبول فرمالیا مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خط کو دیکھ کر اس قدر طیش میں آگئے کہ آپے سے باہر ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی غیظ و غضب میں آگئے۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جبین رحمت پر اک ذرا شکن بھی نہیں آئی اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا: کہ اے عمر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا تمہیں خبر نہیں! کہ حاطب اہل بدر میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے فرمادیا ہے کہ "تم جو چاہو کرو۔ تم سے کوئی مواخذہ نہیں" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں نم ہوگئیں اور وہ یہ کہہ کر بالکل خاموش ہو گئے کہ "اللہ اور اس کے رسول کو ہم سب سے زیادہ علم ہے" اسی موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ (ممتحنہ)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

(صحیح البخاری- کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح الرقم:4274)

بہر حال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاف فرمادیا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد آئندہ مسلمانوں کے لئے یہ سورت نازل ہوئی جن میں انہیں اس بات کی تنبیہ کی گئی کہ خبردار! اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے اس واقعہ سے چند باتیں اور معلوم ہوئیں کہ آقائے دو جہاں نے حاطب ابن ابی بلتعہ کو بلا کے صفائی کا موقع دیا اس سے یہ پتا چلا کہ اگر کسی مسلمان کے خلاف کوئی الزام لگے تو بغیر صفائی کا موقع دیے ہوئے اسے سزا نہیں دی جا سکتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ غلط الزام لگائے گئے اور سزا دے دی گئی اس کے بعد میں شرمندگی ہوئی ایسا کبھی نہیں ہونا چاہئے اور یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ جس نے کوئی جرم کیا ہے اس جرم کی وجہ کیا ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ جیسا کہ حضور نے پتا لگایا۔

اس کے بعد اس سورت میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے دشمنوں سے کسی طرح کی کوئی دوستی نہیں کی جائے اور چوں کہ حاطب نے یہ قدم اس لیے اٹھایا تھا تا کہ بال بچوں کی حفاظت ہو سکے تو اللہ نے اسی سورت میں فرمایا، کہ بال بچے تمہارے کام نہیں آئیں گے۔ یہ تو میدان قیامت میں الگ کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد کچھ اور احکامات بھی نازل فرمائے گئے کیوں کہ صلح حدیبہ میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ مکہ سے جو لوگ مدینہ آئیں گے وہ انہیں واپس کر دیں گے لیکن مدینہ سے کوئی مکہ جائے گا تو ہم انہیں واپس نہیں کریں گے۔ یہ بڑی ہی غیر منصفانہ شرط تھی مگر حضور رحمت عالم نے اسے بھی قبول فرما لیا جب کہ بعض صحابہ کرام کو اس سے بہت تکلیف ہوئی جب کہ آقا نے اسے قبول فرما لیا تھا۔

مگر اس میں تذکرہ عورتوں کا نہیں تھا اگر کوئی مرد مدینہ آتا ہے تو واپس کر دیا جائے گا ہمارے یہاں آئے گا تو ہم انہیں واپس نہیں کریں گے۔ عورتوں کے بارے میں کوئی بات واضح نہیں تھی اس لئے قرآن عظیم میں عورتوں کے بارے میں احکامات نازل کیے گئے کہ اگر مسلمان عورتیں وہاں سے آئیں مومن عورتیں اور وہ ایمان کا اقرار کریں تو آپ انہیں

جانچ لیں، ان کا امتحان لیں کہ واقعی وہ مومن ہیں؟ اگر وہ مومنہ ہیں تو انہیں واپس نہ کریں۔ اس لئے کہ اب ان کا عکس ٹوٹ چکا ہے، آج کے بعد وہ کافروں کی بیبیوں کی حیثیت سے ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی بلکہ مہر متعین کر کے کوئی مسلمان ان سے شادی کر لے اور اگر کوئی مسلمان کی بیوی مرتد ہو کر کسی اور وجہ سے ان کے پاس چلی جائے تو یہ نکاح بھی ٹوٹ چکا ہے، اور ارتداد کے بعد نکاح باقی نہیں رہتا ہے اسے اختیار ہوگا وہ جس سے چاہے شادی کر لے۔

البتہ اگر کافروں کی بیبیاں آئیں اور مسلمانوں سے شادی کر لیں تو کافروں نے جو مال ان پر خرچ کیا تھا مسلمان انہیں کافروں کو واپس کر دیں سبحان اللہ! آپ نے دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک کیا اور اگر مسلمانوں کی کافرہ بیویاں ان کے پاس جائیں ان سے شادی کر لیں اور انہیں رکھ لیں جب کہ ایسا ہوا نہیں ہے مگر قانون قانون ہے قیامت تک کے لئے ہے تو یہ ضروری ہے کہ مسلمان بھی ان بیویوں پر جو خرچ ہوا تھا اس کا مطالبہ کافروں سے کریں کافر اگر دے دیں تو ٹھیک ہے اور اگر نہ دیں تو غلبہ حاصل کرنے کے بعد مال غنیمت میں سے ان کا حق ادا کر دیا جائے۔ یہ احکامات بھی اس سورت کے اندر باضابطہ بتائے گئے ہیں۔

اب آپ سماعت فرمالیں چند آیتوں کے ترجمہ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمن کو اپنا دوست

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

تم اس سے محبت سے ملتے ہو اور محبت کی بات کرتے ہو

وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ

جب کہ وہ کافر ہو چکے ہیں اس دین کا انکار کر کے دین کے منکر ہیں جو حق کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہے۔

یاد رکھیئے! کہ مکہ کے کافروں کے پس منظر میں یہ آیتیں نازل ہو رہی ہیں۔ قرآن پاک میں شان نزول ایک ہوتی ہے یا چند باتیں ہوتی ہیں مگر حکم قیامت تک کے لئے عام ہوتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۔

وہ رسول کو اور تمہیں اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے۔

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ۔

اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا طلب کرنے کے لیے نکلے تھے۔

تم جہاد کرنے کے لئے نکلے ہو میرے راہ میں اور میری رضا جوئی کے لئے (تو تم انہیں اپنا دوست مت بناؤ)

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

تم ان کی طرف محبت کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو۔

وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ

اور میں ہر اس چیز کو خوب جانتا ہوں جسے تم نے چھپایا اور جسے تم نے ظاہر کیا۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ آقائے دو جہاں کا یہ فرمانا کہ وہ عورت جا رہی ہے اس کے پاس ایک خط ہے جاؤ لے آؤ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے ان کو علم غیب دیا ہے اور وہ سچے رسول ہیں وہاں کسی کو اس بات کی خبر نہیں تھی اور اللہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ تم جو بات چھپاتے ہو ان سے محبت کے اظہار کے لئے یا تعلق کے اظہار کے لئے تو میں اسے جانتا ہوں

جو تم چھپا رہے ہو یا جو تم ظاہر کر رہے ہو۔

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ

(سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:1)

اور تم میں سے جو یہ (دوستی) کرے تو بیشک وہ سیدھی راہ سے بہک گیا۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً

اگر وہ تمہیں پالیں تو تمہارے دشمن ہوں گے۔

وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ

اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ دراز کریں گے۔

وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:2)

اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمہیں نفع نہ دیں گے۔

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ

اللہ تمہارے درمیان جدائی کر دے گا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:3)

اور اللہ تمہارے کام خوب دیکھ رہا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ

بیشک (حضرت) ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین پیروی تھی۔

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بیشک ہم تم سے اور ان سے بیزار ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔

اور ہم انکار کرتے ہیں ان بتوں کا جن کی تم بات کرتے ہو اللہ کے علاوہ۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ ایک دشمنی اور بغض کا سلسلہ قائم ہو چکا ہے یہ اس وقت تک رہے گا۔

حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

مگر ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ سے یہ کہنا (پیروی کے قابل نہیں) کہ میں ضرور تیرے لئے مغفرت کی دعا مانگوں گا۔

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

اور میں اللہ کے سامنے تیرے لیے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں۔

یعنی استغفار کی بات کی اور یہ بتا دیا کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے اگر تم کفر پر قائم رہے تو اس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ "الّا" یہ استثنا کے لئے ہے کہ اب کافروں کے لئے استغفار بھی نہ کرو۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ

(سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:4)

اے اللہ ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے اللہ ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا۔

ایک تو یہ آزمائش کے معنیٰ میں ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ کافروں کو ہم پر غالب نہ فرما۔

وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا

اے ہمارے رب ہمیں بخش دے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:5)

بے شک تو غالب اور بخشنے والا حکمت والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

(اے مومنو) بے شک ان لوگوں میں تمہارے لئے بہترین نمونہ وہ ہے جو جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:6)

اور جو انحراف کرے گا تو اللہ بے نیاز ہے اور تعریف کیا ہوا ہے۔

اگلی آیات میں اللہ ایک بشارت دے رہا ہے وہ یہ کہ صلح حدیبہ کے بعد فتح مکہ کی صبح طلوع ہونے والی تھی۔ اور چوں کہ یہ واقعہ پہلے پیش آ گیا تھا۔ اس لئے اللہ ارشاد فرماتا ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً

قریب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا کر دے کہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان میں محبت پیدا ہو جائے۔

وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ

اور اللہ اس پر قادر ہے۔

یعنی مکہ فتح ہوگا یہ خبر ہے اور مکہ کے فتح ہونے کے بعد وہ سارے لوگ جو آج تم

سے دشمنی کر رہے ہیں وہ یقیناً تمہارے دوست بن جائیں گے۔ اور محبت کا حصہ قائم ہو جائے گا اب وہ صبح طلوع ہونے والی ہے جس کا انتظار تم مدتوں سے کر رہے ہو۔

وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:7)

بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اب یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ پوری دنیا کے لوگوں کو ایک قانون دے رہا ہے اور یہ پہلے بھی کہا گیا تھا کہ تم اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت نہ کرو، تعلقات قائم نہ کرو اور یہ کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے تم کو نکالا تھا اپنے شہر سے تم پہ زیادتیاں کی تھیں۔ اب اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرما رہا ہے کہ یہ قانون ان لوگوں کے لیے نہیں جنہوں نے تم پر کوئی ظلم نہیں کیے ہیں۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں فرماتا جنہوں نے دین میں تم سے جنگ نہیں کی ہے۔

وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اور تم کو اپنے شہروں سے نہیں نکالا ہے۔

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ

کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور انصاف کا معاملہ کرو۔

یعنی وہ لوگ جنہوں نے تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کی ہے وہ ہیں تو کافر، پھر بھی تم ان کے ساتھ احسان کرو اور جب معاملہ آئے تو انصاف کا معاملہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:8)

بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور دوست رکھتا ہے۔

حضرات گرامی! یہاں سے اسلام کے پورے نظام جہاد کی ایک تصویر سامنے آتی ہے کہ جہاد ان ہی سے کیا جائے گا جو حملہ آور ہوں، جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہوں، یا قتل کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن جو پر امن ہوں اگر چہ وہ کافر ہیں ان کے ساتھ قتال نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا یہ ہے وہ نظام اسلام۔

آج دنیا جنگوں کو دفاعی نظام سے تعبیر کرتی ہے حملہ آور ہونے والے ہیں مگر فوجیں ڈفینس کے لئے جمع کر رہے ہیں حالانکہ دفاع کا یہ قانون سب سے پہلے آقائے دو جہاں سرور کائنات نے عطا فرمایا۔ آج اس لفظ کو سبھی استعمال کر رہے ہیں ورنہ بادشاہوں کے زمانے میں اپنے کو حملہ آور ہونے میں فخر کرتے تھے اب دفاع کا قانون باضابطہ استعمال کیا ہے اگر چہ دفاع نہیں کرتے۔ ظالم ظلم کر رہا ہے مگر لفظ دفاع استعمال کر رہا ہے مگر سنو! لفظ دفاع سب سے پہلے اسلام نے استعمال کیا ہے۔ دفاع کا مفہوم اسلام نے سمجھایا ہے۔

اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ

اللہ تمہیں صرف ان لوگوں (کی دوستی) سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے۔

بے شک اللہ تمہیں روکتا ہے ان سے موادات اور معاملات کے سلسلہ میں جو تم سے قتال کرنے والے ہیں دین اسلام کے معاملہ میں۔

وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اور جنہوں نے تم کو اپنے شہروں سے نکالا ہے۔

وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ

اور تمہارے نکالنے پر (تمہارے مخالفین کی) مدد کی۔

اَنْ تَوَلَّوْهُمْ

کہ تم ان سے دوستی کرو۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:9)

اور جو ان سے دوستی کرے گا وہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہے۔

اگلی آیات میں ہر آنے جانے والے کی جانچ کے حوالہ سے درس دیا جارہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ

اے ایمان والو! جب مومن عورتیں تمہارے پاس آئیں ہجرت کر کے تو ان کا امتحان لو یہ جان لو اچھی طرح سے کہ وہ مومنہ ہیں۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ

اللہ ان کے ایمان کو جانتا ہے۔(مگر تم تحقیق کرلو)

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ

اگر تم جان لو کہ مومنہ ہیں۔

فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ

تو خبردار! انہیں کافروں کو نہ لوٹاؤ۔(ان کا نکاح ختم ہو چکا ہے)

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ

نہ یہ عورتیں ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ مرد ان کے لئے حلال ہیں۔

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا

اور انہیں دے دو جو ان پر خرچ کیا ہے۔(ان کے کافر سابق شوہروں نے)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ

اور تمہارے لئے کوئی حرج نہیں کہ تم ان سے شادی کرو۔(ان کا نکاح ختم ہو چکا ہے)

اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

جب کہ تم ان کا مہر ادا کردو۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

اور خبردار کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں مت رکھو۔

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ

اور جو تم نے خرچ کیا ہے وہ (ان کافرہ عورتوں پر ان کے متعلقین سے) مانگ لو۔

وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا

اور وہ بھی سوال کر سکتے ہیں جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔(ان عورتوں پر جو تمہارے نکاح میں ہیں جواب مومنہ ہیں)

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

یہ اللہ کا حکم ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو بطور فیصلہ عطا فرما رہا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:10)

اور بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا

اور اگر تم مسلمانوں کے ہاتھ سے تمہاری کچھ عورتیں کافروں کی طرف نکل جائیں پھر تم (کافروں کو) سزا دو تو جن کی بیویاں چلی گئی تھیں انہیں (مالِ غنیمت سے) اتنا دیدو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا۔

اس سے پہلے والی آیت نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے تو ہجرت کرنے والی

عورتوں کے مہر اُن کے کافر شوہروں کو ادا کر دیئے جبکہ کافروں نے مرتدہ عورتوں کے مہر مسلمانوں کو ادا کرنے سے انکار کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس سے کچھ عورتیں مرتدہ ہو کر کافروں کی طرف نکل جائیں، پھر تم کافروں کو جہاد کے ذریعہ سزا دو اور ان سے غنیمت پاؤ تو جن کی عورتیں مرتدہ ہو کر دارالحرب میں چلی گئیں تھیں انہیں مالِ غنیمت سے اتنا دیدو جتنا انہوں نے ان عورتوں کو مہر دینے میں خرچ کیا تھا۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:11)

اور تم اللہ سے ڈرو جس پہ تم ایمان لائے ہو۔

اب یہاں اللہ تعالیٰ ایک قانون عطا فرما رہا ہے۔ ظاہر ہے اسلام پھیل رہا تھا غیر مسلم عورتیں مسلم ہو رہی تھیں لیکن چوں کہ اسلام سے پہلے وہ شرک بھی کرتی تھیں، چوریاں بھی کرتی تھیں، زنا کا ارتکاب بھی ہوتا تھا قتل بھی ہوتا تھا اپنے بچوں کا قتل بھی کرتی تھیں، وہ بہتان بھی لگاتی تھیں۔ یہ سارے اعمال ان کے ماضی میں تھے اس لئے جب آپ کے پاس ایمان کے بعد وہ عورتیں بیعت کے لئے آئیں تو آپ ان سے اس بات پر بیعت لیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ

اے پیغمبر جب مومن عورتیں آپ سے بیعت کے لئے آئیں۔

عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ

اس بات پر کہ نہ وہ شرک کریں گی اور نہ چوری کریں گی۔

وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ

اور نہ زنا کریں گی۔ اور نہ اپنے بچوں کا قتل کریں گی۔

وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ۔

اور ایسا الزام نہیں لگائیں گے جو انہوں نے اپنے طور پر گڑھ لیا ہو اور کسی بھی بھلائی میں وہ آپ سے نافرمانی نہ کریں گے۔

فَبَایِعْهُنَّ۔ (اگر ایسا ہو) تو آپ ان سے بیعت فرما لیا کرو۔

وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ۔ آپ ان کے لئے استغفار فرمائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:12)

بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ

اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب کیا۔

قَدْ یَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ وہ اپنی آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں۔

كَمَا یَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (سورۃ الممتحنۃ الآیۃ:13)

جیسا کہ قبر والوں میں سے کفار (ثواب آخرت سے) ناامید ہو چکے ہیں۔

حضرات! یہاں مِنْ بیانیہ ہے تمییز کے لئے نہیں ہے اس لئے یہاں یہ ترجمہ ہوگا کہ جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں نہ کہ یہ جس طرح سے کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا غلط مفہوم سمجھا اور اصحاب قبور پر معاذ اللہ جو اہل ایمان ہیں ان پر الزام عائد کرنے لگ گئے۔ حالانکہ اس کا مفہوم یہ جو ہم نے بیان کیا ہے۔

كَمَا یَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ

جس طرح سے کہ وہ کافر مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں۔

اللہ ہمیں سچ قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

خطاب نمبر (۱۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُنْذِرِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَیْهِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ

وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۃ الصف کی آیات مبارکہ کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کروں گا پروردگار عالم ہم کو اور آپ کو قرآن کا حقیقی شعور عطا فرمائے۔ حضرات! سورۃ الصف مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ۲ رکوع اور ۱۴ آیات ہیں۔ مدینہ طیبہ کی زندگی مسلمانوں کے لیے مکی زندگی سے بالکل مختلف تھی مکہ مکرمہ میں جو مظالم برداشت کر رہے تھے۔ انہیں صبر اور برداشت ہی کی تعلیم دی گئی اور حق پر قائم رہنے پہ زور دیا گیا تھا لیکن جب آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور ہر طرف سے دشمنوں نے اسلام کی شمع کو بجھانا چاہا تو جہاد فرض ہوا۔

جہاد کی فرضیت اسلام کے تحفظ کے لئے تھی اور اس نور کو بچانے کے لیے تھی جس کو بجھانے کے لیے کفار ومشرکین متحد اور منظم ہو کر بار بار مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ جہاد کی فرضیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمائی سورۃ الصف کی جس میں اس بات کی تلقین کی گئی کہ جب دشمن کا مقابلہ ہو تو تم صف بستہ ہو کر ان کے سامنے کھڑے ہو جاؤ اور سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح مد مقابل ہو جاؤ۔ تمہارے اندر کوئی کمزوری نہیں ہونی چاہئے اور نہ کوئی اختلاف ہونا چاہئے اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے متحد اور منظم نہ رہو گے تو یقیناً نقصان اٹھاؤ گے اور تمہارا خسارہ ہوگا۔ یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اے لوگو! اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے یعنی قول وعمل میں یکسانیت ہونی چاہئے جو تم کہو اس پر عمل بھی کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل کا حوالہ دے کے یہ بات واضح کی گئی کہ جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے اذیتیں دیں نافرمانیاں کیں اور جب مقابلہ ہوا تو

انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اے موسیٰ! آپ اور آپ کا پروردگار جائیں اور جنگ کریں ہم تو یہیں رہیں گے۔انہوں نے خود جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔گویا مسلمانوں کو اس کی وضاحت کی گئی کہ تمہیں اسرائیلیوں کی طرح اپنے پیغمبر کے ساتھ معاملہ نہیں کرنا ہے۔اور آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت بھی کیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں ہیں بلکہ وفاداری کی آخری منزل تک ہم پیغمبر اعظم کے ساتھ رہیں گے۔

اس کے بعد اسلام کی مکمل فتح کی بشارت دی گئی کہ آج بظاہر کفر کی قوتیں متحد ہیں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن اسلام غالب ہو کر رہے گا اس لئے کہ اللہ کا آخری دین' دین اسلام ہے اس کے بعد کوئی اور نیا دین نہیں آنے والا ہے، نہ کوئی کتاب نازل ہونے والی ہے اور اللہ تعالی نے اس سورت میں اپنی مدد کا بھی وعدہ فرمایا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔یقیناً جس کی مدد اللہ کرے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔یہ مختصر خلاصہ ہے اس سورت طیبہ کا۔اب میں اس کے مفہوم کو پیش کرنے کا شرف حاصل کروں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (سورۃ الصف الآیۃ: 1)

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔

اللہ کی تسبیح کی۔ماضی کا صیغہ ہے ان تمام چیزوں نے جو زمین وآسمان میں ہیں اور بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ جب اللہ تعالی کسی عظیم الشان امر کا اعلان فرمانا چاہتا ہے تو پہلے اپنی پاکی کا اعلان فرماتا ہے۔وہ ہر عیب سے، ہر کمزوری سے منزہ ہے اور پاک ہے تاکہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ بھی نہ ہو کہ اللہ کے فیصلہ کی

تائید کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہمیں کوئی ناکامی ہوگی۔اور پھر وہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے اس کا کوئی فیصلہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔اور وہ غالب ہے اس لئے اس کے حکم پے عمل کر کے تم بھی غالب ہی رہو گے۔اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (سورۃ الصف الآیۃ:2)

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پہ خود عمل نہیں کرتے۔

اس آیت شریفہ کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کرام نے بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں۔امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ منافقین کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔کیوں کہ جو حکم جہاد سے پہلے بڑی بڑی باتیں کرتے تھے، بڑا حوصلہ دکھاتے تھے کہ جب جہاد کا حکم ہوگا تو ہم اپنی جانیں دیں گے، اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔لیکن جہاد کی آیتوں کے نزول کے بعد بزدلی غالب آگئی کیوں کہ وہ اندر سے مومن نہ تھے اور یہاں اہل ایمان کو مخاطب کر کے یہ بات بتائی کہ قیامت تک کے آنے والے اہل ایمان بھی اس میں شامل ہیں اس لئے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہا گیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بعض لوگ نذر مان کر پوری نہیں کرتے تھے تو ان کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وہ لوگ جو دین کی دعوت دیتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے خطباء وواعظین ان کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

بہر حال یہ عرض کرنا ہے کہ یہ وہ تمام لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کسی بات کو کہتے ہیں اور اس پر خود عمل نہیں کرتے۔متعدد احادیث میں ایسے لوگوں کے بارے میں بڑی ہی دردناک سزاؤں کا اعلان کیا گیا ہے اور آقائے دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کروایا گیا ہے۔آپ نے معراج کی شب دیکھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ہونٹ آگ

کی قینچیوں سے تراشے جارہے تھے اور برابر ہو جارہے تھے اور پھر تراشے جارہے تھے تو آپ نے جناب جبرئیل سے پوچھا کہ ان کے ساتھ یہ عذاب کیوں ہو رہا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اعمال صالحہ کا حکم دیتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے اس طرح کی اور بھی احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ حضرات! اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔

کتنی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔

اللہ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے غضب فرماتا ہے کہ تم ایسی بات کہو کہ تم جس پر خود بھی عمل نہیں کرتے ہو۔ یہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ ایک مومن کے لئے ظاہر اور باطن ایک جیسا ہی ہونا چاہئے جو وہ کہے اسی پر عمل بھی کرے۔ ایسا نہ ہو کہ قول کچھ ہو اور عمل کچھ ہو، یکسانیت ہونی چاہئے قول و عمل کے درمیان میں یہ تنبیہ کرنے کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

(سورۃ الصف، الآیۃ: 4)

بے شک اللہ محبوب بنالیتا ہے ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں صف بستہ ہو کر گویا کی وہ سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اس آیت کریمہ میں در اصل جہاد میں استقامت کا پورا منظر کھینچ دیا گیا ہے۔ "يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ" کہہ کر کے یہ فرمادیا گیا ہے کہ ان کے جہاد کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا اور دین کی سربلندی ہے۔ وہ نہ حصول دولت کے لیے ایسا کررہے ہیں اور نہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے اور نہ زمینیں فتح کرنے کے لیے بلکہ فِيْ سَبِيْلِهٖ میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا تھا: یارسول

اللہ! مجاہد کون ہے؟ تو آقا نے فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے راستے میں جہاد کرے صَفًّا صف بستہ ہو کر کے، متحد اور منظم ہو کر کے، مجتمع ہو کر کے، ایک ساتھ ہو کر کے جب وہ کھڑے ہوتے ہیں كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ تو وہ اس قدر مستحکم اور مضبوط ہوتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار، ایک ایسی دیوار جو سیسہ اور رانگہ پلائی ہوئی ہے کوئی اسے منہدم نہیں کرسکتا ٹھیک یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتے ہیں، اور استقامت اختیار کرتے ہیں۔ پیٹھ پھیرنے کا کوئی تصور نہیں ہوتا حالات کیسے بھی ہوں، مشکلات کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن بہر کیف وہ جمے رہتے ہیں جہاد کے راستے میں۔

اس کے بعد اللہ تعالی ارشاد فرمارہا ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (سورۃ الصف، الآیۃ: 5)

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم! مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو؟ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اس کے باوجود ان کی قوم نے انحراف کا راستہ اختیار کیا جہاد کا حکم دے دیا گیا تو انہوں نے یہ کہا: "فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں اور جہاد کریں ہم تو یہاں کھڑے رہیں گے۔ عمالقہ یا جبارین کے مقابلہ میں انہوں نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن سرور کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے امتیوں کا یہ عالم ہے کہ پہلا معرکہ بدر پیش آیا اور یہ اچانک پیش آگیا تھا اور حال یہ تھا کہ بڑی بے سروسامانی کا سامنا تھا اور کفار

پوری قوت کے ساتھ متحد ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

ایسے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے تو سب سے پہلے انصاریوں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ حکم فرمائیں تو ہم آگ میں کود جائیں گے اور ہم جہاد کریں گے، ہم جناب موسیٰ کی قوم نہیں ہیں کہ ہم آپ سے یہ کہیں کہ آپ جائیں اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں یہ سن کر آقائے پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے پر مسرتوں کے آثار نمودار ہو گئے تھے اور اللہ نے پھر کامیابی بھی عطا فرمائی۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ کہا کہ تم مجھے تکلیف کیوں پہنچاتے ہو میری باتوں کا انکار کر کے اور تم جانتے بھی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ فرمان ہے وہ اللہ کا فرمان ہے۔

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

تو جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (سورۃ الصف، الآیۃ: 5)

اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

جو فسق پر قائم ہوں، جو جان بوجھ کر پیغمبر سے اختلاف کرے اور اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کرے تو اللہ کو کوئی اس کی پرواہ نہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہوں یا نہ ہوں۔

اب یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗ

اَحْمَدُ۔ (سورۃ الصف، الآیۃ: 6)

اور جب عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے یہ کہا: اے بنیہ اسرائیل! میں تمہاری جانب اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے توریت ہے اور بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں۔ جن کا نام احمد ہوگا۔

یہ آیت کریمہ اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت و رسالت اور ان کی تشریف آوری کے دو مقصد تھے۔ "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ" ایک تورات کی تصدیق کرنا اور دوسرا سرور کائنات کی آمد کی بشارت دینا جن کا نام احمد ہوگا۔

حضرات گرامی! آپ اندازہ فرمائیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام کی تشریف آوری سے پانچ سو ستر سال پہلے جناب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بشارت اپنی قوم کو دی تھی اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ ہمیں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ یہاں رفع آسمانی کا موقع پیش آیا جب اٹھائے جانے والے تھے تو قوم نے انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ کہا: کہ آپ ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ہم نے آپ کے لئے وقت کے طاغوت سے دشمنی لے لی ہے۔ ہم جب بیمار ہوتے تھے تو آپ شفا دیتے تھے، نابینا ہوتے تو آپ بینائی دیتے تھے آپ کی زندگی ہمارے لئے حیات بخش تھی اب ہم اپنے مسائل لے کر کہاں جائیں گے تو جناب عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے لوگو! میرا جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے اس لئے میں جب اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچوں گا تو تمہارے پاس وہ آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ انجیل میں فارقلیت آیا ہے اور فارقلیت کا ترجمہ احمد ہوتا ہے۔

حضرات گرامی! آقائے دو جہاں علیہ السلام کی بشارت بہت تفصیلی ہے اس کو بشارۃ الفارقلیت کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کچھ اپنی طرف سے نہیں

کہیں گے بلکہ جو کچھ کہیں گے اللہ کے فرمانے کے مطابق کہیں گے گویا یہ بتایا گیا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۃ النجم، الآیۃ:3)

انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ لوگوں نے اپنے سردار کو پہچاننے میں غلطی کی ہے، الزامات عاید کئے ہیں۔ جب وہ آئیں گے تو میرا چہرہ صاف کریں گے اور یہی ہوا کہ آقائے دو جہاں کی تشریف آوری کے بعد وہ الزامات جو ان پر اور ان کی عظیم ماں پر لگائے گئے تھے آقا نے قرآن عظیم کی روشنی میں ان تمام الزامات کا دفاع فرمایا۔ اس طرح کی بہت سی آیات موجود ہیں انجیل کے اندر اور توریت میں بھی جو سرور کائنات کی آمد کی بشارتیں دیتی ہیں۔

اب یہاں فرمایا جارہا ہے کہ ان کا نام احمد ہوگا حضرات گرامی! کتنا حسین نام ہے سرکار دو عالم کا کہ آپ کی تشریف آوری سے بہت پہلے آپ کے نام پاک کا اعلان جناب عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کہ ان کا نام احمد ہوگا۔ آقائے دو جہاں فرماتے ہیں کہ میرا زمین پہ نام محمد ہے اور آسمانوں پر احمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ آقائے دو جہاں فرماتے ہیں کہ میں محمد اس لئے ہوں کہ قیامت کے دن میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا، حمد کا جھنڈا ہوگا۔ احمد کا معنیٰ: اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔ آپ احمد ہیں اللہ کی بے پناہ تعریف کرنے والے ہیں اور اس کے جواب میں اللہ نے آپ کو محمد بنایا ہے۔ "اَلَّذِيْ يُحْمَدُ بَعْدَ حَمْدٍ" جن کی تعریف ہمیشہ کی جائے، ہمیشہ جن کا ذکر کیا جائے ان کا نام ہی محمد رکھا گیا نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے نام ہی مکمل نعت ہے۔ اگر القاب و آداب نہ بھی لگائے جائیں تو بھی محمد کہہ دینا ہی ایک مستقل نعت ہے۔ آقائے دو جہاں کے نام پاک کے اندر پوشیدہ ہے تو ان کا نام محمد بھی ہے احمد بھی ہے۔ "مِنْ بَعْدِيْ" کہہ کر گویا حضرت عیسیٰ فرمارہے ہیں کہ میرے بعد وہ آئیں گے جن کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ کوئی اور ہوتا تو اس کا تذکرہ فرماتے لیکن

احمد پاک کے تذکرہ کے بعد کسی اور کا تذکرہ نہ کرنا سرور کائنات کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل ہے۔ پھر اللہ کا یہ فرمانا:

"عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ" قرآن پاک میں جہاں جہاں انبیائے کرام کا نام لیا گیا ہے ان کے والد کے نام سے پکارا گیا ہے لیکن یہاں جناب عیسیٰ علیہ السلام کا نام ماں کے نام کے ساتھ لیا گیا ہے جب کہ اللہ کا فرمان ہے کہ تم لوگوں کو ان کے آبا کے نام سے پکارو، ماؤں کے نام سے نہ بلاؤ۔ اس فرمان کے باوجود ماں کا نام اس لیے لیا گیا کہ جناب عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا وہ معجزے کے طور پر صرف ماں سے پیدا کئے گئے تھے، اس لیے جہاں کہیں بھی جناب عیسیٰ علیہ السلام کا نام آیا قرآن پاک میں تو عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ آیا ہے مریم کے بیٹے جناب عیسیٰ علیہ السلام۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کہہ کر گویا یہ اعلان فرمارہے ہیں کہ میں بنو اسرائیل کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں میں ساری کائنات کا نبی نہیں ہوں لیکن میرے بعد جو پیغمبر جلوہ گر ہوں گے وہ ساری کائنات کے نبی ہوں گے وہ کسی ایک قوم کے نہیں کسی ایک طبقہ کے نہیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔

جب وہ ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے۔

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (سورۃ الصف، الآیۃ:6)

تو انہوں نے بھی یہ کہا تھا کہ جادو ہے۔

اے پیغمبر! یہ آپ کے دشمن اگر آپ کو جادوگر کہتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ انہوں نے گزشتہ پیغمبروں کو بھی اسی باطل نام سے یاد کیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ

اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے جب کہ اسے اسلام کی

طرف دعوت دی جارہی ہو۔

وہ دعوت جناب عیسیٰ کی ہو، یا سرور کائنات کی ہو، ہر ایک کا مذہب اسلام ہی تھا۔

وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ(سورۃ الصف، الآیۃ: 7)

اور بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ

(سورۃ الصف، الآیۃ: 8)

کافر یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے خواہ اسے کافر ناپسند کریں۔

نور کے حوالے سے مفسرین نے کئی اقوال پیش کئے ہیں نور سے مراد حضور سرور کائنات کی ذات ہے۔ نور سے مراد قرآن عظیم ہے۔ نور سے مراد اسلام ہے۔ اور میرا یہ کہنا ہے کہ نور سے مراد یہ سب کچھ ہے آقا کی ذات بھی ہے۔ قرآن عظیم بھی نور ہے اور اسلام تو سراسر نور ہے۔

تو وہ رسول پاک کی مخالفت کر کے آپ کی ٹہنی کو کمزور کرنا چاہتے ہیں، یا قرآن پاک کے نظام کو مٹانا چاہتے ہیں، یا اسلام کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: پیغمبر آپ کی ذات ہو، قرآن عظیم ہو یا اسلام ہو، اللہ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا خواہ اسے کافر ناپسند کرتے ہوں۔ آپ نے دیکھا کہ کافروں نے پھونک مارا تھا کہ چراغ مصطفیٰ بجھ جائے مگر چراغ کی لو جھپکی تو ہزار اندھے چراغ روشن ہوتے چلے گئے کوئی صدیق اکبر بن کے، کوئی عمر فاروق بن کے، کوئی عثمان غنی بن کر کے، کوئی علی مرتضیٰ بن کر چمکا۔ وہ نور آج تک کائنات میں اپنی جلوہ ریزی کے ذریعہ دنیا کو روشن کر رہا ہے اب اللہ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

اللہ اپنی ذات کا تعارف کر کے فرما رہا ہے کہ وہ جلال و جمال والا صاحب قدرت اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ "لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ" تا کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے۔

وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ(سورۃ الصف، الآیۃ:9)

اگر چہ کافر اسے ناپسند کرتے ہیں۔

اللہ اس دین کو یقیناً غالب فرمائے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اس دین پہ غالب نہ آسکے گی۔ یہ دین کے غلبے کی بات اللہ نے فرمائی ہے ہوسکتا ہے کہ مسلمان کہیں غالب ہوں اور کہیں شکست کھا جائیں لیکن مسلمانوں کی شکست کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام شکست کھا جائے گا تاریخ میں ایسے ہزاروں مراحل پیش آئے ہیں کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے مگر اسلام غالب رہا ہے اسلام شکست خوردہ کبھی نہیں رہا ہے مثال کے طور پر اسپین کا زوال ہوا تھا جس زمانے میں ۱۴۹۲ میں اسپین کا زوال ہوا ٹھیک اسی دور میں انڈونیشیا اور ملیشیا جیسی عظیم سلطنتیں ابھریں بغداد کا زوال ہوا جن لوگوں نے بغداد کو تباہ کیا تھا وہی مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے صدیوں تک اسلام کی خدمت کی۔ اور آج جب کہ قرآن عظیم اور سرور کائنات کی اتنی مخالفت ہو رہی ہے پھر بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب آج دنیا میں ہے کیوں کہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین کو غالب فرمائے گا خواہ مشرکین ناپسند کریں یہ دین غالب رہے گا۔ اور قیامت تک اس دین کو دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہ سکے گی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

خطاب نمبر (۷۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُنْذِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْهِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ○
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ
خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ یُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ ○ (سورۃ الصف، آیت ۱۰،۱۲)

حضرات گرامی! آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدار مدینہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نظریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِهٖ
وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

حضرات گرامی! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اے ایمان والو! کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی تجارت کی طرف نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے اموال سے اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ایسے پاکیزہ گھروں میں جو رہائش کے لئے موضوع ترین ہوں گے باغات میں سے ہیں اور یہی تمہارے لئے سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اہل ایمان نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہترین عمل کون سا ہے؟ تو ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی چوں کہ مدینہ طیبہ کی زندگی میں اس وقت ایمان کے بعد جہاد سب سے محبوب عمل تھا۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(سورۃ التوبۃ: الآیۃ:111)

اللہ تبارک وتعالی نے خرید لیا ہے اہل ایمان سے ان کی جان کو اور ان کے مال کو جنت کے بدلے میں۔

حضرات گرامی! تجارت کی بنیادی اصولوں میں سے بیع وشراء ہے، ایک بیچنے والا ہوتا ہے اور ایک خریدنے والا ہوتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں! تجارت کتنی عظیم ہے کہ اس میں بیچنے والے بندے ہیں اپنی جان کو اور انہیں خریدنے والا پروردگار عالم ہے جو خلاق کائنات ہے۔ یہ اس کا کرم ہے، یہ اس کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنی ہی عطا اور اپنی ہی بخشش کو اپنی ہی ملکیت کو مجازًا ہمارے حوالہ کر کے اسے پھر خریدنے کی بات فرمائی ہے۔

حضرات گرامی! جو لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں تھے، جو مہاجرین تھے وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور جو مدینہ طیبہ میں تھے وہ عام طور پہ زراعت کا کام کرتے تھے، باغات تھے، کاشت کاریاں کرتے تھے۔ قرآن عظیم میں کبھی تجارت کے حوالے سے تذکرہ ہے اور کبھی کاشت کے حوالے سے، چوں کہ یہ دونوں باتیں ان کی نگاہوں کے سامنے تھیں اور قرآن عظیم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ موجود اور مشاہد حقیقتوں کو یاد دلا کر کے وہ اپنے بندوں کو آخرت کی طرف متوجہ فرماتا ہے۔ کبھی وہ یہ فرماتا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرو جس طرح سے ایک دانہ زمین میں ڈالو گے تو پودا اگے گا اور اس میں سات سات بالیاں ہوں گی، اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں گے یقیناً یہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا ایسی تجارت ان کا پیشہ تھی اس لئے تجارت کو باضابطہ اسلوب بیان میں داخل فرما کر پروردگار عالم نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ تمہاری جان ہو، تمہارا مال ہو تم اسے اللہ کے دست قدرت پہ بیچ دو اس سے بہتر تجارت اور کوئی نہیں ہوگی۔

دنیا کی تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی ہوتا ہے، لیکن یہ تجارت صرف فائدہ

والی تجارت ہے اس میں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ دنیا کی تجارت میں جو منفعت ہے اس کے زائل ہونے کا خطرہ بھی ہوتا ہے لیکن یہ تجارت جس کی رہنمائی پروردگار عالم کر رہا ہے اس میں کوئی خسارہ نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں ہوگا، دنیاوی فائدے جو تجارت سے حاصل ہوتے ہیں وہ وقتی ہوتے ہیں، اسی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں لیکن یہ فائدہ جو اس تجارت میں تم کو ہوگا وہ دائمی ہوگا، ابدی ہوگا، کبھی ختم نہ ہونے والا ہوگا۔ دنیاوی تجارت میں جو فائدہ ہو وہ کبھی کبھی تم کو دنیاوی تکالیف سے بچا نہیں سکتا اور عذاب الیم سے تو بچا ہی نہیں سکتا ہے۔ مگر یہ تجارت وہ ہے جن کے بدلے میں تم کو جنت بھی ملے گی اور اللہ کی نعمتیں بھی میسر آئیں گی اور جہنم کے دردناک عذاب سے تم کو بچا لیا جائے گا۔

حضرات گرامی! آپ اندازہ فرمائیں!

جان بھی دی ہوئی اسی کی ہے
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اگر ہم اللہ کے راستہ میں جان دیں تو یہ تو اسی کی دی ہوئی جان ہے ہم جان دے کر بھی اپنے رب کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ مگر ہماری جان کو اور ہمارے مال کو اللہ نے خرید لیا ہے جنت کے بدلہ میں، کتنا خوبصورت اور کتنا اچھا سودا ہے یہ؟ اور خریدنے والا وہ ہے جو خالق و مالک اور پروردگار عالم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے، ہمارے ہر ہر نفس پہ جس کا کنٹرول ہے، ہماری ہر ہر سانس جس کی عطا اور بخشش ہے۔ ہمارا یہ عالم ہے کہ

ہر نَفَسی کہ فُرو می رَوَد مُمِدِّ حَیات اَست
وچُون برمی آید مُفَرِّ حِ ذات است

ہر سانس جو اندر جاتی ہے زندگی کو بڑھانے والی ہے اور باہر آتی ہے تو روح کو تسکین

دینے والی ہے۔اندر جانے والی سانس کا باہر آنے کا یقین نہیں ہے اور باہر آنے والی سانس کا اندر جانے کا یقین نہیں ہے مگر اے پروردگار! یہ تیری ربوبیت ہے کہ تو نے ہمیں زندگی عطا فرمائی ہے ہماری سانسیں آتی بھی ہیں اور جاتی بھی ہیں۔ہم اگر ایک سانس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیں تو ہمیں دو بار آنے اور جانے والی سانس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔لیکن تو نے ہمیں زندگی عطا فرمائی ہے اور اس کے بعد ہماری حیات میں بھی جو کچھ دولت تو نے دی ہے، مال دیا ہے اسی کو تو خرید رہا ہے جنت کے بدلے میں۔

حضرات گرامی! اس حقیقت کو صحابہ کرام سمجھتے تھے، اور اہل ایمان نے ہر دور میں سمجھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی زندگی کو اور اپنی مال و دولت کو خدا کی بارگاہ میں نظر کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اور جب بھی دین کو ضرورت پڑتی تھی قربانیاں دیتے رہے۔قربانیوں کا یہ سلسلہ عہد رسالت سے قیامت تک جاری رہے گا اور انہیں قربانیوں کے ذریعہ امت مسلمہ کو وہ تمام کامیابیاں میسر آتی ہیں جو دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی ہیں۔ ہمارا تو یہ عالم ہے کہ ہم اپنی ذات کے لیے جیتے ہیں لیکن جو اہل ایمان ہیں وہ اپنی ذات کے لیے نہیں، اپنے اللہ کی رضا کے لیے جیتے ہیں، اپنے پروردگار خدائے قدیر و جبار کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

حضرات! یوں تو یہاں جہاد سے مراد جہاد بالسیف ہے۔آیت کریمہ میں جس کا ذکر کیا گیا ہے، اس لئے ان آیتوں کے نزول کے بعد مسلسل جہاد کے راستوں میں امت مسلمہ کو قربانیاں دینی پڑی اس دور کے اہل ایمان کو صحابہ کرام کو۔ایسے جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں سب سے اعلیٰ جہاد دشمن کے مقابلہ میں جہاد بالسیف ہے جس میں کامیابی مل جائے تو آدمی غازی ہوتا ہے اور اگر زندگی نذر ہو جائے تو آدمی شہید ہوتا ہے دونوں اعتبار سے وہ بہت

کامیاب ہوتا ہے۔کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنی قربانی پیش کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں کہ جب بھی موقع ملا تو اپنی قربانی پیش کریں گے۔میرا ایک مصرعہ ہے۔

عظیم لوگ تھے جو قرض جہاں اتار گئے۔

یہ جان ایک قرض ہے جسے ہمیں اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنا ہے یہ جہاد بالسیف ہے، اس کے ساتھ جہاد بالنفس ہے جہاد بالنفس کا مطلب کہ انسان اپنے تمام لذائذ جو ناجائز ہیں، ان سے مکمل طور پر پرہیز کرنے کی کوشش کریں۔صرف ان لذتوں سے فائدہ اٹھائیں جس کو جائز قرار دیا گیا ہے اپنے نفس کو ان تمام باتوں سے روکیں جن سے روکنے کا حکم ہے اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کی بجائے ہمیشہ اللہ کی رضا کو مدنظر رکھیں اور نفس کے اسی مطالب کو پورا کریں جس میں اللہ راضی ہو وہ اپنی طبیعت کا غلام نہ ہو بلکہ شریعت کا غلام ہو شریعت کے خلاف اگر طبیعت کا مطالبہ ہے تو پھر اسے ٹھکرا دیا جائے گا۔

آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس آرہے ہیں کامیابی کے بعد غالباً یہ غزوہ حنین ہے تو آپ نے واپسی کے راستہ میں صحابہ سے ارشاد فرمایا:

قَدِمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ مِّنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔

(کتاب "الزهد الكبير" للبيهقي فصل في ترك الدنيا ومخالفة النفس والهوى، الرقم: 373)

تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف روانہ ہو رہے ہو۔

صحابہ کرام کو حیرت ہوئی حنین تو آخری معارکہ تھا مکہ فتح ہو چکا ہے اب کون سی جنگ پیش ہونے والی ہے تو آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ جہاد جو ختم ہو گیا ہے: یہ روز دو روز کا جہاد ہوتا ہے، چند گھنٹوں کا ہوتا ہے، چند دنوں کا ہوتا

ہے، لیکن ایک ایسا جہاد بھی ہے ہماری اور تمہاری زندگی میں جو ہر لمحہ ہم پر مسلط ہے اور وہ جہاد بالنفس ہے اپنی خواہشات کو قربان کرنا یہ بہت بڑا جہاد ہے کہ جو ہر وقت جاری رہتا ہے۔ اور حقیقی مجاہدین بھی وہی ہیں کہ جہاد اصغر کے ساتھ ساتھ جہاد اکبر کے لیے بھی خود کو تیار کریں۔

حضرات گرامی! جہاد ایک ایسا عمل ہے کہ جس میں بندہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور مرتبہ شہادت کے بعد وہ سوال و جواب سے بھی بے نیاز کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی معاف ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ روایتوں میں آیا ہے کہ اگر کوئی شہید یا کوئی مجاہد خدا کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور اس پر کسی بندے کا دعوی ہوگا تو اللہ اس بندے کے دل میں یہ بات ڈالے گا کہ وہ معاف کر دے، اور جب وہ معاف کر دے گا تو پھر اس سے بھی سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرات گرامی! اور یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ اپنے حقوق کو معاف فرما دیتا ہے۔ مگر بندوں کے حقوق کو معاف نہیں فرماتا جب تک بندہ نہ معاف کر دے۔ حضرات گرامی! سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، اللہ فرماتا ہے: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلا وہ شخص مجھ پر ایمان اور میرے انبیا کے تصدیق کے لیے نکلا ہے تو میں اس کا ضامن ہوں اس کو اس کا اجر غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا۔ یا میں اس کو جنت میں داخل کروں گا۔ یہ وعدہ ہے پروردگار عالم کا مجاہدین کو اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ۔

اور ایک نعمت تمہیں اور دے گا جو تمہیں پیاری ہے اللہ کی مدد اور جلد آنے والی فتح۔

اور جو دوسری عظیم نعمت تمہیں میسر آئے گی جس کو تم بہت پسند کرو گے اور وہ اللہ کی طرف سے مدد ہے اور وہ فتح ہے جو قریب ہی ملنے والی ہے۔ حضرات! مکہ ابھی فتح نہیں ہوا

ہے لیکن پروردگار عالم فتح کی خبر دے رہا ہے یہ فتح تم کو میسر آئے گی۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۃ الصف الآیۃ:13)

اور اے پیغمبر مومن کو بشارت دے دیجئے۔

یعنی خوشخبری دے دیجئے کہ اللہ کی مدد آنے والی ہے اور فتح بھی قریب ہے۔ یہاں مکہ کا تذکرہ کر دیا گیا ہوتا تو یہ خیال ہوتا کہ شاید اللہ کی مدد اور فتح صرف مکہ مکرمہ سے ہی متعلق تھی مگر یہاں ترک ذکر سے قیامت تک کے لیے بشارت ہے کہ جب بھی تم اللہ کے راستہ میں نکلو گے تو اللہ کی مدد تمہارے شامل حال ہوگی اور تمہیں فتح بھی میسر آئے گی۔

قرآن پاک میں شان نزول یا پس منظر کچھ بھی ہو مگر اسلوب بیان یہ ہوتا ہے کہ اس حکم کو قیامت تک کے لئے عام فرما دیا جاتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ (سورۃ الصف الآیۃ:14)

اے ایمان والو! دین خدا کے مددگار ہو جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کون ہے؟ جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کریں۔ حواری بولے ہم دین خدا کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا۔ تو ہم نے ایمان والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی تو غالب ہو گئے۔

حضرات گرامی! اللہ بے نیاز ہے پھر کوئی کیوں کر اس کی مدد کر سکے گا؟ وہ تو ساری کائنات کا مددگار ہے۔ لیکن جہاں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ کی مدد کرو تو وہاں دین پوشیدہ ہے کہ

اللہ کے دین کی مدد کرو تو یہاں بھی دین پوشیدہ ہے ۔ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ" اللہ کے دین کے مدد گار ہو جاؤ۔ "كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ" جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے کہا تھا اپنے حواریوں سے "مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ" میرا کون مددگار ہے اللہ کے معاملہ میں اللہ کے دین کے سلسلہ میں ۔

حضرات گرامی! یہاں چند باتیں ذہن میں رکھیں حواری کہتے ہیں کپڑا دھو کر اجلا کرنے والے کو۔ ابتدا میں جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ کپڑا دھونے والے ہی لوگ تھے، غریب لوگ تھے، ایمان عام طور پر فقرا ہی کو نصیب ہوتا ہے سرمایہ دار تو اپنے غرور اور تکبر میں مبتلا رہتے ہیں اور پھر وہ ایسے تھے کہ انہوں نے تمام مشقتیں مصیبتیں جھیلیں مگر اللہ کے نبی علیہ السلام کے تابعداری سے انحراف نہیں کیا۔ پہلے وہ کپڑا دھوتے تھے اور پھر وہ دلوں کو دھونے لگے روحوں کو پاک کرنے لگے ۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ کون ہے میرا مدد گار یعنی میرے دین کا مدد گار۔ اگر غیر اللہ سے ہر صورت میں مدد طلب کرنی ناجائز ہوتی تو کیا جناب عیسیٰ علیہ السلام کا یہ جملہ شرک نہ ہوتا؟ لیکن ایسا نہیں ہے اگر یہ یقین کر کے کہ محسن حقیقی پروردگار عالم ہی ہے دینے والا وہی ہے ۔ مدد چاہے کوئی بھی کر رہا ہو اور کسی سے طلب کی جارہی ہو شرک نہیں ۔شرک اس وقت ہوگا جب اللہ کی ذات سے الگ ہو کر دینے والے کو مستقل بالذات مؤثر حقیقی سمجھا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ دینے والا بغیر اللہ کی مرضی دے رہا ہے تو یہ یقیناً شرک ہے ۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: "قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ" تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ (کے دین) کی مدد کرنے والے ہیں ۔ "فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ" تو بنی اسرائیل کے ایک طبقہ نے اسلام قبول کیا اور ایک طبقہ نے کفر کیا

کفر کی کئی شکلیں ہیں ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی انسان کافر ہو سکتا ہے، مثال کے طور پہ حواریوں میں کچھ لوگ تھے جنہوں نے دین کو آگے پھیلایا اور اس کے بعد جو لوگ آئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بعد ان میں عیسائیوں کے کئی گروہ ہو گئے ۔ایک گروہ وہ تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف اللہ کا پیغمبر ہی مانتا تھا اور اس بات کا قائل تھا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا ہے اور اس بات کا بھی قائل تھا کہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے وہ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں دوسرا گروہ وہ تھا جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتا تھا اور خدا مانتا تھا اور تثلیث کا قائل تھا تین خداؤں کا وہ اب بھی ہے حضرت عیسیٰ روح القدس اور خدا تینوں مل کر خدا ہیں خدا تین ہیں اور تینوں ہیں ۔

وہ گروہ جو صرف حضرت عیسیٰ کو نبی ہی مانتا تھا اور کچھ نہیں خدا نہیں مانتا تھا وہ تو ایمان لایا بعد میں لیکن جس طبقہ نے ایمان کا دعوٰی کر کے بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہا یا خدا کا بیٹا کہا وہ یقیناً کافر ہو گیا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: "فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ" تو بنی اسرائیل کے ایک طبقہ نے اسلام قبول کیا اور ایک طبقہ نے کفر کر دیا یا تو یہ مفہوم ہے کہ یہاں فرقے مراد ہیں جو بعد میں ہوئے ہیں یا اس سے یہ مراد ہے کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ جناب عیسیٰ پہ ایمان لائے اس دور میں اور کچھ لوگ نہیں لائے جیسے یہود نہیں لائے یہ بھی بنو اسرائیل میں سے ہیں آج بھی نہیں لائے ہیں وہ حضرت عیسیٰ کو نبی ہی نہیں مانتے ہیں ۔

اللہ فرمارہا ہے: "فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ" کہ جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کی مدد کی ان کے دشمنوں پر فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ تو وہ ہمیشہ غالب رہے اپنے دشمنوں پر۔آپ جانتے ہیں کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے جناب

عیسیٰ علیہ السلام پر ان پر ایمان لانے والوں کا غلبہ رہا اور آج بھی اللہ اہل ایمان کو جن پر اس نے جہاد کو فرض قرار دیا ہے انہیں بتا رہا ہے کہ جس طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا تمہارے نبی بھی تمہیں بلائیں گے تو جس طرح ان کے حواریوں نے ان کی مدد کی تھی تم بھی اپنے نبی کی مدد کرنا اور اگر تم سچے مومن ہو تو تم اپنے دشمنوں پر ہمیشہ غالب رہو گے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۷۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُنْذِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْہِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ
وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۃ الجمعہ کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کروں گا اللہ تبارک وتعالی ہمیں اپنے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۃ الجمعہ کا آغاز اللہ کی مقدس تسبیح سے ہوتا ہے، یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو آپ نے مدینہ پاک سے پہلے عقبہ میں قیام فرمایا اور وہاں مسجد عقبہ کی بنیاد رکھی وہاں آپ نے دوشنبہ، منگل اور بدھ اور جمعرات کو قیام کیا اور جمعہ کے روز یثرب کی طرف روانہ ہوئے جسے آپ کو مدینۃ النبی بنانا تھا۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ کے حوالہ سے علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ کو حواء رضی اللہ تعالی عنہا کے ساتھ (میدان عرفات) میں جمع بھی کیا گیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور جس قدر ممکن ہو، پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور اپنے تیل میں سے تیل لگاتا ہے، یا اپنے گھر کی خوشبو میں سے خوشبو لگاتا ہے، پھر (نماز کیلئے اس طرح) نکلے کہ دو آدمیوں کے درمیان نہیں گھسے اور جتنا اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھ لے اور جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے، تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب الدھن للجمعۃ:883)

سیدنا ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے بھلا دیا جمعہ کو ان لوگوں کے لئے جو ہم سے پہلے تھے، سو یہود کی عید ہفتہ اور

نصاریٰ کی اتوار کو ہوئی اور اللہ ہمارے ساتھ آیا (یعنی ہمارا ساتھ دیا) اور ہم کو راہ بتائی جمعہ کے دن کی۔ غرض جمعہ اور ہفتہ اور اتوار عید کے دن یہ ترتیب ہوئی اور ایسے ہی وہ لوگ ہمارے پیچھے ہیں۔ ہم دنیا میں سب سے پیچھے ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہمارا فیصلہ ہوگا۔"

(صحیح مسلم، کِتَاب الْجُمُعَةِ باب هِدَايَةِ هَذِهِ الْأُمَّةِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ الرقم:1982)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ جمعہ کا دن کیا ہے؟ مزید دو یا تین بار یہ بات دریافت فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں تمہارے (ماں) باپ جمع کئے گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں جمعہ کی فضیلت کے بارے میں نا بتاؤں؟ (سنو) اس دن جو مسلمان بھی اچھا وضو کر کے مسجد جائے اور اس وقت تک خاموش بیٹھا رہے جب تک کہ امام اپنی نماز مکمل نہ کر لے تو یہ جمعہ اور اس کے بعد جو جمعہ ہے اس کے درمیان کے سارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا بشرطے کہ اس نے کوئی قتل نہ کیا ہو، خوں ریزی نہ کی ہو۔ (مسند احمد، أحاديث رجال من أصحاب النبيصلى الله تعالىٰ عليه وسلم حديث سلمان الفارسی، الرقم:23729)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل دن جمعہ ہے اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن لوگ بیہوش ہوں گے۔ سو تم اس دن مجھ پر درود وسلام پڑھا کرو کیوں کہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ کے وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ

حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ اللہ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیا کے جسموں کو نقصان پہنچائے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، بَابُ ذِكْرِ وَفَاتِهِ وَدَفْنِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الرقم: 1636)

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ پہلے اس دن کا نام العروبہ تھا اور پھر انصار و مہاجرین نے جمع ہو کر اس کا نام جمعہ رکھا اور اس کی تائید میں سورۃ الجمعہ نازل ہوئی۔ انصار اور مہاجرین کا یہ عمل اس لئے ہوا کہ مدینہ طیبہ میں یہود بستے تھے عیسائیوں سے بھی رسم و راہ تھی یہود ہفتہ کا دن مقدس سمجھتے تھے عیسائی اتوار کا دن مقدس سمجھتے تھے مگر مسلمانوں نے خاص طور پر مہاجرین اور انصار نے مل کر جمعہ کو جمع ہونے کا دن قرار دیا تا کہ اس روز عبادت کی جائے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا جائے۔

صحابہ کرام کا یہ عمل کہ انہوں نے مل کر کے ایک دن مقرر کیا جمعہ کا وہ دن اللہ کی نگاہ میں اتنا پسندیدہ ہوا کہ پوری سورۃ جمعہ اس سلسلہ میں نازل کی گئی۔ اور آقائے دو جہاں علیہ السلام سے درجنوں احادیث مبارکہ اس مقدس دن کی فضیلت میں وارد ہوئی۔ صحابہ کرام نے یہ دن منتخب کیا تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ مشیت نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ جمعہ ہی کا دن منتخب کریں، اس لیے کہ جمعہ کے دن بہت سے اہم واقعات پیش آئے جس میں جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی ہے، اور آنے والے واقعات میں سب سے اہم واقعہ قیامت ہے جو جمعہ کے دن واقع ہوگی اور اس کے علاوہ اس مقدس دن کے اور بھی فضائل ہیں۔

اس سورت کا آغاز اللہ کی تسبیح اور اس کی صفات حمیدہ سے ہوتا ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ

الْحَكِيْمِ۔

تسبیح کرتی ہیں اللہ کے لئے وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ عظیم بادشاہ ہے پاکی والا ہے عزت اور حکمت والا ہے

اللہ تعالی نے اپنی عظیم بادشاہت کا اعلان فرمایا کہ وہ ملک ہے، پاک ہے ایسا پاک ہے کہ جس کی طرف کسی بھی ناپاکی کا انتساب نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی کوئی اس کے مقام بلند تک پہنچ سکتا ہے۔ کوئی بھی خطا اس کی طرف منسوب کرنا اس کی شان علو و یت اور قدوسیت کے خلاف ہے۔ اب اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

وہی پروردگار عالم ہے جس نے اُمِّیّٖن کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔ جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اگر چہ ان کی تشریف آوری سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

حضرات! پہلے تو اللہ تبارک وتعالی نے اپنی تسبیح بیان کی کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔ وہ ہر کمزوری سے پاک ہے اور پھر اپنی ذات کو خالق ارض و سماوات کے حیثیت سے مالک اور کائنات کو اپنی ملکیت قرار دیا ہے وہی اس کا بادشاہ ہے اور وہ قدوس بھی ہے عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے پاک ہے عزت والا ہے یا غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ یہ صفات اس لئے بیان کی گئیں تا کہ سرور کائنات محمد رسول اللہ علیہ السلام کی تشریف آوری کی عظمت کو واضح کیا جا سکے کہ ان کی آمد عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ ایک

عظیم مقصد کے لیے انہیں مبعوث فرمایا گیا ہے۔ جن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں تلاوت فرمائیں انہیں پاک کریں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔

حضرات! یہاں "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا" کے باب میں مستشرقین اور یہود یہ کہتے ہیں کہ وہ تو صرف مکہ مکرمہ کے اُمِّیِّیْن کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ مسلمان ان کے دین کو عالمی دین کیوں قرار دے رہے ہیں اور مکہ مکرمہ کے باہر لوگوں کی تبلیغ کیوں کی جارہی ہے؟ کبھی وہ یہ کہتے ہیں اور کبھی وہ آیت مبارکہ جس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن پاک کو عربی زبان میں نازل کیا اس سے بھی باطل استشہاد کرتے ہیں کہ یہ عربوں کے لئے قرآن نازل ہوا تھا غیر عرب مخاطب نہیں ہیں۔ اس طرح کی بات وہ عام طور پہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ دنیا کی باطل قومیں یا باطل افراد ایسی آیات مبارکہ منتخب کرتے ہیں جن کا سطحی طور پر غلط مفہوم نکل رہا ہو یا ان کی مرضی کے مطابق مفہوم متعین کیا جائے وہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جب کہ قرآن پاک میں کتنی ہی آیات مبارکہ ایسی ہیں جن میں اللہ تعالی نے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ساری کائنات کا رسول قرار دیا ہے اللہ فرماتا ہے:

وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (سورۃ سبا الآیۃ: 28)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے "كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ایک فرد بھی خارج نہیں انسانوں میں" بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا بنا کر کے بشارت دینے والا اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بنا کے۔

وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الأنبیاء، الآیۃ: 107)

اور ہم نے اے محبوب آپ کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

ایک عالم کے لئے نہیں عالم انسانی کے لئے نہیں، صرف ایک عالم کے لیے نہیں، عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور عالمین کا اطلاق ماسوا اللہ پر ہوتا ہے اللہ کے علاوہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ عالمین کے اندر داخل ہے۔ ایک اور آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا

(سورۃ الفرقان، الآیۃ: 1)

پاک ہے وہ ذات جس نے قرآن عظیم کو نازل فرمایا اپنے بندۂ خاص پر تا کہ وہ عالمین کے لئے نذیر ہوں، ڈرانے والے ہوں۔

اور خود آقائے دو جہاں نے ارشاد فرمایا ہے:

وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ

(صحیح مسلم، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ بَابُ الصَّلَاةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَصِفَةِ لُبْسِهِ، الرقم: 853)

مجھے تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر ہی نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

"الخلق" میں ماسوا اللہ ہر چیز شامل ہے وہ ملائکہ ہوں، جمادات ونباتات ہوں یا حیوانات ہوں یعنی عالم لاہوت ہو، عالم ملکوت ہو یا عالم ناسوت ہو آپ کو سب کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے سب کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں اور مجھ پر ہی نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے میرے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

آپ اندازہ فرمائیں! ان تمام آیات مبارکہ سے آپ کا تمام انسانوں کے لئے نبی ہونا ثابت ہوتا ہے مگر یہود ونصاری کو یہ آیات نہیں دکھتی ہیں۔ ان کے بجائے وہ ان آیات کو نشانہ بناتے ہیں جن کے ظاہری مفہوم سے لوگوں کو گمراہ کیا جاسکے جبکہ یہ مفہوم ان آیات سے بھی نہیں نکلتا ہے کہ وہ آپ کا صرف مکہ یا عربوں کا نبی ہونا قرار دینے کی کوشش کریں۔

پیغمبر اعظم کا امیین میں رسول بن کر جلوہ گر ہونا یہ ان کا عظیم مزاج ہے انسان ماحول کا پروڈکٹ ہوتا ہے۔ ماحول کی پیداوار ہوتا ہے پورا ماحول امیین کا ماحول ہے لیکن اس میں ایک ایسی ذات کا جلوہ گر ہونا جو ان کے سامنے آیات الٰہیہ پڑھیں، انہیں پاک کریں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیں ظاہر ہے یہ اعجاز ہے۔ حضرات! سرور کائنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معلم بن کر جلوہ گر ہونا کتاب وحکمت بانٹنا آپ کی نبوت مطلقہ کا واضح ثبوت نہیں ہے! تو اور کیا ہے۔ اس لئے یہاں امیین کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے نہیں کہ معاذ اللہ! وہ صرف امیین کے نبی ہیں کسی اور کے نبی نہیں۔ امیین میں پیدا ہو کر اس طرح کے خارق عادت امور کا ظہور معجزہ ہی ہوگا۔

قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ ساتھ وَيُزَكِّيهِمْ کہا گیا ہے ان کے دل کو پاک کریں ان کی روح کو پاک کریں ان کے وجود کو تمام غلاظتوں سے پاک کریں اور تلاوت اور تزکیہ کے بعد انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں کتاب تو قرآن عظیم ہے اور حکمت سے مراد وہ ساری احادیث مبارکہ ہیں جو آقائے دو جہاں سے مروی ہیں وہ سب حکمت کے اندر شامل ہیں کہ وہ کتاب ہی کی ایک تعلیم ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن عظیم کی بھی اور حکمت کی بھی تعلیم دیتے ہیں جب کے وہ لوگ اس سے پہلے ایک کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

حضرات گرامی! امیین صرف ان پڑھ ہونے کے اعتبار سے نہیں کہا گیا بلکہ اور بھی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً وہ ام القراء میں رہتے تھے اس لئے وہ امی تھے۔ امی ہونے کے باوجود اللہ کے رسول سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان میں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ بہت سے صلاحیتوں کے مالک تھے جو فطری صلاحیتیں تھی بغیر تعلیم کے بغیر کسی درسگاہ میں گئے ہوئے ان کو فصاحت و بلاغت کا ملکہ عطا فرمایا گیا تھا، خطابت کی قوت دی گئی تھی، ادبی اور

شعری صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا اور یہ خصوصیت اس لئے بھی تھی کہ سرور کائنات علیہ السلام کے ذریعہ انہیں اس طرح سنوارا جانا تھا کہ بعد میں پوری دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرسکیں اللہ کے رسول کے مقدس پیغام کو پہنچا سکیں۔

کبھی کبھی دور جاہلیت کی نصوص ادبیہ، شعروں کو پڑھا جائے یا خطبات کو تو حیرت ہوتی ہے کہ قدرت نے کتنی عظیم صلاحیتیں انہیں فطرتاً عطا فرمائی تھیں بعد میں وہی صلاحیتیں نکھر کر باہر آئیں۔ انہیں اس پیغام کو پہنچانے کے قابل بنایا گیا جو کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد انہیں دنیا میں اس پیغام کو پہنچانا تھا۔ مِنْهُمْ ان میں بھیجے گئے مگر ان جیسے نہیں میرا اپنا مصرعہ ہے۔ (بشر سے شرکو کرنے دورو وہ خیر البشر آئے) بشر ضرور تھے مگر خیر البشر تھے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

(سورۃ التوبۃ: الآیۃ :128)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

(سورۃ اٰل عمران الآیۃ :164)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا امیین کے رسول ساری کائنات کے رسول ہیں جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں وہ صرف مکہ مکرمہ یا عربوں کے رسول نہیں ہیں ۔

حضرات! یاد رکھئے کہ دنیا نے اپنے مذاہب کا نام اپنے اپنے طور پر شخصیتوں یا قوموں یا افراد یا علاقوں پر رکھا ہے۔ یہودی اپنے آپ کو یہودی اس لئے کہتے ہیں کہ قبیلہ یہودہ

سے پروان چڑھے ہیں۔عیسائی اپنے آپ کو عیسائی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں۔مگر دین اسلام کا نام قرآن نے اسلام اس کی معنویت کا پاس ولحاظ کر کے رکھا کیوں کہ اللہ فرماتا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اسلام کے معنی اطاعت اور فرما برداری کے ہوتے ہیں۔کسی شخصیت پر نہیں، کسی قوم پر نہیں کسی علاقے پر نہیں بلکہ معنویت و مقصدیت کو ملحوظ رکھا گیا تا کہ اس کی یونیورسل حیثیت' کائناتی حیثیت مسلم ہو جائے۔جو عبادت کرے، جو اللہ کے احکامات کو مانے، جو اللہ کی بارگاہ میں جھکا ہوا ہو وہ مسلم ہو زمین ہو یا آسمان' خلاؤں کی وسعتیں ہوں ، دریاؤں کی موجیں ہوں یا سمندر ہوں، پرندے ہوں، چرندے ہوں، کوئی بھی مخلوق ہو ملائکہ ہوں یہ سب مسلم ہیں اس لیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں۔اس اعتبار سے ساری کائنات دائرہ اسلام میں شامل ہے اس لیے یہ کہنا کہ وہ صرف مخصوص قوم کے نبی تھے یہ انتہائی غلط الزام ہے۔

حضرات گرامی! اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے بھی جو اس وقت موجود تھے: وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

(سورۃ الجمعۃ، الآیۃ:)

اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔

یعنی باضابطہ طور پر قرآن عظیم نے، سرور کائنات کی تعلیمات نے ان لوگوں کو بھی فائدہ پہنچایا جو وہاں موجود نہیں تھے اور قیامت تک یہ فائدہ جاری رہے گا۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

یہ اللہ کا فضل ہے اللہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (سورۃ الجمعۃ، الآیۃ:4)

اور بلاشبہ اللہ ہی عظیم فضل والا ہے۔

حضرات گرامی! آپ جانتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں اصل مقابلہ یہود سے تھا۔جو مسلسل پیغمبر اسلام سرور کائنات علیہ السلام پر الزام تراشیاں کرتے تھے، اور آپ کی نبوت کا انکار کر رہے تھے اور اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ آقائے دو جہاں علیہ السلام کی شمع نبوت کو بجھا دیا جائے۔قرآن عظیم ان کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا

ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے ہیں۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ

کیا ہی بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں۔

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ الجمعۃ، الآیۃ:5)

اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا

ان کی مثال جنہوں نے توریت کو اٹھا رکھا ہے مگر اس کے احکامات پر عمل نہیں کرتے اس گدھے کی طرح سے ہے جس نے اپنے پیٹھ پر کتاب کا بوجھ اٹھا رکھا ہو۔سِفْرٌ کے معنی ہوتے ہیں وزنی کتاب کے اَسْفَار اس کی جمع ہے یعنی گدھا حمار اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھاتا ہے کتابوں کا اور خود اس سے استفادہ نہیں کر پاتا۔اور جانوروں میں یہ ایک ایسا جانور ہے جو صرف بوجھ اٹھا سکتا ہے مگر اتنی بھی عقل نہیں ہے فطری جو اور جانوروں کے اندر موجود ہے۔اس لئے کہا گیا کہ یہ ان حمار کی طرح سے ہے جنہوں نے اپنی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ تو اٹھا

رکھا ہے مگر وہ عمل کرنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کیا ہی بری مثال ہے اس قوم کی جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی۔ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو جو خود پر ظلم کرتے ہوں جان کر کے انجان بن رہے ہوں اللہ ان کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔ ہدایت انہیں دیتا ہے جن کے دل ہدایت قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

اس آیت کریمہ کی وجہ یہ ہے کہ توریت میں حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارتیں موجود ہیں اگر چہ انہوں نے آیات احکام وغیرہ کو تبدیل کر دیا ہو اور بہت سی تحریفات ہوئی ہیں مگر آج بھی درجنوں آیات مبارکہ ایسی ہیں توریت کی جن میں سرور کائنات کی تشریف آوری کا باضابطہ ذکر ملتا ہے۔

''اور اُس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اُسکے دہنے ہاتھ پر اُنکے لیے آتشی شریعت تھی''۔

(انجیل مقدس استثنا باب 33 آیت 2)

یہاں مراد اللہ کا نور ہے جو انبیائے کرام کی شکل میں آیا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں سینا سے طلوع ہوا جناب موسیٰ مراد ہیں شعیر سے آشکارا ہوا جناب عیسیٰ علیہ السلام اور فاران تو صرف مکہ مکرمہ میں ہے۔ فاران کی چوٹیوں پے جلوہ گر ہوا یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان چوٹیوں سے چمکے۔ توریت کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو سرور کائنات کے بارے میں ہیں جو کسی اور کے بارے میں ہو ہی نہیں سکتیں۔

فرمایا گیا کہ وہ جلوہ گر ہوا (آخری نبی سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نام تو نہیں ہے۔ مگر قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ آئیں گے۔ ان کے شریعت آتشی ہوگی

قدوسیوں کی جماعت سے مراد یا تو ملائکہ ہیں یا صحابہ کرام جو آپ پر ایمان لائے آتشی شریعت سے مراد وہ شریعت جو حق و باطل کا فیصلہ کر سکے گا۔ اور کبھی کسی اعتبار سے وہ حق باطل کو ملانے کی کوشش نہ کرے گا۔ حق و باطل کے درمیان فرقان ہوگا۔

''مزید فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائیوں میں ایک ایسے نبی کو جلوہ گر فرمائے گا جس کے منہ میں اللہ اپنا کلام ڈالے گا''۔

بھائیوں سے مراد جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب یعقوب علیہ السلام کی نسل پاک سے بنو اسرائیل تھی اور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو اسماعیل میں سے ہوئے اس لئے ان کو ان کے بھائیوں سے تشبیہ دی گئی۔

اور اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالے گا۔ قرآن پاک میں ''وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○'' سے یہی مراد ہے۔ یہ صرف سرور کائنات کی شان ہے۔

اور جو کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ مانند نازل ہوئی ہیں یعنی مفہوم تو قدرت کا نازل کیا ہوا ہے مگر الفاظ انبیائے کرام کے ہیں توریت ہو، یا انجیل ہو یا زبور ہو تنہا قرآن ہے جن کے الفاظ بھی اللہ کے ہیں اور مفہوم بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ قرآن نظم اور معنی دونوں کو کہتے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جس سے سرور کائنات کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ مگر چوں کہ لَمْ يَحْمِلُوْهَا انہوں نے اٹھا تو رکھا ہے بوجھ کو مگر اس کے احکامات پے عمل نہیں کر رہے ہیں۔ اور سب سے بڑی بدعملی یہ ہے کہ وہ سرور کائنات کا انکار کریں ان کی نبوت کا اور یقیناً یہ انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سورۃ الجمعۃ، الآیۃ:6)

اے یہودیو! اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ تم اللہ کے دوست اور لوگوں کے علاوہ صرف تم ہی ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

کیوں کہ جو دوست ہے وہ موت سے ڈرتا نہیں ہے بلکہ وہ موت کی تمنا کرتا ہے اور تمہیں چاہئے کہ تم موت کی تمنا کرو لیکن تم ایسا کبھی نہیں کرو گے۔

حضرات گرامی! ان یہودیوں کے اور دعوے بھی ہیں کہ یہی لوگ حق پر ہیں اور یہی لوگ جنت میں جانے والے ہیں ان کے علاوہ کوئی اور جنت میں نہیں داخل ہوگا اور وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اتنے مذاہب ہیں خواہ حق پر ہوں یا باطل پر کوئی نسلی مذہب نہیں مگر یہودی یا اسرائیلی ایک ایسا مذہب ہے جو نسلی ہے یعنی یہ اپنے نسل کے علاوہ کسی اور کو نہ تبلیغ کرتے ہیں اور نہ ان کے دائرے میں کوئی داخل ہو سکتا ہے۔

یہ ریس ہے یہ مذہب نہیں ہے اس لئے کہ یہ اپنے کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں اور اپنے کو احباء اللہ اللہ کا محبوب قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خود کو "اَبْنَاءُ اللّٰہ" یا "اَحِبَّائُہٗ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کبھی یہ کہتے ہیں ہم کو تو سزا نہیں ملے گی صرف چالیس دن جو جناب موسیٰ علیہ السلام کو طور پر گئے تھے اور ہم نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا تھا ورنہ ہمیں کوئی سزا نہیں ملے گی ہم تو اللہ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ اور ہمارے علاوہ اللہ کی کوئی منتخب قوم نہیں ہے یہ سارے ان کے دعوے تھے اس دعوے کی بنیاد پر قرآن کہہ رہا ہے کہ اگر تم اللہ کے محبوب ہو اور جنت میں تم ہی داخل ہو سکتے ہو تو پھر موت کی تمنا کرو۔

لیکن ایسا نہیں ہوگا اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ۔

(سورۃ الجمعۃ، الآیۃ: 7)

اور وہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے ان کوتکوں (اعمال) کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔

وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا وہ کبھی اس کی تمنا نہیں کر سکتے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اس لئے کہ ان کے ہاتھوں میں جو انہوں نے گناہ کئے ہیں نگاہوں کے سامنے ہیں۔ انبیائے کرام کو قتل کیا ہے اور آج آخری دور میں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر رہے ہیں۔ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ اور اللہ تو ظالموں کو جانتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ

اے پیغمبر! فرما دیجئے جس موت سے تم بھاگنا چاہتے ہو وہ موت تو تمہیں ملے گی۔

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ

پھر تم اس ذات کی بارگاہ میں پیش کئے جاؤ گے جو ہر چھپے اور ظاہر کو جانتا ہے۔

فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۃ الجمعۃ، الآیۃ: 8)

تو اللہ تمہیں بتائے گا جو تم دنیا میں کر رہے تھے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ الجمعۃ، الآیۃ: 9)

اور اے ایمان والو! جب تمہیں جمعہ کی نماز کے لئے آواز دی جائے تو دوڑو اللہ کے ذکر کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دو، کاروبار چھوڑ دو۔

حضرات گرامی! اس آیت کریمہ میں جمعہ کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے یہ اتنا اہم دن ہے کہ پروردگار عالم نے ایک پوری سورۃ سورۂ جمعہ کے نام پر نازل فرمائی۔ اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اس سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ جمعہ کے دن جمعہ کی عبادت کے وقت جب اذان ہو

جائے تو کوئی اور کام کرنا جائز نہیں ہے یہ واجب ہے امت مسلمہ پر، اہل ایمان پر اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اگر تم اہل ایمان ہو تو ایمان کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ جب جمعہ کے دن اذان ہو جائے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ تو دوڑو اللہ کے ذکر کے لئے وَذَرُوا الْبَیْعَ اگر تم کسی کاروبار میں مصروف ہو تو پوری کوشش کرو کہ اسے چھوڑ دو ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

حضرت ابو جَعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سستی سے تین جمعوں کو چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ترك الجمعة، الرقم: 1052)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَسُولَ اللّٰہصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے چار جمعوں کو بلا کسی عذر کے چھوڑ دیا تو اُس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ (کنز العمال، کتاب الصلاۃ، قسم الاقوال، الترھیب عن ترك الجمعة، الرقم: 21144)

حضرات گرامی! فرمایا گیا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو ایک فرشتہ مسجد کے دروازے پر ایک رجسٹر لے کر بیٹھ جاتا ہے اور ہر آنے والا کا نام لکھتا ہے جو سب سے پہلے آتا ہے اس کے بعد جو آتا ہے اس کے اعتبار سے اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن خطبہ نہ سننا محرومی کا باعث ہے اس لئے خطبہ سے پہلے پہنچنا چاہئے اور نماز ادا کرنے کے بعد وہاں سے آنا چاہئے۔ قران مجید میں یہ کہا گیا ہے کہ جیسے ہی اذان ہو تم کاروبار کو چھوڑ دو تجارت ہو یا جو بھی ہو دوڑو اللہ کے ذکر کے لئے فَاسْعَوْا میں دوڑنا بھی مراد ہے اور سعی تمام، مکمل کوشش کرنا بھی مراد ہے اگر تم جانتے کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

تو جب یہ کہا گیا کہ تم نماز جمعہ کے لئے دوڑو تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید جمعہ کے بعد بھی یہود کی طرح سے ہمیں کوئی کام کرنے کی اجازت نہ ہو مگر نہیں یہاں رعایت دی گئی ہے یہودیوں کا معاملہ یہ تھا کہ ہفتہ کے دن وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے وہ جمعہ کی شام سے ہفتہ کی شام تک ہر کام سے الگ رہتے یہاں تک کہ وہ گھر میں لائٹ بھی جلائے رہتے تا کہ سوئچ کو بند کرنے کے لئے استعمال نہ کرنا پڑے یہ پہچان ہے ان کی۔ اللہ نے انہیں یہ سزا دی تھی۔

انہوں نے جب نافرمانی کی تھی اللہ کے احکام کی۔ اور ہوا یہ تھا کہ ایک دریا کے کنارے یہ بس رہے تھے، دریا میں مچھلیاں ہفتہ کے دن زیادہ پکڑی جاتی تھیں۔ بعض روایت میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ وہ ذکر الٰہی کے لئے آتی تھیں۔ یہ ہفتہ کے روز شکار ضرور کرتے تھے تو اللہ نے منع فرمایا کہ ہفتہ کے روز ایسا نہ کرو۔ ان میں تین گروہ ہو گئے ایک گروہ وہ تھا جو فی الفور باز آ گیا۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے یہ تاویل کی کہ جمعہ کی شام کو وہ جال ڈال آتے تھے اور اتوار کی صبح کو جا کے پکڑ لاتے تھے، گویہ عمل بھی کرنے کی کوشش کر رہے تھے بہ تاویل اور فائدہ بھی اٹھا رہے تھے تیسرا گروہ، وہ تھا جو کھلے عام بغاوت کر رہا تھا۔ جب ہفتہ کا دن آتا تو شور ہوتا کہ چلو شکار کے لیے ہنگامہ ہوتا تھا۔ جو لوگ صحیح طور پر توریت پہ عمل کرنے والے تھے انہوں نے ایک دیوار کھینچ لی اپنے اور ان باغیوں کے درمیان کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب الٰہی آجائے تو ہم بھی اس عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔

ایک ہفتہ ایسا ہوا کہ شکار کا شور نہیں اٹھا خیال آیا کہ یہ لوگ بہتر ہو گئے ہوں چنانچہ جب دیوار کے اوپر دیکھا تو وہاں انسان نہیں تھے بلکہ بندر تھے ان کی شکلیں مسخ کر دی گئی تھیں۔ مگر ان کا شعور باقی تھا وہ دیوار کے قریب آئے ان کو دیکھتے تھے جو عمل کرنے والے تھے اور روتے تھے اور پھر دھیرے دھیرے وہ لوگ ختم ہو گئے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ بندر

انہیں کی اولاد ہیں یہ غلط ہے یہ مستقل مخلوق ہے۔ان یہود کی عذاب کے طور پر شکلیں بدلی گئی تھیں۔راندے ہوئے بندر قرآن پاک میں ان کے لیے الفاظ ہیں۔

یہ عذاب ان پر آچکا ہے اس لیے وہ آج بھی اس ہفتہ کے دن کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ہمارا یہ عالم ہے کہ جمعہ کی فضیلت کے لیے باضابطہ ایک سورت نازل ہوئی ہے، احکامات دیے گئے۔مگر ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو جمعہ کی نماز ہی نہیں پڑھتے اس دن غافل رہتے ہیں یہ تو آقائے دو جہاں کا احسان عظیم ہے کہ انہوں نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ میری قوم پر ایسا اجتماعی عذاب نازل نافرما جیسا کہ یہود ونصاری پر اور گزشتہ قوموں پر ہوا ہے اس لئے عذاب نہیں آرہا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سزا نہیں ملے گی سزا ملے گی ان لوگوں کے لئے جو اس مقدس دن کا احترام نہیں کرتے ہیں۔

کبھی یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید یہود کی طرح سے ہم کو بھی پورا دن کام سے روک دیا گیا ہے تو فرمایا گیا نہیں اذان سے پہلے بھی کام کرسکتے ہو اور نماز کے بعد بھی کام کرسکتے ہو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔

(سورۃ الجمعۃ، الآیۃ:10)

جب نماز مکمل ہوجائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

فضل الٰہی کے بہت سے مفاہیم ہیں ہر وہ بات جو رضائے الٰہی کو شامل ہو وہ فضل الٰہی ہے لیکن چوں کہ پہلے تجارت سے روکا گیا تھا اس لئے مفسرین نے یہاں فضل سے مراد تلاش رزق ہی لیا ہے۔لیکن چوں کہ وہ دن بڑا مقدس ہے اس لیے فرمایا گیا۔

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورۃ الجمعۃ، الآیۃ:10)

کثرت سے اللہ کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاجاؤ۔

اگلی آیات میں دور رسول کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، ابھی جمعہ کی نماز فرض ہوئی تھی، نیا نیا اسلام لوگوں نے قبول کیا تھا۔آداب سے واقف نہیں تھے اس لئے ایسا ہوا کہ جمعہ کا وقت تھا اور ایک تجارتی قافلہ آگیا باہر سے اور ہوتا یہ تھا کہ جب وہ تجارت کا قافلہ آتا تو لوگ مال لیتے تھے۔اور بہت دنوں تک اس کو استعمال کرتے تھے جب وہ قافلہ آیا تو لوگ نماز چھوڑ کر تجارت کے لئے چلے گئے۔اس پر مشیت نے انہیں تنبیہ فرمائی۔

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا

جب یہ کسی تجارت کو دیکھتے ہیں یا کسی کھیل کود کو تو اس طرف فوراً چل دیتے ہیں اور آپ کو تنہا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ

اے پیغمبر کہہ دیجئے جو اللہ کے پاس ہے وہ ہر طرح کے کھیل کود اور ہر طرح کی تجارت سے بہتر ہے۔

وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (سورۃ الجمعۃ، الآیۃ:11)

اور اللہ ہی بہترین روزی دینے والا ہے۔

یعنی جس رزق اور جس تجارت کے لئے تم بھاگ رہے ہو وہ تو خدا دینے والا ہے اس سے بہتر روزی دینے والا کون ہوگا؟ تم جمعہ کے دن اگر تجارت سے باز آجاؤ گے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔بلکہ اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
خیال رزق ہے رزاق کا خیال نہیں

خدا تمام مسلمانوں کو اس مقدس دن کے احترام کی توفیق عطا فرمائے۔

خطاب نمبر (۷۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُنْذِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَیْهِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ
لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِیْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ
وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! حضرات وخواتین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کے درس میں سورۂ منافقون کی آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ سورۃ المنافقون مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس میں ۲ رکوع اور ۱۱ آیات ہیں۔ حضرات! اس سورت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تاریخی اعتبار سے اس سورت کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

70 عیسوی میں رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا، اور پھر 132ء میں انہیں اس سرزمین سے بالکل نکال باہر کیا، اس دور میں بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہوئے تھے، کیونکہ یہ علاقہ فلسطین کے جنوب میں متصل ہی واقع تھا۔ یہاں آکر انہوں نے جہاں جہاں چشمے اور سرسبز مقامات دیکھے، وہاں ٹھہر گئے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے جوڑ توڑ اور سود خواری کے ذریعہ سے ان پر قبضہ جما لیا۔ ایلہ، مقنا، تبوک، تیماء، وادی القریٰ، خدک، اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا۔ اور بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی یہدل، اور بنی قینقاع بھی اسی دور میں آکر یثرب پر قابض ہوئے۔

یثرب میں آباد ہونے والے قبائل میں سے بنی نضیر اور بنی قریظہ زیادہ ممتاز تھے، کیونکہ وہ کاہنوں (Priests) کے طبقہ میں سے تھے، انہیں یہودیوں میں عالی نسب مانا جاتا تھا اور ان کو اپنی ملت میں مذہبی ریاست حاصل تھی۔ یہ لوگ جب مدینہ میں آکر آباد ہوئے اس وقت کچھ دوسرے عرب قبائل یہاں رہتے تھے جن کو انہوں نے دبا لیا اور عملاً اس سرسبز و شاداب مقام کے مالک بن بیٹھے۔ اس کے تقریباً تین صدی بعد 450ء یا 451ء میں یمن کے

سیلاب عظیم کا واقعہ پیش آیا۔اس سیلاب کی وجہ سے قوم سبا کے مختلف قبیلے یمن سے نکل کر عرب کے اطراف میں پھیل جانے پر مجبور ہوئے۔ان میں سے غسانی شام میں، لخمی جبرہ (عراق) میں، بنی خزاعہ جدہ ومکہ کے درمیان، اور اَوس وخزرج یثرب میں جا کر آباد ہوئے۔یثرب پر چونکہ یہودی چھائے ہوئے تھے، اس لیے انہوں نے اول اول اوس وخزرج کی دال نہ گلنے دی اور یہ دونوں عرب قبیلے چار و ناچار بنجر زمینوں پر بس گئے، جہاں ان کو قوت لایموت بھی مشکل سے حاصل ہوتا تھا۔آخر کار ان کے سرداروں میں سے ایک شخص اپنے غسانی بھائیوں سے مدد مانگنے کے لیے شام گیا اور وہاں سے ایک لشکر لا کر اس نے یہودیوں کا زور توڑ دیا۔ اس طرح اوس، وخزرج کو یثرب پر پورا غلبہ حاصل ہوگیا۔یہودیوں کے دو بڑے قبیلے، بنی نضیر اور بنی قریظہ شہر کے باہر جا کر بسنے پر مجبور ہو گئے۔تیسرے قبیلے بنی قَینقاع کی چونکہ ان دونوں قبیلوں سے ان بن تھی اس لیے وہ شہر کے اندر ہی مقیم رہا، مگر یہاں رہنے کے لیے اسے قبیلہ خزرج کی پناہ لینی پڑی۔اور اس کے مقابلہ میں بنی نضیر و بنی قریظہ نے قبیلہ اوس کی پناہ لی تا کہ اطراف یثرب میں امن کے ساتھ رہ سکیں۔ذیل کے نقشہ سے واضح ہو گا کہ اس نئے انتظام کے ماتحت یثرب اور اس کے نواح میں یہودی بستیاں کہاں کہاں تھیں۔

حضرات! مدینہ طیبہ کے دو قبائل اوس اور خزرج یہ دونوں قبائل ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آباد ہوئے تھے اور یہودی جو پہلے سے آباد تھے مالدار تھے ان کی حیثیت حکمراں جیسی تھی، وہ اس بات کی کوشش کرتے رہتے کہ ان میں اتحاد پیدا نہ ہو اس لئے عام طور پہ یہود ان میں اختلاف کی چنگاریاں جلاتے رہے اور یہ لوگ آپس میں لڑتے رہے۔مگر غسان کے ایک انتہائی ذہین آدمی نے ان کو متحد کر دیا۔ان میں اتحاد پیدا ہوا تو انہوں نے یہودیوں کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتار دیا اور خود اپنی حکومت کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔وہ ان

لوگوں میں انتہائی تیز طرار، چالاک اور ذہین آدمی تھا۔

عبداللہ بن ابی سلول اپنی دادی کے نام سے معروف تھا۔اس کی دادی کا نام سلول تھا۔وہ ابن سلول کہلاتا تھا۔جنگ بعاث کے بعد اس زیادہ اہمیت اختیار کر لی تھی۔اور اوس وخزرج دونوں نے متفقہ طور پر طے کر لیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کو مدینہ کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔اس کو تاج پہنانے کی ساری تیاریاں بھی کر لی گئی تھیں، اس درمیان میں نبوت کی شعاعیں مدینہ میں پڑیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس وجہ سے صورت حال بدل گئی۔عبداللہ بن ابی بن سلول نہایت متمول تھا، بہت خوبصورت اور دل کش شخصیت کا مالک تھا۔مدینہ میں اس کا طوطی بولتا تھا، وہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا، یاد رہے کہ خزرج بڑا قبیلہ تھا اور اوس اس مقابلہ میں چھوٹا۔یہی وجہ ہے کہ اوس نے اپنے افراد کی قلت کے باعث دو یہودی قبائل سے دوستی کر رکھی تھی، بنی نضیر اور بنی قریظہ سے۔جب کہ خزرج نے معاہدہ کر رکھا تھا، بنی قینقاع سے جو نسبتاً چھوٹا قبیلہ تھا۔اس پس منظر میں تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے اندر سے کوئی بڑی بغاوت کیوں نہیں کی؟ اور اسلام کو پھیلنے دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت کو بظاہر تسلیم کر لیا۔مگر خدا کا کرنا کہ خود اس کا بیٹا عبد بن عبداللہ بن ابی بن سلول مخلص مسلمان ہو گئے اور اور ان کی بیٹی جمیلہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں۔اس کے داماد حضرت حنظلہ بن ابی عامر الراہب شہید ہوئے اور غسیل الملائکہ کہلائے۔

بہر حال اس نے اپنی تاج پوشی کی تقریب کا انتظار کیا، مگر جب بدر کے موقعہ پر ۲ھ میں اسلام کی کھلی فتح ہوئی اور سارے سرداران مکہ قتل کر دے گئے تو یہود مدینہ بھی ڈر گئے۔ اس وقت خوف کی وجہ سے اور مسلمانوں کی طاقت بڑھ جانے کی وجہ سے ابن ابی بن سلول مسلمان ہوگیا، لیکن اس کا اسلام ظاہری تھا، اندر سے کافر تھا۔نہ صرف یہ کہ منافق تھا بلکہ منافقوں کا

سردار بن گیا۔ تین سو منافقین مرد اور ستر عورتیں منافقات اس کی قیادت میں تھیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے اندر اپنا اثر رکھتے تھے اور مسلمان کہلاتے تھے، روزہ نماز کا اہتمام کرتے تھے مگر ظاہر میں۔ اندر اندر اسلام کے خلاف سازش میں مشغول تھے، کوئی موقع سازش کا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ اس لیے ان سے نپٹنا آسان نہ تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحمل و بردباری اور اعلیٰ اخلاق کا کرشمہ تھا کہ اس طبقہ کے ساتھ نہایت فاضلانہ اخلاق کا مظاہرہ کیا اور منافقوں کے نہایت رذیل اخلاق کو برداشت کیا۔

مدینہ کے قبائل پہلے اسلام لا چکے تھے آقائے دو جہاں کی تشریف آوری سے پہلے اور اسلام کی برکت سے ان کے اندر بہت سی خوبیاں پیدا ہو چکی تھیں انہوں نے حضور سید عالم سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وفا کا عہد کیا اور جو مہاجرین مکہ سے مدینہ کی طرف آئے تو ان کو پناہ بھی دی اور عہد مواخات کی بنیاد پر ان کا ہر طرح تعاون بھی کیا۔

عبداللہ ابن ابی کو یہ بات ناگوار گزری اور اس کو اپنی تاجپوشی اور بادشاہت کا خواب بہت دور نظر آنے لگا۔ اور مایوسی میں تبدیل ہونے لگا اس نے پھر دشمنی کا آغاز کیا مگر دشمنی بھی ایک نئے طریقہ سے کی۔ کھلا دشمن نہیں بنا اس لئے کہ دونوں قبائل مسلمان ہو چکے تھے اس نے بھی اسلام قبول کر لیا ظاہری طور پر تا کہ اپنے قبیلہ کی ہمدردیاں بھی حاصل کر سکے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش بھی کر سکے۔ اور پھر اس کے بعد سے اس نے اپنی سازشی ذہنیت کا استعمال کیا اور جب کوئی ایسا مقام آتا جس میں مسلمانوں کو یا پیغمبر اسلام کو نقصان پہنچانے کا موقع ملتا تو یہ ضرور پہنچاتا مثال کے طور پہ جنگ بدر میں راجہ قینقاع نے عہد شکنی کی غداری کی۔ اس سلسلہ میں اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا ان کے قتل کا تو عبداللہ بن ابی نے اس راجہ سے کہا کہ میں تمہارا ساتھ دوں گا

تم ڈٹ جاؤ اور مقابلہ کرو۔

جنگ احد میں یہ اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ مسلم فوج سے الگ ہو گیا۔ جنگ احد میں کفاروں کی تعداد تین ہزار تھی اور مسلمان بمشکل ایک ہزار تھے لیکن میدان میں جاتے ہی یہ اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ الگ ہو گیا تا کہ مسلمانوں کو کھلی شکست ہو جائے اور مسلمان بٹ جائیں۔ اس کے بعد غزوۂ بنو نضیر پیش آیا جس میں یہودیوں نے غداری کی تھی اور مکہ کے لوگوں کو آمادہ کیا تھا جنگ پر اور یہ کوشش کی تھی کہ مسلمان شکست کھا جائیں۔ انہوں نے باضابطہ دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس حد تک کہ مسلمان خواتین جس مقام پر محفوظ تھیں وہاں انہوں نے حملہ کیا لیکن ایک عظیم خاتون حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور کی پھوپھی تھی کے حملہ کے باعث سب سے پہلا داخل ہونے والا شخص مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کے خیمے سے باہر پھینک دیا تو یہودیوں نے سمجھا یہاں کوئی فوج موجود ہے اور حملہ سے بھاگ نکلے۔ منافقین نے اس وقت بھی قبیلہ بنو نضیر کا ساتھ دیا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو سزا دینے کا فیصلہ کیا اور ان کے پاس گئے کہ تمہاری سزا کیا ہوگی؟ تم نے بار بار غداری کی ہے۔ مسلسل دھوکہ دیا ہے، وہ معاہدہ توڑ دیا ہے جو ہم نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ وہ تو یقیناً اپنی غلطیوں کا شاید اعتراف کر بھی لیتے لیکن منافقین نے ان کو اکسایا اور اس بات پر آمادہ کیا کہ خبردار! مسلمانوں کی بات نہ ماننا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور پھر دوسرے قبیلے مل کر تمہارا ساتھ دیں گے۔

چنانچہ انہوں نے بات نہیں مانی مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا اور پھر مجبوراً ان کو شہر بدر کرنا پڑا۔ اس میں بھی انہوں نے غداری کی اور بنو نضیر کا ساتھ دیا یہودیوں کا ساتھ دیا

،منافقین نے۔

غزوۂ بنو مصطلق کے بعد انصار اور مہاجرین میں کسی بات پر اختلاف پیدا ہوا تو اس شخص نے انصار و مہاجرین کے درمیان میں جنگ کرانے کی کوشش کی اور اس بات پر آمادہ کیا کہ تم کوشش کرو کہ مہاجرین یہاں سے نکل جائیں اور تمہارا ہی اقتدار رہے۔قریب تھا کہ مختلف قبائل آپس میں لڑ پڑتے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تشریف لے گئے اور انہیں بتایا کہ تم جاہلیت کی طرف لوٹ رہے ہو۔اسلام نے تو ان کو متحد اور منظم کر دیا ہے۔پھر قبائل نے صلح کر لی اس میں اس کی کوشش ناکام ہوگئی۔

غزوۂ بنی المصطلق میں عبداللہ بن ابی ابن سلول شریک تھا۔پانی کے لیے ایک جہنی صحابی اور مہاجر صحابی میں جھگڑا ہوا،جہنیوں نے انصار کو مدد کے لیے پکارا۔مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔اس موقع پر ابن سلول نے انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ تم سب کا بڑا کارنامہ ہے،تم ان مہاجرین کو اپنے گھر لے آئے،اپنا آدھا مال دے دیا اور ان پر پیسہ خرچ کر رہے ہو،میں کہتا ہوں کہ تم ان کی مدد کرنا چھوڑ دو تو یہ سب کہیں اور بھاگ جائیں گے،مدینہ چل کر میں دیکھوں گا کہ عزت والے ذلت والے کو نکال دیں گے۔اس وقت ایک نوجوان صحابی ارقم بن ارقم موجود تھے،انھوں نے جا کر پورے واقعہ کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی،مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی کو جنبش ہوئی،انھوں نے فرمایا: یا رسول اللہ! حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن قلم کر دوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

اسی طرح جد بن قیس نے جو بڑا منافق تھا،ایک کھاڑی تنگنائی میں رات کی تاریکی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھکیل دینا چاہا،مگر پوری سازش کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

ہوگیا، یہ منافقین پہچان بھی لیے گئے۔ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باز پرس کی مگر کسی منافق کو سزا نہیں دی۔اقدام قتل کی اس مجرمانہ سازش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور نہ انہیں کیفر کردار تک پہنچایا،سوائے کلمہ خیر کہنے کے۔بیشک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔

دنیا کے بڑے سے بڑے تاریخ کے ہیروز کی زندگی کا مطالعہ کیجئے یہ عظمت اور یہ کھلی ہوئی کتاب زندگی کہیں دیکھنے کو نہیں ملے گی۔منافقین کی تعداد تین سو تھی،منافقات کی تعداد ستر تھی،مگر کسی کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔آج بڑے جباروں کا حال دیکھئے کس طرح وہ مخالفین کے پرخچے اڑا دیتے ہیں۔مگر رحمت مجسم کی محبت وحسن اخلاق کا یہ عالم کہ پوری عمر منافقوں کی ریشہ دوانیوں کو برداشت کیا۔سازش کرنے والوں سے بردباری برتی اور کسی کو سزا نہیں دی، بلکہ جس نے معافی چاہی اس کو معاف کر دیا۔

اس اخلاق فاضلانہ سے ہم مسلمانوں کو سبق اور عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ اللہ نے ہمیں خیر امت بنا کر بھیجا ہے،کیا ہم بہترین امت کا مظاہرہ اپنے ملک،اپنے معاشرہ اور اپنے سماج میں کر رہے ہیں؟ ہر جگہ اور ہر طرف انتشار و اکراہ پھیلا ہوا ہے،خود مسلمان آپس میں نہ متحد ہیں اور نہ اپنے فرائض کی انجام دہی کر رہے ہیں۔اس لیے آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی ساری قوم ان پر چڑھنے کے لیے تیار ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خیر امت کا فریضہ انجام دیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلانہ کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔

اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (سورۃ المنافقون، الآیۃ:1)

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں منافقین کے مختلف اَحوال بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منافق آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو اپنی دلی حالت کے برخلاف کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ان منافقوں کے اس قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور ان منافقوں کے منہ سے جو بات نکلی وہ بالکل درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافق اِس گواہی دینے میں ضرور جھوٹے ہیں کیونکہ ان کا باطن ظاہر کے موافق نہیں اور جو بات وہ کہتے ہیں اس کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ-اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ(۲)(سورۃ المنافقون، الآیۃ:2)

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرالیا تو اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں۔ (سورۃ المنافقون، الآیۃ:2)

یعنی منافقوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعہ قتل اور قید کئے جانے سے محفوظ رہیں، یہ زبان سے تو قسمیں کھاتے ہیں لیکن ان کا عمل یہ ہے کہ لوگوں کو طرح طرح کے وسوسے اور شُبہے ڈال کر سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے روکتے ہیں، بیشک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں کہ

نفاق سے آپ کی بارگاہ میں آتے، دھوکہ دینے کے لئے ایمان کا اظہار کرتے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ(۳)(سورۃ المنافقون، الآیۃ:3)

یہ اس لیے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوگئے تو اُن کے دلوں پر مہر کردی گئی تو اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

یعنی منافقوں کے یہ برے اعمال اس لیے ہیں کہ وہ زبان سے ایمان لائے پھر وہ دل سے کافر ہوگئے اور ان کے دل کا کفر لوگوں پر ظاہر ہوگیا، منافقوں کی ان حرکتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے تو اب ان کے دلوں میں ایمان کیسے داخل ہو؟

وَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْؕ-وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْؕ-كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌؕ-یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْؕ-هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْؕ-قٰتَلَهُمُ اللّٰهُۚ-اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ(۴)(سورۃ المنافقون، الآیۃ:4)

اور جب تو انہیں دیکھے ان کے جسم تجھے بھلے معلوم ہوں اور اگر بات کریں تو تو ان کی بات غور سے سنے گویا وہ کڑیاں ہیں دیوار سے ٹکائی ہوئی ہر بلند آواز اپنے ہی اوپر لے جاتے ہیں وہ دشمن ہیں تو ان سے بچتے رہو اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

یہاں آیت کی مناسبت سے ان لوگوں کے بارے میں حدیث ملاحظہ ہو جن کی زبان اور دل آپس میں مختلف ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''آخری زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو دھوکہ اور فریب کے ساتھ دین کے

ذریعے دنیا کمائیں گے، لوگوں کو نرمی دکھانے کے لئے بھیڑ کی کھال پہنیں گے، ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دل (کی طرح) ہوں گے، اللہ تعالیٰ (ان سے) فرمائے گا ''کیا تم میرے ساتھ دھوکہ کرتے ہو یا مجھ پر جرأت کرتے ہو، مجھے اپنی ہی قسم ہے کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ضرور فتنہ بھیجوں گا جو ان میں سے سمجھ دار لوگوں کو بھی حیران اور پریشان کر دے گا۔ (ترمذی، کتاب الزھد، باب 4 الرقم: 2412)

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سیدھے راستے پر چلائے۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

خطاب نمبر (۷۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُنْذِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَیْهِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۃ التغابن کے بارے میں کچھ عرض کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت مدنی ہے اس میں ۱۸ آیات ہیں اور ۲ رکوع ہیں اس سورت میں یوم التغابن کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ دن کفار کے نقصان کا دن ہوگا۔ قیامت کے بہت سے نام ہیں ان میں ایک نام یوم التغابن بھی ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ رب العزت کی تسبیح، اس کی حمد، اس کی قدرت، اس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد گذشتہ امتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی اور عذاب الٰہی سے دوچار کیے گئے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس قوم کی طرف آخری نبی جلوہ گر ہوئے ہیں اگر وہ قوم بھی تکذیب کے راستے پر چلے گی تو اس کا حشر بھی گذشتہ انبیا کے مکذبین کی طرح ہوگا۔ اس لیے آخری نبی کی تصدیق کی جائے تکذیب نہ کی جائے۔

اس میں انسان کی بہترین تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے کہ کائنات میں انسان کو صورتاً اور سیرتاً بھی سب سے افضل بنایا گیا ہے، اللہ نے اپنے فضل خاص سے انسانوں کو بہترین صورت عطا فرمائی ہے تو اسے بہترین سیرت کا بھی حامل ہونا چاہئے۔ اس سورت میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس سورت میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔

اس سورت کا آغاز تسبیح الٰہی سے ہوتا ہے یہ ان صورتوں میں ہے جسے ہم مسبحات اربعہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ چار سورتیں جو یکے بعد دیگرے آئیں ہیں جن کے مضامین بھی

ملتے جلتے ہیں ان کا آغاز اللہ کی تسبیح کے حکم سے ہوا ہے یا اللہ کی تسبیح کے کرنے سے ہوا ہے۔

سورۃ الصّف کا آغاز یوں ہوا۔ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

سورۃ الجمعہ کا آغاز یوں ہوا۔ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

سورۃ الحشر کا آغاز بھی یوں ہی ہوا۔ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

سورۃ التغابن یعنی اس سورہ کا آغاز بھی تسبیح سے ہوا۔ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔

سورۃ الحشر، سورۃ الصّف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ التغابن ان چاروں سورتوں کا آغاز اللہ کی تسبیح سے ہوا ہے۔ مضامین بھی ملتے جلتے ہیں اس لیے یکے بعد دیگرے ان سورتوں میں تسبیح الٰہی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اس سورت میں بھی ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ

اللہ کی تسبیح کررہی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں۔ اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔

جو بادشاہ حقیقی ہے تسبیح بھی اسی کی ہورہی ہے اور تمام محامد کا مستحق بھی وہی بادشاہ حقیقی ہے جو رب العالمین ہے خلاق کائنات ہے۔

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سورۃ التغابن، الآیۃ:1)

اور بلاشبہ اللہ تبارک وتعالی ہر شی پر قادر ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (سورۃ التغابن، الآیۃ:2)

وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو تم میں کوئی کافر اور تم میں کوئی مسلمان اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

تخلیق تو سب کی ایک جیسی ہوئی ،سبھی مسلم پیدا کیے گئے لیکن بعد میں کچھ لوگوں نے انکار کیا اور بعض لوگ اپنی فطرت پر قائم رہے اور ایمان کے حامل رہے۔ یاد رکھیے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلم پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے عالم ارواح میں تمام روحوں کو مخاطب کیا تھا۔

اور فرمایا تھا۔ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُم" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

تو سب نے کہا: "بَلیٰ" ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔

سب سے پہلے روح مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے "بَلیٰ" کہا تھا اور ان کی اتباع میں تمام ارواح عالمین نے بَلیٰ کہا تھا۔ اس اعتبار سے اس پہ سب کو قائم رہنا پڑا لیکن دنیا میں آنے کے بعد کچھ لوگوں نے اپنی فطرت سے بغاوت کر کے کفر کا راستہ اختیار کیا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے۔ "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا"

اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر (قائم رہو) جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

اور آقائے دوجہاں نے ارشاد فرمایا تھا:

مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، (صحيح البخاری كتاب الجنائز باب إذا أسلم الصبی فمات، هل يصلى عليه، وهل يعرض على الصبی الإسلام الرقم:1358)

''ہر پیدا ہونے والا بچہ اسلامی فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر ان کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ آج سے کئی سال پہلے ایک عیسائی نوجوان جس کی عمر سولہ، سترہ سال کی تھی اس نے اسلام قبول کیا تو میں نے اسے مبارک باد دی تھی کہ آج آپ مجھ سے بہتر ہیں اس لیے کہ اسلام ان تمام خطاؤں کو مٹا دیتا ہے جو اسلام سے پہلے ہوئی ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اسلام قبول کیا۔ تو اس نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی اس نے کہا: مولانا میں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اپنی ذات کے اندر اسلام کو ڈسکور کیا ہے میں تو خود ہی مسلمان پیدا ہوا تھا۔ اور اللہ نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں اپنے کو پہچان سکوں۔ مجھے آج تک اس کا یہ قول یاد ہے میں نے اسے اس کی اس بات پر مبارک باد دی۔ اس کا نام زکریا رکھا گیا تھا۔ بہر کیف ہر پیدا ہونے والا فطرت اسلامیہ پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہی ہے وہ بات جس کو اللہ نے فرمایا ہے:

"فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا"

اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر (قائم رہو) جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے

لیکن بعد میں جب بندے کو فری دل کیا جاتا ہے تو اپنے ماحول کے مطابق کبھی شعوری اور کبھی لاشعوری طور پر کفر کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

دنیا میں ہر پیدا ہونے والا اپنے معبود کو تلاش کرتا رہا ہے اس لئے کہ اس کے شعور کے کسی گوشے میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُم موجود ہوتا ہے کہ اس نے اپنے رب کا اقرار کیا تھا پھر جب اسے نبی کی ہدایت میسر آئی تو صراط مستقیم پالی اور نہیں میسر آئی تو مظاہر فطرت میں گم ہو کر رہ گیا، اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے اللہ کی تخلیقات کے سامنے جھک گیا۔ یہ انحراف اس لیے ہوا کہ اسے انبیائے کرام کی ہدایت میسر نہیں آئی اور وہ کافر ہو گیا۔

اسلام اور عیسائیت میں یہ بنیادی فرق ہے کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر انسان پیدائشی گنہگار ہے اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جناب آدم علیہ السلام سے جنت میں گناہ ہوا تھا

اس لئے ان کا ہر بیٹا اور حوا کی ہر بیٹی وراثتاً ان کے جرم میں شریک ہو کر گنہگار پیدا ہوتے ہیں اب اگر اسے بدتسمہ دیا جائے یا سیلبی یا مسیحی کے سامنے اعتراف گناہ کرے تو معاف کیا جائے گا ورنہ بچپنے ہی میں مر جائے تو وہ جہنمی ہوگا۔ غالباً انہوں نے یہ عقیدہ اسی لئے گڑھا ہے تا کہ لوگ عیسائیت قبول کریں اپنی نجات کے لئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں موروثی گناہ کا کوتصور نہیں ہے۔ یہ عقل اور شعور، عدل اور انصاف کے خلاف ہے کہ گناہ صدیوں پہلے باپ سے سرزد ہوا ہو اور ہزاروں سال کے بعد ان کی اولاد کو اس جرم کا مجرم قرار دیا جائے۔

اول تو ہم تمام انبیائے کرام کو معصوم سمجھتے ہیں جناب آدم سے جو لغزش پیغمبرانہ سرزد ہوئی تھی وہ مصلحت الٰہی تھی ورنہ وہ دنیا میں کیونکر بھیجے جاتے۔ انہیں تو خلافت عرضی کا منصب عطا کیا جانا تھا۔ گناہوں کے بدلے میں ہمیشہ بربادیاں ہوتی ہیں لیکن ایک ایسا گناہ آدم تھا

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

وہ اگر خطا سرزد نہ ہوئی ہوتی تو آج نہ ہمارا وجود ہوتا نہ کسی اور کا اس لئے اسلام دین فطرت ہے اور فطرت پہ قائم رہنے والا ہر انسان مومن اور مسلمان ہوتا ہے۔

حضرات گرامی! اللہ ارشاد فرما رہا ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ

(سورۃ التغابن، الآیۃ:2)

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِن کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کے علم ازلی میں یہ ہے کہ کون کافر اور کون مومن ہوگا یا یہ کہ پیدا تو مسلمان ہوا تھا لیکن بعد میں اس نے اپنے عقل و شعور کی فتنہ انگیزی کے بعد کفر قبول کر لیا اور فطرت پر قائم رہا تھا مومن رہا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِیْرٌ اور بے شک اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ سب اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ

اللہ تبارک وتعالی نے آسمان اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا۔

حق سے مراد وہ مصلحتیں ہیں جو تخلیق کائنات کے سلسلہ میں کی گئی ہیں اور حق سے مراد ایک توازن ہے جس کے ساتھ اور جس کی بنیاد پر زمین و آسمان قائم ہیں ان میں کوئی کوتاہی نہیں ہے، کوئی خرابی نہیں ہے، کوئی کمی نہیں ہے، یہ دونوں مفہوم ہیں۔

وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اور اس نے تمہیں صورتیں عطا فرمائیں۔

تو تمہاری صورتوں کو بہت ہی حسین بنایا خوبصورت بنایا۔ اور اے لوگو!

وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ (سورۃ التغابن، الآیۃ:3)

اور اسی پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ جس نے تمہیں یہ حسین صورت عطا کی ہے۔

انسان اللہ کی سب سے حسین مخلوق ہے، شاہکار تخلیق الٰہی ہے، وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے پہلے زمین و آسمان پیدا کیے مقصد تخلیق تو انسانوں کو پیدا کرنا تھا کائنات کے وجود سے پہلے اور انسانوں کے لیے مقصد تخلیق کائنات' سرور کائنات کی ذات ہے تو انسانوں کی تخلیق سے پہلے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اس لیے کہ آسمان اور زمین انسان کی ضرورتیں پوری کرنے والے تھے۔ جو ضروریات تھیں اسے پہلے پیدا کیا گیا اس کے بعد انسانوں کو اچھی شکل وصورت میں اللہ نے پیدا فرمایا۔

ایک دوسرے مقام پر خود ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (سورۃ التین، الآیۃ:4)

ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا کیا۔

حضرات! اس قدر حسین صورت دینے کے بعد، بہترین تخلیق عطا فرمانے کے بعد احسنِ تقویم میں پیدا کرنے کے بعد، اللہ اس بات کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ یاد رکھو وَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، جس نے تمہاری صورت گری کی ہے، تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس لئے خبردار! دنیا میں آنے کے بعد تم نہ اپنی تخلیق سے بے نیاز رہو اور نہ ہی یہ بھول جاؤ کہ تمہیں اللہ کے طرف لوٹ کر جانا ہے جو تمہارا خالق بھی ہے، مصور حقیقی ہے۔

مجھے ہارون رشید اور اس کی بیوی زبیدہ کا واقعہ یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ وہ دونوں چھت پر ٹہل رہے تھے، چودھویں رات کا چاند روشن تھا، چاندنی بکھری ہوئی تھی، ہارون نے کہا کہ دیکھو زبیدہ یہ چاند کتنا حسین ہے! تو زبیدہ نے کہا کہ مجھ سے زیادہ حسین تھوڑی ہے! ناراض ہو گیا ہارون، کہا: بہت غرور ہے تمہیں اپنے حسن پر اگر تم ثابت کر دو کہ تم چاند سے زیادہ حسین ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تم کو میں طلاق دے دوں گا۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی وہ بڑی پریشان ہوئی، صبح کو اپنے وقت کے سب سے بڑے مفتی کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور کہا کہ مجھے بچا لیجئے میں کیسے ثابت کروں کہ میں چاند سے زیادہ حسین ہوں۔ تو انہوں نے یہ آیت کریمہ لکھ کر دی کہ جاؤ اور ہارون کو بتا دو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا کیا ہے۔ وَ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ اس نے تمہاری صورت گری کی اور بہترین صورت دی اور اس طرح سے وہ طلاق سے بچ گئی۔

حضرات گرامی! انسان سب سے عظیم مخلوق ہے اللہ نے اسے عقل و شعور سے نوازا

ہے۔ اسی لیے اسے تکلفات شرعیہ کی ذمہ داریاں بھی دی گئی ہیں یہ بوجھ بھی ڈالا گیا ہے جسے آسمان و زمین نہ اٹھا سکے پہاڑ نہ اٹھا سکے اسے انسان نے اٹھایا ہے۔ یہ عظمت، یہ مقام بلند ساری کائنات کے حکمراں ہیں تمہارے لئے زمین و آسمان کو پیدا کیا گیا ہے اور مسخر کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس عظمت کے بعد اسے اللہ کی بارگاہ میں جھکنا اور اس کے احکامات کی پیروی کرنا ہے اس یقین کے ساتھ کہ اس کی بارگاہ میں دوبارہ لوٹ کے جانا ہے۔ اور یہ نہیں کہ جس خدا نے پیدا کیا ہے، بہترین صورت دی ہے، احسن تقویم میں پیدا کیا ہے، وہ ایک لمحے کے لئے بھی تم سے غافل ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ

وہ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو۔

نہ تمہارا پوشیدہ عمل اس کی نگاہ قدرت سے پوشیدہ ہے اور نہ ہی تمہارا علانیہ عمل۔ تمہارے قلب میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔

وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (سورۃ التغابن، الآیۃ:4)

اللہ جاننے والا ہے دلوں کے حال کو۔

جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہو وہ بھی جانتا ہے اس لیے اپنے دل کو بھی صاف رکھو جہاں تک تمہارا اختیار ہے اور اپنے ظاہر کو بھی سنوارو اور اپنے باطن کو بھی سنوارو۔

اس ہدایت کے بعد اس تلقین کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ

اے لوگوں! کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے کفر کیا تھا تم سے پہلے۔

فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ

تو انہوں نے اپنے کفر کا بدلہ چکھا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (سورۃ التغابن، الآیۃ:5)

اور ان کے لئے دردناک عذاب تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

(سورۃ التغابن، الآیۃ:6)

یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لاتے تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوئے اور پھر گئے اور اللہ نے بے نیازی کو کام فرمایا اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ یہ اس لیے کہ ان کے پاس اللہ کے پیغمبر روشن نشانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتے رہے، سارے پیغمبران کرام کو یہ نشانیاں دی گئی۔ معجزات دیے گئے۔ سرور کائنات جو آخری نبی ہیں خود معجزہ بن کر تشریف لائے۔ اور انبیائے کرام کو جو معجزات دیئے گئے ہیں وہ ایک محدود زمانہ کے لئے تھے، محدود معجزات جو گنے جا سکتے تھے لیکن سرور کائنات کو قیامت تک کے لئے نبی بنایا گیا اس لئے انہیں سرتاپا معجزہ بنایا گیا، انہیں بے شمار معجزات سے نوازا گیا۔

اللہ کے جتنے پیغمبر آئے بینات کے ساتھ آئے لیکن ان بینات کو دیکھنے کے بعد، نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی ان ظالم قوموں کا مزاج یہ تھا۔ وہ کہتے تھے۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا کیا ایک انسان ہماری رہنمائی کرے گا۔ فَكَفَرُوْا تو انہوں نے کفر کیا۔ وَ

تَوَلَّوْا اور منہ پھیرا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ اور اللہ ان سے بے نیاز ہے۔ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور اللہ بلاشبہ بے نیاز ہے اور ستودہ صفات سے سراہا ہوا ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (سورۃ التغابن، الآیۃ:7)

کافروں نے بکا کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہارے اعمال تمہیں جتا دیئے جائیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔

انہیں یہ گمان ہو گیا تھا کہ انہیں اٹھایا نہیں جائے گا، زندہ نہیں کیا جائے گا اے پیغمبر! فرما دیجئے وَرَبِّيْ مجھے میرے رب کی قسم ہے تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا اور تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اپنے اعمال کی خبر دی جائے گی جو تم دنیا میں کرتے تھے وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ اور دوبارہ اٹھانا زندہ کرنا اللہ پر بہت آسان ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

(سورۃ التغابن، الآیۃ:8)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے اتارا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا اور اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا۔ یہاں نور سے مراد قرآن عظیم ہے۔ قرآن عظیم کے علاوہ ایک مقام پر سرور کائنات کی ذات کو بھی نور قرار دیا گیا ہے۔ اللہ بھی نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ جس کا مفہوم ہے مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو ظاہر ہے کہ اللہ مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے سرور کائنات نور ہیں اور قرآن بھی نور ہے لیکن

یہاں نور کا تذکرہ، قرآن پاک کا تذکرہ رسول پاک کے بعد کیا گیا ہے جس سے رسول پاک کی عظمت کا احساس ہوتا ہے کہ اللہ نے انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا اور ان پر قرآن عظیم نازل ہوا۔ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اور بے شک اللہ جو تم کر رہے ہو اس سے آگاہ ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورۃ التغابن، الآیۃ:9)

جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا سب جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار والوں کی ہار کھلنے کا اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھا کام کرے اللہ اس کی برائیاں اُتار دے گا اور اُسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں کہ وہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ جب جمع ہونے والے دن، قیامت کے دن وہ تمہیں جمع کرے گا۔ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ یہ تمہارے گھاٹے کے اظہار کا دن ہوگا، اس روز تمہیں اندازہ نہیں ہوگا بلکہ تم مشاہدہ کرو گے کہ تم شدید گھاٹے میں تھے، شدید خسارے میں تھے دنیا میں وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا لیکن جو ایمان لایا اللہ پر اور نیک عمل کرتا ہے يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ تو اللہ پر ایمان لانا، نیک عمل کرنا یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے مکمل طور پے اس کے گناہوں کو مٹا دے گا دور کر دیگا اللہ اس کے تمام گناہوں کو اگر وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے۔ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور اللہ انہیں ان باغات میں داخل فرمائے گا جس میں نہریں جاری ہیں۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا یہ جنت میں ان کا دخول جو ہے یہ لحاتی، زمانی نہیں ہوگا بلکہ تا ابد وہ اس میں رہیں گے اَبَدًا سے مراد ابدیت ہے۔ دائمی رہیں گے کبھی اس سے نکالے نہیں جائیں

گے اور وہاں زمانے کا ایسا وجود نہیں ہوگا کہ اس کو ماہ و سال میں شمار کیا جا سکے بلکہ ابدیت انہیں میسر آئے گی۔ دنیا میں ایک محدود زمانہ کے لئے کام کریں گے، عبادت کریں گے، اللہ کی بندگی کریں گے، نیک اعمال کریں گے اور خلود فی الجنۃ کی ابدیت سے انہیں نوازا جائے گا۔ اللہ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ (سورۃ التغابن، الآیۃ:10)

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ آگ والے ہیں ہمیشہ اس میں رہیں اور کیا ہی بُرا انجام ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا تو وہ جہنم میں ہوں گے اور وہاں ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہ وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ اور کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو اذن الٰہی سے پہنچتی ہے۔

وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔

وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورۃ التغابن، الآیۃ:11)

اور بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول معظم کی اطاعت کرو

فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ (سورۃ التغابن، الآیۃ:12)

اور اگر تم منہ پھیرو گے، روگردانی کرو گے، انحراف کرو گے تو یاد رکھو کہ ہمارے پیغمبر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کا پیغام کھول کے پہنچا دیں تم تک واضح کر کے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اللہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (سورۃ التغابن، الآیۃ:13)

اور اللہ ہی پر اہل ایمان ہمیشہ بھروسہ کرتے ہیں۔

توحید کی تعلیم اور رسالت کے اقرار کا حکم دینے کے بعد اللہ ایک ایسے فتنے کی طرف توجہ دلا رہا ہے جس میں اکثر لوگ پھنس جاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَ اَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَ تَصۡفَحُوۡا وَ تَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

(سورۃ التغابن، الآیۃ:14)

اے ایمان والو تمہاری کچھ بیبیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اصل میں یہ آیت شریفہ تو نازل ہوئی ہے ایک خاص طبقہ کے بارے میں جن کی بیوی اور بچوں نے انہیں ہجرت سے روکے رکھا تو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر ایسا مقام پیش آئے تو یاد رکھو تمہارے دوست ہی تمہارے دشمن ہیں ورنہ عالم تو یہ تھا صحابہ کرام کا ایک صحابی ہیں جو ہجرت کے لئے تیار ہیں اونٹ پر اپنی بیوی بچے اور تھوڑا سا مال رکھا ہے اور ہجرت

کرنے جا رہے ہیں، مکہ والے جمع ہو گئے، کہنے لگے: تم اپنی بیوی کو نہیں لے جا سکتے وہ ہماری بیٹی ہے اور یہ بیٹا ہمارا نواسہ ہے یہ بھی نہیں آئے گا اور یہ مال تم نے ہماری منڈی سے کمایا ہے یہ بھی اتار دو اور یہ اونٹ بھی ہمارا ہے۔ سبحان اللہ! بیوی کو چھوڑ دیا بچے کو چھوڑ دیا اونٹ کو چھوڑ دیا اور چل پڑے پیدل مدینہ۔

میں نے رخ کر لیا مدینہ کا
کون روکے گا راہ سے ہم کو

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تو عالم یہ تھا لیکن کچھ ایسے کمزور لوگ بھی ہو سکتے تھے جو بیوی بچوں کی محبت میں ہجرت کرنے سے رک جاتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے دشمن جو بھی ہوں ان سے احتیاط کرو اور ان کی غلطیوں کو جب وہ احساس کر لیں معاف کر دو لیکن ان کی غلطیوں کو اور ان کے غلط مشوروں کو قبول نا کرو۔

وما علینا الا البلاغ المبین
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۷۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَیْهِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِیْماً

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ
وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! آج میرا موضوع اسلام میں طلاق کی حیثیت بیان کرنا ہے۔ سورۃ الطلاق مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ طلاق ایک بڑا اہم لفظ ہے جس کے بارے میں دنیا افراط وتفریط کا ہمیشہ شکار رہی ہے۔ اسلام سے پہلے عربوں کا یہ مزاج تھا کہ ان کے یہاں طلاق کی کوئی حد متعین نہ تھی وہ طلاق دیتے پھر رجوع کر لیتے پھر دیتے پھر رجوع کر لیتے سیکڑوں بار یہ کرتے اور بار بار رجوع کر لیتے اور اس طرح سے عورتوں کی زندگی جہنم بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے طلاق کو مزاق سمجھ رکھا تھا اور شادی کو ایک تفریح طبع کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے جن باطل قدروں کی اصلاح کی ان میں طلاق بھی ہے۔ اسلام نے طلاق کو تین کی حد تک محدود کر دیا ہے کہ اس کے بعد بیوی مستقل طور پر شوہر کی زوجیت سے نکل جائے گی، اور دوبارہ واپسی کا کوئی اختیار حاصل نہیں کہ وہ اسے واپس لے سکے سوائے اس طور پر کہ وہ کسی اور سے شادی کرے پھر وہ اپنی مرضی سے طلاق دے تو دوبارہ وہ اپنے پہلے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے، لیکن تین مرتبہ طلاق دینے کے بعد طلاق مغلظہ بن جاتی ہے۔ شوہر اس کے بعد دوبارہ اس سے رجوع نہیں کر سکتا ہے۔

حضرات! ایک طرف تو یہ ہوتا تھا کہ وہ سیکڑوں بار طلاق دیتے تھے پھر رجوع کر لیتے تھے اور دوسری طرف سختی کا یہ عالم تھا کہ مسیحی نظام میں عیسائیوں کے یہاں طلاق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کا یہ کہنا تھا جسے اللہ نے جوڑا ہے اسے کوئی اور نہیں توڑ سکتا اس کے نتیجے میں صدیوں تک ان کے یہاں طلاق نہیں ہوتی تھی لیکن زندگی میں بعض مراحل ایسے بھی آتے ہیں جب میاں بیوی کو ایک ساتھ رہنا ناممکن ہو جاتا ہے ہزار کوششوں کے باوجود بھی وہ

نہیں رہ سکتے ان حالات میں انہیں مجبورًا ساتھ رہنے پہ آمادہ کیا جائے یا ان پہ جبر کیا جائے تو ان کی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

جب لاکھوں گھروں میں یہ انتہائی تکلیف دہ حالات پیدا ہو گئے تو ان مسیحیوں نے ایک نئی راہ نکالی اور وہ یہ کہ میاں اور بیوی میں سے کوئی خیانت کرلے یعنی زنا کرے تو بیوی کو زنا کے ارتکاب کے بعد طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق ہے یا شوہر کو دینے کا حق ہے۔ صدیوں کے بعد انہوں نے ایک نئی راہ نکالی حالانکہ وہ تو اسلام پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ عجیب مذہب ہے کہ نکاح کا حکم بھی دیتا ہے اور طلاق کی اجازت بھی دیتا ہے۔لیکن جب ان کے لیے بھی طلاق ناگزیر ہوگئی تو انہوں نے اس راہ پر چلنے کے لیے یہ طریقہ نکالا کہ الزام زنا کے بغیر طلاق نہیں ہوسکتی۔نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحی عدالتیں زنا کے الزامات اور مقدمات سے بھر گئیں۔عالم یہ ہوگیا تھا کہ کوئی بھی اختلاف ہو، بیوی شوہر سے اجازت چاہتی ہو یا شوہر الگ کرنا چاہتا ہو تو الزام زنا لگایا جانے لگا۔

اس طرح جھوٹے الزامات کی بنیاد پر ایک بہت ہی بدبودار معاشرہ پیدا ہو گیا۔ کورٹ کے اندر کچھ دنوں تک تو یہ چلتا رہا لیکن پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ نہیں صرف الزام زنا پر طلاق نہیں ہوگی بلکہ جب بھی زندگی میں کوئی ایسا مقام آئے جس میں میاں بیوی ساتھ نہ رہنا چاہیں تو طلاق ہوسکتی ہے۔گویہ صدیوں کے اختلاف کے بعد اور ہزار نقصانات اٹھانے کے بعد وہیں آئے جہاں اسلام نے بتایا تھا۔

حضرات گرامی! یہ دو انتہائی قبیح باتیں تھیں کہ عرب کے لوگ طلاق دیتے، بار بار دیتے، ہزار بار دیتے اور پھر لوٹا لیتے عیسائی معاشرے میں طلاق کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ پھر زنا کے حیلہ سے اجازت دی گئی۔اس کے بعد پھر مکمل اجازت دی گئی اور اب تو عالم یہ ہے کہ

وہی عیسائی معاشرہ ترقی یافتہ ہونے کے دعوے کے ساتھ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ اب نکاح کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا ہے چرچ خاموش ہیں مسیحیت مرقد بنی ہوئی ہے کہیں سے کوئی آواز نہیں اٹھ رہی ہے نکاح کا تقدس پامال نہیں ہوا بلکہ نکاح کے رشتہ کا احترام ہی اٹھ گیا۔

حضرات! نکاح کتنا اہم ہے اس کا اندازہ کرنا ہو تو اس بات سے کریں کہ انسانی زندگی میں پہلا جو رشتہ قائم ہوا وہ نکاح کا ہے۔ماں، باپ کا رشتہ بہت اہم ہے ماں، باپ بننے کے بعد لیکن ماں، باپ بننے سے پہلے میاں اور بیوی کا رشتہ قائم ہوا ہے اور یہ رشتہ اتنا مقدس ہے کہ اس کا آغاز جنت سے ہوا ہے۔جناب حوا اور جناب آدم علیہما السلام کا رشتہ نکاح جنت میں قائم ہوا ہے۔گویا کہ جنتی رشتہ ہے۔اسی لیے تو لوگ کہتے ہیں کہ رشتے جنت میں بنتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ رشتوں کا آغاز جنت سے ہوا ہے اور وہیں اس بات کا اندازہ بھی ہوا کہ میاں اور بیوی تنہا تنہا نہیں رہ سکتے ہیں بلکہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔

جناب آدم جنت میں تھے جنت میں کیا کمی رہی ہوگی؟ کیا کچھ نہیں ہے جنت میں ہر خواہش وہاں پوری ہوتی ہے مگر وہاں بھی تنہائی میں ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ایک شریک زندگی کو حاصل کریں اور اللہ نے اس بنیاد پر جناب حوا کو ان کی زندگی میں داخل فرمایا انہیں سے پیدا کرکے، یہ ایک اہم بات ہے کہ تنہا انسان نہیں رہ سکتا ہے اگر فطرت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔تو اگر غیر فطری طریقے سے ہو تو انسان کچھ بھی کرسکتا ہے۔نکاح کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ معاشرہ کی بنیاد نکاح ہی پر رکھی جاتی ہے۔نکاح معاشرے کی خشت اول ہے اور پھر یہی خشت اول مزید بنیادوں کو آگے بڑھاتی ہے تو پورا معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

قرآن عظیم نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں وَعَاشِرُوْهُنَّ

بِالْمَعْرُوْفِ کے ذریعہ ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ زندگی میں رشتہ کی بنیاد پر جو معاشرہ قائم ہوا ہے وہی رشتہ اولاد تک منتقل ہوتا ہے اور اس کے بعد پھیلتا ہے، تو ایک ملت کا تصور سامنے آتا ہے اس لیے نکاح معاشرہ کی اساس، معاشرہ کی خشت اول اور بنیاد ہے۔ طلاق یقیناً ایک ناپسندیدہ عمل ہے ایک ایسا عمل جس کے بارے میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ

(سنن أبو داود، کتاب الطلاق، باب کراهية الطلاق الرقم: 2178)

حلال یا مباح چیزوں میں سب سے جو ناپسندیدہ عمل ہے قدرت کی نگاہ میں وہ طلاق ہے۔ طلاق کو مباح اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ بعض اوقات زندگیاں جہنم بننے سے بچ جائیں۔ طلاق شوقا کوئی نہیں دیتا اور نہ ہی ایسا ہونا چاہئے بلکہ اس لئے ہے تا کہ زندگی کی گاڑی چلتی رہے اور کاروان حیات چلتا رہے۔ اس لئے مجبوراً جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ دونوں نہ رہ سکیں تو پھر طلاق کی اجازت دی گئی ہے مگر بہت سی شرائط کے ساتھ۔

حضرات گرامی! طلاق کو آج بہت ہی اہم موضوع بنا دیا گیا ہے، آج کی وہ قوتیں جو اسلامی نظریات اور اسلامی اقدار کی مخالف ہیں تین طلاق کے نام سے تحریکیں چلائیں اور قوانین بنانے کی کوشش کیں۔ میں آج یہ بتانا چاہوں گا کہ طلاق پر جو اعتراضات کرتے ہیں شاید وہ اسلام سے ناواقف ہیں اور جن کو اسلام کا نمائندہ بنا کر پیش کرتے ہیں وہ انتہائی جاہل اور احمق لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو منتخب کرتے ہیں تا کہ وہ جواب نہ دے سکیں اور اسلام کی غلط تصویر پیش کریں۔

حضرات! اولا تو اسلام میں طلاق کو ناپسند کیا گیا ہے اور اگر طلاق دینا ہی ہے تو

ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق نہ دی جائے بلکہ طلاق سنت یہ ہے کہ ایک عدت کے گزر جانے کے بعد دوسری اور پھر تیسری دی جائے اور جب تیسری مرتبہ طلاق دی تو اس کے بعد پھر لوٹانے کے امکان نہیں۔ دو مرتبہ کے بعد لوٹانے کے امکان باقی رہتے ہیں جس کی تفصیلات ان شاء اللہ سورۃ الطلاق میں ملیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ تین طلاق اگر کسی نے دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ دینے والا خلاف سنت کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ یہ تو پہلے ہی سے اسلام کے اندر موجود ہے اگر اس بات کی کوشش کی جاتی کہ لوگ سنت کے مطابق طلاق دیں تو ہنگاموں کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ بجائے اس کے یہ اعتراضات کئے جانے لگے۔ شاہ بانو کیس میں ہندوستان میں کہ اگر شوہر نے طلاق دے دی تو عورت کہاں جائے گی؟ اس لئے جب تک کہ عورت دوسری شادی نہ کر لے یا شوہر مرنا جائے اس وقت تک اس کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔ جس بیوی کو اس نے پیر کی جوتی بنا کر اتار دیا ہے اسی کے دروازے پر بھکاری بنا کر کھڑا رکھنا چاہتا ہے معاشرہ۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ ''کہاں جائے گی وہ'' میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اسلام کے نظام وراثت کا وہ جائزہ لیتے تو اس کا جواب ان کو مل جاتا۔ دنیا کے کسی بھی مذہب میں حتٰی کہ آج کے معاشرے میں بھی باپ کی جائداد میں بیٹی کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایک دفعہ گھر سے چلی گئی بیٹی تو دان دے دیا اس کو اس کے بعد لوٹ کر وہ کسی قانونی بنیاد پر، یا مذہبی بنیاد پر گھر نہیں آسکتی۔ تو بلا شبہ جن کی لڑکیاں اپنا کوئی حق نہیں رکھتی اپنے باپ اور بھائی کی جائداد میں ان کے لئے تو یقیناً یہ مناسب ہے کہ وہ شوہر سے جو طلاق دے چکا ہے اس سے اس کا حق دلوایا جائے لیکن اسلام میں طلاق کے بعد بھی ہر بچی کے سر پر اس کے باپ کے گھر کی چھت موجود ہے۔ باپ کی جائداد میں اس کا حق ہے۔

شادی ہونے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے باپ کے در سے دھتکار نہیں دی گئی، نہ اسے دان کر دیا گیا ہے بلکہ باضابطہ وہ باپ کے گھر میں آنے کا قانونی اور شرعی حق رکھتی ہے ۔آقائے دوجہاں نے فرمایا: کہ جس نے اپنی مطلقہ یا بیوہ بچی کو سہارا دیا، پرورش کی وہ جنتی ہے۔ اسلام کا یہ قانون وراثت ہے اور اس سوال کا جواب ہے کہ'' طلاق کے بعد وہ کہاں جائے گی'' میں ان ظالموں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو عورتوں کے حق میں بہت زیادہ بات کرتے ہیں وہ مجھے بتائیں شوہر کی موت کے بعد عورت کہاں جائے گی؟ ہمارے یہاں تو وہ باپ کے یہاں آئے گی۔ کیوں کہ باپ کی جائداد میں اس کا حق ہے اور اگر فرض کیجئے نہیں بھی ہوتا تو میرے عزیز! اسلامی معاشرہ اس قدر منظم معاشرہ ہے کہ کوئی بھی اپنی بیٹی کو ذلیل ورسوا ہونے اور بھیک مانگنے کے لئے مجبور نہیں کرے گا کیوں کہ ایک بیٹی پوری قوم کی بیٹی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بہت سے ایسے ادارے قائم ہیں جو مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی مدد کرتے ہیں لیکن وہاں مسلم خواتین بالکل نہیں پائی جاتیں یا کہیں پائی بھی جاتیں ہوں گی تو نمک کے برابر کہ یہ اسلامی معاشرے کی خوبی ہے۔

بہرکیف، اب یہ سنا ہے کہ بعض ملکوں میں باپ کی جائداد میں بیٹی کے حق کے لئے کوشش کر رہے ہیں مگر یہ لوٹ کر اسلام ہی کی طرف آئیں گے عیسائیت طلاق کے معاملہ میں اسلام کی طرف لوٹ آئی مگر دوسرے انتہا کے شکار ہو گئے یہ بھی اسلام کی طرف آئیں گے۔ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے جس میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جو کسی معاشرے کو ہمیشہ باقی رکھنے کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں۔

شادی دو آدمیوں کے درمیان ایک رشتہ کا نام نہیں ہے۔ شادی دو خاندانوں کے درمیان ایک رشتہ کا نام ہے میاں بیوی تو یقیناً دو ہی ہوتے ہیں مگر ایک بچی جو بیس پچیس سال

اپنے ماں باپ کے گھر رہی جب شادی کر کے اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے تو پورا ماحول بدل جاتا ہے اب شوہر کا باپ اس کا باپ ہے، شوہر کا بھائی اس کا بھائی ہے، شوہر کی ماں اس کی ماں ہے، شوہر کی چار دیواری اس کی چار دیواری ہے اور پوری زندگی وہ اس میں گزارتی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے ہاں کہا ہے اور پوری زندگی اس کی لاج رکھتی۔

حضرات! ایک بات آ گئی ہے تو کہہ دوں ہم نے بھی ایک ہاں کہی ہے جب ہمارے پروردگار نے ہم سے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں تو ہم نے ہاں کہا تھا لیکن افسوس کہ دنیا میں آنے کے بعد ہم بھول گئے اس ہاں کو۔ ایک بچی تو موت تک اس ہاں کا احترام کرتی ہے لاج رکھتی ہے اور ہم اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ بھول چکے ہیں خدا ہمیں شعور عطا فرمائے۔

تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پھر قرآن عظیم نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں اور مردوں پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں اگر کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کے سارے حقوق کو ادا کر رہا ہو تو کبھی بھی طلاق کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اسلام میں ایسا نہیں ہے کہ مرد ہی سب کچھ ہے ہاں! اسے یقیناً برتری دی گئی ہے کیوں کہ وہ مال خرچ کرتا ہے، بچوں کی پرورش کرتا ہے ،محنت کرتا ہے بیوی پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے ۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے بیوی کے ساتھ معاملہ کرے۔

بیوی شریک زندگی ہے اسلام میں سلیب نہیں ہے اسلام نے کہا ہے مردوں کے اوپر عورتوں کے ایسے ہی حقوق ہیں جیسے عورتوں کے مردوں کے اوپر ہیں۔ ایک مقام پر قرآن عظیم نے ارشاد فرمایا : هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ مرد عورتوں کے لباس ہیں اور عورتیں مردوں کے لباس ہیں۔ لباس کا حسین کنایہ اور تسبیح زندگی کے تمام

گوشوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔لباس پردہ پوشی کرتا ہے جسم کی ،تم بھی ایک دوسرے کے پردہ پوش بن کر رہنا،کوئی عیب ہوزندگی میں،کوئی کمزوری ہوتو اس کونمایاں نہ کرنا۔

لباس زینت ہوتا ہے تم بھی ایک دوسرے کی زینت بن جانا،لباس بیرونی اثرات اور گردوغبار سے محفوظ رکھتا ہے تم بھی ایک دوسرے کومحفوظ رکھو،لباس جسم سے قریب رہتا ہے تم بھی ایک دوسرے کے قریب رہو گے ،دور رہنے کی کوشش نہیں کرو گے ۔اس طرح سے کتنے ہی حقائق پوشیدہ ہیں آیت کریمہ کے اس کنایہ کے اندر۔

آقائے دوجہاں نے فرمایا ہے کہ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي کون ہے جو اپنے کو بہتر نہیں بنانا چاہتا مگر بہتر بننے کا معیار آقا نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی بچوں کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی اہل کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔ان فرامین کی روشنی میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ سلم نے فرمایا نکاح نصف ایمان ہے۔نکاح کونصف ایمان قرار دیا ہے اس لیے نکاح کی اہمیت ہر حال میں مسلم ہے اور طلاق کی عدم قبولیت بھی مسلمات میں سے ہے لیکن میں نے بتایا کہ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ جب زندگی ناممکن ہوجائے تو طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔

حضرات گرامی! آقائے دوجہاں نے فرمایا کہ دنیا کی مجھے دو چیزیں پسند ہیں خوشبو اور نیک عورت نیک بیوی کو خوشبو سے تشبیہ دی گئی ہے خوشبو بہت لطیف ہوتی ہے جب تک دامن گل میں پوشیدہ رہتی ہے زندہ رہتی ہے بکھرتی ہے تو فنا ہوجاتی ہے ایک بیوی کا دامن گل اس کا اپنا شوہر ہے جب تک اپنے ماحول سے وابستہ رہے گی مہکاتی رہے گی مشام جاں کو ورنہ رسوائیوں کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

نہیں یہ شان خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیب گلو کر لے

حضرات! اب آیئے اس سورت کے کچھ مضامین کا میں تذکرہ کروں ان شاء اللہ کل کے درس میں سورت کے دوسرے مضامین پڑھنے کی کوشش کروں گا۔ اس سورت میں طلاق دینے کے بعد عدت کی مدت میں نان ونفقہ کی ذمہ داری کا بیان ہے کہ کون ذمہ دار ہوگا نان ونفقہ کا؟ بلاشبہ عدت کی مدت میں نان ونفقہ تو دینا ہی ہوگا لیکن طلاق سے پہلے تمام تر ذمہ داریاں شوہر کی ہے۔نان ونفقہ دینا،مکان دینا،بال بچوں کی پرورش کے لئے اخراجات دینا، یہ سب کچھ شوہر کی ذمہ داری ہے۔اس میں عورت کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر وہ کرے گی تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔بیوی کے پاس اگر دولت ہے تو شوہر اس سے اس کی دولت قانوناً نہیں لے سکتا ہے ہاں! اگر وہ خرچ کرنا چاہے شوہر یا بچوں پر تو یہ شوہر پر صدقہ ہوگا اس کی طرف سے، وہ مجبور نہیں کرسکتا ہے کہ تم جا کر کام کرو جیسا کہ آج کے معاشرے میں زندگی نہیں چل سکتی ہے اگر بیویاں کام نہیں کریں گی۔ دنیا کی ریس میں چلنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ بھی کام کریں دونوں کام کریں۔لیکن دونوں کے کام کرنے کے جو نتائج ہیں پوری دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔اسلام نے یہ ذمہ داری صرف شوہر کی رکھی ہے۔

حضرات! چوں کہ اخراجات کی ذمہ داری صرف شوہر کی ہے اس لئے طلاق کا حق بھی شوہر کو دیا گیا ہے مگر خلع کا حق بیوی کو بھی دیا گیا ہے۔اس کے بعد اس سورت میں کچھ احکامات ہیں مگر طلاق کے یا نکاح کے بہت سے احکامات سورہ بقرہ میں،سورہ احزاب میں اور سورۃ النساء میں موجود ہیں ان کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

طلاق کے پورے نظام کو سمجھنے کے لیے ان سورتوں کے مضامین کو ذہن میں رکھا

جائے، اس سورت میں تقوٰی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ حضرات! لوگ طلاق کیوں دیتے ہیں؟ بیوی کے ساتھ انصاف کیوں نہیں کرتے ہیں؟ بال بچوں کے حقوق کیوں نہیں دیتے ہیں؟ شادی کے بعد انہیں چھوڑ دیتے ہیں؟ یا لٹکائے رکھتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ ہی اخراجات دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ ان کے دل میں آخرت کا خوف نہیں ہے قانون سے بچ جاتے ہیں کبھی بھی قانون مظلوم کا ساتھ نہیں ظالم کا ساتھ دیتا ہوا نظر آتا ہے یا ظالم طاقت ور ہے تو مظلوم کچھ نہیں کر پاتا ہے ایسے ہزاروں کیسس ہیں قانون سے ہٹ کر۔ خدائے وحدہٗ قدوس کی بارگاہ میں جواب دہی کا احساس تقوٰی کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔

اور جب ایک انسان متقی بن جاتا ہے تو اپنی بیوی، اپنے بچوں کے سلسلہ میں بہت ہی حساس اور محتاط ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی طلاق نہیں دیگا۔ اور کبھی ان کے حقوق سے بے اعتنائی نہیں برتے گا اس لئے کہ اسے صرف دنیاوی قانون کے سامنے نہیں بلکہ خدائے قہار و جبار کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہ بھی ہونا ہے اس لئے تقوٰی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سورت کے اندر تاکہ تم ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

آخری رکوع کی آیات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو لوگ احکام الٰہیہ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اگر تم نے اپنی معاشرتی زندگی میں معاشرے کے کسی فرد پر خاص کر کے بیوی پر یا بچوں پر ظلم کیا ہے تو یاد رکھو ایک یوم دن حساب ہے تمہارے لئے تم یقین مانو تمہیں حساب دینا پڑے گا۔ لیکن جو لوگ احکام الٰہیہ کی پابندی کرتے ہیں انہیں اللہ اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کا مسافر بنا دیتا ہے۔ زندگی میں جو اندھیرے ہیں، جو مشکلات ہیں ان سے نکال کر وہ روشنیوں کے ماحول میں لے آتا

ہے جہاں دنیاوی زندگی کی مسرتیں ہیں اور خوشیاں ہیں اور آخرت میں جنت ہے۔ قرآن نے نکاح وطلاق کے بارے میں احکام الٰہیہ کی پابندی اور انحراف پر سزا کا اعلان بھی کیا ہے اس بنیاد پر ایک مومن کو انتہائی محتاط زندگی گزارنے پر اللہ کی کتاب آمادہ کرتی ہے۔

اب آیئے آج کے درس کی آخری بات میں عرض کروں کہ مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا ہے نکاح کرو مگر ہرگز طلاق مت دو اس لئے کہ جب کوئی طلاق دیتا ہے تو عرش الٰہی لرز جاتا ہے بتایئے! اس سے زیادہ بڑی بات طلاق نہ دینے کے سلسلے میں اور کیا ہو سکتی ہے! یہ وہ ذات پاک فرما رہی ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو احکام الٰہیہ کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔

خطاب نمبر (۷۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَیْهِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

حضرات گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آیئے ہم اور آپ مل کر اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت حضور رحمت عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرات گرامی! کل کے درس میں یہ بتایا گیا تھا کہ اسلام میں طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے بوجہ مجبوری جب ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ناممکن ہوجائے اور ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ مزید خرابیاں پیدا ہونے کے امکانات ہوں تو وہاں طلاق کی اجازت ہے۔

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ

(سنن أبو داود، کتاب الطلاق، باب کراهیة الطلاق الرقم: 2178)

اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ حلال چیز یا مباح چیز طلاق ہے۔

حضرات گرامی! سورۂ طلاق میں طلاق اور اس کے متعلقات پر بحث کی گئی ہے۔ مختلف احکامات اور ان کے فوائد ونقصانات بیان کئے گئے ہیں۔ آغاز سورت یوں ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ: 1)

اب یہاں طلاق کے قوانین بتائے جارہے ہیں تاکہ انسان طلاق دینے میں بھی حدود الٰہیہ سے انحراف نہ کرے اور وہاں بھی اپنی شرافت اور انسانی قدروں کو ملحوظ رکھے۔ طلاق دینی ہی پڑ جائے تو کس طرح دی جائے اس کی وضاحت مختلف مقامات پر قرآن مجید کے اندر کی گئی ہے اور یہاں بھی کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

اے نبی مکرم اے غیب کی خبر دینے والے نبی (اے مسلمانو) جب تم عورتوں کو طلاق دوتو ان کی عدت کوملحوظ رکھتے ہوئے طلاق دو۔

یہاں بڑی خوبصورت بات یہ ہے کہ مخاطب تو سرور کائنات کو کیا گیا ہے مگر طلاق کے قوانین امت مسلمہ کو بتائے جارہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ مخاطب سرکار ہیں تو اگر اس سے مراد آقائے دوجہاں کی ذات ہوتی تو اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ کی بات نہ ہوتی چوں کہ طلاق ایک ایسا عمل ہے جو پسندیدہ نہیں ہے اس لئے پیغمبر اعظم کو مخاطب تو کیا گیا مگر ان کی طرف طلاق کی نسبت نہیں کی گئی۔ یہ بارگاہ مصطفٰی کی عظمت کا عالم ہے کہ رب تعالی بھی احکام کے نزول میں آپ کی عظمت پیغمبرانہ کوملحوظ رکھتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں یہ جملہ پوشیدہ ہے۔

"قُلْ لِّاُمَّتِكَ" اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

اے پیغمبر اپنی امت سے فرمادیجئے کہ تم جب عورتوں کو طلاق دو۔

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ تو ان کی عدت کوملحوظ رکھ کر طلاق دو

وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ اور عدت کو شمار کرو۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو۔

وَ لَا يَخْرُجْنَ اور وہ خود بھی نہ نکلیں۔

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

ہاں! اگر کوئی کھلی بے حیائی کریں۔ تو نکالنے کی اجازت ہے۔

حضرات گرامی! اس آیت کی مختصر سی تشریح کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے لیکن طلاق دینی ہی پڑ جائے تو اس کا مکمل شرعی طریقہ اختیار کیا جائے۔ شرعی طریقہ کو طلاق سنت کا نام دیا جاتا ہے اس کے علاوہ جو بھی طلاق ہوگی وہ طلاق بدعت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ آقائے دوجہاں سے طلاق تو عملا مروی نہیں لیکن اس طور پر کہ اللہ کے رسول نے طلاق کے احکام عطا فرمائے ہیں سنت کہا گیا۔

تو فرمایا جارہا ہے کہ ان کی عدت کے اعتبار سے طلاق دو۔

عدت کا اعتبار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر طلاق دینی ہو تو وہ طہر میں دی جائے پہلی دو طلاقیں رجعی ہوں گی اور دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد جب تیسری طلاق دی گئی تو وہ طلاق مغلظہ بن جائے گی اب رجوع نہیں کر سکتے دو طلاقوں کے دوران رجوع کر سکتے تھے اور اگر عدت گزر جائے تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔

طلاق دینے کا بہتر طریقہ: طلاق دینے کا وہ طریقہ جو سب سے بہتر ہے، جسے "طلاقِ سنت" بھی کہا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ: مدخولہ بیوی کو حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے؛ بلکہ ایسے طہر (پاکی) کی حالت میں دی جائے جس میں شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو، اور ایک ہی طلاق رجعی دی جائے؛ تاکہ زمانۂ عدت (تین حیض آنے تک) رجوع کر لینے کی گنجائش باقی رہے، پھر اگر شوہر رجوع کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے تو عدت کی مدت گزر جانے دے، اس سے رجعت کی گنجائش تو نہیں رہے گی؛ البتہ دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا رشتہ قائم ہو سکے گا۔ اس کو "طلاقِ احسن" بھی کہا جاتا ہے۔

طلاق کا دوسرا صحیح طریقہ: ایک طریقہ یہ ہے کہ: آدمی اپنی مدخولہ بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق نہ دے؛ بلکہ ایسے طہر کی حالت میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو، پھر

دوبارہ حیض کے بعد طہر کی حالت آئے اس میں دوسری طلاق دے، پھر حیض کے بعد تیسرے طہر میں، تیسری طلاق دے۔ یہ طریقہ بھی ٹھیک ہے، اسے "طلاقِ حسن" کہا جاتا ہے اور "طلاقِ سنت" بھی۔

حضرات! فساد یہاں برپا ہوتا ہے کہ جب لوگ خلاف سنت کام کرتے ہیں اور ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیتے ہیں جب کہ یہ خلاف سنت ہے مگر طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

آپ کے ہاتھ میں بندوق ہے اور تین گولیاں ہیں آپ اسے چلائیں تو ہر گولی کا اپنا اثر تو ہوگا۔ تین طلاقوں کی اجازت دی گئی ہے سنت کا طریقہ بھی بتادیا گیا ہے پھر بھی اس کے باوجود کوئی خلاف سنت کرتا ہے وہ طلاق بدعت ہے طلاق تو واقع ہوجائے گی مگر اللہ و رسول کو یہ پسند نہیں ہے۔ امت مسلمہ چاہے تو اس خلاف سنت عمل پر باضابطہ کوئی سزا بھی مقرر کرسکتی ہے، جرمانہ بھی مقرر کرسکتی ہے لیکن کسی اور کو حق حاصل نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لاء یا مسلمانوں کے عائلی قانون میں مداخلت کریں۔

ہندوستان میں یہ ہنگامہ بہت ہوا اور برسر اقتدار طبقہ نے اپنی قوم کی خوشنودی کے لئے اور ووٹ بینک کو بڑھانے کے لئے یہ زیادتی کی کہ تین طلاق کے سلسلہ میں قانون بھی بنایا۔ اس میں پیش پیش کچھ ایسی عورتیں ہیں جن کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا اور پتا نہیں وہ عورتیں تھیں یا نہیں تھیں ان کے ذریعہ سے بیانات بھی دلوائے گئے مگر ان سے یہ نہیں ہوسکا کہ اسلامی قوانین کے ماہر علماء سے بیٹھ کر مشورہ کرلیتے کہ تین طلاق کے ایک ساتھ دینے کی روک پر کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یقیناً علماء پابندی کرتے اور کراتے ہیں کہ طلاق سنت کے مطابق ہی دی جائے طلاق بدعت سے گریز کیا جائے۔

بہرکیف اب ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام علماء اور عامۃ المسلمین اس بات کو

سمجھیں اور جیل کی سزا سے بچنے کے لئے طلاق سنت کے مطابق دیں۔ اور سنت کے مطابق دینے میں ان تمام باتوں کا خیال رکھیں جو باتیں قرآن وحدیث میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ تم عدت کو ملحوظ رکھو، شمار کرو ایسا نہ ہو کہ آگے پیچھے ہوجائے یہ دونوں میاں اور بیوی کا کام ہے کہ وہ شمار کریں عدت کب مکمل ہوتی ہے اور اس کے بعد دوسری طلاق دی جائے یا اس سے پہلے رجوع کرلی جائے؟ اگر طلاق رجعی ہے پہلی یا دوسری طلاق دی ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ عدت کے اندر وہ رجوع کرلے اگر عدت گزر گئی اور پھر رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس کو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔ لیکن وہ مغلظہ نہیں ہے نکاح ہو سکتا ہے دوبارہ جب تک کہ تین طلاقیں نہ ہوجائیں۔

حضرات گرامی تین طلاقوں کا مسئلہ آج کل بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے اس پر امت مسلمہ کو معاشرہ کے ہر فرد کو کافی محنت کرنی ہوگی تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ سنت کے مطابق طلاق کیا ہے اور وہ بدعت کا ارتکاب بھی نہ کریں بعد میں سزا کا مستحق بھی نہ قرار دیا جائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٌ

(كنز العمال، حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال

الباب الأول: في الترغيب فيه، الرقم: 28652)

علم کا طلب کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔

اس فریضہ کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ ہر آدمی کو شریعت کے بنیادی مسائل جو اس کی زندگی سے متعلق ہیں وہ معلوم ہونے چاہئے۔ نماز، روزہ، حج، زکات، نکاح وطلاق اور وراثت وغیرہ یہ وہ قوانین ہیں جن کے بارے میں ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہئے تاکہ وہ کوئی

غلطی نہ کر بیٹھیں ۔لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے یہ غلطیاں کر بیٹھتے ہیں اور طلاق کی حساسیت کو بالائے طاق رکھ کر جزباتی طور پر بلاوجہ معمولی باتوں پر یہ حرکت کر بیٹھتے ہیں۔ جب کہ یہ ایک ناپسندہ عمل ہے ۔جیسا کہ میں نے مولائے کائنات کا قول نقل کیا تھا نکاح کرو طلاق مت دو کیوں کہ جب طلاق دیتے ہو تمہارے اس عمل کی بنیاد پر عرش عظیم لرز اٹھتا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ انسان نے جب چاہا طلاق دیا اور جب چاہا نکاح کر لیا۔ اللہ اور رسول کی شریعت کو گواہ بنا کر نکاح کیا تھا تو اللہ اور رسول کے قوانین کی پرواہ کرنا بھی ضروری ہے۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُم اور اپنے رب سے ڈرو جو تمہارا معبود برحق ہے ان معاملات میں ڈرو یہ تمہارا ذاتی معاملہ نہیں ہے شرعی معاملہ بھی ہے تمہیں اللہ کی بارگاہ میں حساب بھی دینا ہے اس کے حضور جواب دہی کا احساس رکھو اور مدت عدت میں طلاق بائن اور طلاق رجعی کے ارتکاب کے بعد بیوی کو اپنے گھر سے نہیں نکالا جائے گا۔ وہیں رہے گی شوہر کے گھر میں رہے گی اس کے نان ونفقہ اور جملہ ضروریات کو پورا کرنا ہوگا۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنۢ بُيُوْتِهِنَّ تم ان کے گھروں سے، وہ گھر یعنی جہاں وہ رہ رہی ہیں ان سے نہ نکالو۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ بیوی اہل البیت میں سے ہے اس لئے کہ بیوت کی اضافت هُنَّ کی طرف کی گئی ہے بُيُوْتِهِنَّ ان کو گھروں سے نہ نکالو۔ کیا مطلب ہے یہ ان کا گھر ہے، وہ اہل بیت ہیں جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے۔

وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ انہیں بالکل نہ نکالا جائے ہرگز نہ نکالا جائے جب تک کہ ان سے کوئی کھلی ہوئی بے حیائی اور بے شرمی کا عمل نہ ہو، کھلی ہوئی بے حیائی اور بے شرمی میں یہ بات فقہ میں لکھی ہے کہ عورت اگر زبان دراز ہے، ماں باپ سے لڑتی ہے، گستاخی کرتی ہے، گالیاں دیتی ہے کہ طلاق کے بعد عدت کی مدت میں اس کے ساتھ رہنا

ناممکن ہو جائے تو ان حالات میں جائز ہے کہ انہیں الگ کیا جا سکتا ہے۔

یا پھر ایسا گھر ہو جس کا کمرہ چھوٹا ہو، جہاں میاں بیوی کو ساتھ رہنا پڑے اور جہاں یہ خوف ہو کہ طلاق کے بعد بغیر نکاح کے ارتکاب خطا ہو جائے تو یقیناً وہاں بھی اسے الگ رکھا جا سکتا ہے۔

"وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ"

یہ تمہارا ذاتی مسئلہ نہیں ہے یہ اللہ کی حدیں ہیں۔

"وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ"

اور جو شخص اللہ کی حدوں کو پھاندے گا، حدوں سے دور جائے گا، حدوں کو توڑے گا، وہ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں ہم کو سارا اختیار دیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے جس طرح سے سارے مسائل میں ظلم کا حساب خدا کی بارگاہ میں ہوگا وہاں یہ ظلم بھی ہے اگر اس نے حدود کو پامال کرنے کی کوشش کی ہے تو اس کو اس کی سزا ملے گی۔

اب یہاں ساتھ رہنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ یا پابند کیوں کیا گیا ہے؟ طلاق رجعی اور طلاق بائن میں اس کی پابندی کیوں ہے؟ جب عدت کی مدت کے اندر ان کو گھر کے اندر رکھا جائے۔ اللہ اس کی علت بیان فرما رہا ہے۔

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

تو نہیں جانتا اے مخاطب! تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تبارک وتعالی طلاق کے بعد عدت کی مدت کے اندر کوئی سورت پیدا فرما دے یعنی بہر کیف میاں بیوی رہ چکے ہیں، محبت کا ایک رشتہ قائم رہا ہے۔ کسی جذباتی بنیاد پر طلاق دے دی ہے ا، ب ایک ساتھ رہ رہے ہیں تو باضابطہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ رجوع کا موقع عطا فرمائے اور یہ رشتہ ختم ہونے سے بچ جائے۔

کس قدر اہتمام کیا گیا ہے ایک رشتہ کو روکے رکھنے کے لئے اور برقرار رکھنے کے لئے۔آج مغربی دنیا میں ذرا سی بات ہو طلاق دے دیتے ہیں اور اس کے بعد فوراً ہی بیوی کو گورنمنٹ اس کے گھر سے اٹھا لے جاتی ہے، اپنے گھر میں رکھنے کے لئے اور پھر کبھی رشتہ دوبارہ قائم نہیں ہو پاتا۔اور غیر اسلامی معاشرہ میں بھی یہ روایت عام ہے کہ طلاق دی اور گھر سے دھکے دے کر نکال دیا، گالیاں بک کر نکال دیا، یہ سارے امور غیر اسلامی ہیں اور یہ ظلم میں آئیں گے۔فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ اس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور ظلم بہر کیف اس کا معاملہ قیامت میں بہت خطرناک ہوگا۔اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:2)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

تو جب ان کی مدت پوری ہو جائے عدت کی مدت تو انہیں یا تو بھلائی کے ساتھ روک لو یعنی عدت کی مدت کو پوری ہونے سے پہلے انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یعنی تم رجوع کر لو۔اگر طلاق رجعی ہے تو اس میں نکاح کی دوبارہ ضرورت نہیں۔اور اگر طلاق بائن ہو تو نکاح کی دوبارہ ضرورت ہے بہر کیف تم انہیں بھلائی کے ساتھ مدت کے اندر روک سکتے ہو۔یعنی یہ روکنا ایک انتہائی بھلائی کا عمل ہوگا۔

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

یا انہیں بھلائی کے ساتھ جدا کر دو۔

دھکے دے کر، مار کر، گالی گلوچ بک کر نہ نکالو بلکہ بھلائی کے ساتھ یعنی اس کے

باوجود کہ یہ رشتہ ختم ہو رہا ہے تم جدا کر رہے ہو مگر یہ مت بھولو کہ اس نے اپنے وجود کو تمہارے حوالے کیا تھا۔اور تم نے اقرار کیا تھا خدا کی بارگاہ میں بحیثیت بیوی رکھنے کا اس کے باوجود یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے تو ان کے ساتھ بھلائی کرو۔بھلائی کی بہت سی شکلیں ہیں یعنی ان کو جو تم نے دے دیا ہے تو ان کی ملکیت کو ان سے واپس نہ لو، اگر ہو سکے تو مزید رخصت کرتے وقت تحفے تحائف بھی انہیں دو۔اس کی تشریحات دوسرے مقامات پر موجود ہیں اور انہیں خوش کر کے رخصت کرنے کی کوشش کرو۔

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ

دو عدل والے معتبر آدمیوں کو تم گواہ بنا لو۔

یہ بہتر ہے، یہ حکم واجب نہیں ہے۔وہ تنہا بھی طلاق دے سکتا ہے، رجوع بھی تنہا کر سکتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ تم دو آدمیوں کو گواہ بنا لو یا تو دو مرد ہوں یا دو عورتیں ہوں اور ایک مرد ہو جو گواہی کی شرائط میں سے ہے لیکن معتبر ہوں ایسا نہ ہو کہ کل وہ بیوی سے مل کر یہ کہیں کہ طلاق نہیں ہوئی تھی یا دھوکہ دینے کی کوشش کریں۔ایمان دار ہوں، صادق ہوں، ان کو گواہ بناؤ۔

وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطہ دو۔

جب بھی گواہی دینے کی ضرورت پڑ جائے گواہی دو اس لئے گواہی کو بہتر قرار دیا گیا ہے کہ کل اگر اختلاف ہوتا ہے میاں بیوی میں تو یہ دو گواہ جو ہیں شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کرانے میں مدد کریں گے۔چاہے کورٹ کا فیصلہ ہو، قاضی کا ہو، یا پھر معاشرہ کے درمیان ہو، اس لئے بہتر ہے کہ طلاق دیتے وقت اور رجوع کے وقت تم باضابطہ گواہ بنا لو۔

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ

یہ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(اسے) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہو۔

جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں ان کو نصیحت کی جارہی ہے کہ اللہ سے بھی ڈرو اور یوم آخرت سے بھی۔ زندگی میں یقیناً نشیب وفراز آتے رہتے ہیں بلکہ زندگی تو نشیب و فراز کا نام ہی ہے۔ اس لئے اگر تم ان معاملات میں پریشان ہو، طلاق ہوگئی ہے یا گھر کے معاملات ایسے ہیں جس میں دشواریاں ہورہی ہیں اور تم اللہ سے ڈر کر فیصلہ کروگے تو کیا ہوگا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ پیدا فرمادیگا۔

شاید طلاق اس لئے دے رہے ہو کہ تم بیوی کا خرچ نہیں اٹھا پارہے ہو لیکن اگر تم اسے روک لو اللہ سے ڈرنے کی بنیاد پر اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو کیا ہوگا؟ اس بارے میں اللہ یوں ارشاد فرماتا ہے۔

وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:3)

وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور ایسے مقام سے روزی عطا فرمائے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرسکتا۔

اللہ نے پیدا کیا ہے اس کے بچے بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ اس لئے اگر تم اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو اور تنگی رزق کی بنیاد پر طلاق دینا چاہو تو مت دو۔ اللہ

سے ڈرو اور جب تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں وہاں سے رزق دیگا جہاں سے تم کو گمان بھی نہیں ہوگا کیوں کہ اللہ اپنے بندوں کو جو متقی ہیں، ڈرنے والے ہیں ایسا ہی صلہ دیتا ہے۔

حضرات! اگرچہ یہ آیت طلاق کے باب میں آئی ہے مگر یہ حکم عام ہے کہ بندہ جب بھی زندگی کے مسائل میں اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کو رزق فراواں عطا فرمائے گا۔ حکم عام ہے صرف طلاق ہی سے متعلق نہیں ہے بلکہ جب بھی تقویٰ پیدا ہوگا اور اپنے سارے حلت و حرمت کے معاملات میں اللہ کا خوف کرتا ہوگا۔ حلال کمارہا ہو، حلال کھلارہا ہو، غم ہو، تکلیف ہو مگر اللہ کا ڈر ہو، حرام سے بچنے کی کوشش کررہا ہو تو یقیناً اللہ اس کے رزق کو فراواں فرمادیگا۔ یہ بہت بڑا انعام ہے متقیوں کے لئے جو اللہ کی طرف سے بندوں کو دیا جاتا ہے۔

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔

توکل کا یہ بہت غلط مفہوم لے لیا گیا ہے کہ ہاتھ پیر جوڑ کے بیٹھے رہو اور روزی کا انتظار کرو۔ جی نہیں! وسائل معاش اختیار کرنا بھی فرض ہے، اپنی طاقت بھر کوشش کرنا بھی ضروری ہے اس کے باوجود اگر کمی ہو تو اللہ اسے پورا فرمادیگا۔ اللہ ہی کافی ہے۔ لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے منہ میں کوئی لقمہ ڈالے گا یا کوئی تمہارے گھر پر لاکر کے سب کچھ فراہم کردیگا تو یہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں اگر تم نے کوشش کی اور کامیابی نہیں ہوئی تو یہ ممکن ہے کہ آسمان سے من وسلوی اترے۔ بلکہ اللہ کی رحمت نازل ہو، اللہ کا کرم نازل ہو، اگر بھروسہ اللہ پر ہے تو ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھو وہ کافی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ

بے شک اللہ اپنے تمام کاموں کو پورا کرنے والا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا

اور اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ طلاق تمہیں کب دینا ہے؟ اگر عورت کو حیض آتا ہے تو تین حیض گزر جانے کے بعد عدت پوری ہوتی ہے۔ طلاق جب دی جائے گی تو طہر میں دی جائے گی حیض میں نہیں۔ حیض میں کیوں نہیں دی جائے گی؟ اس لئے کہ ناپاکی کے باعث حیض میں قربت نہیں ہوسکتی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ طلاق نفرت کی بنیاد پر ہو رہی ہو حقیقی ضرورت کی بنیاد پر نہیں، اس لئے روکا گیا ہے اور اگر طلاق دینی ہی ہے تو اس طہر میں دو، جس میں تم نے ان سے مقاربت نا کی ہو، جنسی عمل نہیں کیا ہو۔ جنسی عمل کرنے کے بعد انسان کی جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب وہ طلاق دے اور جنسی عمل نا کرے یا خواہش زندہ ہے مقاربت نہیں ہوئی ہے، اب اگر طلاق دے گا تو یقیناً ایک ضروری بنیاد ہی پر دیگا۔ اس لئے طلاق حیض میں نہ دو، طہر میں دو اور اس طہر میں دو جس میں تم نے ان سے قربت نہ کی ہو، جنسی عمل نہ کیا ہو۔

وَ الّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:)

وَ الّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ

اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید نہ رہی۔

اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ

اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔

وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ

اور ان کی جنہیں ابھی حیض نہ آیا۔

تمہاری عورتوں میں جو بڑھاپے کی وجہ سے حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہو کہ ان کا حکم کیا ہے؟ تو سن لو! ان کی اور جنہیں ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آیا ان کی عدت تین مہینے ہے۔

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا۔

جنہیں حیض آیا ہی نہیں یا جو آئسہ ہیں مایوس ہو چکی ہیں اب انہیں حیض نہیں آتا وہ بھی تین ماہ اپنی عدت پوری کریں۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ حاملہ عورتوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ بچے کو جن لیں یہ ان کی عدت ہے۔ اسلام میں یہ عدت کا ضابطہ کیوں رکھا گیا ہے؟ جبکہ اسلام کا کوئی کام مصلحت کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔ تو سنیں عدت کی مدت اس لئے ہے کہ وراثت کے قانون کے سلسلہ میں کوئی دشواری نہ پیش آئے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ معاذ اللہ! اگر عدت میں شادی کر لی اور حمل ٹھہر گیا تو یہ پریشانی ہوگی کہ یہ حمل کس کا ہے؟ یا یہ بیٹا اور بیٹی کس کی ہے اس لئے تین حیض کے گزر جانے کے بعد ہی عدت پوری ہوگی تا کہ اس درمیان میں اگر وہ امید سے ہے، حاملہ ہے تو واضح ہو جائے حمل کے قوانین کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے، اس لیے حمل والی عورتوں کی عدت کی مدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں بچے کے پیدا ہو جانے کے بعد اس کی عدت پوری ہوگی۔ اس لئے کہ بچے کے پیدا ہو

جانے کے بعد وہ قوانین اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ بچے کی پرورش ہے اس کا دودھ پلانا ہے اور اس کی دوسری ضروریات ہیں طلاق کے بعد بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗ اِلَيْكُمْ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:5)

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ

یہ اللہ کا حکم ہے کہ اس نے تمہاری طرف اتارا۔

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کی برائیاں مٹادے گا اور اسے بڑا ثواب دے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ-وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى (سورۃ الطلاق، الآیۃ:6)

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ

عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو

مِّنْ وُّجْدِكُمْ

اپنی حیثیت کے مطابق

وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ

اور خبردار! انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ کہ تم ان پر حیات تنگ کردو۔

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ

اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو۔

حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

جب تک کہ ان کے بچہ پیدا ہوجائے۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

پس اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو انہیں اس کا اجر دو۔

دودھ پلانے کے اخراجات شوہر کی ذمہ داری ہے۔

وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ

اور تم دونوں شوہر بیوی آپس میں مشورہ کرلو یا تم دونوں کے گھرانوں میں فیصلہ کیا جائے کہ کتنا اجر ہو۔

اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى

پھر اگر باہم مضائقہ کرو (دشوار سمجھو) اور تمہیں دشواری ہو تو کسی اور سے دودھ پلوادو اور اس کو اس کا خرچ دو جو طلب کرے وہ۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:7)

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ

چاہئے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق

وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ

اور جس کے پاس رزق کی تنگی ہو تو اتنا ہی خرچ کرے جتنا کہ اللہ نے اسے دیا ہے۔

اس میں دونوں کو ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہئے۔ عورت کو حق نہیں کہ وہ شوہر کی آمدنی سے زیادہ مطالبہ کرے صرف نکاح وطلاق کے مسئلہ میں نہیں بلکہ زندگی بھر اس کا خیال رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰىھَا

اور اللہ تکلیف نہیں دیتا ہے کہ کسی بندے کو مگر اتنی ہی جتنا کہ اس نے عطا فرمایا ہے۔

سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا

اللہ ہر مشکل کے بعد آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔

وَ کَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّھَا وَ رُسُلِہٖ فَحَاسَبْنٰھَا حِسَابًا شَدِیْدًا وَّ عَذَّبْنٰھَا عَذَابًا نُّکْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:8)

وَ کَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّھَا وَ رُسُلِہٖ فَحَاسَبْنٰھَا حِسَابًا شَدِیْدًا

اور ایسی بہت سی قومیں ہیں جنہوں نے اللہ کے احکامات سے اور اس کے رسول کے احکامات سے انحراف کیا تو ہم نے ان کا سخت حساب لیا۔

یہ اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ احکامات نکاح وطلاق سے متعلق ہیں۔ یہ بھی قوانین الٰہیہ ہیں۔ اگر اس میں تم کوئی بات کرو گے تو ان قوموں کی طرح تم کو سزا مل سکتی ہے جن کو پہلے عذاب دیا گیا ہے۔

وَّ عَذَّبْنٰھَا عَذَابًا نُّکْرًا

جن کو ہم نے بھاری سزائیں دی تھیں۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِھَا وَ کَانَ عَاقِبَۃُ اَمْرِھَا خُسْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:9)

اور یقیناً انہوں نے اپنے اعمال کا بدلہ چکھ لیا ہے اور وہ خسارے میں ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:10)

اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا

اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ

تو اے عقل والوں، دانش مندوں! اللہ سے ڈرو۔

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا

تو اللہ نے تمہاری طرف (پیغمبر اعظم کو) ذکر (بنا کر) بھیجا ہے۔

اللہ نے یہ ذکر بھیجا ہے۔ سرکار کا نام ذکر اللہ بھی ہے۔

رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقًا (سورۃ الطلاق، الآیۃ:11)

رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ

ایک ایسا رسول جو تم پہ اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتا ہے۔

مُبَیِّنٰتٍ جو بہت روشن ہیں۔

لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

تا کہ ایمان والوں کو، نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے

آئے۔

یادرکھو جوتم طلاق یا زندگی کے مسائل میں اللہ سے انحراف کروگے تو یہ تاریکی ہے اور تاریکی کیا ہے ظلم ہے جو قیامت کے دن بہت تاریکیوں میں تبدیل ہوجائے گا۔

وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا

اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔

یُّدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ

تو اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزۡقًا

اور اللہ نے اس کے لئے وہاں بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا

(سورۃ الطلاق: الآیۃ:12)

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ

اللہ نے سات آسمان پیدا کئے ہیں اور زمین بھی اسی کی طرح۔

اس کی بہت سی تاویلات ہیں ایک تاویل تو یہ ہے سات زمینیں ہیں یہ وہ پرتیں ہیں جو زمین کی ہیں۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ سات سمندوں کے درمیان جو زمینیں ہیں وہ سات زمینوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ سات سیارے ہیں جن میں

آبادی ممکن ہے یہ اس سے مراد ہے۔

یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ

اللہ اپنے حکم کو نازل فرماتا ہے ان کے درمیان

لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۙ

تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا

اور اللہ نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اپنے علم کے اعتبار سے۔

ایک روایت جو بہت ضعیف روایت ہے اس میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین پر اللہ نے ایک خاتم نبی بھیجا ہے، معاذ اللہ! یہ غلط ہے سات زمینیں ہوں یا سات سو زمینیں ہوں پوری کائنات میں صرف خاتم النبیین صرف سرور کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں۔ اس روایت کی تردید اور اس کی تضعیف چودہ سو سال سے کی جارہی ہے لیکن جب بھی ضرورت پڑتی ہے تو کچھ لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں۔ حضور خاتم النبیین ہیں ساری کائنات کے لئے ہر دور کے لئے تمام زمین و آسمان کے لئے کوئی اور بھی مخلوق اگر کہیں پائی جاتی ہے تو اس کے لئے خاتم آقائے دو جہاں ہی ہیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خطاب نمبر (۷۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا

وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُنْذِنِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا

فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ

صَلَاۃً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ

وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ○

تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ ساری کائنات کے ملجا وماوی حضور سید عالم کی بارگاہ میں درود پاک کی نظریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! سورۃ التحریم پر گفتگو کرنے سے پہلے کچھ اہم باتیں ملاحظہ کرلیں۔ سورۃ التحریم مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر امت مسلمہ کو تعلیم دی گئی ہے کہ قسم کھا کر حلال اشیاء سے اجتناب کرنا مناسب نہیں ہے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا حضور سے اپنی بے پناہ محبت کے باعث آپ کی تاخیر سے آمد پر قدرِ رنجیدہ ہوگئی تھیں ان کو تنبیہ کی گئی ہے۔ امہات المؤمنین میں سے ایک عظیم ماں سے حضور کا ایک راز افشا ہوگیا تھا انہیں بھی تنبیہ کی گئی۔ اولاد کی تربیت اور تعلیم کی طرف انتہائی اثر انداز طور سے توجہ دلائی گئی ہے۔ گناہوں کے ارتکاب کے بعد توبۃ النصوح کا حکم دیا گیا ہے ایسی توبہ کا جس کے بعد پھر گناہ کی طرف لوٹنا ممکن نہ ہو۔ حضرت آسیہ اور جناب مریم رضی اللہ عنہما وسلام اللہ علیہما کا ذکر کر کے مسلم عورتوں کو ان کے نقش قدم کی اتباع کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور نوح اور ہود علیہما السلام کی نافرمان بیویوں کا ذکر کر کے ان کے طرز عمل سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سورۂ تحریم کا خلاصہ ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ○ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ التحریم، الآیات: 2/1)

اے باعظمت پیغمبر! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس شئ کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے اپنی ازواج مطہرات کی خواہش کا خیال رکھتے ہوئے۔

میں نے باعظمت کا ترجمہ اس لئے کیا ہے کہ جب بھی یٰاَیُّھَا کے ذریعہ مخاطب کیا جائے بجائے (یا) محض کے تو اس میں عظمت شامل ہوتی ہے۔ قرآن عظیم نے جہاں جہاں

آقائے دوجہاں علیہ السلام کو یٰاَیُّھَا کے ذریعہ مخاطب کیا ہے جیسے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ ، یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ، یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ تو ان تمام مقامات پر عظمت کا ترجمہ کیا جائے گا۔اور نبی کا ترجمہ غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے اس لئے کہ نبی کا مفہوم ہی غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: اے باعظمت پیغمبر! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس شئ کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے اپنی ازواج مطہرات کی خواہش کا خیال رکھتے ہوئے۔معاملہ یہ تھا کہ حضور علیہ السلام نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور کچھ دیر قیام فرماتے تھے۔جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں جاتے تو وہاں انہیں وہ شہد پیش کرتی تھیں۔اور آپ کو معلوم ہے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہد بہت مرغوب تھا۔وہاں آپ قدرے دیر تک قیام فرماتے یہ بات بے پناہ محبت کی بنیاد پر تھی، کسی حسد کی بنیاد پر نہیں جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جناب حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قدرے ناگوار ہوئی۔

اور انہوں نے یہ طے کیا کہ آج جب حضور تشریف لائیں گے تو ہم عرض کریں گے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔مغافیر ایک درخت کا دودھ ہوتا ہے جس میں تھوڑی سی بو ہوتی ہے ناپسندیدہ بو۔آقا تشریف لائے تو ان سے یہ کہا گیا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو شہد نوش کیا ہے اچھا اگر تم لوگوں کو یہ ناپسند ہے تو میں آئندہ نہیں پیوں گا۔مگر میری اس قسم کا تذکرہ تم کسی دوسرے سے نہ کرنا۔

حضرات گرامی! اللہ کے رسول تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عائلی زندگی کی نشیب وفراز سے آشنا کرنے کے لئے بھی تشریف لائے تھے۔وہ ایک عظیم شوہر کی حیثیت سے اپنی شریک زندگی کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنا اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے

تاکہ امت مسلمہ کو ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں آسانی ہو۔آپ نے ان کے جذبات کا یا ان کی پسند کا خیال رکھا اور آپ نے شہد کے استعمال نہ کرنے کے لئے قسم یا دفرمائی جبکہ شہد جائز ہے حلال ہے، طیب وطاہر ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ' ام ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہا گیا ہے مگر اس کی تضعیف کی گئی ہے اس لئے میں اس کی تفسیر نہیں بیان کروں گا۔

حضرات گرامی! آقائے دوجہاں علیہ السلام نے اس خیال سے کہ شاید میرا وہاں جانا انہیں پسند نہ ہو آپ نے شہد ہی پینے سے انکار کر دیا کہ آئندہ میں شہد ہی نہیں پیوں گا۔

اب یہاں میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ

اس آیت سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہاں آقائے دوجہاں علیہ السلام نے اللہ کی حلال کی ہوئی کسی شی کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا ہے۔حضرات! یہاں ایسا نہیں ہے۔یہاں حرام سے مراد حرام شرعی نہیں بلکہ رک جانا اور اپنے لیے ناپسند کرنا مراد ہے۔

بعض لوگوں نے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ کیا ''کیوں اپنے اوپر حرام قرار دے دیا جب اللہ نے حلال کیا تھا'' اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے رسول تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریعی قوانین میں کوئی اختیار نہ تھا وہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کر سکتے تھے جب کہ یہ بات نہیں ہے کتنے مقامات ہیں جہاں اللہ کے رسول نے اپنے خصوصی اختیار کو استعمال کیا ہے جن کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ سے یہاں مراد یہ ہے ''آپ نے کیوں ناپسند فرمایا اور کیوں ترک کر دیا'' یہ مفہوم بھی مفسرین نے بیان کیا ہے اور یہاں بھی یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ ندا

تشریف اور وقار کے لئے ہے از راہ محبت اللہ فرما رہا ہے۔ لِمَ تُحَرِّمُ اے محبوب! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ لِمَ تُحَرِّمُ سے یہاں مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حلال شی سے بعض وجوہ کی بنیاد پر اجتناب کرے۔ تو یہاں اجتناب کا مفہوم ہے کہ آپ نے یہ اجتناب کیوں فرمایا۔ اس میں ان کے بلند مقام کے اعتبار سے ترک اولی پر خطاب فرمایا گیا ہے یعنی بہتر یہ تھا کہ اپنی ازواج مطہرات کے خاطر شہد کا استعمال ترک نہ کرتے بلکہ اسے جاری رکھتے۔ انبیائے کرام کو ترکِ اولی سے بھی روکا جاتا ہے یہاں خطاب تو فرمایا گیا ہے مگر آپ کے منصب نبوت اور عظمت کا مکمل خیال رکھتے ہوئے۔

جنہوں نے "لِمَ تُحَرِّمُ" سے مراد حرام شرعی لیا ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ نبی مکرم کو شریعت میں کچھ اختیار نہ تھا کہ وہ ناجائز کو جائز کر سکیں یا یہ کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم نہ تھا۔ یہ ساری باتیں انتہائی غلط اور منصب نبوت کے خلاف ہیں۔

اس آیت پر غیر مسلموں نے جو طنز کئے ہیں وہ تو ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ کچھ کلمہ گو حضرات بھی آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عدمِ اختیار کو ثابت کرنے اور علم غیبِ نبوت کا انکار کرنے اس طرح کی آیتوں کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔

کیا ان کے ذہن میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ کے حلال کیے ہوئے کو حرام شرعی قرار دینا یہ صرف گناہ نہیں ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کوئی بات ہے۔ کیا یہ پیغمبر سے ممکن ہے؟ اس لئے اس طرح کے ترجمہ میں بہت احتیاط ہونا چاہیے۔

اس سلسلہ میں آپ اگر چاہیں تو علامہ آلوسی علیہ الرحمہ اور علامہ اندلسی علیہ الرحمہ کی تصنیفات کا مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ آپ کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور دل مطمئن ہوگا

بلکہ اس آیت سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسند کا کتنا خیال ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کسی کی خاطر وہ اپنی پسند کو ترک فرما دیں۔ یہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انتہائی محبوبیت کا مقام ہے۔

"وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا"

حضراتِ گرامی! اس آیت میں دوسرے واقعہ کا تذکرہ ہے کہ جب آقائے دو جہاں سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات سے کوئی بات پوشیدہ رکھی یا پوشیدہ طور پر کہی اور اس سلسلہ میں ان سے یہ غلطی ہوئی کہ اس بات کو انہوں نے کسی سے کہہ دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اللہ کے رسول تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہوں گے۔ یہ بات بڑی اہم تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات کسی سے نہ کہی جائے مگر جناب حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سوچا کہ یہاں جناب ابوبکر کا بھی نام ہے اور یقیناً اس بات سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بے پناہ خوشی ہوگی کہ انہیں بتا دیا جائے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے مسئلہ خلافت کو طے کر دیا ہے۔ اور ان کے بعد پہلے جناب ابوبکر ہوں گے اور پھر جناب عمر فاروق ہوں گے۔ جناب حفصہ نے یہ بات جناب عائشہ سے کہہ دی اور یہ بھی کہا کہ یہ راز ہے پیغمبر اعظم کا ہمارے اور تمہارے درمیان۔ انہوں نے ہمیں منع کیا تھا لیکن میں نے تمہارے تعلق خاطر کے بنیاد پر کہہ دیا ہے تم کسی اور سے نہ کہنا۔

یہ بات راز تھی مگر اللہ تبارک وتعالی نے پیغمبر اعظم، سرورِ کائنات، رسولِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دے دی، آپ کو علم ہو گیا کہ جناب حفصہ نے اس راز کا افشا کر دیا ہے

چنانچہ جب آپ نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا ؟ تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا کہ مجھے علیم وخبیر پروردگار نے خبر دی ہے۔

بہر کیف، ممکن ہے کہ اس بات سے خاطر رسول میں قدرِ ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے ہوں جس کی آگے کی آیات مبارکہ میں وضاحت ہے۔ان واقعات کا مختصر سا تذکرہ آپ کو آیات کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرے گا۔اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

"یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ" اے پیغمبر! آپ کیوں حرام کرتے ہیں یہاں حرام سے مراد حرام شرعی نہیں بلکہ ترک فرما دینا مراد ہے "مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ" اللہ نے آپ کے لیے جو حلال کیا ہے۔ "تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ" یوں آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو "وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْم" اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورۃ التحریم، الآیۃ:1)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے یعنی اگرچہ انہوں نے یہ ترک کیا ہے اور خلافِ اولی کام کیا ہے مگر اس کے باوجود اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔اب چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قسم یاد فرمائی تھی تو ضروری تھا کہ قسم کا قانون بیان کیا جائے، پیغمبر اعظم کا کوئی بھی عمل ایسا نہیں تھا کہ جس کے ذریعہ کوئی قانون نہ بنا ہو یا اس عمل پر قانون نازل نہ ہوا ہو۔ یہاں تک کہ آقا سے اگر سہو ہوا اور آپ نے چار کے بجائے تین رکعت نماز پڑھ لی ہے تب بھی ایک قانون سجدۂ سہو نازل کیا گیا، امت کے لیے آسانیاں پیدا کی گئیں۔پیغمبر کا کوئی عمل ایسا نہ ہوا کہ جس کے ذریعہ کوئی قانون نہ تشکیل پایا ہو۔

اگرچہ اس عمل پر اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ اے محبوب آپ نے ایسا کیوں کیا لیکن اس کے بعد بھی یہاں قسم کی گرہ کھولنے کا ایک مکمل قانون عطا فرمایا گیا۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ

اللہ نے تمہارے لیے قسم کی گرہوں کو کھولنے کا طریقہ متعین فرما دیا ہے۔

یعنی کفارہ ادا کرنا گویا کہ اس طرح اشارۃً فرمایا گیا کہ اگر کسی سے قسم ہو جائے تو کفارہ ادا کرے۔

وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (سورۃ التحریم، الآیۃ:2)

اور اللہ ہی تمہارا کارساز اور وہی جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا

جب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعض ازواج مطہرات سے بطور راز کوئی بات فرمائی تھی۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ

تو جب ازواج مطہرات نے یہ راز دوسروں کو بتا دیا

اور اللہ نے پیغمبر پر ظاہر فرما دیا۔

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ

تو آپ نے اپنی بیوی کو کچھ تو بتایا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا۔

جب آپ نے بتا دیا تو انہوں نے کہا آپ کو یہ خبر کس نے دی۔

قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۔

مجھے میرے پروردگار نے خبر دی ہے۔ (سورۃ التحریم، الآیۃ:3)

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ہماری جانیں قربان وہ ہماری

مائیں ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب تم نے ایک لغزش کا ارتکاب کیا ہے تو تمہارے لیے ضروری ہے، اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ کہ تم اللہ کے بارگاہ میں توبہ کرو، فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں۔

اور اگر تم دونوں پیغمبر اعظم کے فیصلہ پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کروگی یا مقابلہ کرنے کی کوشش کروگی تو جان لو کہ اللہ تعالی ان کا مددگار ہے، جبرئیل مددگار ہیں، اور تمام صالح مومن مددگار ہیں، اور فرشتے بھی مددگار ہیں اے ازواجِ نبی! یہ مت خیال کرو کہ اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دیں تو اللہ انہیں محروم رکھے گا۔ نہیں! تم سے بہتر ازواج مطہرات انہیں عطا کیے جائیں گے۔ اس طرح ازواج مطہرات کو ڈرایا گیا تا کہ وہ پیغمبر اعظم کی عظمت کا پہلے سے زیادہ خیال رکھیں اور آئندہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی کسی فیصلہ سے انحراف نہ کرسکیں۔ پیغمبر تو وہ ہیں کہ جن کی اللہ مدد کرنے والا ہے، جناب جبرئیل ہیں اور تمام صالح مومنین ہیں اور فرشتے بھی ان کے بعد مددگار ہیں۔ مولی سے مراد مددگار ہے۔

عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ، قریب ہے کہ اگر اللہ کے رسول تمہیں طلاق دے دیں (جبکہ ایسا ہونا نہیں ہے لیکن اللہ انہیں آگاہ کر رہا ہے) تو اللہ انہیں تم سے بہتر ازواج مطہرات عطا فرمائے گا، مُسْلِمٰتٍ جو مسلمان ہوں گی، مُّؤْمِنٰتٍ مومن ہوں گی، مومنہ ہوں گی، قٰنِتٰتٍ فرمابردار ہوں گی، تٰٓئِبٰتٍ توبہ کرنے والی ہوں گی، عبادت گزار ہوں گی، روزہ دار ہوں گی، کچھ شادی شدہ ہوں گی، کچھ طلاق یافتہ اور کنواریاں ہوں گی۔

ازواجِ مطہرات کو پیغام دینے کے بعد اب تمام مسلمانوں کو ایک اہم مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی فرمابرداری کرنے مخاطب کیا جارہا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُھَا النَّاسُ

وَ الْحِجَارَۃُ

اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان بھی ہیں اور پتھر بھی۔

عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

ان پر جہنم کے بڑے سخت طبیعت فرشتے مقرر کیے گئے ہیں۔

لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ

وہ کبھی نافرمانی نہیں کرتے جو اللہ نے حکم دیا ہے۔

وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ

جو کہا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔

انہیں جہنمیوں کو سزا دینے کا حکم دیا جائے گا تو وہ سختی کریں گے اور ان کے دلوں کو ایسا بنا دیا گیا ہے کہ تمہارے لیے ان کے دل میں کوئی رحم وکرم کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔

مزید یہ کہا جارہا ہے کہ صرف اپنی ذات کو جہنم سے بچانے کی کوشش کرنا یہ کافی نہیں ہے بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے بچاؤ، یہ ایک اجتماعی نظام ہے کہ تم اپنے بال بچوں کے لیے ہر طرح کی کوشش کرتے ہو، کھانا فراہم کرتے ہو، خوراک کے لیے کوشش کرتے ہو، اچھا مکان بناتے ہو، بہترین لباس کے لیے کوشش کرتے ہو، دن رات محنت کرتے ہو لیکن ان کی آخرت کو بھول جاتے ہو۔

تمہارے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہے جو ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے ان کے لیے تم کیا کر رہے ہو، چلو تم اپنے لیے کچھ نیک کام کر لیتے ہو لیکن تمہارے لیے صرف یہ ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ بھی ذمہ داری ہے کہ تم اپنی اولاد کو بچاؤ

خاص طور پر بچوں کو اس لئے کہ لوگ بہت غافل ہوتے ہیں اس سلسلہ میں بچوں سے لا پرواہی کرتے ہیں۔

آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین صدقہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کو کلمہ خیر سکھا دیا جائے یہ عمل تین صاع صدقہ کے برابر ہوگا۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کو ایک اچھی بات سکھا دینا بہترین تحفہ ہے۔

ذرا سوچیے ! جو لوگ اپنے بچوں کو ناز و نعم میں پالتے ہیں لیکن دین سے نا آشنا رکھتے ہیں کل میدان قیامت میں جب ان کی اولاد سے پوچھا جائے گا کہ تم نے نیک اعمال کیوں نہیں کیے ؟ نماز کیوں نہیں پڑھی ؟ گناہ کیوں کیے؟ تو شاید وہ کہہ دے کہ مولیٰ قصور میرا نہیں ہے قصور میرے ماں باپ کا ہے، انہوں نے ہمیں سب کچھ سکھایا مگر دین سے نا آشنا رکھا۔ کل جب گناہوں کے بوجھ سے ہماری کمر خود ٹوٹ رہی ہوگی تو ہم بچوں کا بوجھ کیسے اٹھا سکیں گے یا اہل خانہ کا اس لیے ضروری ہے کہ بچوں کو سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی شریعت کے احکام کی تعلیم دے دی جائے اور آخرت کا حقیقی احساس عطا کیا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ

اے وہ لوگ ! جنہوں نے کفر کیا آج خدا کی بارگاہ میں بہانا نہ بناؤ بے شک تم کو بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کر رہے ہو اس لیے کفار سے یہ کہہ دیا گیا کہ قیامت میں کوئی تمہارا بہانہ کام نہیں آئے گا مگر اہلِ ایمان کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

اے ایمان والو! اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو اللہ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرو۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

قریب ہے تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔

وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور تمہیں ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

اللہ اس روز اپنے نبی کو شرمندہ نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔

نبی کو شرمندہ نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی امتیوں کو ان کے طفیل معاف کر دیا جائے گا، اگر امتیوں کو جہنم دے دی جائے گی تو یقیناً نبی کو تکلیف ہوگی اسی لیے میدانِ محشر کے حوالہ سے فرمایا گیا ہے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کا نور ان کے آگے چل رہا ہوگا۔ وَ بِاَيْمَانِهِمْ اور دائیں طرف چل رہا ہوگا۔ اس روز جب کہ شدید تپش ہوگی، سورج سوا نیزے پر ہوگا مگر اندھیرا ہوگا ایسے میں صرف ایمان کا نور ہوگا جو انہیں راستہ دکھا رہا ہوگا بلکہ بعض آیات میں یہ آیا ہے کہ منافقین یہ کہیں گے کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تھے تھوڑا سا ہم کو بھی اپنے نور سے اقتباس کرنے کا موقع دو تو فرمایا جائے گا کہ نہیں آج تمہارے لیے کچھ نہیں ہے اور پھر ان کے درمیان دیوار کھینچ دی جائے گی۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

اور پھر وہ اپنے نور کو دیکھ کر کہیں گے اے اللہ ہمارے نور مکمل کر دے۔

وَ اغْفِرْ لَنَا ہمیں بخش دے۔

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی! جہاد فرمایئے کفار ومنافقین سے اور (حالت جہاد میں) ان پر سختی کیجیے۔

آپ رحمۃ للعلمین ہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ومنافقین آپ کی رحمت کے سہارے جری ہوجائیں اور مسلمانوں پر سختی کرتے رہیں اور آپ ان کو رحمت کے بنیاد پر چھوڑ دیں۔

ذرا دیکھیے کہ جناب موسی علیہ السلام چونکہ طبیعتاً سخت تھے اس لیے جب انہیں فرعون کے پاس بھیجا گیا تو کہا ان کے ساتھ نرمی کرنا مگر پیغمبر اعظم رحمت تمام ہیں اس لیے ان سے یہ کہا جارہا ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے نیک بندوں کے لیے بلکہ ساری کائنات کے لیے رحمت ہیں مگر وہ لوگ جو باغی ہیں اور جو اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں پر ظلم کررہے ہیں ان کے ساتھ نرمی نقصان دہ ہوگی۔

وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا

اللہ نے مثال بیان فرمائی ہے کافروں کی۔

یعنی کافروں کی مثال دیکھنی ہو تو نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کو دیکھو۔

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

یہ دونوں عورتیں ہمارے دو بہت ہی صالح بندوں کے نکاح میں تھیں۔

فَخَانَتٰهُمَا تو انہوں نے ان دونوں کی خیانت کی۔

فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

تو پھر ان کو اللہ سے کوئی چیز بچا نہ سکی۔

ان کے شوہر نبی تھے مگر یہ رشتہ بھی ان کو بچا نہیں سکا۔

وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ اور ان سے کہا گیا جہنم میں داخل ہوجاؤ۔

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ

اور اللہ نے ایمان والوں کیلئے ایک مثال بیان کی فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا کی۔

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

جب انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ میرے لیے جنت میں گھر بنادے۔

وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ

اور مولی فرعون سے اور اس کے کافرانہ عمل سے بچالے۔

وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور اس ظالم قوم سے نجات دے۔

قرآن کریم کی بعض آیات کے مطابق، جناب آسیہ فرعون کے دربار میں زندگی بسر کرنے کے باوجود خدا پر ایمان رکھتی تھیں۔ آسیہ نے جس وقت حضرت موسی کے عصا کے معجزہ کو دیکھا ان پر ایمان لے آئیں۔ انہوں نے اپنے ایمان کو فرعون سے مخفی رکھا۔ فرعون کو بہت دنوں تک یہ معلوم نہ ہوسکا تھا کہ اس کی بیوی جناب آسیہ ایمان لاچکی ہیں، جس وقت فرعون ان کے ایمان سے آگاہ ہوا، ان سے چاہا کہ وہ خدا کی پرستش چھوڑ دیں لیکن جناب آسیہ نے قبول نہ کیا تو فرعون نے انہیں انتہائی بدترین سزا دی۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں تیز دھوپ میں کھڑا کر کے آپ کے ہاتھوں میں کیلیں ٹھوک دی جائیں اور ایک بڑا پتھر ان کے اوپر گرادیا جائے، ان اذیتوں کی وجہ سے آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔ لیکن انہیں یہ ہاتھوں پہ کیلوں کا ٹھوکا جانا اور یہ سختی کا احساس تک نہ ہوا کیوں کہ فرشتوں نے ان کو جنت کا وہ مقام دکھادیا تھا جس کے لیے انہوں نے دعا کی تھی، وہ جنت کے مکان کو دیکھ رہی تھیں اور ان

سزاؤں سے ہمکنار ہورہی تھیں۔(طبرسی، مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۳۹۷)

اس کے بعد دوسری عظیم خاتون جناب مریم کا تذکرہ کیا گیا ہے ابنۃ عمران حضرت عمران کی دختر اختر ہیں ، الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں فرج سے مراد جیب ہے یعنی اپنے دامن کو پاک رکھا کیوں کہ جناب جبرئیل نے آپ کے جیب یعنی دامن میں پھونک ماری تھی۔اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ہماری روح یعنی جناب جبرئیل نے ان کے سینۂ اطہر پر پھونک ماری اور اس سے آپ امید سے ہوگئی تھیں۔وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی وَ كُتُبِهٖ اور ان کی کتابوں کی، وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ بلاشبہ وہ اللہ کے عبادت گزار بندیوں میں سے تھیں۔

چار عورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے دو عورتیں ایسی تھیں جو دو انبیائے کرام کے عقد میں تھیں مگر اللہ سے انحراف کی بنیاد پر جہنم میں داخل کی گئیں اور جناب آسیہ فرعون کی بیوی تھیں مگر اس کے باوجود وہ جنت کی مستحق ہوئیں اتنا ہی نہیں بلکہ اتنی عظیم بنیں کہ قرآن عظیم نے ان کی حیات طیبہ کو بطور مثال پیش فرمایا ہے اور پھر جناب مریم والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ بھی عظیم تر ہیں۔حالانکہ وہ کسی پیغمبر کیا کسی فرد بشر کے تحت نکاح نہ تھیں۔یہ چند عورتیں ہیں جن کا تذکرہ بہت اہم ہے۔جناب مریم، جناب آسیہ، جناب خدیجہ، جناب فاطمہ، جناب عائشہ رضی اللہ تعالی عنہن یہ سب انتخاب خدا ہیں۔

پروردگارِ عالم تمام خواتین کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۷۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَاةً وَسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج بحمدہ تعالی سورۃ الملک کے فضائل اور اس کے مضامین کو بیان کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔آفتابِ نبوت طلوع ہو چکا ہے اور اندھیروں میں رہنے والی آنکھیں آفتاب نبوت کی تابش کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور وہ لوگ اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن پر مسلسل اور سینکڑوں اعتراضات کرتے نظر آتے ہیں۔ان حالات میں اس سورت کا نزول ہوا جس میں صرف ۲ رکوع اور ۳۰ آیات مبارکہ ہیں، ان تیس آیات

میں اللہ رب العزت نے بے شمار کائناتی حقیقتوں کا اور امور تکوینیہ کا بھی ذکر فرمایا ہے، انسان کے انجام وآغاز کا بھی تذکرہ ہے، موت کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے کہ موت دراصل صرف عدم محض کا نام نہیں ہے بلکہ موت بھی اللہ کی تخلیق کردہ ہے اور اس کا بھی وجود ہے۔

اسلام پہلا مذہب ہے جو موت کو موجود حقیقت کے نام سے یاد کر رہا ہے جب کہ دنیا کے دوسرے مذاہب میں یا دوسرے فلسفہ میں موت عدم محض کا نام ہے، مرنے کے بعد کچھ نہیں۔ موت کی منفی قدروں کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا ہے اور کہا گیا ہے لیکن زندگیوں کی حقیقتوں کے باب میں انسان ہمیشہ تاریکیوں میں رہا ہے۔

تنہا اسلام ہے جو یہ بتاتا ہے کہ اسلام کا ماننے والا اپنی زندگی کے لافانی حیثیتوں کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے۔ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ انسان ماں کے شکم سے قبر کے آغوش تک وجود ہے، اس سے پہلے وہ کہاں تھا؟ موجود تھا یا نہیں اور قبر کے بعد اس کے وجود کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس سلسلہ میں دنیا کے تمام فلاسفہ خاموش ہیں۔ مگر تنہا اسلام ہے جو اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان پیدا ہونے سے پہلے بھی کہیں موجود تھا اور مرنے کے بعد بھی ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ موت عدم محض کا نام نہیں ہے، موت فنا کا نام نہیں ہے۔

حضراتِ گرامی! قرآن پاک کا مطالعہ کیجیے تو انسان کی حقیقت اور عظمت کا اندازہ ہو سکے گا کہ انسان پیدا ہونے سے پہلے بھی عالم ارواح میں موجود تھا اور صرف موجود ہی نہیں تھا بلکہ سمیع وبصیر اور متکلم بھی تھا، سننے والا بھی تھا، دیکھنے والا بھی تھا، کلام کرنے والا بھی تھا، فہم وادراک رکھنے والا بھی تھا۔ ان تمام صلاحیتوں کا حامل انسان ہے پیدا ہونے سے پہلے بلکہ ہزاروں، لاکھوں سال پہلے اس کے وجود کا اعلان قرآن عظیم کرتا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالی نے انسانوں کی ارواح سے یہ سوال کیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور

تمام انسانوں کی ارواح نے بے ساختہ کہا تھا بَلٰی، کیوں نہیں، بلاشبہ تو ہمارا رب ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ سب سے پہلے روحِ مصطفی علیہ الصلاۃ والسلام نے بَلٰی کہا تھا اور پھر ان کی اتباع میں تمام ارواحِ انسانی نے اپنے رب کا اقرار کیا، پتہ یہ چلا کہ بندہ عالم ارواح میں موجود تھا بلکہ اپنے رب کو پہچانتا تھا، اسے مانتا بھی تھا تبھی تو اس نے اقرار کیا۔ اور اس کے بعد جب وہ مجسمہ خاکی میں منتقل کیا گیا تو اس کو ظاہری وجود سے نوازا گیا۔ اسے جسم عطا کیا گیا مگر جسم دنیا کی دوسری مخلوقات کی طرح نہیں بلکہ انسان کو جسم عطا فرما کر عقل وشعور سے بھی نوازا گیا، لطف سے نوازا گیا، حواس خمسہ کی وسعتوں سے نوازا گیا، ادراک اور فہم کی صلاحیت دی گئی، حق اور باطل کے امتیاز کی قوت دی گئی اور اسے اس امتحان گاہ میں اتارا گیا تا کہ اللہ کی بخشی ہوئی استعداد اور صلاحیتوں سے اپنے لیے ایک صحیح راستہ منتخب کر سکے۔

اللہ تبارک وتعالی نے کئے ہوئے وعدوں کو یاد دلانے کے لئے ہر دور میں انبیاء کی جماعت بھیجی تا کہ انسان اپنے خالق حقیقی اور معبودِ حقیقی کو پہچان سکے اور اسکی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو سکے۔

جنہیں نبوت کی ہدایت میسر آگئی وہ تو صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے، وہ شہدا، صالحین کی جماعت میں شامل ہوئے، صدیقین کی جماعت میں شامل ہوئے۔ لیکن جن کو مشکوٰۃِ نبوت سے کوئی فیض نہیں میسر آیا وہ بھٹک کے رہ گئے۔

اس سورت میں موت کو اور حیات کو امتحان کا ذریعہ بنایا گیا ہے جس کا تذکرہ ابتدائی سورت میں ہے، اس کے بعد موت کو زندگی کا ایک دورانیہ دیا گیا ہے، اس کے لیے ایک زمانہ متعین کیا گیا ہے جو قدرت کے علم میں ہے یہی ساٹھ، ستر، اسی سال یا اس سے پہلے جب مشیت چاہے یا اس کے بعد بھی کچھ دنوں تک، کچھ سالوں تک، اس کے بعد اسے مرنا ہے اور

موت کے بعد زندگی کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام فلسفے موت تک انسان کے زندگی کو سمجھتے ہیں مگر اسلام کی نگاہ میں موت صرف ایک اسٹیشن ہے، ایک مرحلہ ہے اس کے بعد ایک لافانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہیں

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے، خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے۔

تیرے کشتوں کو موت آئی تو کتنی بامراد آئی
ادھر ہونٹوں پہ دم آیا صدائے زندہ باد آئی
کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

میرے جنازے پہ رونے والو! فریب میں ہو، بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں غمِ نبی میں لباس ہستی بدل گیا ہوں

زندوں کا لباس تبدیل ہوتا ہے، انسان عالم اجسام سے منتقل ہوتا ہے قبر میں، ایک نئی دنیا میں، عالم برزخ میں اور پھر اسکے بعد اسے دوام فی الجنۃ، خلود کا مقام دیا جاتا ہے یا خدانہ کرے اللہ محفوظ رکھے بھٹکے اور گمراہ لوگوں کو جہنم میں داخل کیا جاتا ہے۔

تو اسلام میں مرنے کے بعد زندگی کا ایک اعلیٰ تصور ہے اس لیے جو اسلام کی عظمت کے قائل ہیں وہ مرنے سے پہلے بھی موجود تھے اگرچہ انہیں ازلیت حاصل نہیں ہے۔ ازلیت تو صرف اللہ کی شان ہے مگر اللہ نے ان کی ارواح کو بہت پہلے پیدا کیا، اور پھر انہیں دنیا میں بھیجا، پھر ایک مدت تک ان کو امتحان گاہ میں اتارے رکھا، اور پھر اس کے بعد انہیں آخر

ی سفر کے لیے موت کے ذریعہ روانہ کیا گیا۔ اور پھر حقیقی زندگی کی طرف انہیں لوٹا دیا گیا۔ یہ ہے اسلام میں زندگی کی تفصیل۔ اس سورت میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کو موت وحیات سے کیوں دو چار کیا گیا، یہ تسلسل کیوں قائم ہوا۔

ابتداءً اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وجلال کا ذکر ہے تا کہ بندہ اپنے شعور کی تمام تر کیفیتوں کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لیے تیار ہو جائے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بتایا گیا کہ اسلام ایک ایسا مقدس نظامِ زندگی ہے جس پہ تنقید نہیں کی جا سکتی اور ناقدین زمانہ نے جب بھی تنقید کی ہے تو انہیں منہ کی کھانی پڑی ہے۔

خدائے واحد کی وحدانیت کا انکار کرنے والے جہنم میں ڈال دیے جائیں گے مگر اعتراف کرنے والے، یقین کرنے والے جنت کے مستحق ہوں گے۔

حقیقی طور پر مسلمان وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کو بن دیکھے مانتے ہیں يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔ دیکھنے کے بعد تو ہر کوئی مان لے گا جیسے میدانِ قیامت میں کافر بھی مان لیں گے، منکر بھی مان لیں گے جب جلالِ الٰہی بے نقاب ہوگا اور مشیت پوچھے گی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، آج کی بادشاہت کس کے لیے ہے؟ اس لئے دنیا میں ماننا ہی حقیقی ماننا ہے، بہت سے لوگ امور غیبیہ کو عقل کے ترازو پر تولتے ہیں، ان کے ذہن کے گوشہ میں یہ بات ہوتی ہے کہ جو بات عقل میں آجائے وہی صحیح ہے ورنہ غلط ہے، تو گویا وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنی عقل پر ایمان لاتے ہیں۔ اور عقل فتنہ ساماں ہمیشہ انہیں گمراہ کرتی ہے۔ اس لیے حقیقی مومن وہ ہے جو اپنے رب کو بغیر دیکھے مانے اور ہمیشہ اس کی بارگاہ میں لرزیدہ رہے۔ اگر غلطی ہو جائے تو اپنے رب کے حضور اعترافِ گناہ کرلے اور توبہ کرلے تو اللہ نہ صرف اس کے گناہوں کو بخشے گا بلکہ اسے اجر عظیم بھی عطا فرمائے گا۔

حضرات! دنیا میں کوئی ایسی عدالت نہیں ہے کہ جس میں گنہگار یا مجرم یا خاطی کو سزا سے بچا لیا جائے اور انعام دیا جائے خطا کی بنیاد پر ایسا نہیں ہوتا۔ کوئی عدالت، کوئی کورٹ کسی کو معاف کر سکتی ہے، دنیا میں چھوڑ سکتی ہے مگر اس علم کے باوجود کہ اس نے کوئی خطا کی ہے، اس نے کوئی جرم کیا ہے اور اعترافِ گناہ کیا ہے تو اسے کسی انعام سے نہیں نوازا جائے۔ مگر یہ صرف خدائے وحدہ قدوس کی عدالت ہے جو محشر میں قائم ہوگی کہ جہاں نہ صرف یہ کہ بندوں کے گناہوں کو معاف کیا جائے گا جنہوں نے توبہ کی ہوگی بلکہ ہر گناہ کے بدلے میں انہیں اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔ یہ عالم ہوگا خدائے وحدہ قدوس کے کرم بے پایاں کا ان گنہگار بندوں پر جو اعترافِ گناہ کریں گے اور سچے دل سے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے جس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی آیات مبارکہ یا اپنی نشانیوں کا ذکر کر کے انسانی ضمیر اور احساس کو بیدار کیا ہے کہ تم اللہ کی بارگاہ میں جھک جاؤ ورنہ اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، کوئی دشواری نہیں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا آسمان سے پتھروں کی بارش کر کے تمہیں ہلاک کر دے۔

حضراتِ گرامی! کافروں نے بار بار قیامت کے باب میں کبھی سمجھنے کے لیے، کبھی بطور استہزا، مذاق اڑانے کے لیے سوالات کیے اور یہ کہا قیامت کب آئے گی؟ جبکہ قیامت کے علم کو پوشیدہ رکھا گیا ہے اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں ورنہ بندہ ہر طرح سے غافل ہو جائے گا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ قیامت کب آئے گی؟ جلد ہے تو بھی اور دور ہے تو بھی کہ ابھی تو بہت دور ہے۔ اس لیے اس کے اتفاق کے حوالہ سے تذکرہ کیا گیا کہ وہ تم پر بغتۃً (اچانک) آئے گی اور تمہیں احساس تک نہ ہوگا، قیامت کسی وقت بھی آسکتی ہے اس لیے تم ہر وقت

اپنے کو قیامت کے قریب محسوس کرو اور اعمالِ صالحہ کرو۔

پھر موت وحیات کے فلسفہ میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ بلاشبہ قیامت کا ایک دن تو مقرر ہے مگر ایک مرنے والے کے لیے تو قیامت مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتی ہے اس لیے کہ جب دوبارہ اٹھے گا تو یومِ قیامت میں اٹھے گا، تو گویا موت جو ہے قیامت کا دروازہ ہے اور اس کے بعد وہ جب اٹھے گا تو قیامت کے ماحول میں داخل ہوگا اور انسان اپنی زندگی سے واقف ہے کہ کسی وقت بھی موت آسکتی ہے۔ اس لیے موت کا تذکرہ بھی دراصل انسان کی زندگی کو صراطِ مستقیم سے ہم کنار کرتا ہے كَفَاكَ بِالْمَوْتِ وَاعِظًا فرمایا گیا تمہارے لیے موت سے بہتر کوئی واعظ نہیں، نصیحت کرنے والا نہیں ہے، جو لوگ موت کو یاد رکھتے ہیں وہ لوگ کبھی گناہ کی طرف قدم نہیں اٹھاتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! ایک ہے موت کو ماننا اور ایک ہے موت کا یقین اور ایسا یقین جو محسوس یقین ہو، جو ہر وقت انسان کی نگاہ کے سامنے ہو، موت اگر یقین کے پیکرِ محسوس میں ڈھل جائے تو انسان پھر کوئی خطا اور گناہ نہیں کرتا ہے۔ ایسے لوگ جو موت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ خدائے قدیر و جبار کی بارگاہ میں جبین نیاز جھکا کر آخرت کی تمام نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں یہ مختصر تعارف ہے سورۃ الملک کا اور انسان کی موت وحیات کے فلسفے کا۔

وہ چند روایات مبارکہ جو سورۃ الملک کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر کے قریب یا قبر پر نصب کیا، جانتے نہیں تھے کہ یہاں قبر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کسی جنگل میں ایسا ہوا تھا بہر کیف اچانک انہوں نے زمین کے اندر سے کسی تلاوت کرنے والے کی تلاوت کو سماعت کیا اور وہ سورۃ الملک تلاوت

کر رہا تھا، انہوں نے پوری سورت کی تلاوت سنی اور پھر غیب داں نبی کے بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں اس زمین سے تلاوت قرانِ پاک کی آواز آرہی ہے، کوئی سورۃ ملک پڑھ رہا ہے تو آقا نے فرمایا کہ سورۃ الملک مانعہ ہے عذابِ الٰہی سے، منجیہ ہے، تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ جو اس بندے کو قبر کے عذاب سے بچالے گی۔ (سنن الترمذی، أبواب فضائل القرآن باب ما جاء فی فضل سورۃ الملك، الرقم:2890)

ہر ایسا مسئلہ جہاں انسانی عقل کسی تاویل سے عاجز آجائے اور سمجھ نہ سکے کہ کیا حقیقت ہے لوگ بے ساختہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارگاہ میں حاضر ہوجاتے تھے، وہ جانتے تھے کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم نہیں جانتے، انہیں یہ معلوم تھا، آقا نے فرمایا: اِنِّی اَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْن میں وہ بھی سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔

حضراتِ گرامی! آقا نے فرمایا کہ سورۃ الملک مانعہ ہے عذابِ الٰہی سے، منجیہ ہے، تُنْجِيْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ جو اس بندے کو قبر کے عذاب سے بچالے گی اور نجات دے گی۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ قرآن کا پڑھنے والا اپنی قبر میں زندہ رہتا ہے، ایک حقیقت سے یہ بات سمجھاؤں میں آپ کو؟ اگر ظرف کو باقی رکھنا ہے تو مظروف کو باقی رکھنا ضروری ہوگا، اگر کسی چیز کو باقی رکھنا ہے تو وہ چیز جس کے اندر ہے، جس برتن میں ہے اسکو باقی رکھنا پڑے گا یہ ضروری ہے، ظرف کے بغیر مظروف کا بقا ممکن نہیں ہے تو قرآن مظروف ہے اور سینۂ مومن ظرف ہے تو جس سینۂ میں قرآن عظیم ہوگا چونکہ قرآن بھی فنا ہونے والا نہیں ہے اس لیے وہ سینۂ مومن بھی فنا ہونے والا نہیں ہے زندہ رہے گا۔ قرآن کتابِ زندگی اور کتابِ حیات ہے اور جس سینہ میں وہ ہو وہ سینہ بھی زندگی کا حامل ہوگا اور یہ روایت اس کی شہادت دے رہی ہے۔ امام ترمذی اور ان کے علاوہ اور دوسرے محدثین نے بھی یہ روایت کی ہے۔ بہر حال جو بندہ

سورۃ الملک تلاوت کرنے کا عادی ہوگا اس کا دل زندہ ہوگا بلکہ وہ بھی زندہ ہوگا کیوں کہ تلاوت زندوں ہی سے ممکن ہوسکتی ہے۔ اس روایت سے یہ معلوم تو ہوا کہ اس سورت کی تلاوت کرنے والا زندگی سے نوازا جائے گا مرنے کے بعد بھی، قبر میں بھی زندہ ہوگا۔ جب سورۃ الملک کا یہ عالم ہے تو پورے قرآن پاک کا عالم کیا ہوگا۔

ایک اور روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس کی صرف تیس آیتیں ہیں اور اس سورت نے ایک آدمی کی شفاعت کی خدا کے بارگاہ میں یہاں تک کہ اس کو بخش دیا گیا۔ اور یہ سورت تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔

(سنن الترمذی، أبواب فضائل القرآن باب ما جاء فی فضل سورۃ الملك، الرقم: 2891)

حضرات! کون ایسا مردِ مومن ہے جو شفاعت کی تمنا نہ کرتا ہو، شفاعت آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی فرمائیں گے، وہ شفیع المذنبین ہیں، شفاعت کلامِ الٰہی بھی فرمائے گا، پورا قرآن عظیم شفاعت کرنے والا ہے مگر اس سورت کے لیے خاص طور پر فرمایا گیا ہے کہ یہ سورت شفاعت کرے گی یہاں تک کہ اس بندے کو بخش دیا جائے گا۔ اس سورت میں صرف تیس آیات ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان کا بآسانی اس سورت کو اپنے سینہ کے اندر محفوظ رکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے اسی لئے اس سورت کو محفوظ رکھنے کی بات آقا نے فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ یہ (یعنی سورت "تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ") میری امت کے ہر اِنسان کے دل میں ہو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین عکرمۃ عن ابن عباس، الرقم:11616)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تک سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک کی تلاوت نہ فرماتے آرام نہ فرماتے تھے۔

(سنن الترمذی أبواب الدعوات (باب ما جاء فیمن یقرأ القرآن عند المنام) باب منه الرقم: 3404)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسی حدیث تحفہ نہ کروں جس سے تو خوش ہو؟ اس شخص نے کہا: بڑا کرم کیوں نہیں؟ اے ابن عباس! اللہ آپ پر رحم کرے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ اور اس کو زبانی یاد کر، اور اس کو اپنے گھر والوں کو اور اپنی سب اولاد کو اور اپنے گھر کے اور پڑوس کے بچوں کو سکھاؤ، بے شک وہ (سورت) نجات دینے والی ہے، وہ قیامت کے دن اپنے رب کے پاس اپنے پڑھنے والے کے لیے ضد کرنے والی ہے، اور اپنے رب سے اپنے پڑھنے والے کے لیے جہنم کی آگ سے نجات طلب کرتی ہے، اور اپنے ساتھی کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ الملك «فضل سورۃ الملك)

حضرات! جب کلام الٰہی ذات الٰہی کے ساتھ ہے وہ کسی کو بچانا چاہے تو اللہ اپنے کلام کی بات تو ضرور مانے گا اسی لئے آقا نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میری امت کے ہر مرد وزن کو یہ سورت یاد ہو۔

ان شاء اللہ اگلے درس میں سورۃ الملک کے مضامین کو آپ کے سامنے بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ مجھے فہم صحیح اور شعورِ صحیح سے نوازے اور ہم کو اور آپ سب کو اپنے کلام پر مکمل عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العلمین

خطاب نمبر (۸۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ○

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَاةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی اس نشست میں سورۃ الملک کے مضامین ومفاہیم بیان کرنے کی سعادت و شرف حاصل کروں گا۔

"تَبٰرَكَ الَّذِيْ"

انتہائی برکت والا ہے، منزہ ہے تمام نقائص سے، برتر ہے، خیر کثیر سے نوازنے

والا ہے، ساری کائنات پر رحم کرنے والا ہے یہ سارے مفاہیم مفسرین نے تَبٰرَكَ الَّذِیْ کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب مراد لیے جاسکتے ہیں۔

"بِیَدِهِ الْمُلْكُ"

وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات کی بادشاہت ہے، ملک ہے، وہ ساری کائنات کا حقیقی مالک ہے۔ عالم اجسام کو ملک سے تعبیر کرتے ہیں اور عالم ارواح وانوار کو ملکوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ عالم اجسام کا بھی بادشاہ حقیقی اور مالک ہے اور عالم ارواح وانوار کا بھی مالک وہی ہے۔

"وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ" (سورۃ الملک الآیۃ: 1)

اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی بھی شئی جو ممکنات میں سے ہے اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

"الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا"

وہی پروردگارِ عالم ہے جس نے موت اور زندگی پیدا کی تا کہ وہ آزمائے کہ تم میں سب سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے؟

حضرات! جیسا کہ میں نے تعارف میں سورۂ ملک کے بارے میں کہا تھا کہ عام طور پر لوگ موت کو عدم محض کہتے ہیں لیکن موت کی حیثیت صرف عدمی نہیں ہے بلکہ وجودی ہے اس لیے کہ پیدا جسے کیا جاتا ہے اس کا کوئی وجود ہوتا ہے، اللہ نے موت وحیات کو پیدا فرمایا ہے۔

موت وحیات کو پیدا کرنے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی دی جائے گی یا یہ کہ پہلے تم مردہ تھے پھر اس نے موت سے زندگی پیدا فرمائی خواہ وہ مٹی سے ہو، یا قطرۂ ناچیز سے ہو جس سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے ان میں زندگی اللہ نے پیدا فرمائی ہے۔

بہر کیف، وہ موت کا بھی خالق ہے اور حیات کا بھی خالق ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے قیامت میں جب سارے معاملات کا فیصلہ ہو جائے گا تو موت کو طلب کیا جائے گا اور اسے بھی موت سے ہمکنار کر دیا جائے گا، اب نہ جہنم میں موت طاری ہوگی اور نہ جنت میں موت طاری ہوگی جو جہاں ہیں وہیں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

حضرات! آپ کو قرآن عظیم کا وہ واقعہ یاد ہوگا کہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا میرا معبود وہ ہے جو موت وحیات کا مالک ہے، مارتا اور جلاتا ہے تو نمرود نے اپنی بادشاہت کے زعم میں کہا تھا کہ میں بھی مارتا اور جلاتا ہوں، اس نے دو قیدیوں کو بلایا، ایک کے لیے موت کا (یعنی پھانسی کا) فیصلہ ہو چکا تھا، اسے آزاد کر دیا اور جسے آزاد کرنا تھا اسے موت دے دی اور کہا میں بھی تو ایسا کر لیتا ہوں (معاذ اللہ)

دنیا میں جو دعویدارِ بادشاہت ہیں یا ملکیت کے دعویدار ہیں وہ عارضی ہیں دائمی نہیں، اللہ کی عطا اور بخشش سے کچھ چیزوں کے مالک ہیں لیکن یہ ملکیت اور یہ بادشاہت بھی ہزاروں مجبوریوں کی حامل ہے آپ اس کے ذریعہ فرق محسوس کر سکتے ہیں۔ مگر دنیا کے بادشاہوں کو فوج وسپاہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے، مزدوروں کی اور کام کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے، زراعت پیشہ افراد کی ضرورت ہوتی ہے، خدمت گاروں کی ضرورت ہوتی ہے تب اس کی بادشاہی کا تخت بچھایا جاسکتا ہے وہ بھی عارضی طور پر، ایک محدود زمانہ کے لیے، ایک محدود جگہ کے لیے مگر مالک الملک وہ ہے، رب العزت وہ ہے، سبحان ذی الملک والملکوت وہ ہے جو بے نیاز ہے اور اللہ الصمد ہے، کائنات کی ہر شئی اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں، بے نیازِ مطلق ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا بھی کیا ہے اور مالک بھی ہے۔ لوگ ملکیتوں کے دعوے کرتے ہیں مگر خالق نہیں ہیں مگر وہ عدم سے وجود بخشتا ہے کائنات کو اور

پھر اس کا مکمل طور پر مالکِ حقیقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ میدانِ قیامت میں پوچھے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ بادشاہت آج کس کے لیے ہے۔

وہ تو ہمیشہ سے بادشاہ ہے جب سے کائنات وجود میں آئی اور ابد تک وہ بادشاہ ہی ہے مگر چونکہ وہاں اس کی بادشاہت بے حجاب اور نمایاں ہوگی وہاں اس قدر سناٹا ہوگا کہ اس سوال پر جب ہر طرف خاموشی ہوگی کوئی کچھ نہ کہے گا تو وہ خود ہی ارشاد فرمائے گا اس معبودِ حقیقی کی بادشاہت ہے جو ایک بھی ہے اور قہار بھی ہے۔

بہر کیف! اس کا ہر ہر نفس پر کنٹرول ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ملک ہے، عالم لاہوت ہو، عالم ملکوت ہو، عالم ناسوت ہو، عالم انوار ہو، عالم اجسام ہو، عالم ارواح ہو کوئی عالم ہو کسی عالم کی کوئی شئی اس کی ملکیت سے خالی نہیں ہے۔ وہ ایسا مالک نہیں ہے کہ ملکیت تو ہے مگر قدرت نہ ہو، نہیں وہ ہر شئی کا مالک ہے اور ہر شئی پر قادر ہے، وہ قادرِ مطلق ہے۔

آپ ایک ایسے بادشاہ کا تصور کیجئے جو مالک تو ہو، مجازی طور ملکیت کا دعویدار ہو پر قادر نہ ہو یا دعویدار ہو مگر وہاں تک اس کی دسترس نہ ہو اسے اس کا علم نہ ہو کیسا بے بس ہوگا وہ۔

حضرات! مگر ہمارا خدا علیم وخبیر بھی ہے، مالک بھی ہے، قادرِ مطلق بھی ہے، ہر ذرہ ممکنات اس کے زیرِ قدرت ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے اور اس کی قدرت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے جو آگے فرما رہا ہے:

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ جس نے موت بھی پیدا کی اور حیات بھی۔

وہ ایسا قادرِ مطلق ہے، وہ ایسا مالکِ حقیقی ہے کہ اسی نے موت وحیات پیدا کئے۔ کائنات میں جو چیز بھی موجود ہے اس کا موجود کرنے والا اللہ ہے تو جس نے وجود بخشا ہے وہی مالکِ حقیقی بھی ہے۔ پھر موت وحیات کو پیدا کرنے کی وجہ بیان فرما رہا ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں بہتر عمل کرنے والا کون ہے۔

انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا، اسے شعور وفکر سے نوازا گیا، اسے حق وباطل کا امتیاز بخشا گیا، اس کو بہت سی صلاحیتوں سے نوازا گیا جو دوسری مخلوقات میں نہیں ہیں، ان صلاحیتوں اور انعامات کی عطا سے جب اسے احسن الخلق بنایا گیا تو اس کے سر پر تاجِ کرامت رکھا گیا اور فرمایا گیا: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" یقیناً ہم نے بنی آدم کو کرامت بخشی۔ اور ایک مقام پر تخلیق انسانیت کی یوں تحسین کی گئی اور فرمایا گیا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ تحقیق کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ حیات ظاہر میں اس کو آزمایا جائے کہ وہ کیسا عمل کرتا ہے۔

"الدنیا مزرعة الاخرة" دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا میں بیج ڈالا جائے گا اور پھل آخرت میں ملے گا جو جیسا کرے گا وہاں وہ ویسا بھرے گا اس لیے دنیا میں وقتی طور پر لمحاتی طور پر انسان کو جس کے لیے زمین وآسمان، جنت ودوزخ بھی پیدا کیے گئے ہیں، کائنات کی ہر شئی جس کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس کو دنیا میں بھیجا گیا ہے تاکہ اسے آزمایا جائے اور جب وہ اچھے کام والا ثابت ہوا تو اس کے لئے دوام فی الجنۃ کا اعزاز عطا فرمایا گیا ہے۔ پھر آزمانے والا مجبور نہیں ہے بلکہ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ (سورۃ الملک، الآیۃ:2)

اور وہ غالب ہے بخشنے والا ہے۔

وہ عزت والا غالب اور کنٹرول کرنے والا ہے مگر کرم بالائے کرم یہ کہ وہ اس غلبہ وکنٹرول کے باوجود بندہ کی خطا معاف کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے عزت وغلبہ کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ

ایسا عزیز و غالب اور ایسا خلاق کائنات ہے کہ صرف اس نے تمہیں ہی نہیں پیدا کیا بلکہ،

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا

اللہ وہ ہے جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے۔

اہلِ فکر کہتے ہیں کہ سات آسمان ہیں اور ان کو عرش نے گھیر رکھا ہے اور ساری کائنات کو کرسی نے گھیر رکھا ہے اس طرح یہ نو بن جاتے ہیں تو یہ سات آسمان جو اللہ نے پیدا کیے ہیں۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ

تم اللہ کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھو گے۔

کتنا توازن ہے کائنات کی تخلیق میں اور آسمانوں کی تخلیق میں اگر وہ توازن ایک لمحہ کے لیے بھی کمزور پڑ جائے تو کائنات تباہ ہو جائے لیکن وہ ایسا خلاق ہے، وہ ایسا پیدا کرنے والا ہے کہ جس نے ایک کے اوپر دوسرا آسمان پیدا کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں نہیں بلکہ ان کے درمیان فاصلے ہیں، کئی کئی ہزار سال کے فاصلے ہیں۔ ان کی حیثیت مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ یہ آسمان زمین کی چھت ہے اور اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے وہ چھت ہے پہلے آسمان کے لیے پھر تیسرے پھر چوتھے اسی طرح سے، طباقا کا مفہوم ہے۔ پہلا آسمان زمین کے لئے گنبد کی شکل میں ہے اور باقی آسمان کمان کی شکل میں ہیں۔

ما تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔

(اللہ نے ایسا توازن پیدا کیا ہے کہ) تم اللہ کی تخلیق میں کوئی فرق نہ دیکھو گے۔

آپ اندازہ فرمائیں! جو آسمان ہماری نگاہوں کے سامنے ہے جس میں سیارگانِ فلک ہیں، ان کو آپ دیکھیں کہ سورج جس وقت صبح کو آج طلوع ہوا آج سے ہزار سال پہلے بھی

ٹھیک اسی وقت طلوع ہوا تھا اور کروڑوں سال بعد اگر دنیا رہی تب بھی اسی وقت طلوع ہوگا، ایک سیکنڈ کا فرق نہ ہوگا۔

یہ عظیم نظام اللہ کی قدرت کاملہ کی ایک دلیل ہے انسان صرف خلا کی وسعتوں کا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ آسمان و زمین کے درمیانی خلا میں موجود سیارگانِ فلک کے درمیان کروڑوں نوری سال کا فاصلہ ہے اس طرح نظامِ کائنات قائم ہے۔ کیوں کہ وہ خالق بھی ہے، مدبر بھی ہے اس میں تم کوئی فرق نہیں دیکھو گے۔

ساری کائنات کو اللہ دعوتِ نظارہ دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (سورۃ الملک الآیۃ:3)

تم ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ

ایک بار نہیں دو دو بار دیکھو

يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (سورۃ الملک الآیۃ:4)

تمہاری نگاہ ناکام واپس آجائے گی اور وہ تھکی ماندی ہوگی۔

پھر اس نے نظامِ کائنات کو کتنا حسین بنایا اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

اور ہم نے تو پہلے ہی آسمان کو ستاروں سے آراستہ کر دیا۔ ہم نے دنیا کے آسمان پر چراغ روشن کر دئے جو فروغِ نظر کا سامان بھی ہیں اور مسافر کو منزل کا پتہ بھی دیتے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں اجالا بھی پیدا کر دیتے ہیں۔

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ

اورانہیں شیطانوں کے لیے مارکیا۔

اورصرف یہی نہیں اسلام سے پہلے جوشیاطین قدرت کے رازہائے سربستہ چرانے آسمانوں پر جانے کی کوشش کرتے تھے اب انہیں روک دیا گیا ہے اور یہ ستارے، چراغ ان سے باضابطہ شہاب پھوٹتے ہیں اور شیطانوں پر سنگ باری کرتے ہیں، آگ کے شعلے پھینکتے ہیں جس سے وہ اوپر نہیں جاتے ہیں، انہیں مجبور محض بنادیا گیا ہے۔

وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (سورۃ الملک، الآیۃ:5)

اورہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کررکھی ہے۔

سعیر، دوزخ کے بہت سے نام ہیں، نار بھی ہے، جحیم بھی ہے، سعیر بھی ہے۔ سعیر صرف آگ کا نام نہیں ہے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو سعیر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ

اور جو اپنے رب کا کفر کرنے والے ہیں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (سورۃ الملک، الآیۃ:5)

اور وہ ان کے لیے کیا ہی بدترین ٹھکانہ ہے۔

پھر جہنم کا ایک ہلکا سا نقشہ کھینچا جارہا ہے تاکہ ذہنوں میں رسماً ایک تصویر آجائے ورنہ انسان جہنم کے عذاب کا اندازہ نہیں کرسکتا ہے۔

اِذَا اُلْقُوْا فِيْهَا۔

یہ جہنمی جب جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ (سورۃ الملک، الآیۃ:6)

وہ وہاں چنگھاڑ سی سنیں گے اور جہنم باضابطہ جوش مار رہی ہوگی۔

یعنی نہ صرف یہ کہ جہنم آگ ہوگی بلکہ اسے جہنمیوں کو جلانے کا شعور بھی بخشا جائے گا اللہ تعالی جب جہنم کی آگ سے پوچھے گا کہ کیا تو آسودہ ہوگئی ہو! تو وہ کہے گی۔ "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" کیا کچھ اور بھی جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ باضابطہ اسے کلام کی طاقت ہوگی اللہ فرماتا ہے: تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ۔

قریب ہے کہ وہ غضب سے پھٹ پڑے۔

جہنمیوں کو دیکھنے کے بعد کہ اللہ کے نافرمان آرہے ہیں، رسول کے گستاخ آرہے ہیں، پیغمبر کا مذاق اڑانے والے آرہے ہیں، آخرت کا انکار کرنے والے آرہے ہیں، جنت اور جہنم کو نہ ماننے والے آرہے ہیں تو شعوری طور پر جہنم غضب سے پھٹ پڑے گا۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا

جب جب نان میں کسی فوج کو ڈالا جائے گا، کسی جماعت کو، کسی گروہ کو تو داروغۂ جہنم یا ذمہ دارانِ جہنم ان سے پوچھیں گے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ (سورۃ الملک، الآیۃ:8)

کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

کوئی پیغمبر نہیں جلوہ گر ہوئے تھے، وہاں اپنی بے حسی کا اظہار کریں گے۔

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ۔

کہیں گے کیوں نہیں بالکل ہمارے پاس جہنم کے عذاب سے ڈرانے والے تشریف لائے تھے۔

فَكَذَّبْنَا تو ہم نے جھٹلایا۔

وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ

اور ہم نے کہا تھا کہ کوئی چیز اللہ نے نازل نہیں فرمائی ہے۔

اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ (سورۃ الملک الآیۃ:9)

تم تو بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

وہ بدترین گمراہی میں تھے تو مگر اللہ کے پیغمبروں کے پاس ان کا یہ طرزِ عمل تھا۔

اب اس کے بعد وہ اعتراف کریں گے۔

وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ

(سورۃ الملک الآیۃ:10)

اور بولے اگر ہم عقل سے کام لیتے اور غور سے سنتے تو ہم جہنمیوں میں نہ ہوتے۔

یہاں یہ معلوم ہوا کہ جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے عقل بہت ضروری ہے۔

فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِہِمۡ

تو اس روز وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔

فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ (سورۃ الملک الآیۃ:11)

تو بڑی بدترین پھٹکار ہوگی جہنمیوں کے لیے۔

اللہ ان کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرما رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ۔

(سورۃ الملک الآیۃ:12)

بے شک وہ لوگ جو اپنے رب سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی ہے۔

اے اللہ! ہمیں جنتیوں میں داخل فرما دوزخیوں سے بچا۔

خطاب نمبر (۸۱)

اِنَّ اَلۡحَمۡدَ لِلّٰہِ نَحۡمَدہ، وَ نَستَعِینہ، وَ نَستَغفِرہ،
وَ نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِن شَرورِ أنفسِنَا وَ مِن سِیِّأٰتِ أعمَالِنَا
مَن یَھدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہ وَ مَن یُضلِل، فَلا ھَادِیَ لَہ
وَ نَشۡھَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ
وَ نَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ
اَمَّا بَعۡدُ
فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ
صَدَقَ اللّٰہُ العَلِیُّ العَظِیۡم
اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدَنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ مَعۡدَنِ الجُوۡدِ وَ الۡکَرَم مَنۡبَعِ العِلۡمِ
وَ الۡحِلۡم وَ الۡحِکَم وَ اٰلِہٖ وَ بَارِک وَ سَلِّمۡ صَلَاۃً وَّ سَلَامًا عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جس آیت کی خطبہ کے بعد تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

بے شک وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے اللہ کی طرف سے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔

حضراتِ گرامی! اللہ سے ڈرنا یہ انبیائے کرام، صلحائے امت کا طرزِ عمل رہا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو سارے انبیائے کرام میں سب سے افضل ہیں، اللہ کے محبوب ہیں، جن کے لیے کائنات کی تخلیق کی گئی ان کا یہ عالم تھا کہ اپنی نماز میں اتنا روتے تھے کہ ان کے سینۂ اطہر سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کہیں ہانڈی کھول رہی ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو افضل البشر بعد الانبیا ہیں ان کا یہ عالم تھا کہ آپ اتنا روتے تھے کہ آپ کا جسم اطہر خوف الٰہی سے لرز رہا ہوتا تھا۔

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف جب انسان کی زندگی میں طاری ہو جائے تو انسان کہیں بھی ہو کسی مقام پر ہو وہ نہ شیطان کے فریب میں آئے گا اور نہ ہی وہ گناہ کرے گا، بلا شبہ شیطان نے تو رب سے وعدہ کیا تھا جب اسے راندۂ بارگاہِ الٰہی کیا گیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا اس کے مطابق وہ ہر انسان جس کے دل میں ایمان ہے اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، گناہوں کی ترغیب دیتا ہے، گناہوں کی رغبت دلا کر گناہوں کی طرف مائل کرتا ہے، دنیا کے لذائذ اور دنیا کے ظاہری خوبصورتی کو دکھا کر وہ انسان کو مائل بہ گناہ کرتا ہے اور انہیں عصیاں شعار بناتا ہے۔

یقین کر لیجیے کہ انسان شیطان کے فریب سے کبھی نہیں بچ سکتا اگر اس کے دل میں خوف الٰہی نہ ہو جو لوگ اپنے رب کو دیکھے بغیر خشیت الٰہی کے حامل ہیں، اپنے احکام کو مانتے ہیں، اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ان کا یہ عالم ہے کہ وہ محفل میں نہیں، جلوتوں میں نہیں بلکہ خلوتوں میں بھی، تنہائیوں میں بھی اللہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔

یاد رکھیئے کہ آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ انسانی معاشرے کی اصلاح ہے۔ دنیا کی تمام قومیں اس بات کی کوشش کرتی ہیں کہ ظلم وجبر اور ان برائیوں سے جو ان کی نگاہ میں برائیاں ہیں معاشرے کو پاک کریں۔ اس کے لیے ہزاروں طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ان کے لیے قوانین کی سختیاں بھی موجود ہیں، پولیس کا نظام بھی موجود ہے، جیل کی دیواریں بھی موجود ہیں، بیڑیاں اور ہتھکڑیاں بھی موجود ہیں، جاسوسی کا نظام بھی موجود ہے، طاقت وقوت کے ساتھ بھی انہیں روکنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر جرائم ہیں کہ بڑھتے جا رہے ہیں اس لیے کہ انسان وہاں تو گناہ نہیں کرے گا جہاں قانون دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ ایسے مقام پر ضرور گناہ کرے گا جہاں قانون نہ دیکھ رہا ہو اور قانون کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ ہر جگہ پہنچ سکے نہ کوئی نظام ایسا ہے کہ انسان کے تنہائیوں کو بھی کنٹرول کر سکے اس لیے انسان جرائم میں مبتلا ہوتا ہے اور گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں، سرکشی اور ظلم بڑھ رہا ہے۔ لیکن اس کے اندر خشیت الٰہی ہو تو یقیناً وہ گناہ سے بچے گا اور دوسروں کو بھی بچائے گا۔

قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ۔

بے شک نماز انسان کو تمام برائیوں اور بے شرمیوں سے روکتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن جرائم سے، جن گناہوں سے، جن مظالم سے، معاشرتی انحراف سے، ظلم وجبر سے قوانین کی سختیاں، پولیس کا نظام، حکمتوں کا قانون، جیل کی سلاخیں بھی نہ روک سکیں ان برائیوں سے نماز کیسے روکی گی۔ کبھی آپ نے اس بارے میں سوچا؟

حضرات! دنیا کی ساری پابندیاں انسان کے جسم سے متعلق ہیں، ہتھکڑیاں ہاتھوں میں ڈالی جاتی ہیں، بیڑیاں پیروں میں پہنائی جاتی ہیں، جسم کو پابند سلاسل کیا جاتا ہے لیکن دنیا

کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں ہے جس کے ذریعہ دل کو بدلا جاسکے۔

دل گناہ کی طرف مائل ہوتا اور انسان گناہ کرتا ہے، کون نہیں جانتا کہ شراب بری چیز ہے لیکن لوگ پیتے ہیں، زنا کو سبھی لوگ جانتے ہیں برا ہے پھر بھی لوگ کرتے ہیں، چوری اور ڈکیتی، ظلم و جبر کو لوگ برا جانتے ہیں پھر بھی کرتے ہیں۔ اس لیے کہ دل ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ گناہ کریں اور اس طرف مائل کرتا ہے گناہ کی ترغیب دلاتا ہے اور نماز دن میں پانچ مرتبہ تم کو یہ یاد دلاتی ہے کہ تم کو تمہارا خدا دیکھ رہا ہے۔

دنیا کے قوانین ہاتھوں میں زنجیریں ڈالتے ہیں مگر نماز دل کو پابند سلاسل کرتی ہے اور دل کو کنٹرول کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سچا اللہ سے ڈرنے والا ہوگا، خشیت کی بنیاد پر نماز پڑھے گا۔ لَا صَلَاةَ اِلَّا بِخُشُوْعِ الْقَلْب (بغیر خشیت خداوندی کے کوئی نماز نہیں) اس کی نگاہوں کے سامنے ہوگا وہ گناہ نہیں کرے گا اس لیے کہ وہ بن دیکھے رب سے ڈر رہا ہے، تنہائیوں میں بھی اور مجلسوں میں بھی وہ اپنے رب سے خوف زدہ رہتا ہے۔

جب انسان کے دل میں اللہ کا اتنا خوف ہو پھر بتقاضائے بشری اس سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ

بے شک وہ لوگ جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر کبیر ہے۔ (بہت عظیم اجر ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔)

حضرات! کفار کا یہ طرزِ عمل تھا کہ وہ جب سازشیں کرتے تو اس بات کی کوشش کرتے کہ مسلمانوں کو یا پیغمبر اعظم کو ان کی سازشوں کی، ان کی خفیہ باتوں کی، ان کی سر گوشیوں کی خبر نہ ہو بلکہ آپس میں یہ کہتے تھے کہ ذرا خاموشی سے بات کرو محمد کا خدا سن نہ لے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

کیا ان ظالموں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کائنات کو جو پیدا کرنے والا ہے کیا وہ تمہاری خبر نہیں رکھتا ہوگا، صرف یہ نہیں کہ اللہ خبر رکھتا ہے بلکہ اس نے تو اپنے حبیب کو بھی خبر دار کر رکھا ہے، وہ بھی کافروں کی سازشوں سے واقف ہوتے ہیں۔

اللہ کا خبر دار ہونا، خبیر ہونا، علیم بذات الصدور ہونا تو بہت بڑی بات ہے اس نے جس کو توانائی عطا فرمائی ہے اس کا عالم کیا ہوگا! حضرت سلیمان علیہ السلام تین میل کی دوری سے چیونٹیوں کی آواز سن لیتے ہیں جیسا قرآن عظیم کے اندر ہے تو ظاہر ہے کہ جو پروردگار اپنی مخلوق کو یہ طاقت دے سکتا ہے کیا وہ پروردگار ان کی باتیں نہ سنتا ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے:

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

(سورۂ ملك: ۶۳، آیت: ۱۳)

تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا بلند آواز سے کرو بے شک وہ تو دلوں کا حال جاننے والا ہے۔

تمہارا کوئی خیال، سطح ذہن پر ابھرنے والا سوال، تمہارے قلب کے اندر پیدا ہونے والی کوئی خواہش، کوئی ایسی بات نہیں جو اس کی نگاہِ کرم سے پوشیدہ ہو، ہر چیز کو وہ جانتا ہے۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ (کیا وہ نہیں جانے گا جس نے تخلیق کی ہے) جس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، جس نے دل بنایا ہے، سماعت و بصارت کی طاقت دی ہے، جس نے انسان کو دیکھنے والا بنایا ہے کیا وہ قادرِ مطلق تمہاری تنہائیوں اور تمہاری سرگوشیوں کو نہ جانتا ہوگا یہ کیسے ممکن ہے؟

ایک مغربی مفکر نے کہا کہ جس نے آنکھ جیسے پیچیدہ نظام کو پیدا کیا ہے اور جس نے کان جیسے نظام کو پیدا کیا ہے کیا وہ خود سننے اور دیکھنے والا نہیں ہوگا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (سورۂ ملك: ۶۳، آیت: ۱۴)

بے شک اللہ تو بہت ہی باریک چیزوں کو دیکھنے والا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ پھر اپنی نعمتوں کو شمار فرما رہا ہے تا کہ بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں جھک جائے اور اس کے قلب میں خشیت پیدا ہو۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا

(سورۂ ملك: ۶۷، آیت: ۱۵)

اللہ نے زمین کو تمہارے لیے پست کر دیا ہے تو تم اس کے راستوں پر چلو۔

وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اور اللہ کا رزق کھاؤ۔

یعنی زمین کو تمہارے لیے چلنے کی جگہ بنایا، گزرگاہ بنایا اور اطمینان سے سفر کرنے کے لیے اس کا سینہ کشادہ فرما دیا اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے پوری روئے زمین پر تمہارے لیے روزی پھیلا دی، تم جہاں بھی جاؤ گے تمہارا رزق تمہارے ساتھ ہوگا مگر یہ بھی یاد رکھو اس زمین پر جو زمین تمہارے لیے پست کر دی گئی ہے، جھکا دی گئی ہے اور تم اس پر چلو گے اور اللہ کا رزق کھاؤ گے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اللہ کی قدرت سے بے خبر ہو جاؤ۔

وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ

(یاد رکھو ان نعمتوں کا حساب دینے کے لیے تمہیں) اسی کی طرف اٹھنا ہوگا۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ

کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس ذات سے جو آسمانوں کا خالق ہے کہ وہ زمین میں تمہیں غرق کر دے، دھنسا دے اور وہ زمین تھر تھر کانپ رہی ہو۔

وہ قادر ہے اس بات پر کہ تم اس کی نافرمانی کرو تو تمہیں زمین میں دھنسا دے۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ

تب تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔

اللہ فرماتا ہے میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے اس وقت تمہیں معلوم ہوگا۔

وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ

(اور یہ کفار جو براہ راست اے محبوب آپ کے مخالف ہیں) ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی تو میرا عذاب کتنا سخت تھا۔

یاد رکھیے! محسوسات اور موجودات کو سامنے دکھا کر ہی پروردگارِ عالم اس طاقت کو جو غیب ہے اس کو باور کراتا ہے سب کچھ نگاہوں کے سامنے ہے، انسان محسوس کرنا چاہے تو ہر شئی میں اللہ کی عظیم قدرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ

کیا وہ پرندوں کی طرف نہیں دیکھتے ہیں جو ان کے اوپر (بہت اونچا اڑتے ہیں کبھی پر پھیلائے ہوئے) صفوں میں اور کبھی سمیٹے ہوئے۔

مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ

انہیں تو صرف رحمن ہی روکتا ہے فضا میں۔

کون ایسی طاقت ہے جو انہیں فضاؤں میں پرواز کے بعد گرنے سے روکتی ہے وہی قادرِ مطلق ہے، جو خلاق کائنات ہے جس نے تمہیں اور ان سب کو پیدا کیا ہے۔

انسان صرف پرندوں ہی پر غور کریں ان کی پرواز پر غور کریں تو اللہ کی بے شمار اور اس کی عظیم قدرت کا اسے اندازہ ہو سکتا ہے، کائنات کی ہر شئی اپنے رزق کو پہچانتی ہے اور تنازع البقاء کے میدان میں اسے اتنی صلاحیت دی گئی کہ وہ اپنی روزی حاصل کر کے اپنی حیات کو باقی رکھ سکے۔ خواہ وہ جانور ہوں یا پرندے ہوں۔

ان پرندوں ہی کو دیکھو وسیع تر فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں اور اپنی روزی کو پہچانتے ہیں کہاں، کب، کس وقت ان کو ان کا رزق ملے گا۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سائبیریا میں جب برف باری ہوتی ہے تو ہزاروں، لاکھوں پرندے ان زمینوں پر آجاتے ہیں جہاں برف باری نہیں ہوتی بلکہ ان کا رزق ہوتا ہے پاکستان آجاتے ہیں، انڈیا آجاتے ہیں اور جب برف باری ختم ہوتی ہے تو یہ آسودہ ہو کر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میل کا سفر کر کے اپنے مسکن کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

یہ شعور کس نے بخشا ہے، یہ قوتِ پرواز اور پھر پرواز کی حالت میں ان کو روکے رکھنا، ان کی حفاظت کرنا، کیا رحمن کے علاوہ کوئی اور ہے یہ سب دیکھتے ہیں، کیا یہ سب ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے۔ اگر وہ دیکھتے تو یقیناً اللہ کی قدرتِ بے پایاں کا اندازہ ہو جاتا۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ

بے شک اللہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

تمہیں بھی دیکھ رہا ہے اور ان پرندوں کو بھی دیکھ رہا ہے جو فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں ان کو بھی دیکھ رہا ہے۔

حضرات! حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی اچھی بات کہی ہے انہوں نے کہا تم نے مرغابی پرندے کو دیکھا ہوگا وہ دن رات دریاؤں میں سمندروں میں ڈبکی لگاتے رہتا ہے، ڈوبتا رہتا ہے، تیرتا رہتا ہے لیکن جب وہ فضا میں پرواز کرتا ہے تو اس کے پروں پر ایک قطرہ بھی پانی نہیں ہوتا۔

تم بھی دنیا کے لذتوں سے استفادہ کر سکتے ہو جس کی اجازت دی گئی ہے لیکن جب تمہاری روح تمہارے قالب خاکی سے فضائے بسیط سے ہوتے ہوئے آخرت کی طرف پرواز کر رہی ہو

تو روح کے دامن پر ایک قطرہ بھی گناہوں کا نہ ہو۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ

اللہ فرماتا ہے، اے منکرو! اے خدا کا انکار کرنے والو! کیا تمہارے پاس کوئی لشکر ہے جو تمہاری مدد کرنے کے لیے آمادہ ہو اللہ کے علاوہ، تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا ہے اگر اللہ مدد نہ کرنا چاہے۔ اس لیے لوٹ آؤ خدا کی طرف، حاضر ہو جاؤ اس کی بارگاہ میں، اس سے ڈرو اور ایمان قبول کرو۔

اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ

بلاشبہہ کافر تو بہت دھوکے میں ہیں۔

غرور کا لفظ تکبر کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن غرور کا حقیقی معنی دھوکہ کھانا ہی ہوتا ہے اور تکبر کرنے والا بھی اصل میں دھوکہ ہی کھاتا ہے وہ اپنی طاقت اور قوت پر بھروسہ کر کے متکبر ہو جاتا ہے جبکہ وہ شدید دھوکہ میں مبتلا ہوتا ہے اور تباہ و بربادی کی طرف جانے والا ہوتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ

کیا کوئی ایسا بھی ہے جو تمہیں روزی دے سکے اگر اللہ نے روزی روک لی تو۔

رزاق مطلق نے، خدائے قدیر و جبار نے اگر اپنے رزق کو تم پر تنگ کر دیا یا روک لیا تو کوئی اور روزی دے سکتا ہے تم کو۔

یقین مان لیجیے کورونا کی موجودہ صورت میں دنیا کی طاقتور قوتیں بھی لرزہ براندام ہیں کہ اگر یہ طویل ہو جاتا ہے تو دنیا کے کروڑوں انسان فاقے سے مر جائیں گے۔

اللہ روزی روک دے تو کوئی دینے والا نہیں ہے اور دینا چاہے تو کوئی روکنے والا بھی

نہیں ہے وہ رزاق مطلق ہے مگر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جو دینے والا ہے اس کی بارگاہ سے ہٹ کر ،اس سے بغاوت کر کے جو تلاشِ رزق کرتے ہیں انہیں گو کہ رزق مل جاتا ہے مگر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ ان کو ایک ایک رزق کا اور ہر ہر گوشے کا حساب دینا پڑے گا۔

بلکہ یہ لوگ تو انتہائی سرکشی اور نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں، جب انہیں اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے، اللہ کی بارگاہ میں جھکنے کی بات کی جاتی ہے تو یہ شدت سے نفرت کا بھی اظہار کرتے ہیں اور سرکشی بھی کرتے ہیں ۔کیا آج بھی ایسے لوگ نہیں ہیں جو دین کا مذاق اڑاتے ہیں وہ خود کو ہی اپنا رزاق تصور کرتے ہیں، معیشت اور معاش کے لیے ہزاروں سبیل تلاش کی جاتی ہیں مگر روزی دینے والے پروردگار کو یاد کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی ان کے پاس نہیں ہے اگر دعوت دی جائے تو ان کی گردنیں اکڑی ہوئی ہوتی ہیں۔

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
خیالِ رزق ہے رزاق کا خیال نہیں

اللہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

کیا وہ انسان جو منہ کے بل گرتا پڑتا ہوا چل رہا ہے وہ راہِ راست پر ہوگا یا وہ انسان جو سیدھا کھڑا صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے۔

یہ مثال دی جارہی ہے ان کافروں کی جو دین سے بغاوت کر کے، خدا سے دور ہو کر اوندھے منہ چلتے نظر آتے ہیں ایسا انسان یقیناً کسی چیز سے ٹکرا کر خود کو تباہ کر لے گا۔صراطِ مستقیم ہی روشنی اور ہدایت ہے جس سے انسان منزل پر پہنچ سکتا ہے لیکن یہ منہ کے بل گر کر چلنے والے کبھی منزل آشنا نہیں ہو سکتے ہیں، منزل پر وہی پہنچیں گے جو صراطِ مستقیم پر چلنے والے ہوں گے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ

اے پیغمبر! فرما دیجیے وہی پروردگار ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ

اور اس نے تمہارے لیے کان، آنکھ اور دل بنائے ہیں۔

آج جس بصارت اور سماعت کی بنیاد پر اور جس دل کی بنیاد پر تم خدا کا انکار کرتے ہو وہ تو اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے وہ چاہے تو تمہاری سماعتیں سلب کر لے، تمہاری بصارتیں سلب کر لے، تمہارے دل کو اوندھا کر دے۔

لیکن اس نے تم کو ایک مدت کے لیے اس زمین پر ان تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔حضرات سماعت کتنی عظیم ہے اس سے پوچھو جو سماعت سے محروم ہے، بصارت کتنی عظیم نعمت ہے اس سے پوچھو جو بصارت سے محروم ہے اور دل کتنی عظیم نعمت ہے اس سے پوچھو جس کا کوئی عزیز دل کی موت سے ہمکنار ہو گیا ہو۔زندگی کا مرکز دل ہے منبع حیات دل ہے یہ ساری اللہ ہی کی تخلیق ہیں، اسے انسانوں نے نہیں بنایا ہے۔

اَنْشَاَكُمْ کے معنی ہوتے ہیں کسی مثال کے بغیر تمہیں عدم سے وجود میں لایا۔

سماعت و بصارت اور دل جو اللہ نے بنائے ہیں ان کی تخلیق سے پہلے کیا ان کی کوئی مثال موجود تھی۔یہ تو عظیم تخلیقات ہیں ان کے علاوہ اور بھی خلائق جو شاہکار قدرت ہیں ان میں کسی کی کوئی مثال تھی دنیا میں تو یہی جواب ہوگا نہیں۔

اللہ تعالی ہم سب کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔آمین بجاہ سید المرسلین۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۸۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ان شاء اللہ سورۃ القلم یا سورۂ نون کی ابتدائی آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں فہم قرآن کی توفیق سے نوازے۔

حضراتِ گرامی! اس سورت کا نام سورۃ القلم بھی ہے اور سورۃ النون بھی ہے، یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سورت میں ۲ رکوع اور ۵۲ آیات ہیں۔

اس سورت کے مضامین اور مشمولات مختصراً عرض کرنا چاہوں گا اور وہ یہ کہ مکی زندگی میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن پاک کا نزول مسلسل ہو رہا تھا، قرآن کریم کی آیات کی تلاوت ہو رہی تھی اور مکہ والے اس کے ہمہ گیر اثرات کو دیکھ کر بجائے متاثر ہونے کے ان پر دیوانگی وخودی طاری ہو رہی تھی اور وہ معاذ اللہ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنون کا الزام عائد کر رہے تھے۔ اس پر اللہ رب العزت نے قسم یاد فرمائی اور بالقسم فرمایا کہ اے محبوب! آپ مجنون نہیں، کافروں کے زعم باطل کی تردید کی گئی اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کا ذکر فرمایا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ کیا اس قدر عظیم کلام کی تلاوت کرنے والے پیغمبر اور اس قدر بلند اخلاق کے حامل نبی کی طرف دیوانگی کی نسبت کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔

یہ واضح کیا گیا ہے کہ منصب نبوت صرف اس شخصیت کو عطا کیا جاتا ہے جو اپنی عقل، اپنے شعور وفکر، اپنے اخلاق وکردار کے اعتبار سے دنیا کے تمام انسانوں سے افضل ہو اور یہ عطا خلاق کائنات ہی عطا کر سکتا ہے۔

کافروں کی یہ خواہش تھی کہ آپ اپنے دین کی تبلیغ کے سلسلے میں تھوڑی نرمی برتیں، کچھ اشتراکِ عمل کریں یعنی وہ کہتے تھے کہ کبھی آپ ہمارے بتوں کو سجدہ کر لیجیے کبھی ہم آپ کے معبود کو سجدہ کر لیں گے۔

قرآن عظیم شدت سے تردید فرما رہا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کفر اور ایمان میں اشتراکِ عمل ہو سکے، یہ دو الگ الگ راہیں ہیں، کفر کی راہ جہنم کی طرف لے جانے والی ہے اور ایمان کا راستہ سیدھے جنت کی طرف پہنچتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس معاملہ میں نرمی برتی جائے اور ایسا اشتراکِ عمل کیا جائے کہ جس کی بنیاد پر عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ آخرت

اور قرآن عظیم کی سچائی کا عقیدہ مجروح ہو جائے۔

حضرات! عام طور پر گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو سرمایہ دار ہوتے ہیں اور سروری کے تصور سے مغلوب ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں، انہیں دین کے سلسلے میں بہت سا نقصان نظر آتا ہے، دین کی تعلیمات اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی تعلیمات ان کے بخل کے راہ میں سدراہ ثابت ہوتی ہیں اور ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتی ہیں اور جب یہ اسلامی قوانین کے عدل وانصاف کو دیکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیں اپنی دولت کو اللہ کی ملکیت ماننا پڑے گا جو کہ حقیقتاً ہے اور ہمیں اپنے سرمائے کو، اپنی دولت کو اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرنا پڑے گا تو اپنی دولت اور اپنے بخل کی وجہ سے وہ جان بوجھ کر حقیقت اور سچائی کا انکار کر دیتے ہیں اسی بات کا تذکرہ اس مقدس سورت میں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد قیامت اور سزا و جزا کا تذکرہ کیا گیا ہے جیسا کہ تمام مکی سورتوں میں ہے کہ جو اہلِ ایمان اور متقی ہیں ان کے ساتھ بڑا ہی عظیم سلوک ہوگا اس کے برعکس کفار و منافقین کے ساتھ بالکل مختلف سلوک ہوگا جو عذاب سے متعلق ہوگا۔ قیامت میں کفار جب جلالِ الٰہی کو بے نقاب دیکھیں گے اور اپنے رب کے جلال کا مشاہدہ کریں گے تو بے ساختہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر وہ سجدہ نہیں کر پائیں گے، منہ کے بل گر جائیں گے۔

حضرات! قیامت میں جو ہوگا وہ تو ہوگا ہم نے دنیا میں بھی کئی بار اس کا مشاہدہ کیا ہے، کبھی کبھی مسجد دیکھنے کے لیے طالبِ علم آتے ہیں، انہیں فنائے مسجد کے کنارے پر بٹھایا جاتا ہے اور مسجد کی رعایت کرتے ہوئے کرسی کی بجائے زمین پر بٹھایا جاتا ہے اور جب ایک گھنٹہ یا ایک گھنٹہ سے زائد بیٹھنے کے بعد اٹھتے ہیں تو گر جاتے ہیں وہ خود بھی قہقہ لگاتے ہیں اور دیکھنے والے بھی ہنسنے لگ جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ زمین پر بیٹھنے کے عادی نہیں ہیں

پیدائش کے بعد سے ماں کی گود سے لے کر جوان ہونے تک وہ کرسی پر بیٹھتے رہے ہیں یا ماں کی گود پر، زمین پر بیٹھ کر ان کے لیے اٹھنا مشکل ہوتا ہے، بعض اوقات ایک دوسرے کو سہارا دے کر اٹھتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جب دنیا میں بیٹھنے کے بعد اٹھنا مشکل ہو رہا ہو تو قیامت میں اگر وہ اپنے رب کی سچائی کو تسلیم کر کے سجدہ کرنا چاہیں گے تو یقیناً گر جائیں گے کیوں کہ عادت نہیں ہے اور یہ ان کے لیے سزا بھی ہوگی۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے امت کو صبر کی تلقین کی جا رہی ہے اور انتظار کا حکم دیا جا رہا ہے کہ کچھ آیات کے ظہور میں انتظار کیجیے، غلبہ سچائی کو ہی میسر آئے گا مگر ہر نبی کو اپنی قوم کے جبر اور ظلم کے مقابلہ میں صبر کی راہوں سے گزرنا پڑا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن عظیم نے جناب ذوالنون جنہیں جناب یونس اور صاحب الحوت بھی کہا جاتا ہے (علیہ السلام) ان کا تذکرہ قرآن عظیم نے کیا کہ آپ سے کچھ عجلت ہوگئی جس کے نتیجہ میں انہیں مچھلی کے پیٹ میں ڈالا گیا اور پھر جب وہ آئے تو حالات بدل چکے تھے، اللہ نے ہدایت دے دی تھی اس قوم کو جس قوم سے جناب ذوالنون ناراض ہو گئے تھے۔ تو فرمایا گیا کہ آپ ان کی طرح نہ ہو جائیں بلکہ صبر وضبط سے کام لیں یقیناً کامیابی آپ کے غلاموں کو ہی نصیب ہوگی۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ قرآن پاک کو سننے کے بعد کفار مسلمانوں کو انتہائی عجیب نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ ان کی نگاہوں میں شعلے بھڑک رہے ہوں، یہاں کفار کی بد نگاہی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس کا ذہن قبول کرنے کے لیے شعوری طور پر تیار نہ ہو یعنی جان بوجھ کر تیار نہ ہو، ان کے سامنے سچائی کتنی ہی بے حجاب کیوں نہ ہو وہ کبھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔

اب آئیے چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں۔

نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ

قلم اور اس کے لکھے کی قسم۔ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

نون حروفِ مقطعات میں سے ہے جن کا علم اللہ و رسول کو ہے، اس کے علاوہ کسی کو نہیں، ہاں بعض اہل اللہ کو بھی ہے جنہیں بواسطۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم دیا جاتا ہے مگر اخفائے راز کا بھی حکم ہوتا ہے یہ سر بَیْنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ہے۔

قلم سے مراد یا تو لوح محفوظ پر چلنے والا وہ قلم نور ہے جس نے کائنات کی تقادیر محفوظ کئے ہیں کوئی رطب و یابس نہیں جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا نہ ہو یا پروردگارِ عالم کراماً کاتبین کے قلم کی قسم یاد فرما رہا ہے جو بندوں کے اعمال لکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ کسی شئ کو لکھے بغیر نہیں چھوڑتا ہے۔ کل بروز قیامت اپنے اپنے اعمال دیکھنے کے بعد لوگ کہیں گے۔

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا

(سورۃ الکھف، الآیۃ:49)

یہ کیسی کتاب ہے کہ چھوڑا نہیں ہے چھوٹا نہ کوئی بڑا گناہ مگر اسے لکھ لیا ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ○ (سورۃ الزلزال، الآیۃ: 7)

تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔

وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ○ (سورۃ الزلزال، الآیۃ:8)

اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔

ہر مثقالِ ذرہ چاہے خیر ہو یا شر سب کچھ وہاں موجود ہے۔

بہر حال ن والقلم میں قلم سے یا تو کراماً کاتبین کا قلم مراد ہے یا علمائے دین یا مفسرین قران، شارحین حدیث اور فقہائے کرام کے قلم مراد ہیں جو بواسطۂ دینِ رسالت مآب،

شریعتِ رسالت مآب انتہائی عظمتوں کا حامل ہوتا ہے۔

حضرات! قلم کی اتنی اہمیت ہے کہ قرآن عظیم نے قلم کی قسم یاد فرمائی ہے۔ کیا قرآن عظیم کی تلاوت کرتے ہوئے کبھی آپ نے توجہ کی کہ جس پیغمبر پر کتابِ الٰہی نازل ہوئی، جس کی نبوت کا آغاز اقراء کے ذریعہ ہوا، اللہ اکبر جن کا معلم خود پروردگار عالم ہے وہ تاجدار دو عالم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا

(سورۃ النساء، الآیۃ:113)

اور آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (سورۃ العلق، الآیۃ:5)

انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ○ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (سورۃ الاعلیٰ، الآیات:7/6)

(اے حبیب!) اب ہم تمہیں پڑھائیں گے تو تم نہ بھولو گے۔ مگر جو اللہ چاہے۔

اللہ خود معلم ہے اور سرورِ کائنات تلمیذ پروردگارِ عالم ہیں۔

تو آپ اندازہ کریں کہ جب علم کی یہ اہمیت ہے تو امت مسلمہ کا علم سے دور ہونا کتنا بڑا المیہ ہے اور یہی حال قلم کا ہے، بلا شبہ قلم سے مراد شریعت نگار قلم ہے مگر قلم کو اپنے عموم پہ رکھا جائے تو ہر وہ قلم جس کے ذریعہ عظمتِ انسانی کے مقام بلند تک پہنچا جا سکے وہ سب مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن آج مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ کتاب ہے نہ قلم ہے، سب کچھ بیچ دیا ہے۔

اے اہلِ ادب آؤ یہ جاگیر سنبھالو
میں مملکتِ لوح و قلم بانٹ رہا ہوں

بہر کیف ،قلم کی اہمیت کتنی ہے آپ یوں اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے جو خالق علم وقلم ہے وہ قلم کی قسم یاد فرما رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ،وَ مَا یَسْطُرُوْنَ اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں ،لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، کراماً کاتبین جو کچھ لکھتے ہیں یا صبح قیامت تک علمائے حق جو کچھ لکھیں گے اللہ تعالی اس کی بھی قسم یاد فرما رہا ہے۔ ''نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ'' (قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں)۔ یہ قسم کیوں؟ اس قدر پر جلال قسم علم کے حوالہ سے اور قلم کے حوالہ سے کیوں یاد فرمائی گئی ۔ اس لیے کہ آگے عالم ما کان ومایکون کے حوالہ سے فرمایا جارہا ہے،مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں، آپ کو نبوت کے لیے منتخب کیا گیا ہے، آپ امام الانبیا اور خاتم النبیین ہیں۔

اور انبیائے کرام کی نبوتیں محدود تھیں اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے اور آپ آخری نبی ہیں اور انبیائے کرام کی کتابیں اپنے زمانہ کے لیے تھیں اور آپ کی کتاب قیامت تک کے لیے ہے، آپ ایک محکم شریعت لے کر جلوہ گر ہوئے ہیں، آپ کی شریعت میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوگی ، آپ ایک مکمل نظام زندگی اور ایک مکمل نظام حیات لے کر تشریف لائے ہیں ۔اتنی بڑی ذمہ داری جس کے دوش مبارک پر ہو جو اللہ کے کلام کا امین ہو اور واسطہ ہو بندہ اور خدا کے درمیان وہ مجنون کیسے ہوسکتا ہے؟ انبیا تو تمام طرح کی ایسی باتوں سے پاک ہوتے ہیں جس سے ان کے کارِ نبوت پر اثر ہوتا ہو۔اس لیے یہ کفار کا انتہائی برا الزام ہے کہ آپ کو یہ مجنون قرار دے رہے ہیں۔

ظاہر ہے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور ان کے چاہنے والوں کو جو ابھی نئے نئے ایمان لائے تھے، اور کوئی بڑی تعداد نہ تھی ۔کفار کبھی

دیوانہ کہتے ،کبھی مجنون کہتے ،کبھی شاعر کہتے ،کبھی ساحر کہتے ،جب بولتے تو ایک نئے الزام کے تحت بولتے ہیں ،پیغمبر اعظم کے حوالے سے کبھی ان کے زبان سے اعلانِ نبوت کے بعد کوئی کلمۂ خیر نہ نکلتا تھا۔

وہ وجودِ پاک ،وہ پیغمبر اعظم جس کو اعلانِ نبوت سے پہلے صادق اور امین کہتے تھے، مقدس روح کے نام سے یاد کرتے تھے، جن پر فخر کرتے تھے کہ وہ بنی ہاشم اور مکہ مکرمہ کی آبرو ہیں ۔کیا ہوگیا کہ ایک کلمۂ حق ،ایک کلمۂ توحید کے اعلان کے بعد وہی امین اور صادق پیغمبر ،وہی مقدس اور عظیم روح ،وہی سرمایۂ فخر وافتخار مجنون ہو گئے معاذ اللہ۔

قرآن عظیم میں ایک اور بات بھی آپ ملاحظہ کروگے کہ جہاں جہاں لوگوں نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا ہے، اللہ کی عظمت کا انکار کیا ہے یا اللہ کی قدرت کا انکار کیا ہے، اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک قرار دینے کی کوشش کی ہے، جہاں معاملہ منصب اُلوہیت میں اہانت کا ہے وہاں پیغمبر جواب دیتے ہیں ۔قرآن پاک میں ہر جگہ آپ کو ایسا ملے گا کہ اللہ پیغمبر کی زبان سے جواب دیتا ہے ۔لیکن جہاں نبی کی عظمت اور نبی پر الزام کی بات آتی ہے وہاں جواب خود خدا دیتا ہے ۔پیغمبر پر الزام لگایا گیا ہو یا پیغمبر کی شریک زندگی ہماری ماں پر الزام لگایا گیا ہو جواب اللہ ہی دیتا ہے ۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی بارگاہ میں کس قدر عظیم ہیں۔

آپ ملاحظہ فرمائیں! اللہ تعالی کس قدر پیارے انداز سے فرمارہا ہے: اے محبوب! آپ اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں ہیں، ہم نے اپنے محبوب کو نہ شعر سکھایا ہے نہ شاعری ایسی چیز ان کے منصب کے مناسب ہی نہیں ہے ۔شعرا تو مختلف وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور یہ تو صداقتِ ازلی کے امین بن کر جلوہ گر ہوئے ہیں۔۔

جب آپ کو مجنون کہا جا رہا ہوگا تو آپ کے قلب منور پر اور آپ کے دیوانوں پر کس قدر شدت کے ساتھ احساس ہو رہا ہوگا۔ اب اللہ بطور انعام ارشاد فرما رہا ہے:

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ

اے محبوب آپ کے لیے ایک ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں! چونکہ اللہ کے نبی آخری نبی ہیں، آپ کا قانون آخری قانون ہے، آپ کا قرآن آخری کتاب ہے تو قیامت تک جتنے بھی اعمالِ خیر کیے جائیں گے ایمان وعمل کے اعتبار سے ہر ایک کا ثواب آپ کو عطا کیا جائے گا۔ کوئی بھی بندہ جو بھی عمل کرے گا یقیناً اس کو ثواب ملے گا۔ فرمایا گیا "اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ" (نیکی کی طرف دعوت دینے والا ایسا ہے جیسے خود نیکی کی ہو) تو یہ کروڑوں انسان جو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق نیکیاں کر رہے ہیں ان سب کی نیکیاں مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجر بن رہی ہیں اور قیامت تک بنتی رہیں گی۔

اور خود ان کے اعمال کا عالم یہ ہے کہ پوری دنیا سجدہ ریز ہو جائے تو ان کے ایک سجدہ کے برابر اجر حاصل نہیں کر سکتی تو پھر پوری کائنات کا ثواب اگر ان کو عطا کیا جاتا ہے تو کوئی حساب ہوگا۔ اس لیے اللہ فرماتا ہے آپ کو کبھی نہ ختم ہونے والا اجر دیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ آیت شریفہ ہے اللہ اکبر کہ پیغمبر اعظم کی زندگی کے بے شمار اوراق اگر نہ ہوتے اور قرآن پاک میں ان کی سیرت طیبہ کے جلال و جمال کی عظمتیں موجود نہ ہوتیں تو یہ آیت ہی ایسی تھی کہ جس کی تشریح وتعبیر قیامت تک ہوتی رہے گی۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کے لیے یہی کافی ہوتی۔

خالق اخلاق واعمال اپنے پیغمبر کے بارے میں فرما رہا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

آپ خلق عظیم کے حامل ہیں، آپ عظیم الشان اخلاق کے حامل ہیں۔

خلق کہتے ہیں انسانی نفس کے ایسے ملکہ کو، جو کبھی خطا کی طرف مائل بھی نہ ہو سکے، سر تا پا خیر ہی خیر ہو یا اس کی فطرت کا حصہ ہو۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تو تخلیق ہی اس خیر کامل پر ہوئی ہے کہ ان کے جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا اس لیے ان کے اخلاق کو خلق عظیم کہا گیا ہے۔

دنیا میں ہر اصحابِ خلق کو خلیق کہا جائے گا لیکن خلق عظیم سے اللہ نے کسی اور کو یاد نہیں فرمایا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ آقائے دو جہاں، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا یہ عالم ہے کہ انسانی زندگی اور معاشرتی زندگی کا کہ کوئی ایسا گوشۂ حیات نہیں ہے جس کے بارے میں ان کی اخلاقی قدریں اور اخلاقی تعلیمات موجود نہ ہوں وہ انسان کی معاشرتی زندگی ہو، فیملی لائف ہو، اس کی مدنی زندگی ہو، اس کی سیاسی زندگی ہو، اس کی کاروباری زندگی ہو، معیشت کی زندگی ہو یا معاشرت کی زندگی ہو، معاملات ہوں کوئی بھی ایسا گوشۂ حیات نہیں ہے جس کا احاطہ خلق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کر رکھا ہو۔

احادیث کی روشنی میں دیکھیں کہ خلق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کمالات کا کس قدر احاطہ کر رکھا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو کیا جواب ملا قسم خدا کی قربان جائیے۔ وہ فرماتی ہیں:

"كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن" آپ کے اخلاق قرآن ہیں

گویا کہہ رہی ہیں سوال کرنے والے کو "کیا تم نے سرورِ کائنات کے اخلاق کو قرآن

میں دیکھنے کی کوشش نہیں کی ہے"۔

الحمد کے الف سے لے کر والناس کے سین تک پورا قرآن تصویر اخلاق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور تصویر کردارِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، ان کا خلق قرآن پاک ہے یعنی مفہوم یہ ہے کہ قرآن پاک نے جس کو کرنے کا حکم دیا ہے اور جس سے روکا ہے اس کا بہترین نمونہ آپ ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

گویا سرکار کی سیرت پاک بولتا قرآن ہے اور نبی پاک قرآن مجسم ہیں۔

آپ اندازہ فرمائیں! اس طرح سے گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک کے لیے نبی کی سیرت کو بھی محفوظ کرلیا ہے، جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان کے مطابق کیوں کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ

(سورۃ الحجر، ۱۹، ص:۹)

ہم نے قرآن عظیم کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

ذرا قرآن کے اس پر جلال انداز واسلوبِ بیان کو تو دیکھیے اِنَّا ہم نے، نَحْنُ یقیناً ہم ہی نے، نَزَّلْنَا باب تنزیل سے، نازل فرمایا ہے، الذکر معرفہ قرآن عظیم کو، وَإِنَّا بلاشبہ ہم، لہ یقیناً اس کے، لَحٰفِظُوْن یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔ واللہ العظیم اتنی تاکیدات جمع کردی گئی ہیں کہ ان کا ترجمہ کسی بھی زبان میں بعینہ نہیں ہوسکتا ہے، ہم قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

دنیا میں آسمانی کتابیں چمڑوں پر لکھی گئیں، تختیوں پر لکھی گئیں، اوراق پر لکھی گئیں

، پتھروں پر لکھی گئیں وہ کتابیں مٹادی گئیں لیکن قرآن روزِ اول سے حفاظ کے دلوں پر لکھا جارہا ہے جو کبھی مٹایا نہیں جا سکتا ہے اس لیے فرمایا ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ لحٰفظون میں ذاتِ الٰہی کا کنایہ بتارہا ہے کہ حفاظ کے ذریعہ قرآن پاک قیامت تک محفوظ کرلیا گیا ہے۔

اللہ فرماتا ہے: ہم نے قرآن عظیم کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ان کا اخلاق تو قرآن ہے گویا کہ جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے مطابق ان کا اخلاق قرآن اور قرآن کی حفاظت کرنے والا اللہ تو سیرت رسول پاک کی حفاظت کرنے والا بھی اللہ ہی ہے، قرآن کی شکل میں۔

اب آپ انداز فرمائیں اور غور کریں کہ قرآن پاک کو محفوظ کرنے والے صحابۂ کرام تھے جو ایک ایک آیت کو اپنے سینہ میں محفوظ کرلیتے تھے، ستر صحابہ ایک مقام پر دھوکہ سے شہید کردیے گئے مگر خلق رسول کی حفاظت کے لئے چار سو صحابہ صفہ میں بیٹھ گئے جو سرکار کی ہر ہر ادا کو نقل کرتے رہے، انہوں نے خلق رسول کے مجموعے تیار کئے، انہوں نے سیرتِ پاک کو محفوظ کیا، ان کے اداؤں کو، ان کے طرزِ عمل کو، ان کے کردار کو، ان کی رفتار کو، ان کے تبسم پناہ کو، ان کے چہرۂ زیبا کو، ان کی سیرت طیبہ کو سب کچھ محفوظ کیا، ان کی خلوتوں کو، ان کی جلوتوں کو جو آج احادیث کی شکل میں وہ سب موجود ہیں۔ جانتے ہیں؟ س کا انہیں انعام کیا ملا اللہ نے سیرتِ رسول کے صدقہ میں، احادیث کے صدقہ میں ان کو محفوظ کردیا۔

کیا دنیا میں کوئی ایسی جماعت مل سکتی ہے جس میں ہزاروں ایسے افراد ہوں جن کی صداقت کی، دیانت کی، عمر کی قسم کھائی جاسکتی ہو یہ صرف راویانِ حدیث ہیں۔ فن اسماء الرجال کے ذریعہ سے مشیت نے ان کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو محفوظ کرلیا، ان کی دیانت،

ان کا تقوی، ان کی پرہیز گاری اور راوی کا مروی عنہ سے ملاقات اور زمانہ ملاقات یہ سب کچھ محفوظ کر دیا گیا ہے یہ انعام ہے خدا کی بارگاہ سے۔

بہر کیف، ان کا خلق خلق عظیم ہے اور اخلاق کے بارے میں اتنی احادیث مبارکہ موجود ہیں کہ اگر ان کو جمع کیجئے تو زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جو تشنہ رہ جائے۔

حضراتِ گرامی! حضور سید عالم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اخلاق کے بارے میں کیا فرمایا ہے، اللہ کے رسول ارشاد فرماتے ہیں:

مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ۔

قیامت کے دن مومن کے میزانِ عمل پر اچھے اخلاق سے بہتر کوئی چیز بھاری نہ ہوگی۔

آپ اندازہ فرمائیے! کتنا عظیم مقام ہے عام مومن کے اخلاق حسنہ کا، سرکار ارشاد فرماتے ہیں: میزان عمل میں جتنی چیزیں رکھی جائیں گی ان میں حسنِ خلق سب سے زیادہ وزنی ہوگا اور اخلاق حسنہ کا حامل، اچھے کردار کا مالک اپنے اچھے اخلاق کی بنیاد پر نماز اور روزہ رکھنے والے کے مرتبۂ عظیم کو پہنچ جاتا ہے۔

اللہ کے رسول فرماتے ہیں: تم میں سب سے ناپسندیدہ انسان اور میری مجلس سے دور قیامت کے دن وہ ہے جو اچھے اخلاق والا نہ ہو، جو بے ہودہ باتیں کرنے والا ہو، زبان دراز ہو اس طرح کا آدمی مجھ سے بہت دور ہوگا اور متکبر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں بد اخلاقی سے متعلق ہیں۔

میرے آقا نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے نزدیک اخلاق کی تین سو ساٹھ صورتیں ہیں جس میں توحید کے ساتھ ایک بھی صورت پائی گئی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جناب صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کے اندر اخلاق کی یہ ساری خوبیاں پائی جائیں۔ کہا ہاں، وہ تم ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کے صدقہ میں ہمیں اخلاق کا مالک بنائے۔

تو اللہ نے کہا کہ آپ تو خلق عظیم کے حامل ہیں۔ آپ اندازہ فرمائیں! عظیم کا لفظ استعمال فرمایا، پوری کائنات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (سورۃ النساء ۴، آیت: ۷۷)

اے محبوب آپ فرما دیجئے کہ پوری کائنات بہت تھوڑی ہے۔

تو ظاہر ہے کہ پوری کائنات تھوڑی ہے اور خلق مصطفیصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلق عظیم ہے، عظیم کے معنی یہاں کبیر ہی لیا گیا ہے بہت بڑا، سرکار اپنے اخلاق کے اعتبار سے بہت عظیم تر ہیں۔

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا (سورۃ النحل: ۱۶، آیت: ۱۸)

جب اللہ کی نعمتیں ناقابل شمار ہیں تو پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جملہ محاسن بھی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ناقابل شمار ہونگے۔

حضراتِ گرامی! اللہ فرماتا ہے کہ آپ خلق عظیم کے حامل ہیں اور یہ آپ کے بارے میں جو بھی رائے رکھتے ہیں یہ ظلمِ عظیم ہے مگر آپ صبر کریں "فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ" عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے "بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ" کہ کون ہے تم میں مجنون۔ مجنون ہونے کا الزام آپ پر عائد کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود مجنوں ہیں۔ اگر یہ مجنون نہ ہوتے تو آپ کی ازلی صداقت کو قبول کر لیتے۔

اور وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام اپنے آباؤ واجداد کے دین

کو چھوڑ کر صابی ہو گئے ہیں، گمراہ ہو گئے ہیں، بھٹک گئے ہیں معاذ اللہ۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اللہ فرماتا ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ کون بہک گیا اپنے راستے سے۔

وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ لوگ کون ہیں۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ

تو خبردار آپ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ

ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی آپ کے ساتھ نرم پڑ جائیں۔

اور نرمی اختیار کرنے مطلب یہ ہے کہ اپنے پیغام اور مشن سے ہٹ جائیں اور ان کی رعایت کریں جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ وہ کبھی کہتے تھے کہ وہ ہمارے بتوں کو سجدہ کر لیں ہم کبھی ان کے خدا کا بھی سجدہ کر لیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی مداہنت اور اس طرح کا اشتراکِ عمل یقیناً پیغمبر تو پیغمبر ہے کسی مومن کو بھی قابل قبول نہیں ہوگا تو اللہ فرماتا ہے کہ وہ اس طرح کی بات کرتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔ اس پر اللہ فرما رہا ہے:

وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ

اے پیغمبر خبردار مت اتباع کیجیے جھوٹی قسم کھانے والے ذلیل کی

حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ جھوٹی قسم کھانے والا، ذلیل یہ دو صفتیں

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ بہت نکتہ چین، چغلیاں کھانے والا

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ہمیشہ بھلائی سے سخت منع کرنے والا، مانع نہیں مناع،

مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ معتد یعنی حد سے زیادہ بڑھا ہوا، اثیم انتہائی بدکار،

عُتُلٍّ انتہائی اکھڑ اور ضدی مزاج والا،

بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ان سب کے اوپر یہ کہ اس کی اصل میں خطا ہے۔

حضرات! زنیم کا ترجمہ لوگوں نے کچھ اس طرح بھی کر دیا ہے کہ بعض اوقات کہ جس سے قرآن پاک کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔ کبھی کسی نے حرامی کا لفظ استعمال کر دیا ہے، کسی نے ولد الحرام کا لفظ استعمال کیا ہے، کسی نے ولد الزنا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قربان جائیے امام اہلِ سنت پر وہ ترجمہ کرتے ہیں اس میں اتنی نزاکت ہے کہ جس نے قرآن پاک کی عظمت کو سمجھا ہے وہ اس کی خوبی کو جان سکتا ہے۔ امام اہل سنت ترجمہ کرتے ہیں اور اس کی اصل میں خطا ہے بات وہی کہہ رہے ہیں جس کو لوگوں نے اپنے اپنے طور پر کہنے کی کوشش کی ہے مگر وہ قرآن پاک کی عظمت کو ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں۔

امام اہل سنت کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ جہاں منصبِ نبوت کی بات آئی ہے وہاں منصبِ نبوت کے تحفظ کے لیے ترجمہ ایسا کیا ہے کہ کہیں سے بھی ان کے منصبِ نبوت اور مقامِ عظمت، ان کی عصمت پر حرف نہ آنے پائے اور جہاں ذات خداوندی کی بات آئی ہے، عظمتِ خداوندی کی تو وہاں بھی ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے نہ قرآن پر حرف آئے اور نہ خدا کے کلام پر حرف آئے، انہوں نے زَنِيْمٍ کا ترجمہ کیا اس کی اصل میں خطا ہے۔

خطاب نمبر (۸۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ
وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَسَلَامًا عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ان شاء اللہ تعالیٰ آج میں سورۃ الحاقہ کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ سورۃ الحاقہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں ۲ رکوع اور ۵۲ آیات مبارکہ ہیں۔ اس سورت کے شان نزول کے سلسلے میں امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت بیان کی ہے جس کو بہت سے

مفسرین نے نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایمان لانے سے قبل ایک روز میں اس ارادے سے نکلا کہ آج حضور کو طرح طرح سے پریشان کروں گا مگر جب میں حرم پاک میں داخل ہوا تو حضور نماز ادا فرما رہے تھے اور سورۃ الحاقہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی قرآن پاک نہیں سنا تھا اور نہ ہی میں قرآن پاک کی عظمت کا قائل تھا لیکن جب میں نے سورۃ الحاقہ کی ابتدائی آیات کی تلاوت سنی تو میں حیران رہ گیا اور میں نے سوچا کہ یہ تو بہت ہی عظیم شاعر ہیں جیسے ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ عظیم شاعر ہیں تو آپ نے یہ تلاوت کی۔

وَّمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:41)

اور قرآن عظیم کسی شاعر کا قول نہیں ہے کتنا کم یقین رکھتے ہو۔

جیسے ہی میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا اور میں نے اس خیال کا جواب سن لیا تلاوت کے درمیان میں ہی تو مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے سوچا کہ یہ تو کاہن ہیں، نجومی ہیں اور ایسے کاہن ہیں کہ میرے دل کے حالات جان لیتے ہیں تو جیسے ہی میں نے سوچا کہ وہ کاہن ہیں تو آپ نے یہ تلاوت فرمائی۔

وَلَا بِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:42)

اور یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں ہے کتنا کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

یہ سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور میرے دل میں یہ بات جاگزیں ہوئی کہ شاید اسلام صحیح ہو اور قرآن اللہ کا کلام ہو لیکن میں ایمان نہ لایا۔ پھر جب میں اسلام دشمنی کے بنیاد پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا تھا اور میں اپنی بہن کے گھر پہنچ گیا وہاں میں نے بہن سے تلاوت قرآن عظیم سنی جب کہ پہلے ہی سے قرآن پاک نے میرے دل میں کچھ

اثر ڈالا ہوا تھا تو فوراً ایک انقلاب برپا ہوا اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔

یہاں جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی خیال حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ذہن میں پیدا ہوا قرآن پاک کی وہی آیت آپ نے تلاوت کی جس کا تعلق ان کے خیال سے تھا۔ شاعر ہونے کا خیال ہوا تو آپ نے "وَلَا بِقَوْلِ شَاعِرٍ" تلاوت کیا جو اسی سورت میں ہے اور جب کاہن، نجومی ہونے کا خیال ہوا تو "وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ" تلاوت فرمایا۔ یہ قرآن پاک کا اعجاز تھا اور جناب عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے اللہ کی طرف سے ارشاد بھی تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے کی طرف راغب ہوں۔

حضراتِ گرامی! میں یہاں حیرت زدہ ہوں کہ وہ لوگ اُمی تھے، عرب کے لوگ پڑھے لکھے نہ تھے مگر کس قدر نکھرا ہوا شعری ذوق تھا ان کا اور ادب کو سمجھنے کی کتنی صلاحیت تھی کہ قرآن پاک کو کلام الٰہی مان لیتے تو یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ شاعر ہیں لیکن کلام الٰہی نہ ماننے کی وجہ سے قرآن پاک کے نظم ونثر کو اور بیان کو اور رعایت سجع کو سننے کے بعد پہلا خیال یہ ہوا کہ وہ شاعر ہیں۔ پتہ یہ چلا کہ ان لوگوں کو شعر کے سمجھنے کی صلاحیت تھی یہ اور بات ہے کہ غلطی سے انہوں نے قرآن پاک کو شعر سمجھا۔ آپ اگر ان لوگوں کے عربی وادبی مذاق کو سمجھنا چاہیں تو ان اشعار کو دیکھیں جو عہد جاہلیت کے اشعار ہیں آپ کو حیرت ہوگی کہ قدرت نے ان کو کتنا عظیم شعور بخشا تھا شعر فہمی کا اور شعر کہنے کا۔

بہت کم ایسے صحابۂ کرام اور صحابیات ہیں جنہوں نے خود شعر نہ کہے ہوں یا شعر سمجھنے والے نہ ہوں یہ ان کا فطری ذوق تھا اور غالباً قدرت نے ان کی فطرت کی اور ان کے ذوق کی تربیت اس طور پر اسی لئے کی تھی تاکہ وہ کلام الٰہی جیسے عظیم کلام کو سمجھ سکیں اور ایمان لانے کے بعد قرآن پاک کی فصاحت اور بلاغت کو دنیا کے سامنے پیش کرسکیں۔

حضراتِ گرامی! اس سورت میں جو مضامین ہیں ان کا اختصار سے تذکرہ کروں گا۔ سب سے پہلے اللہ نے قسم یاد فرما کر، بالحصر یہ بات فرمائی ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور پھر ان قوموں کا ذکر کیا ہے جو قیامت کی منکر تھیں۔

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہورہی ہے اور قرآن عظیم قیامت کی ہولناکیوں کا بیان فرمارہا ہے تاکہ وہ لوگ جو ایمان لانے سے گریزاں ہیں قیامت کے خوف سے اور قیامت کی ہولناکیوں کو محسوس کرکے ایمان لے آئیں۔ قیامت کے ساتھ ساتھ ان اقوام کا بھی اشارۃً تذکرہ کیا گیا ہے جو قیامت کی منکر تھیں جن کا قران شریف میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ قیامت کی ہولناکیوں کے بیان کو بہت پرجلال انداز سے مختصر الفاظ میں سمیٹ دیا گیا ہے تاکہ انسان ان میں غور کرے اور لرز کر رہ جائے اور کانپ جائے۔

حضرات! قیامت کے تذکرے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت میں دو گروہ ہوں گے۔ ایک اہلِ ایمان کا گروہ جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، یہ وہی اعمال نامہ ہے، وہی صحیفۂ عمل ہے جو کراماً کاتبین تیار کررہے ہیں اور ایک بات بھی چھوٹنے نہیں پاتی۔ ایک عمل بھی کتابت سے رہ نہیں جاتا۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ جب لوگ اس اعمال نامہ کو دیکھیں گے تو حیرت زدہ ہوجائیں گے کہ یہ ایسا اعمال نامہ ہے کہ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً چھوٹی اور بڑی کوئی چیز چھوٹنی نہیں پائی ہے، فرشتے سوتے نہیں ہیں، غافل نہیں ہوتے ہیں جب انہیں لکھنے کی ذمہ داری دی گئی ہے، یہ کارکنان قضاوقدر ہیں تو یہ کوئی بات چھوڑتے نہیں ہیں۔ جن کے اعمال نیک ہوں گے ان کا اعمال نامہ، ان کا صحیفۂ عمل، ان کا صحیفہ زندگی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ جنتی ہیں۔

دوسرا گروہ کافروں کا ہوگا جن کے اعمال برے ہوں گے، ان کا صحیفۂ عمل بائیں

ہاتھ میں دیا جائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمارے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں عطا کرے۔

امین یارب العالمین

قرآن عظیم کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کسی شاعر کا کلام نہیں ہے اور نہ کسی کاہن کے ظن وتخمین کا نتیجہ ہے۔

شاعر جو شعر کہتا ہے وہ ایسی وادیوں میں گھومتا رہتا ہے کہ جن وادیوں میں حقائق کا کوئی تصور نہیں ہوتا ہے اور کاہن کی کہانت کی بنیاد ظن وتخمین پر ہوتی ہے، گمانِ باطل ہے اور پیغمبران کرام جو پیغام لے کر جلوہ گر ہوتے ہیں وہ وحیٔ الہی ہے، قطعیت کے اعلی ترین مقام پر ہوتی ہے جہاں ظن وتخمین کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن عظیم کو شاعری کہنا یا کہانت کہنا یقیناً قرآن عظیم کا انکار ہے اور اس کی عظمت سے انحراف کرنا ہے۔

پھر اس سورت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ کلام اپنی طرف سے نہیں پیش کر رہے ہیں اگر ان کی یہ ذہنی تخلیق ہوتی تو تم سمجھتے کہ انہوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہوگا، یہ شاعری ہوگی یا کہانت ہوگی بلکہ یہ کلام اللہ کی طرف سے پیش کر رہے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۃ النجم، الآیۃ:4/3)

پیغمبر اپنی جانب سے کچھ نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں فرمانِ الہی ہوتا ہے۔

اللہ نے بہت ہی پر جلال انداز میں فرمایا کہ پیغمبر کی یہ شان نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کہیں بالفرض اگر وہ میرے کلام میں اپنی طرف سے کچھ ملائیں گے تو عذاب کے مستحق ہوں گے اور ظاہر ہے کہ مستحق عذاب ہونا نبی کے لیے ممتنع ہے، ناممکن ہے۔

وہ امین ہوتے ہیں صادق ہوتے ہیں پیغمبر علیہ السلام کو نزولِ قرآن سے پہلے چالیس

سال تک مکہ مکرمہ میں زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا تا کہ لوگ ان کی امانت اور صداقت کا یقین کر لیں اور ان کے قائل ہو جائیں اور اعلان کریں کہ آپ امین وصادق ہیں تو جو زندگی کے سارے معاملات میں امین وصادق رہے ہوں۔ اہلِ مکہ کا چالیس سالہ تجربہ تھا یہ خود انہیں صادق وامین کہتے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے کلام کے بارے میں امانت میں خیانت کر بیٹھیں اس لیے انہیں یقین کر لینا چاہیے تھا کہ صادق وامین پیغمبر جو کچھ فرما رہے ہیں وہ حق ہے مگر برا ہو ضد کا نفسانیت کا، شیطان کے بہکاوے کا یا اقتدار باطل کی خواہش کا کہ وہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازیبا الزامات لگاتے رہے حالانکہ اللہ تبارک وتعالی کسی کاذب کو منصب نبوت سے نہیں نوازتا۔ ان کے اس انکار وانحراف کے بعد اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ اسلام لائے تھے اللہ نے انہیں تو طوفان نوح میں غرق ہونے سے بچا لیا اور یقیناً اللہ نے ان پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ لیکن جنہوں نے انکار کیا تھا اللہ تعالی نے انہیں غرقاب کر دیا تھا۔

اب اس سورت کا سرسری طور پر مفہوم پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

اَلْحَآقَّةُ ○ مَا الْحَآقَّةُ ○ (سورۃ الحاقۃ، الآیات:2/1)

وہ حق ہونے والی۔ کیسی وہ حق ہونے والی۔

قیامت ضرور وقوع پذیر ہونے والی ہے یا یہ مفہوم ہے کہ یقیناً پیش آنے والی ہے، ہو کر رہنے والی ہے یا یہ مفہوم ہے کہ حقیقت ثابت ہونے والی ہے۔ دنیا میں لوگ سچائی اور حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں مگر قیامت کے دن ساری حقیقتیں برہنہ ہو جائیں گی، ہر شی کی حقیقت واضح ہو جائے گی جس کا وقوع یقینی ہو وہ الحاقہ ہے یعنی قیامت، جو حقیقت کو ثابت

کرنے والی ہے۔ یا الحاقۃ وہ حقیقت ہے جس کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہو یہ ممکن ہی نہ ہو کہ اسے جھٹلایا جاسکے جیسا کہ سورۂ واقعہ میں بیان کیا گیا ہے۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:2)

اس کے واقع ہونے کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا۔

حضراتِ گرامی! اس کے بعد فرمایا جارہا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:3)

تم کیا سمجھو یہ ہو کر رہنے والی کیا شئی ہے۔

یہ واقع ہونے والی اور حقیقت کو بیان کرنے والی بڑی سخت چیز ہے جس نے بھی اس کا انکار کیا ان کا بھلا نہ ہوا تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے پہلے نہیں ہیں جھٹلانے والے ان سے پہلے بھی لوگ جھٹلا چکے ہیں جن لوگوں نے جھٹلایا ہے ان کے انجام دیکھو۔ سب سے پہلے ثمود نے جھٹلایا تھا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:4)

ثمود اور عاد نے اس سخت صدمہ دینے والی کو جھٹلایا۔

القارعۃ کے معنی پاش پاش کر دینے والی ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی، کھٹکھٹانے کے معنی آتے ہیں، پتھر پر جو ضرب لگائی جائے اسے قرع کہا جاتا ہے۔

"فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ" (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:5)

قوم ثمود کو ایک سخت چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔

جو چنگھاڑ کسی فرشتے کے ذریعہ کی گئی تھی اور ان کے کلیجہ پھٹ گئے اور تباہ ہو گئے۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:6)

لیکن قوم عاد تو وہ ہلاک کر دی گئی ایک سخت بادِ صرصر سے جو بے حد تند و تیز تھی۔

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا

یہ تیز آندھی اور طوفان ان پر سات راتیں اور آٹھ دن لگا تار مسلط رہا۔ لگا تار۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى

تو تم قوم عاد کو دیکھتے ہو کہ وہ گرے پڑے ہیں۔

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:7)

گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو گرا دیے گئے ہیں۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:8)

تو کیا ان میں کوئی باقی رہنے والے نظر آئے (نہیں سب فنا کر دیئے گئے تھے۔)

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:9)

اور فرعون اور ان سے پہلے جو آئے اور وہ بستیاں جو الٹ دی گئیں (یعنی ان کے باشندوں) نے غلطی کی تھا۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:10)

تو انہوں نے اپنے رب کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اس نے انہیں بہت ہی سختی کے ساتھ پکڑا۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:11)

جب سیلاب حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں کشتیوں میں سوار کیا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:12)

تاکہ ہم اسے تمہارے لیے یادگار بنا دیں اور اسے محفوظ رکھیں یاد رکھنے والے کان۔

یقیناً اس سے طوفانِ نوح علیہ السلام مراد ہے۔

اب قیامت کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:13)

پھر جب صور پھونکا جائے گا ایک بار (تو عالم کیا ہوگا۔)

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:14)

تو زمین اور پہاڑ کو اٹھا کر دفعتاً چُور، چُور، کر دیا جائے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:15)

تو اس روز قیامت واقع ہوگی۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:16)

اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل ہی ناکارہ، کمزور ہو جائے گا۔

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا

اور فرشتے اس دن کناروں پر مقرر کر دیے جائیں گے۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:17)

اور آٹھ فرشتے اس روز تمہارے رب کے عرش کو اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:18)

اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے اور تمہارا کوئی بھی راز پوشیدہ نہ رہ سکے گا۔

تو جس کو اس کی کتاب، نامۂ عمل، صحیفۂ عمل دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔

فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:19)

تو وہ کہے گا کہ آؤ لو میرے نامۂ اعمال کو اور پڑھو مسرت و خوشی کے ساتھ۔ اپنے

نامۂ اعمال پر فخر کرے گا اور کہے گا۔

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:20)

مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا کہ میں (ایک روز) یومِ حساب کو پہنچوں گا۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (سورۃ الحاقۃ الآیات:22/21)

تو وہ ایک پسندیدہ زندگی میں داخل کیا جائے گا عالی شان جنت میں۔

یعنی وہ انسان جس کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:23)

جس کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ

(سورۃ الحاقۃ الآیۃ:24)

کھاؤ، پیو آرام کے ساتھ مسرت کے ساتھ یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے گذشتہ دنوں میں پہلے ہی سے بھیج دیے تھے۔

یہ وہ نیکیاں ہیں جو تم نے یہاں بھیج دی تھیں اسی کی جزا یہ جنت ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ

(سورۃ الحاقۃ الآیۃ:25)

اور جن کو ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ انتہائی حسرت و افسوس سے کہے گا کاش میرا نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:26)

اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:27)

کاش میرا قصہ تمام کر دیا گیا ہوتا۔

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:28)

میرا مال کچھ کام نہ آیا۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:29)

میری تمام بادشاہی اور اقتدار ختم ہوگیا۔

اس اعتراف جرم اور اظہار حسرت وندامت کے بعد اللہ فرشتوں سے فرمائے گا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:30)

اسے پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈالو۔

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:31)

اور پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ

(سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:32)

پھر ستر گز لمبی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:33)

یہ عظیم پروردگار کو نہیں مانتا تھا۔

اللہ اکبر! آج اس کی عظمت بے نقاب ہے اور اس کے ان کاری سزا جہنم ہے۔

اگلی آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں اللہ کے انکار اور کفر کے ساتھ اخلاقِ حمیدہ کے بھی منکر تھے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:34)

اور وہ غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دلاتا۔

یہ آخرت کو نہ ماننے والا، محض خدا کا انکار ہی نہیں کرتا بلکہ غریبوں اور مسکینوں کا کچھ خیال بھی نہیں کرتا نہ خود ہی کھانا کھلاتا ہے نہ دوسروں ہی کو ترغیب دلاتا ہے بلکہ منع کرتا تھا۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:35)

تو آج اس کا کوئی گہرا دوست نہیں ہے۔

اگر اس نے غریبوں کو کھانا کھلایا ہوتا، مساکین کھلایا ہوتا کو تو پورا میدانِ محشر اس کا دوست ہوتا، وہ جنتی ہوتا چونکہ اس نے کھانا نہیں کھلایا تھا یہ جرم عظیم کیا تھا تو آج اس کا ٹھکانا کیا ہوگا۔

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:36)

تو اس کا کھانا پیپ ہوگا، پس ہوگا، بہتا ہوا، بدبودار خون ہوگا۔

لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:37)

اسے صرف خطا کار اور گنہگار ہی کھائیں گے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:38)

پس میں قسم یاد کرتا ہوں ان تمام چیزوں کی جس کو تم دیکھ رہے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھ رہے ہو کس بات پر قسم کھائی جارہی ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:39)

بلاشبہ یہ عزت والے کریم رسول کا قول ہے یہ قرآن عظیم۔

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (سورۃ الحاقۃ، الآیۃ:41)

یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔اور بہت کم ہیں ایمان لانے والے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:42)

اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے۔تم توجہ نہیں دیتے ہو۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:43)

قرآن عظیم رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:44)

اگر وہ کوئی بات گڑھ کر ہماری طرف منسوب کرتا۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:45)

تو ہم اس کو دائیں دستِ قدرت سے گرفت میں لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:46)

اور پھر ہم اس کے رگِ دل کاٹ دیتے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ کس قدر پر جلال اسلوب میں اللہ فرما رہا ہے کہ میرے کلام میں کوئی اپنی طرف سے کچھ ملاتا یا اپنی طرف سے کلام کہہ کر میری طرف منسوب کرتا ہے تو میری قدرت کا یہ سلوک اس کے ساتھ ہوتا۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:47)

تو تم میں سے کوئی ہم کو اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:48)

اور بلاشبہہ یہ قرآن عظیم نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:49)

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں کچھ جھٹلانے والے موجود ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:50)

بلاشبہ یہ جھٹلانا ان کے لیے انتہائی حسرت کا باعث ہوگا کافروں کے لیے۔

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:51)

اور بے شک یہ حق الیقین ہے،یقیناً حق ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (سورۃ الحاقۃ الآیۃ:52)

تو اے محبوب آپ اپنے عظمت والے رب کی تسبیح بیان کرتے رہیں۔

یہ میں نے ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کی ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان آیات مبارکہ کی تشریح کی جائے تو بہت وقت چاہیے۔اللہ تبارک وتعالی ہمیں اور آپ کو قرآن عظیم کے فہم کا شعور عطا فرمائے،میرا مقصد صرف یہ ہے کہ کلامِ الٰہی سے ایک مناسبت ذہنی پیدا ہو جائے۔ تاکہ آپ سامعین کرام خود اپنے طور پر اللہ کے کلام کو مطالعہ کرنے کی کوشش کریں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۸۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج بفضلہ تعالیٰ سورۃ المعارج کے مضامین کو پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دلوں کو انوارِ قرآن سے منور فرمادے۔ سورۃ المعارج مکہ مکرمہ کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی ہے، اس میں ۲ رکوع ہیں اور ۴۴ آیات ہیں۔

کفار بطور استہزا، بطورِ مذاق کبھی یہ کہتے کہ قیامت کب آئے گی اور کبھی یہ کہتے کہ قیامت آجائے ہم اس کے منتظر ہیں، وہ قیامت کو طلب کرتے تھے، قیامت کو مانگتے تھے۔

نضر ابن حارث نے کعبہ کے صحن میں کھڑے ہو کر کے یہ کہنا شروع کیا کہ اگر قیامت کا آنا حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر کی بارش کردے اور عذابِ الیم سے دو چار کر۔ گویا وہ اپنے خدا سے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر قیامت کا آنا حق ہے تو آ کیوں نہیں جاتی ہے، ہم پر عذاب آجائے، پتھروں کی بارش ہوجائے یا کوئی عذابِ الیم آجائے۔ بلاشبہہ ان پر عذاب نہیں آیا جو اس نے مطالبہ کیا تھا لیکن عذاب نہ آنے کی بہت سی وجہیں ہیں۔

سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا ہر پیغمبر اپنی قوم کے لیے رحمت ہے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اور ان کی رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ کسی قوم یا فرد کے لیے دعائے ہلاکت نہ کریں چنانچہ دعائے ہلاکت کے بجائے ان کے لیے نجات کی یا اسلام لانے کی دعا کرتے تھے۔

دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو اقوام معذب ہوئیں، ماضی میں جن پر عذاب آیا انہیں صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ جو لوگ عذاب طلب کررہے ہیں، مطالبہ کررہے ہیں یہ چند ہیں مگر ان کی پوری قوم اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگی سبھی مسلمان ہوجائیں گے اس لیے بھی عذاب کی دعا نہیں کی گئی اور اللہ نے عذاب نازل نہیں فرمایا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ علم الٰہی میں اور بعطائے الٰہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں بھی یہ بات تھی کہ اسلام آخری دین ہے، اسلام مکمل ہوگا، مجھے دین اسلام کو مکمل کرنے ہی

کے لیے بھیجا گیا ہے اس لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ جس قوم میں دین اسلام مکمل ہو وہی قوم معذب ہو جائے، اس پر عذاب آجائے۔ اگر عذاب آتا تو وہ لوگ بھی عذاب کا شکار ہو جاتے جو اسلام لانے والے تھے یا جن کے دل میں اسلام گھر کر چکا تھا مگر ماحول کے خوف اور کفار کی سختیوں کے بنیاد پر اسلام قبول نہیں کر رہے تھے ان پر بھی عذاب آجاتا۔

چوتھی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جب آقائے دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام جب قرآن عظیم تلاوت کرتے تو یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری قوم کو وہ عذاب نہ دینا جو مجھ سے پہلے اور انبیائے کرام کے اقوام پر نازل کیا گیا اور اللہ نے وعدہ کر لیا تھا۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورۃ محمد، الآیۃ :33)

(اے پیغمبر آپ کی خواہش کے مطابق) اللہ تبارک وتعالی اس قوم پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا جب تک آپ ان کے اندر موجود ہیں۔ اور اس قوم پر اس لیے عذاب نہیں آئے گا کہ ان میں (کچھ لوگ ایمان لا کر) استغفار کرنے والے ہوں گے۔

اور قیامت تک استغفار کرنے والوں پر عذاب نہیں آئے گا گویا اللہ تعالی نے ان کے مطالبہ اور استہزا کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا تھا ہاں اتنا ضرور ہوا کہ جن جن لوگوں نے عذاب کا مطالبہ کیا تھا یا استہزاء کے طور پر بار بار یہ کہتے رہے تھے کہ قیامت کب آئے گی، آ کیوں نہیں جاتی، ہم پر پتھروں کی بارش کیوں نہیں ہوتی، ہم عذابِ الیم سے دو چار کیوں نہیں ہوتے وہ چن چن کے جنگ بدر میں قتل کر دیے گئے گویا یہ بھی ایک طرح کا عذاب تھا کہ جو عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے انہیں عذاب سے دو چار کیا گیا۔

اس سورت میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ عذاب اس قادرِ مطلق کی طرف سے آئے گا جو

ذی المعارج ہے اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ بلندیوں کا خالق ہے، آسمانوں کا خالق ہے یا اس کی طرف عروج وارتقا کے زینے ہیں جو بھی اللہ کی بارگاہ میں قریب ہونا چاہے گا ان زینوں پر چڑھ کر خدا کے بارگاہ میں پہنچے گا۔

زینوں سے مراد یہ مادی زینے نہیں ہیں بلکہ یہ روحانی تعبیر ہے زینوں کی جو اللہ کی طرف جانے والے ہیں، عروج عطا کرنے والا ہے پروردگارِ عالم۔ ذی المعارج کا یہ مفہوم ہے کہ عروج عطا کرنے والا ہے اور ساری بلندیاں اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لفظِ معراج بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

حضراتِ گرامی! اس کے بعد قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر بہت ہی پر جلال انداز میں کیا گیا۔ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور عالم یہ ہوگا کہ آسمان پگھل جائے گا پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح سے ہو جائیں گے۔ اور عالم یہ ہوگا کہ جس روز کوئی دوست یا رشتہ دار حتی کہ ماں باپ بھی کام نہ آئیں گے اور انسان ان تمام رشتوں کو دیکھ کر بھی عذاب ٹالنا چاہے گا مگر عذاب نہ ٹلے گا۔

ہاں! عذابِ الہی سے وہ محفوظ رہیں گے جو نماز کو ادا کرنے والے ہیں اور صرف نماز کو ادا کرنے والے ہی نہیں بلکہ حق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حق العباد کو بھی ادا کرتے ہیں جن کے اموال میں محروم طبقے اور مساکین کا حصہ موجود ہے اور وہ ہمیشہ اپنے اموال سے ان کا حصہ ادا کرتے رہتے ہیں۔

اور وہ لوگ قیامت سے محفوظ رہیں گے جو لوگ قیامت کو حق مانتے ہیں اور قیامت کے تصور اور خیال سے، اپنے رب سے اور عذاب سے ڈرنے والے ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں کہ عذابِ الہی جب آئے اور قیامت برپا ہوگی تو بغیر فضل الہی کے بچنا ناممکن ہوگا۔

جولوگ اپنی جنسی زندگی میں شریعت کے پابند ہیں، زنا کا ارتکاب نہیں کرتے، گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے وہ اپنی خواہشات کو اپنی منکوحہ خواتین ہی سے پورا کرتے ہیں، شریعت سے باہر کوئی قدم نہیں اٹھاتے، وہ لوگ حرام کے ارتکاب سے بچنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی امانت اور اپنے عہد کی پہرے داری کرنے والے ہیں، اپنی شہادتوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ یہی لوگ جنت کے مستحق ہوں گے، قیامت اور عذابِ الٰہی سے محفوظ ہوں گے اور انہیں جنت میں انتہائی عزت وافتخار واکرام کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا انعام دیا جائے گا۔

آخر میں کفار کے طرزِ عمل پہ حیرت کا اظہار فرمایا گیا۔ حیرت کا لفظ بندوں کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ تعالی کے علم میں سب کچھ ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو یہ طمع کرتے ہیں کہ بغیر اعمالِ صالحہ کے جنت کے مستحق ہو جائیں گے۔

عجیب طرزِ عمل تھا ایک طرف تو یہ سرمایہ دار، یہ کفار، یہ طاقتور لوگ قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں، جنت کا بھی انکار کرتے ہیں، جہنم کا بھی انکار کرتے ہیں، مرنے کے بعد زندگی کا بھی انکار کرتے ہیں پھر یہ بھی کہتے تھے اگر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا بھی گیا تو ان غریب اور مفلس لوگوں کے مقابلہ میں ہم کو وہاں بھی جنت میسر آئے گی۔

اللہ جواب دے رہا ہے کہ کیا حال ہے ان کا کہ یہ جنت کی طمع کرتے ہیں بغیر اعمالِ صالحہ کے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ جنت صالحین کی میراث ہے، انہی کو دی جائے گی۔

حضرات! یہ سرسری طور پر میں نے سورۂ معارج کے مضامین کا خلاصہ بیان کر دیا ہے اب آئیے ترجمہ سماعت کرلیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ

(سورۃ المعارج: الآیات: 2/1)

ایک مانگنے والے نے (بطورِ استہزا) عذاب کی تمنا کی ہے جو کافروں پر یقیناً واقع ہونے والا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ (سورۃ المعارج: الآیۃ: 3)

وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا۔ جو بلندیوں کا مالک ہے، جو بلند درجوں کو عطا کرنے والا ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ

(سورۃ المعارج: الآیۃ: 4)

فرشتے اور جناب جبرئیل اسی کی طرف عروج کرتے ہیں۔ (اور عذاب اس دن واقع ہوگا) جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار برس ہیں۔ (یعنی قیامت کا دن)

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ (سورۃ المعارج: الآیۃ: 5)

(پس اے محبوب تم ان کی مخالفت پر غم نہ کرو) تو اچھی طرح صبر کرو۔ صبر جمیل کرو۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ (سورۃ المعارج: الآیۃ: 6)

بے شک یہ (کافر) عذاب کو دور سمجھ رہے ہیں۔ یعنی ان کا یہ ماننا ہے کہ شاید واقع ہونے والا ہی نہیں ہے۔

وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا (سورۃ المعارج: الآیۃ: 7)

اور ہم اس کو نزدیک دیکھ رہے ہیں۔ یعنی ضرور ہونے والا ہے۔

حضرات! اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک عذاب تو وہ ہے جو قیامت کی شکل میں ان پر آئے گا اور ایک عذاب تو بہت قریب ہے کہ یہ بدر میں موت سے ہمکنار کر دیے جائیں گے۔ یہ سارے لوگ جو مذاق اڑانے والے ہیں، مذاق کرنے والے ہیں، تمسخر کرنے والے ہیں

اور عذاب الٰہی کے طلب کرنے والے ہیں سب ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کا دن کیسا ہوگا۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:8)

جس دن آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح یا تانبہ کی طرح ہو جائے گا۔

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:9)

اور پہاڑ ایسے ہلکے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی ہوتی ہے۔

یعنی ہوا میں اڑتے پھریں گے۔

وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:10)

اور کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کی بات نہ پوچھے گا۔

اس روز تو صرف اپنی پڑی ہوگی لوگوں کو، نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ

حالانکہ وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ○

(سورۃ المعارج الآیۃ:11)

اس روز کافر یہ آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب سے چھوڑے جانے یا بچنے کے بدلے میں اپنے بیٹے کا فدیہ دے دے۔

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:12)

اپنی بیوی، اپنا بھائی

وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:13)

اپنے کنبے کو بھی جس میں اس کی جگہ ہے۔

وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيَهُ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:14)

اور جتنے زمین میں ہیں سب کو دے دے پھر اسے عذاب سے بچا لیا جائے۔

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:15)

(اللہ فرماتا ہے کہ) یہ ہرگز نہ ہوگا بے شک وہ (دوزخ کی) سرنگوں بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:16)

جو اس کی کھال کو اتار دینے والی ہوگی۔

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:17)

(اور جہنم) اس شخص کو بلا رہی ہوگی جس نے پیٹھ پھیری ہے۔

حق قبول کرنے سے منہ موڑا اور ایمان لانے سے انحراف کیا ہے۔

وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:18)

اس کا یہ عالم تھا کہ وہ مال کو جمع کرتا تھا جوڑ جوڑ کر محفوظ کرتا تھا۔ مگر راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتا تھا یقیناً جہنم سے اسے ہمکنار کیا جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی فطرت کا ذکر فرمایا ہے اگر دین سے دور ہے تو اس کا عالم کیا ہے صرف دین ہے جو اس کو اخلاقِ حسنہ سے نوازتا ہے اور اگر دین نہیں ہے تو انسان کیسا ہوتا ہے۔ قرآن فرما رہا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَّ اِذَا مَسَّهُ

الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ○(سورۃ المعارج الآیات:21/20/19)

بے شک انسان بڑا بے صبرا اور حریص بنا کر پیدا کیا گیا ہے، لالچی بنایا گیا ہے اسے ،جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بہت جلد گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے، مال و دولت میسر آتا ہے تو بخل کرنے والا ہوتا ہے۔

یہ اس انسان کا کیریکٹر ہے جو دین سے نا آشنا ہے، جو غافل ہے اور سچائی سے انحراف کرنے والے ہیں۔ مگر دینداروں کا کیا عالم ہوگا؟ اللہ فرماتا ہے:

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ○

(سورۃ المعارج الآیات:22/23)

مگر وہ نماز پڑھنے والے جو ہمیشہ اپنی نماز پر قائم رہتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ○

(سورۃ المعارج الآیات:24/25)

بلاشبہہ وہ لوگ جو اپنی نماز کے ہمیشہ پابند ہیں یا مومن ہیں اور جن کے مالوں میں ایک مقررہ حق ہے زکاۃ اور صدقہ کی صورت میں اس کے لیے جو سوال کرنے والے ہیں اور جو محتاج ہیں اور کبھی کبھی بسبب شرم خود نہیں مانگتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ○(سورۃ المعارج الآیۃ:26)

وہ لوگ جو انصاف کو سچ جانتے ہیں یا وہ لوگ جو قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں، انصاف کے دن کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ○(سورۃ المعارج الآیۃ:27)

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے یقیناً ڈرتے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ○(سورۃ المعارج الآیۃ:28)

بے شک ان کے پروردگار کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے، مامون ہونے کی چیز نہیں ہے۔

وہ یہ جانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سارے اعمالِ صالحہ وہ کرتے ہیں، وہ مال بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، نماز کی پابندی بھی کرتے ہیں اور اخلاقی اعتبار سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ○(سورۃ المعارج الآیۃ:29)

وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ○

(سورۃ المعارج الآیۃ:30)

مگر اپنی بیویوں پر یا اپنی کنیزوں کے پاس جاتے ہیں پس ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ(سورۃ المعارج الآیۃ:31)

پھر جو کوئی اس کے علاوہ اور چاہے یعنی شریعت کے حدود سے انحراف کرے، اعمالِ بد کرے یعنی حلال وحرام کے قوانین سے تجاوز کر جائے اس کا یقیناً انجام ناپسندیدہ ہوگا۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ، بلاشبہہ یہی لوگ سرکشی کرنے والے ہیں اور بغاوت کرنے والے ہیں، انحراف کرنے والے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ○(سورۃ المعارج الآیۃ:32)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا مکمل پاس رکھتے ہیں۔ اور اس کی حفاظت

کرنے والے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِشَہٰدٰتِہِمۡ قَآئِمُوۡنَ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:33)

اور جولوگ اپنی شہادتوں پر ٹھیک ٹھیک قائم رہنے والے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ط ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:34)

اور جولوگ اپنی نماز کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

پہلے بھی آچکا ہے ذکر اور یہاں دوام برتنے والوں کی بات ہو رہی ہے۔

اُولٰٓئِکَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:35)

یہ لوگ جنت کے باغوں میں عزت واحترام کے ساتھ ہوں گے۔

فَمَالِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا قِبَلَکَ مُہۡطِعِیۡنَ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:36)

پھر کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ تمہاری طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔

عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِیۡنَ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:37)

داہنی اور بائیں طرف کے گروہ اور عجیب نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اَیَطۡمَعُ کُلُّ امۡرِیٍٔ مِّنۡہُمۡ اَنۡ یُّدۡخَلَ جَنَّۃَ نَعِیۡمٍ ○

(سورۃ المعارج الآیۃ:38)

کیا ان میں سے ہر ایک شخص طمع کرتا ہے لالچ کرتا ہے ایمان والوں کی طرح نعمت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا۔

کَلَّا ط اِنَّا خَلَقۡنٰہُمۡ مِّمَّا یَعۡلَمُوۡنَ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:39)

یہ ہرگز نہ ہوگا، بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا جس کو وہ جانتے ہیں۔

یعنی انہیں نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے اور ان کے اندر کوئی خصوصیت ایسی نہیں ہے

جس کی بنیاد پر وہ جنت کے مستحق ہوسکیں، جنت کے مستحق وہی ہوں گے جن کی تخلیق نطفہ سے ضرور ہوئی ہوگی مگر اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ کو راضی کریں گے، ایمان کا راستہ اختیار کریں گے محض اپنی تخلیق کی بنیاد پر انہیں کوئی اعزاز حاصل نہ ہوگا یہ کافر پیدا کیے گئے ہیں اللہ جانتا ہے جس چیز سے پیدا کیے گئے ہیں اور پھر بھی بغیر کسی عمل کے جنت میں داخل ہونے کی تمنا کر رہے ہیں ایسا نہیں ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے: فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَ الۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ ○ (سورۃ المعارج الآیۃ:40)

ہم قسم یاد فرمارہے ہیں مشارق اور مغارب کے رب کی بلاشبہ ہم قادر ہیں۔

حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ذات کی خود قسم کھا رہا ہے، یہاں مشرق اور مغرب کی جگہ مشارق اور مغارب استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ سورج ہر روز تھوڑا سا اپنے مقام سے ہٹ کر طلوع ہوتا ہے اور ایسے ہی غروب بھی ہوتا ہے تو گویا تین سو پینسٹھ مقامات ہیں جنہیں مشارق اور مغارب کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور ہم قادرِ مطلق ہیں بلاشبہ، ہر بات پر قادر ہیں۔

عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ خَیۡرًا مِّنۡہُمۡ وَ مَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ○

(سورۃ المعارج الآیۃ:41)

اس بات پر (قادر ہیں کہ ہم ان کو ہلاک کر دیں یا) بہتر بدل دیں۔ اگر وہ نیک ہیں تو اور ہم اس سے عاجز نہیں ہے۔

فَذَرۡہُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَہُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ○

(سورۃ المعارج الآیۃ:42)

پس اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو ان ہی کے حال پر چھوڑ دو کہ بے ہودگی میں پڑے رہیں اور اپنے لہو ولعب میں مشغول رہیں یہاں تک کہ وہ عذاب کے دن

سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہیں۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ○

(سورۃ المعارج، الآیۃ:43)

جس دن قبروں سے محشر کی طرف اس طرح دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ نشانوں کی طرف لپک رہے ہیں۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ

(سورۃ المعارج، الآیۃ:44)

ان کی آنکھیں شرمندگی سے نیچے جھکی ہوں گی، ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ دیا جاتا ہے اور جس کو وہ قبل از وقت طلب کر رہے ہیں۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

خطاب نمبر (۸۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وسيد الْمُرْسَلِيْنَ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَاةً وَسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرات گرامی، سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۃ الجن کے مضامین پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، سورۃ الجن مکیہ ہے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں ۲۸ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغرض تبلیغ عکاظ کے بازار کی طرف جارہے تھے۔آپ کو معلوم ہوگا کہ مکہ مکرمہ میں ہر سال کچھ میلے لگتے تھے ان میں عکاظ بہت بڑا میلہ تھا جب یہ میلہ لگتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوت وتبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔چنانچہ حسبِ معمول آپ عکاظ کے میلے میں تشریف لے جارہے تھے کہ وحی پاک کا نزول شروع ہوگیا اور جناتوں کو آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔جب یہ اوپر جانے کی کوشش کرتے تو شہابِ ثاقب کے ذریعہ ان پر ضرب پڑتی اور وہ واپس ہوجاتے،وہ بہت پریشان تھے کہ آخر ہمیں آسمانوں میں جانے سے کیوں روکا جارہا ہے،انہوں نے جنوں کے سردار سے دریافت کیا کہ آخر کیا وجہ کہ ہمیں اوپر جانے سے روک دیا گیا ہے؟ جب ہم اوپر جاتے ہیں تو ہمیں آتشی شعلوں کے ذریعہ واپس کردیا جاتا ہے،ہم پر آگ کی برسات کی جاتی ہے۔تو ان کے سردار نے کہا دیکھو دنیا میں کوئی نیا واقعہ پیش آنے والا ہے اور اس کی وجہ سے آسمانوں کے دروازے تم پر بند کردیے گئے ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن باب {ودا ولا سواعا، ولا یغوث ویعوق} [نوح: 23] الرقم:4921)

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن الرقم :449)

جنوں کا ایک گروہ زمین کا چکر لگا رہا تھا جب وہ نخلہ کے قریب سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت کررہے ہیں انہوں نے جا کر اپنے سردار کو اطلاع دی کہ آج ہم نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے ایسا کلام کبھی نہیں سنا تھا تو جنوں کے سردار نے کہا کہ بلاشبہ یہی وہ وجہ ہے کہ جس کی بنیاد پر جنوں کو آسمانوں پر جا کر خبریں سننے اور کاہنوں تک ان خبروں کو پہنچانے سے روک دیا گیا ہے۔اب کہانت کا دور ختم ہونے والا ہے۔ایک روایت یہ ہے۔

ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طائف سے واپس آرہے تھے آپ کو معلوم ہوگا کہ طائف کا سفر بڑا ہی دردناک سفر تھا آپ تو وہاں اس لیے گئے تھے کہ وہاں لوگوں کو دین کی دعوت دیں لیکن وہاں مکہ کے کافروں کا زہریلا پیغام پہلے پہنچ چکا تھا کہ معاذ اللہ! ایک دیوانہ آرہا ہے اسے پتھر سے مارو۔چنانچہ وہاں کے رؤسا نے اپنی قوم کے آوارہ لڑکوں کو پتھر بازی پر آمادہ کر رکھا تھا جیسے حضور کی وہاں تشریف آوری ہوئی انہوں نے پتھر بازی شروع کردی اور آپ وہاں سے زخمی ہوکر واپس ہوئے۔

بیچ میں ایک مقام پر آپ نے قیام فرمایا اور وہاں ایک باغ میں کام کرنے والے شخص نے آپ کو کھجوریں پیش کیں،اس کا نام عدّاس تھا،آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھجوریں تناول فرمائیں۔تو اسے بڑی حیرت ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ کلام آپ نے کہاں سے سیکھا ہے؟ یہاں کے لوگ تو یہ نہیں پڑھتے۔

آپ نے پوچھا: تم کہاں سے ہو؟

عداس نے کہا: میں نینوا کا باشندہ ہوں اور عیسائی ہوں۔

تو آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: وہی نینوا جہاں یونس بن متی رہتے تھے۔

عداس: آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ اللہ کے نبی اور ہمارے بھائی تھے۔

اس نے آپ کی دست بوسی کی اور قدم چومے اور کلمہ پڑھ لیا۔(زرقانی)

طائف کے سفر کے بعد یہ پہلا انسان تھا جو ایمان لایا تھا۔اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور مقامِ نخلہ میں قرآن عظیم کی تلاوت میں مصروف ہوگئے جنوں نے وہاں سے

گزرتے ہوئے کلام الٰہی کو سنا اور کہا کہ ہم نے ایسا کلام جناب موسیٰ کے بعد پہلی بار سنا ہے۔

انہوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں لیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اسرائیلی تھے۔ نسلاً نہیں مذہب کے اعتبار سے، جناب موسیٰ کے ماننے والے تھے لیکن ان کے اندر بھی گمراہی ویسے ہی پھیل گئی تھی جیسے جناب ابراہیم کے ماننے والوں میں پھیل گئی تھی مگر کچھ باتیں ان کے ذہن میں محفوظ تھیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آقا علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ایک مقام پر پہنچے تو حضور نے ہمارے لئے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور کہا کہ اس سے باہر مت جانا اور پھر ہم نے وہاں رات قیام کیا اور طرح طرح کی آوازیں آتی رہیں، ہم انہیں سنتے رہے۔ جب سحری کے وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے آپ سے کہا حضور جب آپ یہاں سے تشریف لے گئے ہم نے یہاں طرح طرح کی آوازیں سنیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ جن تھے تم نے جن کی آوازیں سنی تھیں، مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں انہیں دین کی تبلیغ کروں اور میں آج دین کی دعوت دینے کے لیے آیا تھا۔

حضراتِ گرامی! اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ کم وبیش چھ روایتیں ایسی ہیں جس میں جنوں کا حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور قرآن عظیم کا سننا مروی ہے۔

جن کیا ہے؟ اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ جن کا مفہوم ہے چھپا لینا اسی لیے جو بچہ ماں کے شکم میں ہوتا ہے اس کی تھیلی کو جنین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قلب کا نام، دل کا نام جنان ہے اس لیے کہ وہ پہلو کے اندر پوشیدہ رہتا ہے۔ جنون کو جنون اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو چھپا لیتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے کہ جو نظر نہیں آتی ہیں وہ تین طرح کی

مخلوقات ہیں۔ ایک فرشتے ہیں جو گناہ نہیں کرتے ہیں، دوسرا شیطان کا طبقہ ہے، اشرار کا جو سر تا پا گناہ ہیں، شر ہیں اور درمیان میں اوسط میں بیچ والا ایک طبقہ ہے جن میں کچھ لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں، مومن ہوتے ہیں اور کچھ لوگ برے ہوتے ہیں اور یہ جنوں کا طبقہ ہے۔ جہاں تک شیاطین کا معاملہ ہے وہ بھی جن ہی ہوتے ہیں مگر شر کے بنیاد پر انہیں شیاطین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جنات ناری اجسام ہیں اور فرشتے نوری اجسام ہیں، انسان مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ جنوں کو بھی عقل وشعور دیا گیا ہے اور انسانوں کی طرح ان کو بھی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورۃ الذاریات الآیۃ:56)

ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ ہماری عبادت کریں۔

جن بھی باقاعدہ ایک مخلوق ہے، ان کے یہاں بھی توالد وتناسل کا سلسلہ قائم ہے۔ اکثر علما کے بقول جنت میں وہ بھی جائیں گے مگر ان کی ازواج انہیں کی جنس سے ہوں گی یہ ایک مستقل مخلوق ہیں۔ میں یہ اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ایک فرقہ ہے متجددین کا ماڈرن قسم کے لوگوں کا جو یہ کہتا ہے کہ جن کوئی علیحدہ مخلوق نہیں ہیں بلکہ جن بھی شیطانوں کی طرح سے انسانوں کے اندر شر کی قوت کا نام ہے جیسا کہ نیکی کی قوت کا نام فرشتہ ہے۔

انہیں میں جنات بھی ہیں جو ایک مخلوق تو نہیں ہیں ایک پوشیدہ قوت ہے معاذ اللہ یہ سراسر قرآن پاک کے خلاف ہے اس لیے کہ قرآن نے ان کو مستقل ایک مخلوق قرار دیا ہے۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ (سورۃ الرحمٰن الآیۃ:15)

اور جنوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگ کے شعلوں سے پیدا فرمایا۔

یہ قرآن پاک کا حکم ہے اور تخلیق جو ہے مخلوق ہی کی ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ کوئی

ذہنی اور غیر خارجی قوت نہیں ہے۔

جنوں کی تخلیق انسانوں سے پہلے کی گئی تھی جناب آدم علیہ السلام کے قصہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے کہ جب فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ابلیس نے انکار کر دیا، وہ فرشتوں میں سے نہیں تھا، فرشتے معصوم ہیں، وہ نوری مخلوق ہیں ان سے انکار ممکن نہیں تھا یہ جنوں میں تھا ناری مخلوق تھا مگر اپنی صدہا سال کی عبادت کی بنیاد پر وہ فرشتوں میں شامل ہوگیا تھا اس کو یہ مقام بلند عبادت کی بنیاد پر ملا تھا لیکن اسے گمراہ ہونا اور گمراہ گر ہونا تھا اس لیے اس نے جناب آدم علیہ السلام کے سجدے سے انکار کیا قرآن پاک نے فرمایا:

وَكَانَ مِنَ الْجِنِّ، وہ جنوں میں سے تھا۔

حضراتِ گرامی! پہلے رکوع میں انہیں جنوں کا ذکر ہے جنہوں نے مقامِ نخلہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن پاک سنا تھا اور سن کر ایمان لائے تھے۔ دوسرے رکوع میں عقیدۂ توحید کی وضاحت ہے اور ان کفار کا تذکرہ ہے جو توحید کے منکر تھے اور آخر میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ غیب کا علم ذاتی طور پر صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے چونکہ عربوں کا یہ خیال تھا کہ غیب کا علم جنوں کو، ساحروں کو، کاہنوں کو میسر ہے اس لیے یہاں کہا گیا کہ غیب کا علم صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو ہے۔ ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے رسولوں میں غیب کے علم کے لیے منتخب فرما دیتا ہے اور رسولوں کے توسط سے اولیائے کرام کو بھی غیبی الہام عطا فرمایا جاتا ہے لیکن علمِ غیب ذاتی صرف اللہ کی صفت ہے۔ انبیائے کرام کو جو غیب ہے وہ غیب عطائی ہے، بعطائے الٰہی رسولانِ کرام کو علمِ غیب ملا ہے۔

جہاں کہیں غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا اور جہاں یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے غیب عطا فرمایا ہے تو اس

سے مراد عطائی غیب ہے یعنی اللہ کی عطا سے پیغمبران عظام بھی غیب جانتے ہیں۔

اگر آپ یہ تقسیم نہیں کریں گے تو قرآن پاک میں تضاد بیانی کا الزام عائد ہوگا اور یہ ناممکن ہے۔ کہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا اور کہیں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ اپنے برگزیدہ اور چنے ہوئے پیغمبروں کو غیب سے نوازتا ہے۔ تو یہ دو باتیں اس لیے ہیں کہ ذاتی طور پر بغیر عطائے الٰہی کے کوئی غیب نہیں جانتا لیکن اللہ کی عطا سے انبیائے کرام کو اور انبیائے کرام کے توسط سے کچھ علوم اولیائے کرام کو اور صالحین امت کو بھی دیئے جاتے ہیں۔ ہاں وہ اتنے بلند درجے کا غیب نہیں ہوتا جس درجے کا غیب پیغمبروں کو دیا جاتا ہے۔

حضراتِ گرامی! اب آیئے ترجمہ اور مختصر سی تشریح سماعت فرمالیں۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ

(سورۃ الجن، الآیۃ: 1)

اے پیغمبر! فرما دیجیے کہ میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں میں سے ایک جماعت نے غور سے میرا قرآن پاک پڑھنا سنا اور اپنی قوم میں واپس جا کر انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے ایک عجیب کلام، عجیب قرآن سنا ہے۔

سَمِعَ کے معنی صرف سننے کے ہوتے ہیں اور اِسْتَمَعَ کے معنی غور سے سننا کئے جاتے ہیں۔

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ

(سورۃ الجن، الآیۃ: 2)

وہ کلام صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے رہا ہے تو ہم اس کلام پر ایمان لے آئے۔

اور اس قران کی تعلیم یہ ہے کہ ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا (سورۃ الجن، الآیۃ :3)

اور بلاشبہہ ہمارا پروردگار عظیم الشان مرتبے والا ہے، عظیم شان والا ہے، نہ اس نے کوئی بیوی اختیار کی ہے نہ کوئی اولاد جیسا کہ بعض قومیں مانتی ہیں۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا (سورۃ الجن، الآیۃ :4)

اور بلاشبہہ ہم میں احمق اور جاہل لوگ اللہ کی شان میں غلط باتیں کہتے ہیں، جھوٹ بات کہتے ہیں۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

(سورۃ الجن، الآیۃ :5)

ہمارا پہلے ہی یقین اور گمان تھا کہ کوئی بھی انسان اور کوئی بھی جن اللہ کی ذات کی طرف کذب کو منسوب نہ کرے گا یا اس کے خلاف جھوٹ نہ بولے گا۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (سورۃ الجن، الآیۃ :6)

حضرات! اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ عربوں میں اسلام سے پہلے یہ قاعدہ تھا، یہ طریقہ تھا کہ جب بھی وہ صحرا کا سفر کرتے جنگلات کا سفر کرتے، تو وہاں جنوں کے سردار سے مدد مانگتے تھے اور کہتے تھے۔ ''اَعُوْذُ بِعَظِيْمِ هٰذَا الْوَادِيْ مِنَ الْجِنِّ''، ہم اس وادی کے جنوں کے سردار سے پناہ لیتے ہیں جنوں کے بارے میں۔ یہ بات جب جن سنتے تھے کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کر بھی ہم سے پناہ مانگتا ہے یا ہماری پناہ لیتا ہے۔

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا تو یہ بات ان کے غرور اور تکبر کو بڑھا دیتی تھی۔

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا۔ (سورۃ الجن، الآیۃ:7)

اور وہ یہ گمان کرتے تھے جیسا کہ تم میں بھی کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اللہ کسی کو اب نبی بنا کر نہیں بھیجے گا۔ (لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج ہم نے ایک عظیم پیغمبر کا کلام سن لیا ہے اور یقیناً وہ اللہ کے نبی ہیں۔)

حضراتِ گرامی! اس آیت کریمہ کے سلسلے میں ایک واقعہ تفاسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص صحرا میں سفر کر رہا تھا اس کو نیند آنے لگی تو اس نے حسبِ معمول اپنی روایت کے مطابق اَعُوْذُ بِعَظِيْمِ هٰذَا الْوَادِيْ مِنَ الْجِنِّ، میں اس وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ میں آتا ہوں جنوں کے شر سے پھر وہ سو گیا۔

اس نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اس کی اونٹنی کو ذبح کر رہا ہے، گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور دیکھا کہ کوئی بھی نہیں تھا اور اونٹنی موجود تھی پھر سو گیا پھر خواب دیکھا کہ اونٹنی کو کوئی ذبح کر رہا ہے پھر اٹھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا پھر سو گیا تیسری بار اس نے یہی خواب دیکھا تو گھبرا کر اٹھا اور اس نے دیکھا کہ اس کی اونٹنی لرز رہی ہے اور ایک شخص واقعۃً اس کی اونٹنی کو ذبح کرنا چاہتا ہے مگر ایک بوڑھے شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور پھر اس بوڑھے شیخ نے مجھ سے کہا کہ جب تم صحرا کا سفر کرو تو تم جنوں کے سردار کے پناہ میں جانے کے بجائے یہ کہا کرو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ رَبِّ مُحَمَّدٍ مِنْ هول هٰذَا الْوَادِيْ میں اللہ سے جو محمد کا رب ہے اس وادی کے خوف سے پناہ لیتا ہوں، اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ میں نے پوچھا یہ محمد کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ''محمد نبی لا شرقیّ ولا غربیّ'' محمد عربی ایسے نبی ہیں جو نہ شرقی ہیں نہ غربی ہیں۔ مطلب وہ ساری کائنات کے لئے، مشرق اور مغرب کے لیے نبی ہیں، میں نے پوچھا کہ وہ کہاں رہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ کھجوروں کے شہر یثرب میں رہتے ہیں میں اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ پہنچا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی گذشتہ رات جو کچھ مجھ پر بیتی تھی وہ بیان فرما دیا

پھر مجھے ایمان کی دعوت دی تو میں نے ایمان قبول کرلیا۔

حضراتِ گرامی! یہ صاحب بنو تمیم کے تھے اور تفاسیر میں ان کا نام رافع ابن امیر لکھا گیا ہے جنہوں نے اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

اس کے بعد قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ○

(سورۃ الجن، الآیۃ :8)

جنہوں نے کہا کہ ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا اور تلاش کیا یعنی کلام سننے کے لیے جیسا پہلے ہم سنا کرتے تھے، آسمان پر جانا چاہا پس ہم نے اس کو بہت ہی مضبوط پایا، حفاظت کرنے والوں کے حصار میں پایا وہ فرشتے تھے اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ٹوٹنے والے ستاروں سے آسمان بھر دیا گیا ہے یہ شہاب ثاقب ہیں۔

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○(سورۃ الجن، الآیۃ :9)

اور یہ کہ ہم پہلے آسمانوں سے کچھ موقعوں پر وہاں کی باتیں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے پس اب جب کوئی سننے کے لیے وہاں جاتا ہے تو ایک ستارہ، ایک شعلہ وہاں پاتا ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر جنوں نے کہا:

وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ○ (سورۃ الجن، الآیۃ :10)

ہم نہیں جانتے کہ اس میں زمین والوں کے حق میں کوئی برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کے لیے کوئی بہتری مقرر فرما رکھی ہے۔

یعنی ہم نہیں جانتے کہ یہ آسمان پر جنوں کا نہ جانا، ان کا روک دیا جانا اور فرشتوں کی حفاظت میں آسمان کے راستوں کو محفوظ کر دیا جانا یہ کیوں ہوا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ○

(سورۃ الجن، الآیۃ :11)

(لیکن قرآن سننے کے بعد) کچھ تو ہم میں نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح ہیں اور ہم میں بہت سے طریقے والے ہیں۔

ہم مختلف فرقوں والے ہیں جیسا کہ انسانوں میں فرقے ہیں۔ ہم میں کچھ نیک لوگ ہیں، کچھ لوگ برے ہیں اور بہت سی جماعتیں ہیں، مختلف فرقے ہیں۔

لیکن قرآن پاک سننے کے بعد ہمارا حال یہ ہوگیا ہے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ○

(سورۃ الجن، الآیۃ :12)

اور یہ کہ ہم کو یقین ہوگیا کہ ہم زمین پر ہرگز اللہ کو عاجز نہیں کرسکیں گے۔ اور اس کی قدرت سے باہر نہ جاسکیں گے اور ہم اس کی قدرت سے فرار نہیں اختیار کرسکتے ہیں۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۙ○(سورۃ الجن، الآیۃ :13)

اور جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ایمان لے آئے۔ پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ کبھی نقصان میں نہ ہوگا اور نہ کسی طرح کی زیادتی کا اندیشہ ہوگا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کو کوئی نقصان نہ ہوگا یعنی ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور نہ کسی طرح کا اندیشہ اسے ہوگا اور نہ ہی اس کی برائیوں میں

کوئی زیادتی ہوگی بلکہ برائیوں سے مکمل محفوظ کر دیا جائے گا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ (سورۃ الجن، الآیۃ: 14)

اور یہ کہ ہم میں سے کچھ تو مسلمان ہیں اور کچھ گنہگار ہیں یعنی کافر ہیں پس جو کوئی مسلمان ہوگیا تو اس نے بھلائی کا راستہ تلاش کرلیا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ جنوں کا ہے مگر مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ (سورۃ الجن، الآیۃ: 15)

اور جو گنہگار یعنی کافر ہیں تو وہ دوزخ کے ایندھن بنیں گے۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝

(سورۃ الجن، الآیۃ: 16)

(اے محبوب یہ فرمادو کہ مجھے وحی ہوئی ہے کہ) اگر بنی آدم سیدھے راستے پر رہتے تو بے شک ہم انہیں بہت سا پانی یعنی رزق فراہم کر دیتے۔

پانی کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ پانی ہر رزق کا ذریعہ ہے۔ مستقل طور پر حیات کا سب سے بڑا سبب ہے۔ قرآن عظیم میں پانی کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ کبھی اس کو مبارک قرار دیا گیا ہے اور کبھی فرمایا گیا ہے کہ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حی ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی ہے۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا

(سورۃ الجن، الآیۃ: 17)

اللہ فرماتا ہے: تاکہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں اور جس کسی نے اپنے پروردگار سے منہ موڑا تو اللہ اس کو سخت عذاب سے ہمکنار فرمائے گا۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (سورۃ الجن، الآیۃ: 18)

بے شک مسجدیں اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص ہیں پس تم مسجدوں میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

یہاں لَا تَدْعُوْا سے بہت سے لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بلاؤ ہی نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ انسان مسجد میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہ بلائے یہاں تدعوا سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۸۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن
وَالصَّلَاۃُ و السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ
وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

سامعین کرام، حضرات وخواتین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگار عالم ہم سب کو قرآن عظیم کے انوار سے منور فرمائے اور قرآن عظیم کو ہمارے لیے ذریعۂ نجات بنائے اور میدانِ قیامت میں قرآن عظیم کی شفاعت

سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔ آمین

سورۂ مزمل میں ۲ رکوع ہیں اور ۲۰ آیات مبارکہ ہیں۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ اس سورت کا پہلا رکوع مکہ مکرمہ میں نازل ہوا ہے اور دوسرا رکوع مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے۔ اس لیے کہ مکہ مکرمہ میں جہاد فرض نہیں ہوا تھا اور بہت سے وہ احکام جو مکہ مکرمہ میں فرض نہیں کیے گئے تھے۔ ان تمام احکام کی فرضیت کا مدینہ طیبہ میں حکم دیا گیا تھا اور چونکہ اس سورت میں جہاد اور دوسرے مضامین موجود ہیں اس لیے مفسرین کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اس سورت کا دوسرا رکوع مدینہ طیبہ میں نازل ہوا اس اعتبار سے یہ سورت مکی بھی ہے اور مدنی بھی ہے۔

اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مزمل کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ ان کے ذریعہ امت مسلمہ کو شب بیداری اور تہجد کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس سورت میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ نبوت کا بار گراں یقیناً بہت اہم ذمہ داریوں کا حامل ہے مگر آپ نہ گھبرائیں۔ آپ کو جس ذاتِ پاک نے یہ ذمہ داری سپرد کی ہے وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے، ساری کائنات کا رب ہے، مالک حقیقی ہے۔ اس لیے آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے جس نے یہ عظیم ذمہ داری آپ کے دوشِ اطہر پر رکھی ہے وہی اس کو مکمل طور پہ نبھانے کا طریقہ بھی عطا فرمائے گا اور سہولتیں بھی پیدا فرمائے گا۔

اس سورت میں کفارِ قریش کو فرعون کے حوالے سے یہ بتایا گیا کہ جس طرح سے جناب موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو فرعون نے ٹھکرایا اور انتہائی دل سوزی اور محبت سے دعوت

دینے کے بعد بھی اس نے اپنے تکبر کی بنیاد پر نبی کے پیغام کو قبول نہیں کیا اور اپنی قوم سے یہ کہتا رہا ''اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰی'' میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں، یہ موسیٰ کس پروردگار کی بات کر رہے ہیں؟ اس تکبر پر اسے عذاب سے ڈرایا گیا لیکن نہ مانا تو اسے غرق کر دیا گیا۔

اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش سے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تم جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دیکھو اور فرعون کے طرزِ عمل کو دیکھو جس طرح سے فرعونیوں کو غرق کر دیا گیا اور جناب موسیٰ کی قوم کو بچا لیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری نافرمانی کی بنیاد پر تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک ہو کہ اہلِ ایمان کو بچا لیا جائے اور تمہیں عذاب سے دوچار کر دیا جائے۔

دوسرے رکوع میں تہجد کی نماز میں تخفیف فرمائی گئی ہے پہلے رکوع میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے تہجد کا حکم دیا گیا تھا۔ شب بیداری کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور دوسرے رکوع میں نماز تہجد میں تخفیف کی گئی ہے۔ پہلے نمازِ تہجد فرض تھی مگر پنجگانہ نماز کے فرض ہونے کے بعد تہجد کی حیثیت ایک عظیم مستحب عبادت کی رہ گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ دوسرے فرائض وواجبات کی بھی ادائیگی کا حکم دیا گیا اور زکاۃ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا گیا نیز زکاۃ دینے والے کو یہ تنبیہ کی گئی کہ زکاۃ دینے کے باوجود یہ مت تصور کرنا کہ تم نے کسی پر احسان کیا ہے اور تم بہت ہی دولت مند ہو۔ اگر تم نے احسان جتایا یا دولت مند ہونے کا احساس تمہیں مبتلائے کبر کر سکا تو یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ اس لیے بندوں کو بارگاہِ الٰہی میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ مختصر سے مضامین ہیں جن کا تذکرہ میں نے سرسری طور پر سورۂ مزمل کے حوالہ سے کیا ہے، آئیے اب چند آیات مبارکہ کی مختصر تفسیر اور وضاحت سماعت فرمالیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ○ (سورۃ المزمل، الآیات: 4/3/2/1)

اے ردا پوش محبوب، اے چادر اوڑھنے والے محبوب! رات کو قیام فرمائیں مگر تھوڑا، آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ اور قرآن عظیم کو ترتیل کے ساتھ تلاوت فرمائیں ٹھہر ٹھہر کر کے، رک رک کر تمام رموز واوقاف کو ملحوظ رکھ کر کے تلاوت فرمائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّل یہ بہت عظیم خطاب ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن عظیم نے جہاں جہاں يٰٓاَيُّهَا سے مخاطب کیا ہے وہاں پیغمبر اعظم کی شان بیان کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النبی، يٰايها الرسول، يٰايها المدثر یہ سارے خطاب یعنی يٰٓاَيُّهَا سے جب بھی نبی کو مخاطب کیا جاتا ہے تو وہاں آپ کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

المزمل کے سلسلہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جس میں ایک قول یہ ہے کہ جب غارِ حرا میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی پاک نازل ہوئی تو چونکہ پہلے سے وحیٔ پاک کے نزول کا قلبِ پاک پر اترنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ قرآن پاک کے جلال اور نبوت کی ذمہ داریوں کے احساس کی بنیاد پر آپ اپنے گھر اس طرح تشریف لئے گئے کہ آپ کا جسم نازلرزہ براندام تھا، کانپ رہے تھے اور آپ نے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اڑھاؤ اور آپ کو چادر اڑھائی گئی۔ زَمِّلُوْنِیْ کا جو لفظ ہے اسی کے بنیاد پر یہاں المزمل کہا گیا ہے اے چادر اوڑھنے والے پیغمبر!

حضرات! بہت سے لوگوں نے یہ کہا ہے کہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ میں نبی ہوں، آپ قرآن پاک کے نزول کے بارے میں پریشان اس لیے ہوئے کہ آپ کو کچھ معلوم نہیں تھا، حالانکہ بات یہ نہیں ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں! وحیٔ پاک کا بوجھ اٹھانا اتنا آسان تو نہیں تھا آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (سورۃ الحشر، الآیۃ: 21)

اگر ہم اس قرآن عظیم کو پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ ملاحظہ فرماتے کہ وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

تو ظاہر ہے کہ جس عظیم کلام کو پہاڑ نہ اٹھا سکے، اس عظیم کلام کے اٹھانے کی ذمہ داری پیغمبر اعظم کو دی گئی تھی اور یہ پہلا تجربہ تھا اس لیے کلام پاک کے جلال اور وحیٔ پاک کے تجربہ نے آپ کو اس حالت سے دو چار کیا تھا۔ یہ غلط ہے کہ آپ کو اپنی نبوت کے بارے میں پتہ نہیں تھا ان کو تو یہاں تک معلوم تھا وہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

(مسند احمد، أحاديث رجال من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حديث بعض أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الرقم: 23212)

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ان کا کالباس خاکی تیار کیا جا رہا تھا اور میں اس وقت بھی نبی تھا اسی مضمون کی کئی احادیث مبارکہ موجود ہیں۔

حضرات! ایک قول یہ بھی ہے کہ یَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں مزمل کہہ کر اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ سرکار دو عالم کا چادر اوڑھنا اتنا پسند آیا وحیٔ پاک کے بعد کہ اللہ نے آپ کا لقب

ہی مزمل رکھ دیا ہے چادر اوڑھنے والے پیغمبر۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ چادر اوڑھے ہوئے آرام فرما تھے کہ اللہ نے حکم دیا کہ اے محبوب اٹھئے اور اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کیجئے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام طور پر چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ چادر کو لپیٹ لیا جائے تو ایک طرح سے تخلیہ ہو جاتا ہے تو آپ چونکہ چادر لپیٹ کر نماز پڑھا کرتے تھے، اللہ کو آپ کی ادا اتنی پسند آئی کہ اللہ نے آپ کو اسی لقب سے مخاطب فرمایا۔ اور یہ دستور ہے کہ جس کو محبوب مانا جاتا ہے اس کی ہر بات بہت پیاری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس بلی کو دیکھ کر اللہ کے رسول نے یہ کہا تھا: یا اباھریرۃ! اے بلی کے باپ۔ تو ان کا یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ اصل نام سے لوگ نا آشنا ہو گئے۔

مولائے کائنات علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے قدرے ناراض ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے اور زمین پر سو گئے۔ آقائے دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں کے قلب کی پاسداری کتنی عزیز تھی۔ آپ تشریف لے گئے تو جناب مولائے کائنات نے سر اٹھایا تو آپ کی پشت ناز پہ مٹی لگی ہوئی تھی تو آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: یا اباتراب۔ تراب کے معنی مٹی کے ہوتے ہیں تو یہ لقب اتنا پسندیدہ تھا کہ جناب مولائے کائنات کو جب کوئی ابوتراب کہہ کر مخاطب کرتا تو انہیں بے پناہ خوشی ہوتی کہ یہ لقب میرے آقا نے مجھے عطا فرمایا ہے۔

تو جب اللہ کے رسول کے بخشے ہوئے القاب کو اتنی اہمیت حاصل ہے تو جو لقب اللہ تعالی نے اپنے محبوب کو عطا فرمایا ہے مزمل وہ کتنا عظیم لقب ہوگا، اس کی کتنی اہمیت ہوگی

اور اہلِ محبت اس لقب پر کتنی بار فدا ہونا چاہیں گے۔

حضرات! چوتھا قول صوفیائے کرام کا ہے، ان کا اپنا انداز ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ اے نبوت کا لباسِ فاخرہ پہننے والے! یا اے بشریت کا لبادہ اوڑھنے والے! نور ہونے کے باوجود تو یہاں المزمل سے انہوں نے مراد لباسِ نبوت لیا ہے۔

یا آپ نور تھے اور آپ نے بشریت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت وارثِ پاک کا ایک شعر ہے:

تن او را لباسِ نور کردن
برائے ما بشر مشہور کردن

اللہ تبارک وتعالی نے ان کے وجودِ ناز کو، ان کے تن پاک کو نور کا لباس بنا دیا تھا اور ہمارے لیے انہیں بشر کی حیثیت سے نازل فرمایا تا کہ وہ ہمارے لئے معیارِ زندگی، دستورِ زندگی اور نظامِ زندگی پیش کر سکیں۔

آپ قرآنِ عظیم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ جتنے بھی انبیائے کرام کو آقائے دو جہاں سے پہلے اللہ نے مخاطب کیا ہے تو ہمیشہ ان کے نام کے ساتھ مخاطب کیا۔

یاموسی، یاعیسی، یاآدم، یاابراھیم، یانوح

لیکن جب بھی اپنے محبوب تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے تو بڑے ہی پیارے پیارے القاب کے ساتھ یاایھاالنبی، یا ایھاالرسول، یا ایھاالمزمل، یا ایھاالمدثر، یاطہ، یاسین۔

جہاں آپ کا نام نامی لیا گیا ہے وہاں صیغۂ خطاب نہیں بلکہ ضرورتاً غائب کی حیثیت سے یاد فرمایا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(سورۃ الفتح الآیۃ:29)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(سورۃ الاحزاب الآیۃ:40)

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں۔

یہاں اللہ تبارک وتعالی نے اپنے حبیب کو مخاطب نہیں فرمایا ہے۔

بلکہ ان کے حوالے سے کچھ عظیم حقیقتیں تھیں جن کا اظہار مشیت نے ان کے نام کے ساتھ فرمایا حالانکہ اگر اللہ یا محمد کہہ کر مخاطب بھی فرماتا تو یہ بھی بڑی عظیم نعت ہوتی۔

محمد کے معنی ہوتے ہیں، اَلَّذِیْ یَحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ جن کی تعریف ہمیشہ کی جائے ہر تعریف کے بعد تعریف کی جائے، ہر مدحت کے بعد مدحت سرائی کی جائے تو نام ہی ایسا عطا فرمایا گیا کہ

نام ایسا کہ ثناء ہو جیسے

لیکن اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالی نے دوسرے پیارے پیارے القابات سے مخاطب فرمایا کہیں مخاطب کر کے شاہد کہا، بشیر کہا، نذیر کہا، سراج منیر کہا۔

ایک ہی آیت میں اتنے القاب

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب
یا ایہا النبی خطابِ محمد است

انبیائے کرام کے والد جناب آدم علیہ السلام کو مخاطب کیا تو یا آدم کہہ کر کے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا تو یا ایہا النبی کہہ کر کے اس سے رسولِ پاک کی عظمت اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی منزلت کا اندازہ ہوسکتا ہے تو جب خدا انہیں القاب وآداب سے یاد کرتا ہے تو ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ان کو نام سے پکاریں، ہمیں بھی ان ہی القاب وآداب کو ملحوظ رکھنا ہوگا جنہیں قرآن عظیم نے ملحوظ رکھا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کثرت سے عبادت فرماتے تھے، کبھی کبھی ان کے پائے اقدس پر ورم آجاتے تھے پوری رات کھڑے ہونے کی وجہ سے۔

جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار کہا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اتنی زحمت کیوں برداشت کرتے ہیں، اللہ نے تو آپ کو معصوم بنایا ہے، آپ کے ذریعہ سے امتیوں کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں تو آپ اتنی زحمت کیوں برداشت کرتے ہیں کہ پیروں میں ورم آجاتا ہے۔

حدیث پاک میں تو یہاں تک آیا ہے "حتی تورمت قدماہ و تشققت" کہ کبھی کبھی ان کے قدمانِ مبارک پھول جاتے تھے اور پھٹ جاتے تھے۔ یہ عالم تھا ان کی شب بیداری کا اور رات کے قیام کا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں مخاطب فرما کر کے یہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ (سورۃ المزمل: الآیات: 2/1)

اے چادر لپیٹ کر قیام فرمانے والے پیغمبر آپ رات کو اٹھا کیجئے مگر تھوڑا، نِّصْفَهٗۤ آدھی رات تک یا اس سے کچھ کم کرلیجیے یا زیادہ کرلیجیے اور قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھا کیجئے۔

حضراتِ گرامی! صحابہ کرام بھی آپ کی طویل عبادت کو دیکھ کر اور شب بیداری کو دیکھ کر خود بھی اسی راہ پر چل پڑے تھے اور بہت سے صحابہ کرام بھی رات رات بھر عبادت کرتے تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ

(سورۃ الفتح: الآیۃ: 29)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل ورضا چاہتے ان کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ طویل رکوع اور سجود میں صحابہ کرام بھی ہوا کرتے تھے اور سنت پر عمل کرتے تھے۔ اللہ نے اس سورت کے آغاز میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے انہیں بھی اور صحابۂ کرام کے لیے بھی یہ آسانی پیدا فرمادی کہ پوری رات قیام نہ فرمائیں بلکہ حکم ہوا:

قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ○ (سورۃ المزمل: الآیات: 4/3/2)

رات میں قیام فرمائیں مگر کچھ رات۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو۔ یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

حضراتِ گرامی! بعض مفسرین نے اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے کہ پوری شب عبادت کریں مگر تھوڑا آرام بھی کرلیا کریں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں پوری پوری رات سجدے میں ہوا کرتے تھے۔

یہ طویل سجدے انہیں کیوں محبوب تھے؟ اس لیے کہ خود انہوں نے فرمایا ہے: ''نماز اس طرح سے پڑھو گویا کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو کَاَنَّكَ تَرَاهُ اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو خدا تم کو دیکھ ہی رہا ہے تو جو امت کو یہ فرما رہے ہوں گویا کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو تو جب وہ سجدے میں ہوتے ہونگے تو گویا کہ قید بھی اٹھ جاتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے رب کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے اور جو اپنے رب کے جلوؤں کا مشاہدہ کرے وہ سجدے کے طول سے کبھی پریشان نہیں ہوگا۔ اہلِ دل نے تو ہمیشہ تمنا کی ہے کہ کاش کہ ہم جس ذات معبود برحق کو غائب کی سرحدوں پر کھڑے ہو کر سجدہ کرتے ہیں کاش وہ ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتا اور ہم اسے سجدہ کرتے۔

کبھی حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

لیکن لباس مجاز کی تنگ دامنی حقیقت منتظر کی لامتناہی وسعتوں اور جلووں کو کیسے برداشت کر سکتی ہے یہ ممکن ہی نہیں ہے مگر خواہش تو کر ہی سکتا ہے انسان جب رب کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے اور انسان پڑھتا ہے سبحان ربی الاعلی تو یقیناً اس کے دل میں یہ خواہش تو ضرور ہوتی ہوگی کاش کہ ہمارا معبودِ برحق ہمارے سامنے ہو لیکن حرا کی تنہائیوں میں اپنے رب کے جلووں کو مشاہدہ کرنے والے پیغمبر جب حالت سجدہ میں رہتے ہوں گے تو اپنے رب کے جلووں سے یقیناً آشنا ہوں گے، مشاہدہ فرماتے ہوں گے اس لیے وہ طویل سجدے کرتے تھے۔

مگر چونکہ اللہ تبارک وتعالی ان کو نبوت کی ذمہ داریوں کے بارِ گراں سے نوازنے والا ہے اور روحِ الٰہی کے عظیم بوجھ کو برداشت کرنے کی ذمہ داری انہیں دی گئی ہے اس لیے انہیں اس قدر مشقت سے منع فرمایا گیا۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ط (سورۃ المزمل، الآیۃ: 4)

اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر انتہائی اطمینان سے پڑھا کریں۔

حضور تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول ہی ایسا تھا مگر ان کے ذریعہ اُمت کو تعلیم دی جارہی ہے اس لیے کہ احادیث مبارکہ میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہائی ترتیل کے ساتھ قرآن پاک پڑھتے تھے اور عالم یہ تھا کہ آیات بشارت میں اپنے رب کی نعمتوں کی تمنا کرتے تھے اور دعا کرتے تھے، اپنے لیے اور اپنی امت کے لیے بھی اور آیات انذار میں اپنے رب کی پناہ بھی طلب کرتے تھے۔

نماز میں قرآن عظیم کو انتہائی اطمینان سے پڑھنا چاہیے۔ تہجد کے نماز کا حکم دیا گیا ہے کہ اس میں بے پناہ خشوع وخضوع ہوتا ہے۔ اس وقت جب دنیا کے ہنگاموں اور شور سے انسان بے نیاز ہو اور مکمل تبتل کی کیفیت ہوتی ہو اور نمازوں میں یہ کیفیت نہیں ہوتی اس لیے نوافل میں تہجد کی بڑی اہمیت ہے یہی وجہ ہے کہ جملہ اہل اللہ نماز تہجد کے پابند رہے ہیں۔

بتایا جاتا ہے چونکہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داعیٔ اعظم ہیں، پیغمبر اعظم تھے وہ تہجد پڑھتے تھے تو جو لوگ دعوت اور تبلیغ کا کام کر رہے ہیں ان کو بھی تہجد کی پابندی کرنی چاہیے۔

نماز کی فرضیت سے پہلے مسلمانوں پر تہجد کی نماز فرض تھی مگر فرضیت نماز کے بعد اس کی فرضیت اٹھالی گئی، منسوخ کر دی گئی مگر استحباب آج بھی باقی ہے اور اس کے فضائل آج بھی باقی ہیں اور حسن تہجد کو باقی رکھا گیا ہے، آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کی پابندی کی ہے۔ صحابہ کرام بھی اس کے پابند رہے ہیں۔

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○

بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عنقریب ہم آپ پر قرآن نازل فرمائیں گے جس میں احکامات اور ممنوعات ہیں جو کہ سخت تکلیف دِہ اور شرعی اَحکام کے پابند لوگوں پر بھاری پڑیں گے۔ اس لئے آپ ابھی سے انہیں بھاری احکام کا عادی بنائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو نماز پنجگانہ اور تہجد کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین یارب العلمین بجاہ سید المرسلین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۸۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَكَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ط○

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ط○

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَكِیْلًا○

وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا○

وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَھِّلْھُمْ قَلِیْلًا○

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِیْمًا○ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا○

سامعین کرام! آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

حضرات! گذشتہ کل سورۂ مزمل کی چند ابتدائی آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے

کامیں نے شرف حاصل کیا تھا آج بھی چند آیتوں کی تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے میں کوشش کروں گا کہ بہت ہی مختصر انداز سے ان کا مفہوم آپ کی سماعتوں کے نذر کرسکوں۔

حضراتِ گرامی! اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا (سورۃ المزمل، الآیۃ:6)

کہ بے شک رات کا قیام یعنی رات کھڑے ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنا، هِيَ اَشَدُّ وَطْاً یہ بہت زیادہ دباؤ ڈالنے والا ہے اور اس وقت بہت ہی سیدھی بات نکلتی ہے زبان سے۔ دباؤ ڈالنے سے مراد نفس پر دباؤ پڑتا ہے جب انسان سو کر اٹھتا ہے اور اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے تب۔

وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا کی تفصیل سامنے آئے گی کہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ پوری دنیا سے کٹ کر کے، تمام ہنگاموں سے بے نیاز ہو کر کے انسان خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو انتہائی سلامت روی کے ساتھ اپنے رب کے بارگاہ میں اپنا معروضہ پیش کرتا ہے، اس وقت وہ اپنے رب سے محوِ کلام ہوتا ہے۔

حضراتِ گرامی! نماز کا معاملہ یہ ہے کہ نماز میں بندہ اللہ سے کچھ عرض کرتا ہے یا خدا بندے سے کلام فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے قرآن عظیم میں ہر جگہ یہ آپ کو ملے گا اور جب بھی بندہ قرآن عظیم کی تلاوت کرتا ہے نماز میں تو یا تو بندہ اپنے رب سے کچھ عرض کر رہا ہوتا ہے یا پروردگارِ عالم اسے کوئی حکم دے رہا ہوتا ہے، کلام فرما رہا ہوتا ہے۔

یہ لذت ہر نماز میں ہے جو بندے کو میسر ہے اپنے رب سے کلام کرنے کی، اپنے رب کی بارگاہ میں معروضات پیش کرنے کی لیکن تہجد کے وقت رات کے حصے میں، آخری حصے میں جب پوری دنیا سو رہی ہوتی ہے تو یہ لذت اور بڑھ جاتی ہے اور اس وقت انسان اپنے

رب کی بارگاہ میں جس خشوع وخضوع کے ساتھ کلام کرتا ہے کسی اور وقت میں نہیں کرسکتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (سورۃ المزمل، الآیۃ:7)

اے پیغمبر آپ کے لیے دن میں بہت زیادہ مصروفیات ہیں قرآنِ عظیم نازل ہو رہا ہے، قرآنِ عظیم بندوں تک پہنچانا ہے، اس کے ساتھ ساتھ جہاد کرنا ہے یہ ساری ذمہ داریاں آپ کے سر ہیں، امت کی اصلاح کرنی ہے، ان کی نگہبانی کرنی ہے، ان کا خیال رکھنا ہے، غریبوں اور بے کسوں کو سہارا دینا ہے بیک وقت آپ کے ذمہ کرم میں بہت سی ذمہ داریاں ہیں اس لیے دن تو بڑی مصروفیت کا ہے۔ دن میں تو فرائض وواجبات ہی ادا کیجیے مگر رات میں اٹھ کر کے آپ تنہا اپنے رب کی بارگاہ میں خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھیں۔

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ط (سورۃ المزمل، الآیۃ:8)

اور اپنے رب کے نام سے ذکر کیجئے اور مکمل طور پر دنیا سے کٹ کر اس کی بارگاہ میں متوجہ ہو جائیے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ

حضرات! اللہ قادرِ مطلق ہے، وہ رب المشرق والمغرب ہے، وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے۔ قرآن نے چودہ سو سال پہلے مشرق ومغرب کا ذکر کیا اور آج دنیا کی تقسیم مشرق ومغرب کے اعتبار ہی سے ہے، وہ مشرق ومغرب کا رب ہے یعنی ساری کائنات کا رب ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ (سورۃ المزمل، الآیۃ:9)

اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ تو صرف اس کی ذات کو اپنا سہارا بنائیے اور مددگار بنائیے اور اس کی ذات آپ کے لیے کافی ہے۔

وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا

(سورۃ المزمل، الآیۃ:10)

اے پیغمبر! یہ کافر جو کچھ کہتے ہیں اس پہ صبر کیجیے اور ان کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ترک کر دیجیے۔ ان سے جنگ کرنا، ان کا جواب دینا اے پیغمبر آپ کی شان کے خلاف ہے۔

وَ ذَرْنِيْ وَ الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا

(سورۃ المزمل، الآیۃ:11)

اور اے پیغمبر مجھے اور جھٹلانے والوں کو میرے حوالہ کر دیجیے، وہ جو دولت والے ہیں انہیں تھوڑی مہلت دیجیے۔

اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ۙ○ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ○

(سورۃ المزمل، الآیات:13/12)

بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ۔ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب۔

اللہ فرماتا ہے: اس کے بعد کیا ہوگا، بلاشبہ ہمارے پاس جب وہ آئیں گے تو ان کے لیے وزنی بیڑیاں ہوں گی جو ان کے قدموں میں ڈالی جائیں گی۔

جَحِيْمًا شعلوں والا جہنم ہوگا جس میں انہیں ڈالا جائے گا۔

وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ اور ایسا کھانا ہوگا جو ان کے حلق میں اٹک کر رہ جائے گا۔

وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا اور بڑا ہی دردناک عذاب انہیں دیا جائے گا۔

اس لیے وہ دنیا میں آپ کے خلاف اگر کوئی بات کرتے ہیں، دیوانہ اور مجنون کہتے ہیں، آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں، لوگوں کو روکتے ہیں تو آپ ان کو خوبصورتی سے ٹال

دیجیے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

میں قادرِ مطلق ہوں، انہیں میرے حوالے کر دیجیے، جھٹلانے والوں کو، دولت مندوں کو جو اپنی دولت اور سرمائے کے نشے میں آپ کی مخالفت کر رہے ہیں اور انہیں تھوڑا موقع دیجیے عنقریب اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ہمارے پاس ان کے لیے بیڑیاں بھی ہیں، جہنم کے دھکتے شعلے بھی ہیں اور ایسا کھانا بھی ہے جو ان کے حلق میں اٹک کر رہ جائے گا۔

آپ غصہ کی نفسیات سے شاید واقف ہوں گے کہ جب انسان غصہ کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اس کے حلق میں کوئی چیز پھنس گئی ہے تو یہی حال ہوگا اس وقت جو انہیں کھانا دیا جائے گا تھوہڑ کا درخت ہوگا کانٹے دار جو ان کے حلق میں پھنس کر رہ جائے گا اور پھر انہیں دردناک عذاب سے ہمکنار کیا جائے گا۔

یہ ترجمہ ہے اب تھوڑی سی تشریح آپ سماعت فرمالیں۔

رات کو سو کر اٹھنا نفس پر بہت شاق گزرتا ہے اور نفس کی تربیت کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ انسان رات کے ایک حصہ میں اٹھ کر کے اللہ کی عبادت کرے۔ ابتداءً نفس پر شاق تو ضرور ہوگا لیکن جب لذتِ سجدہ میسر آجائے گی تو پھر وہ ان لمحوں کے لیے بے قرار رہے گا جس میں وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگا رات میں۔

تہجد کی نماز چونکہ سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اس لیے یہ فرمایا گیا کہ رات کو اٹھنا یقیناً نفس پر شاق ہے مگر رات میں خشوع وخضوع زیادہ حاصل ہوتا ہے دن میں تبلیغ کی مصروفیات ہیں اس لیے رات میں ہم سے کلام کرنا زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ رات میں شور وشغب نہیں ہوتا، کوئی چیز دخل نہیں کرتی ہے، کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہوتا ہے جس کی بنیاد پر ہماری بارگاہ میں حاضر ہو کر مکمل طور پر ہمارے حضور متوجہ ہونے میں کوئی خلل پڑ سکتا ہو۔

یہ بات تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کی گئی ہے، مخاطب تو انہیں کیا گیا ہے لیکن دراصل آقا کو مخاطب کر کے ان کے تمام امتیوں کو رات میں بیدار ہو کر سجدہ کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ ان آیات میں نماز تہجد کا حکم دیا جارہا ہے، عبادت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کا تیسرا حصہ ہوتا ہے تو اللہ رب العزت اپنی شان کے مطابق آسمانِ دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے وہ فرماتا ہے کون ہے مجھ سے سوال کرے جس کو میں عطا کروں، مانگنے والا جسے میں دوں اور کون ہے گناہوں کی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔

(صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب الدعاء فی الصلاۃ من آخر اللیل الرقم:1145)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کا قیام صالحین کا معمول رہا ہے اور رات کا قیام تمہارے لیے رب کی قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ختم کر دینے والا ہے۔

(سنن الترمذی، أبواب الدعوات، باب102 الرقم:3549)

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ آپ حدیث کی کتابوں میں ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

حضرت عمرو ابن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رب تعالیٰ سب سے زیادہ بندے سے قریب رات کے آخری تہائی حصہ میں ہوتا ہے اور اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جن کا اللہ تعالیٰ اس وقت ذکر کرتا ہے تو ہو جاؤ۔ (سنن الترمذی، أبواب الدعوات، باب119 الرقم:3579)

یعنی جو لوگ رات کے آخری حصے میں تہجد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ ان کا ذکر فرشتوں میں کرتا ہے اس لیے کہ فرشتے سوتے نہیں ہیں اللہ کا ذکر کرتا ہے کہ دیکھو یہ میرے بندے ہیں جو میری بارگاہ میں اپنی نیند کو ترک کر کے سجدہ ریز ہیں یہ کتنا بڑا انعام ہے تو آقا فرماتے ہیں جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ ان کا ذکر کرے تو ان لوگوں میں شامل ہو جائے جو رات کو اٹھ کر عبادت کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سب سے بہتر لوگ قرآن پاک کے حاملین ہیں اور رات کو نماز پڑھنے والے ہیں۔

اور یہ دونوں باتیں تہجد میں میسر ہیں انسان تو قرآن عظیم بھی پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر عبادت بھی کرتا ہے۔

حضراتِ گرامی! اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی رات کے اٹھنے کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مشہور روایت ہے کہ فرماتی ہیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان اور رمضان کے علاوہ دیگر راتوں میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ نفل نہیں ادا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری کتاب صلاۃ التراویح باب فضل من قام رمضان الرقم:2013)

بہت سے لوگوں نے اس حدیث کو تراویح کے سلسلہ میں آٹھ رکعت کے جواز کے سلسلہ میں پیش کیا ہے کہ تراویح آٹھ ہی رکعت ہے۔ حالانکہ یہ حدیث تہجد کے سلسلہ میں ہے اس لیے کہ اس میں تذکرہ یہ ہے کہ رمضان اور رمضان کے علاوہ دیگر مہینوں میں تو تراویح دیگر مہینوں میں نہیں پڑھی جاتی دیگر مہینوں کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں آقائے

دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام کی نفل تہجد کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ تراویح کا اس کے ساتھ ساتھ اگر تھوڑی سی بھی علمی حیثیت کو ملحوظ رکھیں اور زبان دانی کے مزاج سے وہ آشنا ہوں تو انہیں معلوم ہوگا کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ چار رکعت کے بعد جو بیٹھتے ہیں تھوڑی دیر کے لیے اس کو ایک ترویحہ کہتے ہیں تو اگر تراویح کا لفظ دیکھیں آپ اور آٹھ رکعت کو ملحوظ رکھیں تو ترویحتان ہونا چاہیے تراویح نہیں ہونا چاہیے لیکن کہیں بھی فقہ میں یا دوسری کتابوں میں تراویح کا لفظ آیا ہے ترویحتان کا کہیں نہیں آیا ہے اس لیے آٹھ رکعت تو کسی بھی شکل میں نہیں بنتی ہے اور اس حدیث کو جو تہجد سے متعلق ہے اس کو تراویح کے سلسلے میں پیش کرنا دراصل یہ علمی خیانت ہے جو عام طور پر لوگ کرتے ہیں اور سحر پسند طبیعتیں بڑی آسانی سے اس طرف مائل ہو جاتی ہیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ط (سورۃ المزمل، الآیۃ:8)

سب سے علیحدہ ہو کر اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔

تبتل کے معنی تمام دنیاوی افراد سے الگ ہونا، جملہ رجحانات سے، ہر طرح کے میلانات سے جو ممکن ہو سکیں اور تمام طرح کی دنیاوی خواہشات سے، ذمہ داریوں سے اور تمام رغائب سے الگ ہو کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا یہ تبتل ہے اور یہ صرف تہجد کی نہیں بلکہ نماز کی خصوصیات میں بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

(کتاب المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، المجلد الأول

کتاب الصلاۃ فی معرفۃ المقبول من الصلاۃ، الصفحۃ:42)

بغیر دل کی مکمل حضوری کے نماز نہیں ہوتی یعنی کمال کی منزل نہیں حاصل کرتی۔

حضراتِ گرامی! اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نوازے تو انسان اس کیفیت میں عبادت کرے گا تو جلوۂ خداوندی سے فیضیاب ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رہبانیت اختیار کر لے، رہبانیت زندگی سے فرار کا نام ہے اور اسلام زندگی میں مصروفیت کا نام ہے، زندگی کے تمام قدروں کے نوازنے کا نام اسلام ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

اسلام میں ترکِ لذات، ترکِ نوازِ فطریہ، ترکِ خواہشات نہیں ہیں۔ لذات جائز حدود تک، نوازِ فطریہ کے تقاضوں کو پورا کرنا جائز حدوں میں، خواہشات کی تکمیل جائز حدوں کے اندر یہ صرف یہ نہیں کہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔

رہبانیت کے مطلب یہ ہے کہ انسان شادی بھی نہ کرے اور آبادی میں بھی نہ رہے، بیوی بچے بھی اس کے نہ ہوں جیسا کہ عیسائیوں میں ایک طبقہ پایا جاتا ہے لیکن اسلام تمام دنیا کا مذہب ہے وہ صرف خاص طبقہ کا نہیں بلکہ ہر فردِ بشر کا مذہب ہے تو اگر تمام لوگ رہبانیت اختیار کر لیں تو دنیا کا کارواں آگے نہیں بڑھے گا، قافلۂ حیات رک جائے گا۔

پھر بہترین مسلمان تو وہ ہے جو اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا کر کے اللہ کے بارگاہ میں تبتل اختیار کرے دن میں مصروف رہے وہ اپنی معیشت میں اپنے معاش میں، اپنے بچوں کی ذمہ داریوں میں اپنے قوم کے مسائل میں انسان کی فلاح وبہبود میں مصروف رہے اور پھر جب موقع ملے تو اپنے رب کے بارگاہ میں اس طرح الگ ہو جائے کہ گویا کہ دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا یہ تبتل ہے جو نماز میں اور تہجد میں انسان کو میسر آسکتا ہے بشرطیکہ وہ مکمل طور پر اللہ کے بارگاہ میں حاضر ہونے کا سلیقہ حاصل کر لے۔

حضراتِ گرامی! رہبانیت فرار عن الحیاۃ ہے زندگی سے بھاگنے کا نام ہے، مصروفیات سے بھاگنے کا نام ہے اگر انسان مصروفیات سے بھاگ جائے تو نظام کائنات درہم برہم

ہوجائے گا اس لیے اس کا یہ مطلب نہیں ہے تبتل کا کہ سب کچھ چھوڑ کر آپ ایک طرف ہوجائیں بلکہ خلوت وجلوت کا ماحول ہونا چاہیے کہ آپ ماحول میں ہوں، معاشرے میں ہوں، ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں معاشرے کی، بال بچوں کی پرورش بھی کر رہے ہیں، زندگی کے تقاضے پورے بھی کر رہے ہیں، معاشرتی اور معیشتی تقاضے پورے کر رہے ہیں، ان ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں جو قومی اعتبار سے آپ کے اوپر عائد کی جاتی ہیں اور اس کے باوجود آپ ہر لمحہ خدا سے جڑے ہوئے ہو اور اللہ سے آپ کا رشتہ مضبوط تر اور مستحکم ہے۔

یہ کیفیت ہوتی ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے:

فَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ (سنن ابو داود، أبواب قيام الليل باب ما يؤمر به من القصد في الصلاة، الرقم:1369)

بے شک تمہارے اوپر تمہاری اہل وعیال کا حق ہے اور تمہارے اوپر تمہارے مہمان کا حق ہے اور تمہارے اوپر تمہاری اپنی جان کا حق ہے اس لیے ان باتوں کا خیال رکھنا بے پناہ ضروری ہے۔

حضراتِ گرامی! تبتل کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ

دست در عمل قلب در ذکر

ہاتھ عمل میں ہو، کام کر رہا ہو اور دل ذکرِ الٰہی کر رہا ہو۔

انسان جب ذکر الٰہی کا عادی ہوجاتا ہے تو ہر سانس مصروفِ یادِ الٰہی ہوتی ہے۔

سینکڑوں اولیائے کرام کو آپ دیکھو گے کہ ان کی ہر سانس ذکرِ الٰہی میں مصروف رہا کرتی تھی۔ غالباً رومیٔ پنجاب جناب عارف کھڑ نے یہ فرمایا ہے:

جو دم غافل سو دم کافر

یعنی جو سانس ذکرِ الٰہی سے غافل ہو یہاں کافر اصطلاحی معنی میں نہیں ہے کفرانِ نعمت کر رہا ہے انسان اگر کسی سانس میں اللہ کی یاد سے غافل ہو اس لیے کہ سانس بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نوازش ہے جو سانس اندر جاتی ہے باہر آنے کا یقین نہیں باہر آتی ہے تو اندر جانے کا یقین نہیں۔

ہر نفسی کہ فرو می رود مُمِدِّ حیاتست
و چون بر می آید مُفرِّحِ ذات است

تو ظاہر ہے کہ ہر سانس اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے تو ہر سانس پر اللہ کا شکر اس کی یاد کے حوالہ سے کرنا چاہیے۔

اللہ نے فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔

یہ نہیں فرمایا: وَاذْكُرْ رَبَّكَ۔

جس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ اپنے رب کے اسماء اور صفات کا ذکر کرو تب جا کر قربِ الٰہی نصیب ہوگا۔ کثرتِ ذکر سے انسان ماسوا اللہ سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔

ابتداءً سورۂ مزمل میں یہ فرمایا گیا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کے نام پاک کا ذکر کیجیے پہلے نام کا ذکر کیجیے پھر اگر آپ اور آپ کی امت آپ کے صدقہ میں آپ کا دل تو ہمیشہ اللہ سے وابستہ ہے لیکن امت کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ جب امت آپ کے توسل سے، آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کے نام کا ذکر کرے گی تو پھر اس کا قلب اس قابل ہوجائے گا کہ براہِ راست وہ اپنے رب کا ذکر کر سکے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں فرمایا گیا ہے۔

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً (سورۃ الاعراف، الآیۃ:205)

تم اپنے رب کا ذکر اپنی نفس میں گریہ وزاری کے ساتھ اور خاموشی کے ساتھ کرو۔ یہ کیفیت ایک ایسی کیفیت ہے جب بندہ ایک لمحہ بھی اپنے اللہ کے ذکر سے فارغ نہیں ہوتا

بلکہ وہ کام میں ہو، مصروف ہو کسی بھی حال میں ہو وہ اپنے رب کا ذکر کرتا رہتا ہے۔

حضرات! ان آیات مبارکہ میں جن کا میں نے ترجمہ پیش کیا اور مفہوم بھی ان میں تہجد کا اور رات کی عبادت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ رات کی عبادت کی لذت جنہیں میسر آتی ہے وہ پھر اپنے سر کو ہمیشہ خدا کے بارگاہ میں جھکائے رکھنا چاہتے ہیں۔

جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے بارے میں مشہور ہے روایت میں آیا ہے کہ وہ عشا کی نماز کے بعد سجدے میں سر رکھتی تھیں تو کبھی کبھی صبح طلوع ہو جاتی تھی، پوری رات ایک سجدے میں گزار دیتی تھی اس لیے کہ انہوں نے اپنے عظیم باپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ایک سجدے پوری رات گزارتے دیکھا ہے پوری رات اور جب صبح ہوتی تو کہتی تھیں۔ اے اللہ! اپنی بندی فاطمہ کو ایک ایسی رات دے دے کہ تیرا جی بھر کر سجدہ کر لے سجدے پیشانی میں تڑپتے رہتے ہیں اور رات ختم ہو جاتی ہے۔

حضرات! دنیا کے تمام خواتین کے لیے جناب فاطمۃ الزہرا کا یہ سجدہ اہمیت کا بڑا حامل ہے آپ اندازہ کیجیے وہ جنت کے عورتوں کے سردار ہیں، وہ چاہتیں تو ان کے گھر میں جنت کی نعمتیں اتر آتی مگر اس کے باوجود انہوں نے فقر و فاقہ کو پسند فرمایا تاکہ دنیا کی کوئی عورت یہ نہ کہہ سکے کہ وہ تو شہزادی تھیں ہم غربت میں ساری عبادت کیسے کریں اس لیے وہ بچوں کی پرورش بھی کر رہی ہیں، اپنے عظیم شوہر کی خدمت بھی کر رہی ہیں اور اللہ کی عبادت بھی کر رہی ہے۔ اللہ ہم سب کو عبادتِ شب سے آشنا کرے۔ (آمین)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۸۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمْ
اَلْمُنْعِمِ بِالْخَیْرِ وَالْاِحْسَانِ عَلَی الْعِبَادِ بِالْعَفْوِ وَالْغُفْرَان
صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ سَیِّدِ الْاِنْسِ وَالْجَآنِّ
اَمَّا بَعْد!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّهِیْلًا
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

جس روز تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ہو جائیں گے ریت کے بہتے ٹیلے کی طرح۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ط فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ○

اور ہم نے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا جو تم پر حاضر و ناظر اور گواہ ہیں جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا تو اس نے اپنے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے انہیں بہت سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

شاہداً میں حاضر و ناظر گواہ اس لیے فرمایا گیا ہے تاکہ تم گناہوں سے بچو، وہ تمہارے

گواہ بھی ہیں اور تمہارے اعمال کا مشاہدہ بھی کرنے والے ہیں۔ میرے رسول کی اتباع کرو اور یہ بھی جان لو کہ پیغمبر کی نافرمانی سے عذاب آتا ہے فرعون تو ہمیشہ سے نافرمان تھا لیکن عذاب اس وقت آیا جب اس نے پیغمبر کی نافرمانی کی۔

اللہ تبارک وتعالی بے نیازِ مطلق ہے وہ یہ گوارا فرمالیتا ہے کہ کوئی اس کی نافرمانی کرے لیکن جب وہ کسی اپنے محبوب پیغمبر کو، اپنے نمائندے کو بھیجتا ہے اور کوئی اس کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے تو اس پر عذاب ضرور آتا ہے قرآن عظیم میں ایک مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیا جب تک کہ ہم نے ان میں کسی رسول کو نہیں بھیجا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۝ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

پس تم کیسے بچو گے اگر تم نے نافرمانی کی، اس دن سے کیسے بچو گے جس روز بچوں کو بوڑھا بنا دیا جائے گا یعنی اس دن کی خشیت اور خوف کی بنیاد پر بچے بوڑھوں کی طرح ہو جائیں گے اور آسمان اس کے صدمے سے پھٹ پڑے گا قیامت کے دن اور اللہ کا یہ وعدہ ہے جو یقیناً ہونے والا ہے۔ بلاشبہ یہ نصیحت ہے اللہ کی طرف سے، فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا تو جو چاہتا ہے کہ نجات پائے تو وہ اپنے رب کے راستے کو اختیار کرلے۔

یہاں کفارِ مکہ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ یہ لوگ مسلسل نبی کی نافرمانی کر رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر بھی اسی طرح کا عذاب آجائے جیسا کہ جناب موسی کے قوم پر آیا تھا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بے شک آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے رفقا صحابہ جو آپ کے ساتھ ہیں رات کو قیام کرتے ہیں تہجد کے لیے کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات تک، کبھی تہائی رات تک اور اللہ رات اور دن کو چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے ایسے عالم میں تم وقت کا شمار نہیں رکھتے یا تم اس طویل عبادت کی طاقت نہیں رکھتے یہ دونوں ترجمے کئے گئے ہیں، اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ کے۔ تو اللہ نے تم پر مہربانی فرمائی یا اپنے حکم میں تخفیف فرمادی، تم اب اتنا ہی قرآن پاک پڑھو جتنا تم سے ہو سکے اللہ تبارک وتعالی کو علم ہے کہ تم میں بیمار ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں تلاشِ رزق کے لیے سفر بھی کریں گے اور ایک جماعت اللہ کے راستے میں جہاد کرے گی تو پڑھ لیا کرو جتنا ہی قرآن پاک سے پڑھنا میسر ہو اور نماز قائم کرو اور اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے اپنے لیے اسے تم اللہ کی بارگاہ میں پاؤ گے یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ کے بارگاہ میں اس کا اجر بہت بڑا اور عظیم ہے اور اللہ سے مغفرت طلب کرو بے شک اللہ بے پناہ بخشنے اور مہربان ہے۔

یہ سورۂ مزمل کی آیات مبارکہ ہیں آخری دوسرے رکوع کی جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اب مختصر سی تشریح سماعت فرمالیں۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی نے پہلے حکم میں جو اس سورت کے پہلے رکوع میں فرمایا گیا تھا تخفیف فرمادی اور تہجد کی نماز جو فرضیتِ نماز سے پہلے فرض تھی اس کو صرف مستحب قرار دیا۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ تہجد کی نماز صرف آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض تھی مگر مفسرین کا ایک طبقہ اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ فرضیت نماز سے پہلے جملہ مسلمانوں پر فرض تھی مگر مدنی زندگی میں اس کی فرضیت کو استحباب میں تبدیل فرمادیا گیا اور وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ تم میں مریض ہوں گے، کچھ لوگ رزق کی تلاش میں زمین پر سفر کریں گے، کچھ لوگ جہاد میں مصروف ہوں گے اس لیے ان سب کے لیے تہجد کی فرضیت شاق ہوگی مگر فرضیت کے ساقط ہونے کے بعد نماز فرض ہو چکی ہے اس لیے نماز کا زیادہ اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا یعنی اقامتِ صلاۃ کا۔

آپ قرآن عظیم کا مطالعہ کریں تو آپ کو جہاں جہاں بھی نماز کا حکم دیا گیا ہے، نماز پڑھنے کا نہیں صرف، صرف ادا کرنے کا نہیں یقیمون الصلاۃ، اقیمو الصلاۃ، متقی نماز قائم کرتے ہیں، نماز قائم کرو جگہ جگہ اقامتِ صلاۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک مفہوم تو یہ ہے کہ نماز خود ایک انسٹی ٹیوشن ہے، اسے قائم رکھو اس کی تمام تر کیفیات کے ساتھ۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نماز کوئی ایسا فریضہ نہیں ہے جس کو بوجھ سمجھ کر کے مسجد میں یا گھر میں جا کر کے اتار آؤ، بندے اور خدا کے درمیان ایک بڑا اہم معاملہ ہے۔

بندہ اپنے رب کے بارگاہ میں سر جھکاتا ہے، اس کی تسبیحات پڑھتا ہے، اس کے

کلام کی تلاوت کرتا ہے، رکوع کرتا ہے، سجدہ کرتا ہے، تشہد میں بیٹھتا ہے، قیام کی حالت میں خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے تو اسے ہر رکن میں قیام ہو، رکوع ہو، سجدہ ہو یا تشہد ہے یہ ضرور خیال رہنا چاہیے کہ وہ اپنے رب کے بارگاہ میں کھڑا ہے جو شہید و بصیر ہے، وہ دیکھ رہا ہے، اگر اس نے کوئی کوتاہی کی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز ادا نہ ہو سکے۔

نماز کا تعلق جوارح سے بھی اور قلب سے بھی ہے، اعضاء اور جوارح سجدہ کرتے ہیں خدا کے بارگاہ میں لیکن قلب یادِ الٰہی میں محو ہوتا ہے، تلاوتِ قرآنِ عظیم کی لذتوں سے آشنا ہوتا ہے، رکوع اور سجدے کی تسبیحات میں ڈوب جاتا ہے قلب اور اللہ بہت قریب ہو جاتا ہے جب بندہ سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی کہتا ہے۔ وہ اپنے رب کے جلووں کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے خود اللہ نے فرمایا ہے کہ بندہ سجدے کی حالت میں مجھ سے اتنا قریب ہوتا ہے اتنا کسی اور حالت میں قریب نہیں ہوتا اور یہ اسی وقت ہے جب کہ اقامتِ صلاۃ کے تقاضوں کو پورا کیا جائے، نماز قائم کی جائے تعدیل ارکان کے ساتھ، صحیح تلاوت کے ساتھ، خشوع اور خضوع کے ساتھ، کامل تبتل کے ساتھ دنیا سے کٹ کے، خدا کے حضور میں حاضر ہونے کے ساتھ، خیالِ غیر سے پاک کر لے اپنے دماغ کو۔

جب یہ تمام کیفیتیں اس کے اندر موجود ہوں گی جس کے بارے میں سرکار نے فرمایا لَا صَلَاۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ بغیر قلب کے حاضری کے نماز مکمل نہیں ہوتی ہے۔ یہاں لا جو ہے نفیٔ کمال کے لیے ورنہ پھر ہم جیسوں لوگوں کی تو نماز ہی قبول نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالی قبول فرمائے اپنے حبیب کے صدقے۔ تو انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ، ساری دنیا سے کٹ کر کے، تمام ارکان کے ادائیگی کے ساتھ، تعدیل ارکان کے ساتھ، مکمل سکون کے ساتھ اپنے خدا کے بارگاہ میں وہ کھڑا ہو۔

میں نے ان اولیائے کرام کو تو نہیں دیکھا ہے جن کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں مگر اپنے دور کے ایک ولیٔ کامل کو دیکھا ہے نماز کی حالت میں اور وہ حضور، سیدی، مرشدی، مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفی رضا شہزادۂ اعلیٰ حضرت ہیں۔ ان کا یہ عالم تھا کہ نماز میں اس طرح محو ہو جاتے کہ دنیا کی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔ انتہائی اہتمام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ حکم دیا گیا ہے کہ ہر نماز کے ساتھ زینت اختیار کرو تو میں نے کبھی ان کو عمامہ شریف اور عباء اطہر کے بغیر نماز پڑھتے نہیں دیکھا، سادہ کرتا پائجامہ میں کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا مکمل اہتمام کے ساتھ اور وضو بھی اس طرح کرتے تھے کہ گویا کہ عبادت فرما رہے ہوں اس قدر ڈوبے رہتے تھے ان اعمال میں کہ بڑھاپے میں ہاتھ کانپتے رہے تھے تو ایک صاحب نے لوٹے سے پانی ڈالنا چاہا تو بعد میں سخت ناراض ہوئے اور کہا آپ یہ کیا کر رہے تھے کہا: حضور! آپ کے ہاتھ کانپ رہے تھے، کہا: نہیں، یہ وضو بھی وسیلۂ عبادت ہے اور اس میں کسی اور کی مدد لینا جائز نہیں ہے اس لیے آئندہ یہ احتیاط رکھیں جب تک میرے اندر طاقت ہے میں خود اپنے طور پر وضو کروں گا۔

نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یقیناً خشوع وخضوع کا جو منظر ہوتا تھا وہ دیدنی ہوتا تھا جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ میرے اس قول کی تائید کریں گے زندگی میں کبھی نماز قضا نہیں ہوئی سفر میں ہو یا حضر میں ہو، ٹرین چھوڑ دی ہے مگر نماز ادا کی ہے عالم یہ ہے کہ وصال سے پہلے ان پر ایک کیفیت مرض طاری ہوتی تھی یہ اولیائے کرام کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ دنیا سے غافل ہو کر کے صرف اللہ کی بارگاہ میں رجوعِ کامل کرتے ہیں وصال سے پہلے کچھ زمانہ ایسا گزرتا ہے ان کا بھی یہ حال تھا کوئی ملنے جاتا اسے پہچانتے نہ تھے لیکن جیسے ہی نماز کا وقت داخل ہوا ویسے ہی بیدار ہو جاتے تھے، مکمل اطمینان سے وضو فرماتے، بہت اطمینان سے

نماز ادا فرماتے۔ کچھ لوگ انتظار میں رہتے کہ وہ اٹھیں گے نماز پڑھیں گے تو ہم مرید ہوں گے تو لوگ مرید ہوتے، دعائیں ان سے لیتے اور پھر آرام فرماتے تھے۔

سفر میں یہ عالم ہے کہ الہ آباد سے دریا پار ایک سفر میں میں تھا اور بھی علما تھے نمازِ عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا، سورج قدِ زرد ہو گیا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے، روکو ڈرائیور کو نماز پڑھنی ہے، ہائے میری نماز وہ عالم دیدنی تھا میں نے ڈرائیور سے کہا اور اس نے کہا: وہ غیر مسلم تھا میں پہلے ہی سے لیٹ ہو چکا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے نوکری سے نکال دیا جائے بس ذرا پل پر چڑھی پوری نہیں تو ٹائیر بسٹ ہو گیا حضرت نے اپنے ہاتھ سے لوٹا لیا ذرا سوچیے بڑھاپے کے عالم میں تیزی سے دریا میں اترے ہم لوگ پیچھے دوڑ رہے تھے وہاں وضو فرمایا، بہت اطمینان سے نماز ادا فرمائی اور اسکے بعد بس میں بیٹھے تب تک ٹائیر بدلا جا چکا تھا اور بس روانہ ہوئی۔

خطاب نمبر (۸۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا الْمُرْسَلِیْن
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن
اَمَّا بَعْد
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِی
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّمَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

سامعین کرام، خواتین وحضرات السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ مدثر کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنے کلام سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضراتِ گرامی! سورۂ مدثر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۵۶ آیات اور ۲ رکوع ہیں یہ سورت مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی پہلی وحی اقرأ باسم ربک کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکمل ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی بلکہ اس

کی مختلف آیات مختلف مواقع پر نازل کی گئیں۔

پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ تک وحیٔ پاک کا سلسلہ منقطع رہا جس کی وجہ سے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت غمگین رہتے تھے اور کافروں نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدا نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور بعض گستاخ تو اس حد تک جری ہو گئے تھے کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ جن ان کے پاس غارِ حراء میں آیا تھا اس نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

ایک طرف تو وحیٔ پاک کا منقطع ہو جانا اور کلام الٰہی کے کیف سرمدی سے محرومی اور پھر کافروں کا طعنہ آپ اسی غم کے حالت میں تھے کہ اچانک ایک سفر کے درمیان آپ نے اس فرشتہ کو جو حراء میں آیا تھا زمین وآسمان میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا آپ اس منظر کو دیکھ کر پریشان ہوئے اور گھر میں آنے کے بعد جناب ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا زملونی زملونی، مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ اس کے بعد آقا نے ارشاد فرمایا فدثرونی، انہوں نے مجھے کمبل اوڑھا دیا اسی وقت جناب جبرئیل حاضر ہوئے اور سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات سنائی۔

غارِ حراء میں نبوت کا ذکر تھا کہ آپ کو نبی بنایا گیا ہے اور سورۂ مدثر میں دعوت کا حکم دیا گیا ہے اور اسالیبِ دعوت کی وضاحت کی گئی ہے۔

چونکہ اس وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کمبل اوڑھے ہوئے تھے اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، اے بالا پوش پیغمبر، اے کمبل پوش نبی بہت ہی پیار سے آپ کو مخاطب فرمایا چونکہ آپ رنجیدہ تھے اس لیے آپ کے قلب کو تسکین دینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اسلوب اختیار فرمایا۔

حضراتِ گرامی! ولید ابن مغیرہ اور اسکی بداخلاقیوں کا ذکر اور اس کی سزا کا اعلان بھی دوسرے رکوع میں موجود ہے اس کے ساتھ ساتھ دوزخیوں کا تذکرہ ہے اور اہلِ جنت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ جنت نے دوزخیوں سے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کیوں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

حضرات! اس سے مساکین کو کھانا کھلانے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ نماز جو عبادت الٰہی ہے اس کے نہ پڑھنے کی وجہ سے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی مساکین کو کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے انہیں جہنم میں ڈال دیا گیا۔

حضراتِ گرامی! بعض مفسرین نے ایک اور بھی شانِ نزول بیان کی ہے کہ چند لوگ جن میں ابوسفیان قبولِ اسلام سے پہلے، ابوجہل، ابولہب، ولید وغیرہ تھے انہوں نے کہا کہ موسمِ حج آرہا ہے اور لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھیں گے تو ہم سب کو ایک ہی جواب دینا ہے لوگ مختلف الزام عائد کرتے ہیں ان کے اوپر کبھی ساحر کہتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی مجنون کہتے ہیں اگر ہر ایک نے الگ جواب دیا تو لوگ ذہنی خلجان میں مبتلا ہو جائیں گے اور ہوسکتا ہے حقیقت جاننے کے لیے وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک رجوع کریں اور وہاں گئے تو وہ ایمان بھی لائیں گے۔

اس لیے ہماری پالیسی یہ ہونی چاہیے کہ حج کا موسم آرہا ہے اور پیغمبر اعظم کی نبوت کا شہرہ حجازِ مقدس اور بیرونِ حجاز بھی پہنچ چکا ہے عام ہے یہ بات کہ یہاں کوئی نبی جلوہ گر ہوئے ہیں جن کی مخالفت ہو رہی ہے تو یقیناً لوگ پوچھیں گے ان کے بارے میں، جاننا چاہیں گے ان کے بارے میں کہ یہ کون ہیں؟ تو ہم سب کو مل کر کے ایک جواب دینا ہوگا تاکہ یہ بات اتنی پختہ ہو جائے کہ ان کے ذہنوں میں بیٹھ جائے کہ مکہ کے لوگ ان کے بارے میں یہ

رائے رکھتے ہیں اور پھر تحقیق کرنا بند کر دیں گے۔

ان میں سے ایک نے کہا ہم سب ان کو کاہن کہیں، کہانت والا تو ولید نے کہا کہ کاہن کی باتیں کبھی جھوٹی ہوتی ہیں اور کبھی سچی بھی ہوتی ہیں، وہ اندازے سے قیاس سے بات کرتے ہیں اس لیے کبھی کبھی جھوٹی بھی ہوتی ہیں، لیکن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی بات کہی ہے جھوٹی نہیں کہی ہے وہ صادق ہیں، یہ ایک سچائی ہے، اس لیے اگر ہم ان کو کاہن کہیں گے تو لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں اترے گی اس لیے کہ آج تک ہم انہیں صادق اور امین کہتے رہے ہیں اب ایک دم ان کی طرف کاہن ہونے کا الزام لگانا مناسب نہیں ہے۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمیں مجنون کہنا چاہیے ولید نے پھر کہا کہ ان پر جنون کے اثرات نہیں ہیں، مجنون ایسا کلام نہیں پیش کرسکتا تو یہ بات طے نہیں ہوسکی کچھ لوگوں نے کہا کہ شاعر کہا جائے اس پہ بھی اعتراض کیا اس نے۔

اب ولید کے علاوہ سب نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ شاید ولید اسلام کی طرف مائل ہو گئے ہیں اس لیے اس نے دفاع کیا ہے پیغمبر کا اس خیال سے کہیں ولید مسلمان نہ ہو جائے اس طرح اسلام کی طاقت ہوگی وہ، وہ قوم کے سرداروں میں سے ایک تھا تو ابوسفیان اس کے گھر گئے اور اس سے پوچھا کہ ہم نے جو بھی فیصلہ کرنا چاہا تم نے اس کی تردید کر دی یا اس کی توجیہ کی کہ یہ مناسب نہیں ہے آخر تمہارے ذہن میں کیا ہے ولید کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں نے میرے بارے میں شبہ کرنا شروع کر دیا ہے۔

وہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقانیت کو سمجھ چکا تھا مگر برا ہو اقتدار پسندی کا کہ وہ اپنے ان وفادار سے کنارہ کش نہیں ہونا چاہتا تھا جو اہلِ مکہ سے اور اطراف وجوانب سے اس کو حاصل تھے اس نے کہا: نہیں نہیں، کوئی ایسی بات نہیں ہے پریشان نہ ہو

میں نے تھوڑی سی مہلت حاصل کی تھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ آخر کون سی بات کہی جائے کہ جس کی وجہ سے لوگ شبہ نہ کریں اور لوگ اولِ مرحلہ میں یقین کر لیں تو میں نے سوچا ساحر، جادوگر کہنا زیادہ مناسب ہوگا اس لیے کہ جادوگروں کے بارے میں مشہور ہے کہ جادوگر ماں باپ، بیوی اور بچوں میں اختلاف ڈال دیتا ہے، لڑائی کروا دیتا ہے اور معاذ اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔

یعنی وہ کہنا چاہتا تھا کہ اسلام لانے کے بعد باپ بیٹے الگ ہو جاتے ہیں، بھائی بھائی سے الگ ہو جاتا ہے کچھ لوگ کفار کے ساتھ ہیں کچھ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اس طرح جادوگروں کی طرح سے پیغمبر نے ایک دوسروں میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔

ولید جانتا تھا کہ وہ نبی ہیں اس لیے اس نے ابتداءً دفاع کیا تھا مگر جب یہ شبہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ مسلمان سمجھ کر کے میرا انقطاع کر دیں اور میرے سارے مفادات ختم ہو جائیں تو اس نے بات بدل دی اور اپنے کفر پر اٹل ہو گیا۔

حضرات! تاریخِ انسانی میں ایسے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں آپ کو معلوم ہوگا کہ ہرقل اعظم روم کا تاجدار تھا، کچھ لوگ شام میں تجارت کے لیے گئے مکہ مکرمہ سے تو اس نے حالات کو جاننے کے لیے انہیں بلا بھیجا کہ ہم اس پیغمبر کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے کہ جنہوں نے دعوی کیا ہے پیغمبری کا چونکہ یہ خود عیسائی تھا اور کسی حد تک نبوت کے مزاج سے واقف بھی تھا۔ اس نے بلایا اور سوالات کرنے شروع کیے ان کا نسب کیا ہے؟ ان پر ایمان لانے والے غریب لوگ ہیں یا سرمایہ دار ہیں؟ کبھی تم نے جھوٹ کے بارے میں تجربہ کیا کہ وہ جھوٹ بھی کبھی بولیں ہوں گے، اگر تم سے اختلاف ہوتا ہے تو کامیاب ہوتے ہیں یا ناکامیاب ہوتے ہیں اس طرح کے درجنوں سوالات اور قریش کے قافلوں نے جوابات

وہی دیے جو حقیقت تھے۔ وہ ہمیشہ سے سچ بولتے ہیں، ہم کبھی کامیاب ہوئے ہیں اور کبھی ناکامیاب ہوئے ہیں، ان پر ایمان لانے کی تعداد غریبوں کی ہے جتنے بھی سوالات تھے جب اس طرح کے جوابات دیے گئے تو اس نے کہا کہ یقیناً یہ نبی ہیں اتنا کہنا تھا کہ دربار میں ہنگامہ سا برپا ہو گیا چونکہ اس زمانے میں مسیحیت ہی ملک کا قانون ہوا کرتا تھا اور پادری حضرات جنہیں اسقف کہا جاتا تھا وہی بادشاہوں کے مشیرِ خاص ہوتے تھے، ان کی مرضی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، جب ہنگامہ برپا ہو گیا تو ہرقل نے حیرت میں یہ کہا کہ نہیں، نہیں ایسا نہ سوچو کہ میں کچھ بدلنے والا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جس طرح کے سوالات میں نے کیے اور جس طرح کے جوابات دیے گئے اس سے مجھے یہ شبہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں ان کے حق ہونے کی کوئی بات ہو تو میں نے یہ بات آزمانے کے لیے کہی تھی مجھے خوشی ہے کہ تم لوگ برہم ہو کر اپنے عقیدے پر قائم ہو اس طرح وہ ایمان نہیں لا سکا صرف اپنے اقتدار کو یا کرسی کو بچانے کے لیے قبول حق سے منہ موڑا رہا۔

ٹھیک یہی حال ولید بن مغیرہ کا ہوا یہ جانتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی ہیں وہ ایمان نہیں لایا بلکہ اپنے اقتدار کو بچانے کیے لیے، اپنی معاشرتی حیثیت کو بچانے کے لیے اس نے بدترین مخالفتیں شروع کر دیں اور بے شمار الزامات لگائے، بہت دکھ پہنچایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چنانچہ اس سورت میں جس پر عذاب کا تذکرہ ہے نام تو نہیں لیا مگر مراد ولید ہی ہے۔

حضرات! حج کا موسم آیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبلیغ کے لیے نکلے مگر جس طرف جاتے ہر طرف سے آواز آتی یہ جادوگر ہیں، یہ ساحر ہیں معاذ اللہ جب آپ نے یہ سنا تو آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ چادر اوڑھ کر لیٹ گئے آپ چادر یعنی بالاپوش اوڑھ کر لیٹے

ہوئے تھے کہ اللہ نے آپ کی تسکین کا سامان فراہم کیا کہ لیٹنے کی ادا اچھی لگی پروردگارِ عالم کو اور جنابِ جبرئیل حاضر ہوئے اور سورۂ مدثر کی آیات مبارکہ نازل ہوئی ہے۔

حضرات یہ مختصر سا تعارف تھا سورۂ مدثر کا اب چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور تشریح سماعت کرلیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

(سورۃ المدثر، الآیات: 1 الی 7)

ترجمہ ہے اے بالاپوش اوڑھنے والے پیغمبر، کھڑے ہوجائیے، اور ڈر سنائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے، اس کی کبریائی کا ذکر کیجیے، اپنے کپڑے کو صاف رکھیے اور زیادہ حاصل کرنے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کیجیے اور اپنے رب کے لیے صبر کیجیے۔

حضراتِ گرامی! یہ سادہ سا مفہوم ہے ان چند جملوں کا اب آئیے تھوڑی سی وضاحت کرنے کی کوشش کروں میں مفسرین کرام نے انتہائی خوبصورتی کے ساتھ مدثر کے مفہوم کو واضح فرمانے کی کرنے کی کوشش کی ہے۔

مدثر کے معنی بعض نے یہ لکھا ہے کہ اپنی امت کو چادرِ رحمت اوڑھا کر ان کی پردہ پوشی کرنے والے۔

ایک مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ اے نبوت کے بالاپوش، نبوت کی چادر اوڑھنے والے۔

پیغمبر حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ جو باب تفسیر میں انتہائی اہم مقام رکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (سورۃ المدثر، الآیۃ: 1)

اَیْ مُدَثِّرُ بِنُبُوَّۃٍ وَاَثْقَالِهَا اے بالاپوش کمبل پہننے والے یعنی نبوت کی بھاری بھرکم ذمہ داریوں کو اٹھانے والے انہوں نے یہ مفہوم کیا ہے۔

بعض صوفیائے کرام کا قول یہ ہے کہ لباسِ بشریت میں حقیقت محمدیہ کو چھپانے والے یعنی آپ کی حقیقت کو آپ کے رب کے علاوہ کسی نے نہیں جانا جو حقیقت محمدیہ ہے لیکن آپ نے بشریت کے لباس میں اسے چھپا لیا تھا تاکہ دعوت و تبلیغ کا کام انسانوں میں ہوسکے۔

خود آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

يَا اَبَابَكْرٍ لَمْ يَعْرِفْنِيْ حَقِيقَةً غَيْرُ رَبِّيْ

اے ابوبکر! میری حقیقت کو میرے رب کے علاوہ کسی نے پہچانا ہی نہیں اور یہ بات آپ اس ذات گرامی کو مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں جو انبیا کے بعد سب سے افضل ہیں اگر کسی اور سے کہتے تو لوگ کہتے کہ شاید ابوبکر جانتے ہوں شاید عمر جانتے ہوں لیکن جب ان کو کہہ دیا گیا تو حقیقتِ محمدیہ کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس لیے بعض صوفیا نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے۔ وارث پاک جن کے سلسلے کے لوگ وارثی کہلاتے ہیں۔ غالباً ان کا شعر ہے۔

تن اور الباسِ نور کردن
برائے ما بشر مشہور کردن

اللہ تبارک وتعالی نے ان کے تن کو ان کے نور کا لباس بنا دیا تھا اور ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بشر کے شکل میں مبعوث فرمایا۔

ایک مفہوم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بالاپوش اور چادر اوڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ دنیا سے الگ تھلگ ایک مقام پر موجود ہیں یہ اشارہ ہے غارِ حراء سے نکل کر لوگوں تک پیغام پہنچائیں۔ غارِ حراء کی تاریکی کو مدثر سے تعبیر کیا گیا ہے اور

قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:2)

کا مفہوم یہ کہ آپ لوگوں تک پیغام پہنچائیں المدثر کا معنی یہ ہے کہ چادر اوڑھنے والے یعنی لوگوں کی نگاہوں سے غارِ حرا میں پوشیدہ رہنے والے۔

حضرات! جیسا کہ میں اس سورت کے تعارف میں بتا چکا ہوں ابو جہل، ابولہب، ابو سفیان وغیرہ کا یہ فیصلہ کرنا کہ ہم سب مل کر ایک بات کہیں کہ وہ ساحر ہیں تا کہ لوگ ان کو اس حیثیت سے جانیں اور جب یہ بات عام ہوگئی اور لوگوں نے ساحر کہنا شروع کر دیا تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، آپ کو تکلیف ہوئی تھی پھر آپ کمبل شریف اوڑھ کر سو گئے تب جناب جبرئیل حاضر ہوئے اور یہ آیت کریمہ آپ نے پڑھی اے بالا پوش کمبل اوڑھنے والے پیغمبر اٹھیے! اور لوگوں کو ڈرائیے یعنی حق کی دعوت دیجیے!

ڈرانے کا حکم وہ دے سکتا ہے یا وہ ڈرا سکتا ہے جو آخرت کے عذاب سے تفصیلاً واقف ہو، اس کے تمام جزئیات سے واقف ہو اور مکمل علم رکھتا ہو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نذیر بنایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آخرت کے سارے معاملات کا علم تھا، عذاب کے تمام جزئیات اور تمام کیفیات کا علم تھا خود ارشاد فرماتے ہیں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مقام پر کہ میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔

اور ایک حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی ہے جو آگ کے گڈھے کے کنارے کھڑا ہوا اور وہ ان لوگوں کی کمر پکڑ کر کھینچ رہا ہو جو آگ میں گرنے والے ہیں یعنی میں بحیثیت نذیر ان تمام لوگوں کو جہنم کے گڈھے سے کھینچنے والا ہوں۔

یہاں نذیر کا ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ وہ بشیر بھی ہیں اس لیے کہ ابتدائے اسلام میں جو شخص عذاب سے ڈر کر ایمان لائے گا تو ایمان کے بعد بالیقین وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اس

لیے بشارت و انذار لازم و ملزوم ہیں۔

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:3)

اللہ کی کبریائی بیان کیجیے یعنی اس کی وحدانیت کا تذکرہ کیجیے واضح کیجیے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور نہ ہی اس کی اولاد ہے کوئی، وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡ میں اللہ کی تمام صفتیں تحلیہ اور تنزیہ آجاتی ہیں، اللہ کی قدرت بیان کیجیے اس کو ہر عیب سے پاک اور منزہ بیان کیجیے لوگوں کے سامنے۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرۡ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:4)

آپ اللہ کا انتخاب ہیں، نبوت اور رسالت کے عظیم منصب پر فائز ہیں، آپ کے لیے مناسب نہیں ہے کہ آپ کا لباس عامیانہ ہو، آپ کے لباس کے طہارت اور پاکیزگی آپ کے منصبِ بلند کے آئینہ دار ہونا چاہیے یہ ہے اس کا مفہوم، انتہائی عظیم ذوق کے مالک تھے میرے آقا کہ ان کا کپڑا گندہ رہا ہوگا ایسا نہیں ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے اخلاقِ حسنہ تو یونہی سب سے بلند ہیں آپ خلق عظیم کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ مکارمِ اخلاق کو پورا کرنے والے ہیں اسی لئے آپ فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

(مسند احمد، مسند أبي حمزة أنس بن مالك، الرقم:8949)

مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اس لیے آپ اخلاقِ حسنہ کو دوام بخشئے تا کہ آپ کی امت کے داعیان بھی اس کی تقلید کر سکیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ

آپ فخر اور عہد شکنی کا لباس نہ پہنے۔امام رازی نے فرمایا ہے کہ آپ اپنے قلب کو دشمنوں سے انتقام لینے کے خیال سے پاک رکھیں یہاں لباس سے مراد لباسِ نبوت ہی ہوگا۔

ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آپ جس چادر کو آپ اوڑھتے ہیں اس کو بے صبری اور بے قراری سے ناپاک نہ فرمائیے یہاں بے صبری اور بے قراری کو ناپاکی سے تعبیر کیا گیا ہے لباس کی طہارت کا خیال رکھیں یعنی کبھی بے صبر اور بے قرار نہ ہوں اور آپ لباس کو پاک رکھیں لباس کی طہارت دراصل عفت و پاکدامنی کی ضمانت ہے۔

وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (سورۃ المدثر الآیۃ:5)

اور بتوں سے حسبِ سابق ہمیشہ دور رہیے یہ نہیں معاذ اللہ کہ وہ بتوں سے قریب ہو سکتے تھے اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ایسا نہیں ہے یا یہ مفہوم ہے کہ شیطان کے مکر وفریب میں نہ آئیے اس کو بھی رجز کہا گیا ہے قرآن پاک میں۔

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ انبیا سے خطا ممکن ہے اس لیے انہیں تعلیم دی جارہی ہے حالانکہ اس سے موجودہ حالت پر دوام مراد ہے اس لیے کہ ہر مسلمان خود پڑھتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم صراطِ مستقیم پر نہیں ہیں بلکہ ہم کو صراطِ مستقیم پر دوام عطا فرما اور یہ کہ ہم اس پر ہمیشہ قائم رہیں۔

وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ○ (سورۃ المدثر الآیۃ:6)

اور کسی پر احسان اس خیال سے نہ کرے کہ اس کے بدلے میں آپ کو زیادہ کچھ حاصل ہو اس آیت کریمہ میں ایک عظیم اخلاقی قدر کی تعلیم دی جارہی ہے کہ جو لوگ اس لیے احسان کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے کوئی نفع حاصل کریں یا کم از کم جس پر احسان کیا ہے وہ

ہمیشہ ممنون اور احسان مند رہے یا احسان جتا کر اسے شرمندہ کرے اس آیت میں ان تمام باتوں سے منع کیا گیا ہے۔

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ○ (سورۃ المدثر الآیۃ:7)

اور امر دعوت وتبلیغ کے راستے میں جو تکالیف آئے اس پر صبر کریں آپ جانتے ہیں صبر کی فضیلت بے پناہ ہے اور سرورِ کائنات کا صبر سبحان اللہ! بڑا عظیم صبر تھا، پتھر کھا کر بھی دعائیں دیتے تھے، گالیاں سن کر بھی رحمت کے پھول برساتے تھے اور اگر کسی نے کبھی تمنا کی کہ حضور دعائے ہلاکت کیجیے تو آپ نے ان کے لیے دعائے رحمت فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

(الشفا بتعریف حقوق المصطفی-القاضی عیاض-الجلد1-الصفحة:105)

یعنی اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما کیونکہ یہ لوگ مجھے جانتے نہیں۔

ان آیات میں مخاطب تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں مگر بہت سی آیات کی طرح سے اصلاح تمام مسلمان بالخصوص داعیانِ دین کی گئی ہے اور خاص طور پر وارثانِ نبوت کی ان تمام آیات کے مخاطب بالواسطہ تمام امت مسلمہ کے افراد بھی ہیں، علماء ملت اسلامیہ بھی، داعیانِ دین بھی ہیں اور تبلیغ کا کام کرنے والے لوگ بھی ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۹۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی
الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُنْذِرِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْهِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۝ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ
یَسِیْرٍ ۝ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۝ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِیْنَ
شُهُوْدًا ۝ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۝ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۝

(سورۃ المدثر، الآیات:8الی15)

پس جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ دن بہت سخت ہوگا کافروں کے لیے

بالکل آسان نہ ہوگا یعنی ایمان والوں پر آسان ہوگا تم اس کو میرے حوالے کر دو جس کو میں نے تنہا پیدا کیا یعنی ماں کے پیٹ سے بغیر مال اور اولاد کے تنہا پیدا ہوا تھا وہ پھر میں نے اس کو بہت سا مال دیا اور اس کے پاس رہنے والی اولاد بھی دی، اس کے علاوہ بہت سا سامانِ حیات بھی دیا پھر بھی وہ لالچ رکھتا ہے کہ میں مزید عطا کروں۔

کَلَّا ؕ اِنَّهٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۝ (سورۃ المدثر، الآیۃ16)

ہرگز نہیں بے شک وہ ہماری آیات کا دشمن تھا۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ (سورۃ المدثر، الآیۃ:17)

میں آخرت میں اس کو آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا جس کا نام صعود ہوگا۔

اِنَّهٗ فَکَّرَ وَ قَدَّرَ ۝ (سورۃ المدثر، الآیۃ:18)

جس نے ہماری آیتوں پر غور کیا اور اندازہ مقرر کیا۔

یہ ولید کا واقعہ ہے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

فَقُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ ۝ (سورۃ المدثر، الایات:20/19)

تو اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی پھر اس پر لعنت ہو کہ اس نے ایسا اندازہ مقرر کیا۔

ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَکْبَرَ ۝

پھر نظر اٹھا کر دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی (ماتھے پر بل ڈالے) اور منہ بگاڑا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا

(سورۃ المدثر، الآیۃ:23/22/21)

فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝ (سورۃ المدثر، الآیۃ:24)

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے ہی چلا آرہا ہے۔

اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ؕ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:25)

قرآن صرف ایک انسان کا کلام ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

سَاُصۡلِيۡهِ سَقَرَ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:26)

ہم اسے جہنم میں گرادیں گے۔

واحد کا ضمیر ہے اس لئے اس سے مراد ولید ہی ہوگا جس نے یہ طے کیا تھا ان کو جادو گر کہا جائے۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:27)

اور اے پیغمبر آپ کو علم ہے کہ جہنم کیا ہے۔

لَا تُبۡقِىۡ وَلَا تَذَرُ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:28)

نہ باقی رکھے گی اور نہ کسی کو چھوڑے گی۔

لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:29)

انسان کی کھال کو جلا کر کے رکھ دے گی۔

عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ؕ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:30)

اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔

یعنی اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرمارہا ہے کہ ان لوگوں نے بیٹھ کر کے یہ طے کیا تھا کہ پیغمبر کو کس نام سے یاد کیا جائے، کس برے لقب سے تاکہ حج کے ایام میں آنے والے جب ان کے بارے میں پوچھیں تو سب مل کر ایک ہی بات کہیں اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان کو ساحر کہا جائے۔ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے کہ انہوں نے انتہائی ناپسندیدہ فیصلہ کیا اور

انہوں نے جب فیصلہ کیا تھا تو ان کو معلوم تھا کہ جادوگری سے یہ ہوتا ہی آیا ہے کہ اگر یہ بات کہہ دی جائے گی پیغمبر اعظم کے بارے میں سرورِ کائنات کے بارے میں تو لوگ یقین کرلیں گے اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ان پر مختلف سزاؤں کے لیے الگ الگ فرشتے مقرر کیے جائیں گے، انیس فرشتے۔

بالکل جیسے بہت سے اعمال کے لیے الگ الگ فرشتے ہیں، فرشتے قدرت رکھتے ہیں کہ وہ تنہا بھی یہ کام کرسکیں مگر روح قبض کرنے کے لیے کوئی اور فرشتہ ہے، وحیٔ پاک کی ذمہ داری حضرت جبرئیل کی ہے، قبر میں سوال کے لیے منکر نکیر ہیں اور اسی طرح بندوں کے اعمال لکھنے کے لیے باضابطہ فرشتے مقرر ہیں، کراماً کاتبین ہیں ۔

ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازوں کو نکال دیں تو انیس بچ جاتے ہیں حالات نماز میں انسان گناہ نہیں کرتا لیکن بقیہ اوقات میں گناہ کرسکتا ہے اس لیے انیس فرشتے ہر گھنٹے کے لیے مقرر ہیں جو ان کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ باضابطہ طور پر ان کافروں کے بارے میں کہا گیا ہے جو آقائے دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کے لیے سازشیں کررہے تھے اسی لیے تاویل چوبیس گھنٹوں والی مسلمانوں کے لیے تو ممکن ہے اس لیے کہ نماز تو وہی ادا کرتے ہیں مگر کافروں کے لیے نہیں اور یہاں مراد صرف کافر ہیں جن پہ انیس فرشتے مقرر کیے گئے ہیں ان کے الگ الگ اعمال کے لیے جس کا وہ ریکارڈ رکھیں گے اور ان کو الگ الگ سزائیں دی جائے گی۔ اور ان سزاؤں سے انہیں دوچار کیا جائے گا۔

حضراتِ گرامی! بات دراصل یہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ انیس فرشتے مقرر کیے جائیں گے تو ابوجہل نے مذاق اڑایا کہ اگر سو آدمی ایک

فرشتے کا مقابلہ کریں تو انہیں ختم کر دیں گے۔ معاذ اللہ

اس کا خیال تھا کہ فرشتہ بھی انسانوں جیسے ہی طاقت رکھتے ہیں اور ہمارے پاس تو کافر قریشیوں کی بہت بڑی جماعت ہے اگر فرشتے ہم پر نازل ہوئے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے۔ ابوالاسد ابن اسید نے کہا کہ سترہ کے لیے تو میں تنہا کافی ہوں بہت بڑا بہادر اپنے کو سمجھتا تھا کہ سترہ کے لیے تو میں اکیلا کافی ہوں۔ یہ ظالم فرشتوں کی طاقت سے واقف نہیں ایک فرشتہ اپنی چنگھاڑ سے پوری قوم کو اور ایک فرشتہ اپنی طاقت سے زمین کو الٹ دیتا ہے۔ قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ کے واقعات موجود ہیں اور یہ انیس فرشتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بطورِ مزاح ٹھٹھا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اصل میں انہیں قرآن پاک کے کسی بھی فیصلہ کا یقین نہیں تھا اس لیے جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ انتہائی شدت کے ساتھ انکار بھی کرتے تھے اور مذاق بھی اڑاتے تھے تاکہ لوگ قران پاک کی طرف توجہ نہ کر سکیں۔

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں عذاب نازل کرنے والے فرشتوں کی تعداد انیس ہی لکھی تھی، پرانی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود تھا جس کو باضابطہ ناپسند کرتے ہوئے اہلِ کتاب نے خود محو کر دیا اور تحریف کر دی۔

حضراتِ گرامی! بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ یہاں عدد سے مراد عالم آخرت کے حقائق ہیں جس کی دنیا میں توجیہ نہیں کی جا سکتی ہے۔

وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اور ہم نے مقرر کیے ہیں آگ کے داروغے فرشتوں میں سے۔

وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نے ان کی تعداد کو آزمائش بنایا ہے کافروں کے لیے۔

جیسا کہ گزر چکا میری گفتگو میں کہ انہوں نے مذاق بنایا تھا اور یہ مذاق بنانا دراصل مزید جہنم کا مستحق قرار دینا ہے خود کو، یہ ایک آزمائش ہے کافروں کے لیے۔

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور اس لیے بھی تاکہ اہلِ کتاب کو یقین ہو جائے۔

کیوں کہ ان کی کتابوں میں بھی انیس عذاب کے فرشتوں کا ذکر ہے جو کافروں میں متعین کیے جائیں گے اہلِ کتاب کو یقین ہو جائے۔

وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ

اور جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو اور بلاشبہ شک میں مبتلا نہ ہوں گے جو اہلِ کتاب ہیں اور اہلِ ایمان۔

وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ

لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ

اللہ تعالیٰ نے اس مثال کو بیان کر کے کس بات کا ارادہ کیا ہے۔

حضرات! یہاں، فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد یقینی طور پر منافقین ہیں کہ منافقین کو بھی اس انیس والی تعداد پر شبہ ہوگا اور وہ یہ سوچیں گے کہ اس سے اللہ نے کیا مراد لی ہے حالانکہ عالم غیب کے حقائق کا ادراک دنیا میں انسان نہیں کر سکتا، اس پر ایمان لانا ہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انیس فرشتے عذاب کے متعلق مقرر فرمائے اور فرمایا کہ اہلِ ایمان میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن منافقین تو ہر بات میں شبہ کرتے تھے اس لیے کہ

دلوں میں نفاق کا مرض تھا اور کافر تو انکار کرنے والے ہی ہیں۔

مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ

وہ کہیں گے اللہ نے یہ مثال کیوں دی ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اسی طریقہ سے اللہ تعالی جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

حضراتِ گرامی! عالم غیب کے حقائق صرف ایمان لانا ہے وہاں سوال یا شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے مشاہدہ تو اس وقت ہوگا جب عالم غیب کے حقائق ہمارے سامنے ہوں گے اس لیے روزِ اول سے اہلِ تقوی اور اہلِ ایمان کی علامت بتا دی گئی ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ مومن وہ لوگ ہیں، متقی وہ لوگ ہیں، قرآن صرف ان کو ہدایت دیتا ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ

اور اللہ کے علاوہ اللہ کی فوج کو کوئی اور نہیں جانتا ہے۔

یہ کارکنان قضا اور قدر ہیں اللہ تبارک وتعالی ہی جانتے ہے کہ اللہ کے جنود کیسے ہیں اس کے لشکر کتنے ہیں۔

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ (سورۃ المدثر، الآیۃ:31)

اور یہ تو دراصل نصیحت ہے اہلِ ایمان کے لیے اور آدمیوں کے لیے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ (سورۃ المدثر، الآیات:33/32)

ہاں قسم ہے، یقیناً قسم ہے چاند کی، وَالَّيْلِ اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیرے۔

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (سورۃ المدثر، الآیۃ:34)

اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے۔

تین باتوں کی قسم اللہ رب العزت نے یاد فرمائی ہے چاند کی قسم، رات جب ختم ہو رہی ہو اور صبح جب طلوع ہو رہی ہو۔

اس کی تشریح مفسرین کرام نے مختلف انداز سے کی ہے چاند کا گھٹنا اور بڑھنا اس کائنات کے نشو ونما کی مثال ہے اسی کے ذریعہ تاریخوں کا علم ہوتا ہے اور لوگ مہینوں اور ایام کو شمار کرتے ہیں، سال کو متعین کرتے ہیں تو چونکہ کائنات کی نشو ونما کی بنیاد چاند کا گھٹنا اور بڑھنا ہے اس لیے چاند کی قسم یاد فرمائی گئی یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا کا ختم ہو جانا رات کے گزر جانے کی طرح سے ہے جس طرح سے رات گزر جاتی ہے ایک روز دنیا بھی ختم ہو جائے گی اور عالم آخرت کا ظہور ہوگا طلوعِ صبح کی طرح سے۔

اللہ نے قسم یاد فرمائی قسم ہے چاند کی، رات کی جب وہ ختم ہو رہی ہو اور صبح کی جب وہ طلوع ہو رہی ہو یعنی رات جو دنیا کی رات ہے یہ گزر جانے والی ہے اور عالم آخرت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ جیسے صبح طلوع ہوتی ہے یہ بھی اس کی تشریح کی گئی ہے۔

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (سورۃ المدثر، الآیۃ:35)

یقیناً دوزخ بہت بڑی آفتوں میں ایک بڑی آفت ہے۔

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (سورۃ المدثر، الآیۃ:36)

ڈرانے والی ہے انسانوں کو۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (سورۃ المدثر، الآیۃ:37)

یہ اس لیے بھی ہے تا کہ تم میں سے جو لوگ آگے بڑھنا چاہیں وہ آگے بڑھیں یا پیچھے رہنا چاہیں تو وہ پیچھے رہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ آگے بڑھ کر ہدایت کو قبول کریں یا پیچھے رہ جائیں بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ کے راستے میں نیک کام کر کے آگے اعمالِ حسنہ کو بھیجیں اور یَتَاَخَّرَ سے مراد وہ کچھ بھی نہ کریں اور پیچھے رہ جائیں۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (سورۃ المدثر، الآیۃ:38)

ہر جان، ہر نفس، ہر انسان اپنے عمل کا گروی ہے، اپنے عمل کے قید میں ہے، اپنے عمل کا پابند ہے جو اس نے کیا ہے کل اسے میدانِ قیامت میں ملے گا۔

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ (سورۃ المدثر، الآیۃ:39)

سوائے اصحابِ یمین کے۔

اصحاب یمین کون ہیں متعدد بار ان کا تذکرہ کیا گیا ہے قرآن پاک میں جو میرے درس میں گزر چکا ہے اصحابِ یمین جنتی لوگ ہیں، اصحابِ یمین سے یہ بھی مراد ہے کہ جن کے نامۂ اعمال کو ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا جو جنت کی ضمانت ہوگا یا اصحابِ یمین جنتوں میں ہوں گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ (سورۃ المدثر، الآیۃ:40)

جنت سے جنتی جہنمیوں سے پوچھیں گے۔

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ (سورۃ المدثر، الآیات:42/41)

اور وہ مجرموں سے پوچھیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا، تمہارے کس جرم کے بنیاد پر تم کو یہ دوام فی النار کی سزا ملی، ہمیشہ رہنے کی۔

یہاں پوچھنے والوں سے مراد عام مفسرین نے تو یہی فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اہلِ جنت کو وہ نگاہ عطا فرمائے گا کہ دوزخ والوں کے عذاب کو دیکھیں گے اور دیکھنے کے بعد ان سے پوچھیں گے اور وہ بھی جنت والوں کو جنت میں دیکھیں گے اور وہ بھی سن سکیں گے، جواب دے سکیں گے تو یہ اہلِ جنت ان سے پوچھیں گے کہ تم نے کون سا ایسا جرم کیا تھا کہ جس کی بنیاد پر تم کو جہنم کا حقدار بنایا گیا تمہیں کیوں داخل کیا گیا۔

ایک اور بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ جہنم میں خلود یا ہمیشہ رہنا صرف کافروں ہی کے لیے ہوگا۔ اہلِ ایمان اگر مسلمان ہیں تو اور ان سے اگر کوئی خطا ہوگئی ہے اور جتنے بھی مراحل بخشش ہیں، نجات ہیں ان میں سے وہ کسی کو نہ پا سکے یعنی توبہ کر کے بھی وہ گناہوں کو نہیں معاف کروایا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت بھی میسر نہیں آئی، اللہ تبارک وتعالی نے اپنے کرم سے بھی ان کو معاف نہیں کیا تو جتنا انہوں نے گناہ کیا ہے اتنی سزا ان کو ملے گی اور پھر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو جب وہ جنت میں اپنی سزا کاٹ کر جا رہے ہوں گے تب وہ پوچھیں گے جہنمیوں سے کہ تم لوگ یہاں کیوں ہو کہ تمہاری سزا کیوں نہیں ختم ہوئی، یعنی تمہیں دوام کیوں دیا گیا، ہمیشہ تمہیں جہنم میں رکھنا کا فیصلہ کیوں کیا گیا، ہم نے تو اپنی سزا کاٹ لی ہے اور ہم تو جنت میں جا رہے ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ تفسیر کی ہے۔

حضراتِ گرامی! یہ بات آپ ذہن میں رکھیں کہ اللہ تبارک وتعالی کسی مومن کو جہنم میں سزا نہیں دے گا۔ صوفیائے کرام نے بڑا ہی بہترین نقطہ بیان کیا ہے کہ گنہگاروں کو جہنم میں اس لیے داخل کیا جائے گا کہ گناہ ایک طرح کی نجاست ہے جو ان کے دامن حیات پر یا ان کی روح پر لگی ہوئی ہے۔ توبہ کے ذریعہ انہوں نے اس نجاست کو پاک نہیں کیا تو جہنم میں ان کو سزا دے کر کے ان کو پاک وصاف کیا جائے گا اور پھر وہ جنت کے مستحق ہوں گے اس لیے کہ

جنت میں گناہوں کی ناپاکی کے ساتھ کوئی شخص داخل نہیں ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمادے۔

بہر کیف وہ پوچھیں گے مجرمین سے کہ کس جرم میں تم دوزخ میں داخل کیے گئے تم نے کیا کیا تھا وہاں۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (سورۃ المدثر، الآیۃ:43)

وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اللہ کا انکار کرتے رہے، اللہ کی عبادت سے ہم نے غفلت برتی۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (سورۃ المدثر، الآیۃ:44)

اور ہم نے مساکین کو کھانا نہیں کھلایا۔

حضرات! آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ مسکین کو کھانا کھلانا کتنا اہم ہے وہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مساکین کو کھانا بھی نہیں کھلاتے تھے آپ اندازہ کرو کہ کتنا اہم ہے یہ معاملہ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں درجنوں مقام پر جہاں نماز کا حکم دیا گیا ہے وہیں زکاۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے تاکہ مساکین کو ان کا حق میسر آسکے۔

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ (سورۃ المدثر، الآیۃ:45)

اور ہم نے ان کے ساتھ ہرزہ سرائی کی ہے جو اسلام کے خلاف اور پیغمبر اسلام کے خلاف بیہودہ اور ناپسندیدہ باتیں کرتے تھے، ان کے ساتھ لگے رہتے تھے۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (سورۃ المدثر، الآیۃ:46)

اور ہم تو یوم جزا کا، قیامت کا انکار کرتے تھے۔

حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (سورۃ المدثر، الآیۃ:47)

یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی۔

یعنی وہ اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کریں گے مومنوں کے سامنے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، ہم مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، ہم پیغمبر اعظم اور اسلام کے خلاف بکواس کرنے والوں کا ساتھ دیتے تھے، انہیں میں لگے رہتے تھے، ہم قیامت کا، روز جزاء کا انکار کرتے تھے کہ بدلے کا کوئی دن بھی ہے اور یہ حالت ہماری موت تک رہی یہاں یقین سے مراد یقینی فیصلہ موت ہے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی اور ہم اسی میں مبتلا رہے۔

حضرات! یہاں ایک بات ذہن میں رکھیں کہ اگر کوئی کافر کوئی نیک کام بھی کرے تو اسے قیامت میں کوئی جزا نہیں ملے گی اس لیے کہ وہ روزِ جزا کو مانتا ہی نہ تھا یاد رکھیے کسی ملک کے شہری کو اسی وقت وہاں کے فائدے ملیں گے جب وہ شہریت کو تسلیم کرتا ہو، اس کا شہری ہو جو لوگ قیامت کو مانتے ہی نہیں ہیں یومِ جزا کو نہیں مانتے وہ وہاں کے فائدے نہیں اٹھا سکیں گے یہ تو مجرموں کی بات ہے۔ اگر کچھ لوگ نیک کام بھی کرتے ہیں مومن نہیں ہیں، آخرت کو نہیں مانتے تو ان کو بھی وہاں کوئی جزا نہیں ملے گی اس لیے کہ وہ اس کے منکر رہے ہیں۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (سورۃ المدثر، الآیۃ:48)

تو اس روز شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

حضرات! یہاں منکرین قیامت کا اور کافروں کا تذکرہ ہے کہ کافروں کو کسی کی شفاعت فائدہ نہ کرے گی اس سے یہ بالکل مفہوم نہ سمجھا جائے کہ مومنین کو بھی کوئی شفاعت فائدہ نہ پہنچائے گی۔ جن لوگوں نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے شاید انہیں سیاق وسباق کا علم نہ تھا اور پر صرف کافروں کا تذکرہ ہو رہا ہے اور یہاں اہلِ ایمان کی باتیں ان کو فائدہ دے گی اور شفیع اعظم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں وہ بھی شفاعت فرمائیں گے، قرآن بھی شفاعت فرمائے گا۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ۔ (سورۃ المدثر، الآیۃ:49)

انہیں کیا ہوگیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں۔

کافروں کے بارے میں اتنا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ سب سننے اور جاننے کے بعد بھی یہ لوگ اس نصیحت کو کیوں نہیں قبول کرتے۔

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (سورۃ المدثر، الآیۃ:51/50)

،ان کا عالم تو یہ ہے کہ وہ جنگلی حمار کی طرح سے پھڑکے ہوئے ہیں جو شیر کے خوف سے بھاگا جا رہے۔

ان کا یہ عالم ہے کہ ان کے سامنے جب کلامِ الٰہی کی صداقت کا تذکرہ ہوتا ہے، پیغمبر کی عظمت کا تو یہ اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح کوئی گدھا شیر کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ یاد رکھیے کہ جانوروں میں تنہا گدھا ایک ایسا جانور ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتا اس لیے کفار کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (سورۃ المدثر، الآیۃ:52)

ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ ان کو کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں۔

كَلَّا ط بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ط (سورۃ المدثر، الآیۃ:53)

ایسا ہرگز نہیں ہوگا کلا نفی کے لیے ہے کیوں نہیں ہوگا دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں تو انہیں ان کے صحیفے دائیں ہاتھ میں نہیں دیئے جائیں گے۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ (سورۃ المدثر، الآیۃ:54)

ہاں ہاں یہ قرآن تو سراسر نصیحت ہے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ط (سورۃ المدثر، الآیۃ:55)

تو جس کا جی چاہے قرآن پاک سے نصیحت حاصل کرے،۔

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط

اور وہ ہرگز نصیحت قبول نہیں کر سکتے مگر یہ کہ جب اللہ چاہے۔

انہوں نے اللہ کی اتنی نافرمانی کی ہے کہ اللہ کے کرم کے مستحق نہیں رہ گئے ہیں اس لیے ان کے لیے قرآن پاک نصیحت نہیں ہے۔ ہاں! جنہیں اللہ چاہتا ہے انہیں نصیحت عطا فرماتا ہے اور وہ کون ہیں جنہیں اللہ چاہتا ہے کہ نصیحت حاصل کریں۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (سورۃ المدثر، الآیۃ:56)

یہ وہ لوگ ہیں جو ڈرنے والے ہیں اور بخشش کے قابل ہیں۔

یقیناً وہ قرآن عظیم سے نصیحت حاصل کریں گے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۹۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَھْدِیْہِ وَنَسْتَغْفِرُہٗ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ من شرور أنفسنا ,ومن سئیات أعمالنا
من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ,ومن یضلل فلا ھادی لہ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝
اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ ۝
بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ۝
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

سامعینِ کرام خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، حضور رحمتِ عالم، تاجدار مدینہ، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَم وَاٰلِہٖ

الْکِرَام اَجْمَعِیْن

حضرات آج سورۂ قیامہ کے مضامین پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۴۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔

حضرات جیسا کہ میں نے مکی سورتوں کے بارے میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ مکی سورتوں میں جن مضامین کو بار بار مختلف اسالیب اور مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نبی ہونا، قرآن عظیم کا اللہ کا کلام ہونا، قیامت کا برحق ہونا مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا یہی وہ مضامین ہیں جن کی طرف دعوت دینے کے لیے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں مکمل تیرہ سال گزارے۔

اصل میں یہ بنیادی مضامین ہیں، اسلام کی پوری عمارت عقائد کی ان ہی بنیادی اصولوں پر قائم ہے اللہ کی توحید جو سب سے اہم عقیدہ ہے ارکانِ عقائدِ اسلامیہ میں اس کے بعد سرورِ کائنات کی رسالت، قرآنِ عظیم کی صداقت اور قیامت اور حشر ونشر۔ اتنے مختلف اسالیب، مختلف دلائل کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام میں ان مضامین کو بیان فرمایا ہے کہ اگر دل بالکل ہی مردہ نہ ہوں اور مہر نہ لگی ہو تو انسان یقیناً ایمان لائے گا لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں مہر کر دی گئی تھی اور جو اپنی نفرت اور دشمنی کے بنیاد پر کسی بھی حالت میں ایمان کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے ان کا کہنا تو یہ تھا کہ اگر قیامت برپا بھی ہوجائے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ ہم اس رسول سے نفرت کرتے ہیں، ہم ان کی بات نہیں مانیں گے۔

کبھی کبھی وہ قبرستان سے کسی ہڈی کو اٹھالاتے اور دکھاتے اور کہتے کیا ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، کیا ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ حیات بخشی جائے گی قرآن تو اساطیر الاولین

ہے، گڑھ لیا ہے پیغمبر نے، اس کا اللہ کے کلام سے کوئی تعلق نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس سورت میں بھی دین اور ایمان، حشر اجساد اور وقوعِ قیامت اور تخلیق انسانی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سورت میں ابتداءً نفس امارہ اور نفس لوامہ کا ذکر کیا گیا ہے اور اللہ نے قیامت کی قسم یاد فرمائی ہے اور نفس لوامہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔ یہ نفس امارہ کیا ہے یہ نفس لوامہ کیا ہے اس کی وضاحت میں ان آیتوں کی ذیل میں کروں گا، اس کے بعد قیامت کی مختلف کیفیات کا تذکرہ کیا گیا ہے، وحیٔ پاک اور ان کی حفاظت اور اس کی تفسیر و وضاحت احادیث مبارکہ کے ذریعے سے کس طرح اللہ تبارک وتعالے نے اپنے فرمان میں قرآن عظیم کے کس طرح حفاظت کا اہتمام کیا ہے اس کا تذکرہ بھی ہوگا، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی محبت کی مذمت کی گئی ہے اور آخرت پر یقین کی دعوت دی گئی ہے اس سورت میں، اور موت کا ذکر اور سکرات کا ذکر کہ موت کے وقت کیا کیفیت ہوتی ہے انسان کی اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا گیا کہ جس خدا نے پیدا کیا ہے وہی خدا دوبارہ بھی زندہ فرمائے گا۔ پیدا کرنے کے مقابلے میں زندہ کرنا زیادہ آسان ہے اس کے لیے کوئی دشواری نہیں ہے۔

پھر ایک عظیم انعام کا تذکرہ ہے جو اہلِ انعام کو میسر آئے گا وہ قیامت کے روز خدا کا دیدار ہے اور مشتاقِ جمالِ الٰہی جو ہے جب خدا کا دیدار کریں گے تو ان کے چہروں پر جو شگفتگی ہوگی اس کا ذکر کیا گیا ہے اور منکرین قیامت اور منکرین دیدارِ الٰہی کے چہروں کی نحوست اور یبوست ان کے ساتھ ہوگی اور اس حالت میں وہ لرزہ براندام ہوں گے اور کانپ رہے ہوں گے خدا کی بارگاہ میں حاضری کے تصور سے یہ بنیادی مضامین ہیں جو اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں۔

کلامِ الٰہی کا کمال یہ ہے کہ ایک ایک لفظ میں، ایک ایک آیت میں خواہ وہ مختصر ہی

کیوں نہ ہو مضامین کا ایک سمندر پوشیدہ کر دیا گیا ہے جس کی جتنی بھی وضاحت کی جائے کم ہے۔

اب آئیے میں ترجمہ اور مختصر سی تشریح کے حوالہ سے اس سورتِ پاک کے مضامین کو پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝

(سورۃ القیامۃ: الآیات:2/1)

اللہ فرماتا ہے میں قسم یاد کرتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم یاد کرتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور برپا ہوگا، قیامت آئے گی۔)

حضراتِ گرامی! قیامت کی قسم اس لیے یاد فرمائی گئی تاکہ شبہ بھی نہ ہو سکے کسی کو کہ کیا قیامت آئے گی یا نہیں آئے گی؟ کوئی شک کہیں سے نہ گزرے اللہ تبارک وتعالی جب کسی کی بات کی قسم یاد فرماتا ہے تو وہ تاکید ہوتی ہے اور اس بات کو ذہنوں میں اور دل میں اس طرح بیٹھا دینا ہوتا ہے کہ اس کے لیے انکار کی کہیں کوئی گنجائش نہ ہو اور شبہ باقی نہ رہے۔

قیامت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے وقوع ہونے کے سلسلے میں اللہ تبارک وتعالی نے قسم یاد فرمائی لیکن قیامت کے ساتھ ساتھ ایک اور قسم ہے اور وہ ہے نفس لوامہ، نفس لوامہ کیا ہے میں ابھی اس کی وضاحت کرتا ہوں۔

حضراتِ گرامی! قیامت کے بارے میں آپ تفصیل سے جانتے ہیں کہ قیامت برپا ہوگی، نفس لوامہ کیا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ نفس لوامہ جو ہے وہ مومن کا نفس ہے۔

لوامہ کا معنی ہوتا ہے شدت سے ملامت کرنے والا جب مومن کوئی غلطی کرنا چاہتا ہے، مبتلائے غفلت ہوتا ہے تو اس کا نفس شدت سے اسے ملامت کرتا ہے اور اسی ملامت کے

بنیاد پر مومن بے شمار خطاؤں سے پاک ہو جاتا ہے، غلطیوں سے رک جاتا ہے، کبھی کوئی خطا نہیں کرتا ہے۔

حضرات! اللہ تبارک وتعالی نے نفس لوامہ کے ذریعہ انسان کو گناہوں سے بچایا ہے ۔نفس لوامہ کے مقابلہ میں نفس امارہ ہے نفس امارہ کے معنی ہوتے ہیں انسان کا وہ نفس جو اسے برائیوں کا حکم دیتا ہے، امارہ کا معنی ہوتے ہیں کثرت سے (گناہوں کا) حکم دینے والا۔

انسان کے اندر نفس لوامہ ہے اور مومن کا نفس لوامہ بہت توانا اور طاقت ور ہوتا ہے لیکن نفس امارہ بھی ہے، نفس امارہ شیطان کے مکمل کنٹرول میں ہوتا ہے اور نفس امارہ کے ذریعہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ نیکیوں سے روک دے، ایمان لانے سے روک دے، ایمان لایا ہے تو ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے سے روک دے۔

یہ دو نفوس ہیں ابتداءً تو ایسا ہوتا ہے کہ ان دو نفوس میں ایک جنگ کی سی کیفیت ہوتی ہے لیکن جب انسان کا ایمان پختہ تر ہوتا چلا جاتا ہے تو نفس امارہ کمزور پڑ جاتا ہے اور نفس لوامہ طاقت ور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب انسان گناہ کرنا چاہتا ہے اور گناہ سے باز آجاتا ہے تو اس کے دل میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے لیکن گناہ کر بیٹھتا ہے تو دل کے اوپر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، آئینۂ قلب کے اوپر۔

لیکن جب بھی انسان گناہ کرنا چاہتا ہے تو نفس لوامہ اسے منع کرتا ہے کہ مت کرو اللہ ناراض ہوگا، یہ گناہ ہے کچھ لوگ نفس لوامہ کی بات کو جو اہلِ ایمان ہیں مان کر کے گناہ نہیں کرتے لیکن کچھ لوگ گناہ کر بیٹھتے ہیں جب انسان گناہ کر لیتا ہے تو اس کے دل پر نقطہ پڑ جاتا ہے اگر گناہ نہیں کرتا ہے تو اس کا آئینۂ قلب صاف ہو جاتا ہے۔

اگر اس نے گناہ کر لیا پھر نفس لوامہ نے ملامت کی کہ یہ کیا کر بیٹھے اس نے توبہ کر لیا تو

دل کا وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے لیکن اس نے دوبارہ گناہ کرنے کا ارادہ کر لیا نفس لوامہ پھر منع کرے گا لیکن نہیں مانا تو وہ نقطہ پھیلتا ہے، پھر تیسری بار گناہ کرنے کا ارادہ کرے گا وہ پھر نفس لوامہ منع کرے گا وہ کر بیٹھتا ہے پھر نقطہ پھیلتا ہے یہاں تک کہ بار بار گناہ کرنے کے بنیاد پر نفس لوامہ کمزور پڑ جاتا ہے اور نفس امارہ نفس متمردہ بن جاتا ہے، سرکش نفس بن جاتا ہے۔

پھر انسان کے اندر وہ نفس نہیں رہ جاتا جو اسے برائیوں سے روکتا ہے اور برائیوں پر ملامت کرتا ہے اور پھر انسان گناہوں کی زندگی کو ہی اپنے لیے سب کچھ سب سمجھتا ہے۔ نفس لوامہ مر جائے تو نفس امارہ اتنا سرکش ہو جاتا ہے کہ جیسے گندگی میں پیدا ہونے والا کیڑا اگر باہر نکالو تو مر جائے گا اور اگر گندگی میں ڈال دو تو زندگی مل جاتی ہے یہی حال ان زانیوں کا ہے، شرابیوں کا ہے، بدکرداروں کا ہے، مجرموں کا ہے جن کے دل نفس امارہ کی پیروی کی بنیاد پر کالے ہو چکے ہیں اور وہ پھر ان کے لیے مشکل ہوتا ہے کہ لوٹ آئیں یا تو اللہ کا خاص کرم ہو جائے ان کے اوپر یا پھر کسی صاحبِ نظر کی نظر پڑ جائے ورنہ گناہوں سے دل کے سیاہ ہونے کے بعد پھر انسان کا پلٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے برعکس جب نفس لوامہ نے منع کیا اور وہ باز آگیا تو نفس لوامہ اور طاقت ور ہوگا اور نفس امارہ کمزور ہوگا بار بار نفس امارہ گناہ پر آمادہ کرے گا، بار بار نفس لوامہ منع کرے گا ہر بار وہ مانتا چلا گیا ہر بار نفس لوامہ طاقت ور ہوگا اور نفس امارہ کمزور ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ آئینۂ قلب مزید صاف ہوتا چلا جائے گا، روشن ہوتا جائے گا، نیکیوں کی روشنی قلب کو منور کرتی جائے گی۔

نفس امارہ بار بار ٹھکرائے جانے کے بعد اتنا کمزور ہو جائے گا کہ آخری بار بہت ہی خاموشی سے کہ کر لو یہ گناہ کہ بہت ہی لذیذ ہے۔ نفس لوامہ طاقت ور ہو چکا ہے شدت سے منع کرے گا اور انسان آخری بار بھی نفس امارہ کو جھٹک دے گا تو نفس لوامہ نفس مطمئنہ بن جائے گا

اور یہ نفس مطمئنہ وہ ہے کہ جس کے بارے میں قرآنِ عظیم فرماتا ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (سورۃ الفجر، الآیات:27۔30)

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی داخل ہو جا اللہ کی جنت رضا میں، بندوں میں داخل ہو جا، اس کی جنتِ رضا میں داخل ہو جا۔

یہ اس نفس کو بشارت دی جائے گی اور اس وقت جب انسان دنیا سے رخصت ہو رہا ہوگا چونکہ نفس لوامہ نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو چکا ہے اس لیے قران یہ اعلان کرتا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

(سورۃ یونس، الآیۃ:62)

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ولیوں کو نہ خوف ہے نہ وہ غمزدہ ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تمام اولیائے کرام کو، مومنانِ کامل کو نفس مطمئنہ نصیب ہوتا ہے پھر حوادثِ زمانہ نہ انہیں پریشان کرتے ہیں، نہ گزرا ہوئے زمانہ انہیں ملول کرتا ہے اور نہ آنے والے حادثات کا انہیں کوئی غم ہوتا ہے وہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔

نفس لوامہ کی اہمیت کو میں نے بتایا ہے اب نفس لوامہ کی قسم اور قیامت کی قسم یاد فرمانے کے بعد اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:3)

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر پائیں گے۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:4)

کیوں نہیں ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کے ایک ایک پور کو درست کر دیں۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:5)

لیکن انسان کا عالم یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی بدکرداری کرتا رہتا ہے اور گناہوں پر اصرار کرتا رہتا ہے۔

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:6)

از راہِ تمسخر پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی۔

یہ اس لیے نہیں کہ وہ قیامت کو دیکھنا چاہتا ہے یا قیامت پر ایمان لانے کے لیے مشاہدہ کرنا چاہتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مذاق کی نیت سے مسلسل اس طرح کے سوال کرتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

چونکہ یہ سوال یہ مسلسل کرتا ہے اور بطورِ تمسخر بطورِ استہزا کہتا ہے اس لیے اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے قیامت کب آئے گی۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

(سورۃ القیامۃ، الآیات:9/8/7)

جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، چاند بے نور ہو جائے گا (کوئی روشنی نہیں رہے گی) اور چاند و سورج کو جمع کر دیا جائے گا۔ ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ چاند اور سورج دونوں اپنی روشنی کھو دیں گے اور دونوں یکساں ہو جائیں گے۔

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:10)

اس روز انسان کہے گا کہاں ہے بھاگنے کی جگہ۔ کہاں ہے راہ فرار

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:11)

ہر گز نہیں اے محبوب ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔

لَا وَزَرَ ط ان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ○(سورۃ القیامۃ، الآیۃ:12)

صرف ان کا ٹھکانہ رب کے حضور ہی میں ہوگا۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ○(سورۃ القیامۃ، الآیۃ:13)

اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائے گا، بتایا جائے گا قیامت میں جو اس نے عمل پہلے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑ کر آیا ہے، اس کے اعمال کے بارے میں اسے مکمل آگاہ کیا جائے گا۔

اب اللہ فرماتا ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ○(سورۃ القیامۃ، الآیۃ:14)

بلکہ انسان قیامت میں تو یقیناً اسے اس کے عمل کی خبر دی جائے گی، اس کی برائیوں کے بارے میں اسے دکھایا جائے گا، اسے مشاہدہ کرایا جائے گا، نیکیاں کی ہوں گی تو وہ بھی اس کے سامنے ہوں گی۔

"بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ" کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بلکہ انسان اپنے احوال کی خبر رکھتا ہے قیامت میں اگر نہ بھی دکھایا جائے تو بھی اسے معلوم ہے کہ وہ دنیا میں کیا کرتا تھا، آج وہ نخوت اور غرور کے بنیاد پر اپنے برائیوں پر قائم رہتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں برا انسان جانتا ہے میں برا کر رہا ہوں، بدکردار سے بدکردار انسان جانتا ہے کہ میں برا کر رہا ہوں اس کے باوجود وہ کرتا ہے اس لیے کہ اسے مرنے کا یقین نہیں ہے، خدا کی بارگاہ میں حاضری اور جواب دہی کا بھی احساس نہیں ہے۔

قرآنِ پاک نے بار بار قیامت اور موت اور اس کے بعد اٹھنے کا تذکرہ اس لیے

کیا ہے کہ اگر انسان اس بات پر یقین کر لے کہ وہ مرے گا اور خدا کے بارگاہ میں حاضر ہوگا اور یہ یقین ایک محسوس عقیدہ بن جائے، ہمیشہ اس کے سامنے رہے تو کوئی بھی گناہ نہیں کرے گا۔

وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ط ○(سورۃ القیامۃ، الآیۃ:15)

خواہ وہ سینکڑوں بہانے کیوں نہ بناتا رہے۔

ہمیں معلوم نہیں تھا، ہم نہیں جانتے تھے یہ گناہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی قرآن عظیم کے بارے میں اپنے محبوب کو فرما رہا ہے وحیٔ پاک کا نزول مسلسل ہو رہا تھا اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب جبرئیل قرآنِ پاک پڑھتے تھے تو حضور جیسے وہ پڑھتے تھے اسے فوراً ہی دوہراتے تھے تاکہ کوئی لفظ چھوٹ نہ جائے، بھول نہ جائیں۔ تو ایک مشقت کی کیفیت تھی تو اللہ تبارک وتعالی فرما رہا ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ط ○(سورۃ القیامۃ، الآیۃ:16)

آپ قرآنِ پاک کو یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے تاکہ آپ یاد کرنے میں جلدی کرنے کو شش کرنے لگیں آپ پریشان نہ ہوں،

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ○(سورۃ القیامۃ، الآیۃ:17)

بے شک قرآن پاک کا جمع کرنا آپ کے سینۂ اطہر میں اور اس کو پڑھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ایک آیت کریمہ میں ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○(سورۃ الحجر، الآیۃ:9)

اس کی حفاظت کا یہ اہتمام ہے کہ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے کہ ہم قرآن پاک کو آپ کے سینۂ پاک میں جمع کریں گے، تمام آیت مبارکہ ویسے ہی آپ کے سینۂ پاک

میں ہوں گی جیسے جبرئیل پڑھ رہے ہیں۔

اب یہاں دیکھیے تلاوت تو جبرئیل کرتے تھے، کلام تو جبرئیل لاتے تھے مگر اللہ جبرئیل کے اس عمل کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے کہ ہم اپنے کلام کو آپ کے سینہ میں جمع کر دیں گے اور محفوظ کر دیں گے۔

اب اس سے نقطہ یہ بھی سامنے آگیا کہ قرآنِ پاک جو جمع کیا گیا ہے جنابِ صدیق کے زمانہ سے جناب عثمان غنی کے زمانہ تک مختلف مراحل سے گزر کر کے یہ جمع قرآن جو ہے بالکل مشیت کے فیصلہ کے مطابق ہے، اللہ نے جیسا چاہا ہے ویسے ہی آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر میں جمع ہوا اور ویسے ہی صحابۂ کرام نے بھی جمع کیا اور اس کی تلاوت بھی اللہ کی مرضی کے مطابق ہے۔ وہ صحابۂ کرام جناب صدیق، جناب عثمانِ غنی اور وہ صحابۂ کرام جنہوں نے قرآن پاک کو جمع کیا وہ دراصل اللہ کی اسی مشیت کی عملاً تکمیل کر رہے تھے تاکہ قرآن پاک کے جمع اور تلاوت ہونے میں کوئی اختلاف نہ ہونے پائے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:18)

آپ کا کام تو یہ کہ اے محبوب جب ہم قرآن پاک پڑھ لیں (، نازل جبرئیل کر رہے ہیں خدا اس کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے) اے محبوب جب ہم یہ پڑھ لیں تو آپ اس تلاوت کی اتباع کریں۔

اب اس کے بعد ایک ایسی آیت کریمہ ہے جس نے بے شمار شکوک وشبہات کا قلعہ قمع کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام کا دعوی کرنے والے کچھ ایسے ملحدین بھی ہیں جو منکرین حدیث کہلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب قرآن پاک ہے تو حدیث کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور حدیث تو صحابہ نے گڑھ لی ہے معاذ اللہ! کچھ مکمل حدیث کا انکار تو نہیں کرتے

لیکن اس کی تفریق کرتے ہیں کہ جو حدیث قولی ہے اس پر عمل تو ہوگا لیکن جو حدیث فعلی یعنی عملی ہے وہ تو عرب کے کلچر کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل تھا معاذ اللہ اس لیے اس پر عمل ضروری نہیں ہے کچھ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے ان لوگوں کی فکری غلطیوں اور انحراف کو یہاں واضح فرما دیا ہے: اے محبوب!

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ط ○ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:19)

پھر ہماری ہی ذمہ داری ہے کہ ہم اسے کھول کر بیان بھی کریں۔

یعنی قرآن پاک آپ کے قلب اطہر کے اندر ہم محفوظ بھی کریں، قرآن پاک کو جمع بھی کریں اور قرآن پاک کو بیان بھی کریں۔

اس بیان سے کیا مراد ہے حدیثِ مبارکہ یعنی ہم قرآن پاک کے مفہوم کو احادیث کے شکل میں آپ کے قلب میں اتار دیں۔

قرآن پاک تو وہ ہے کہ جس میں الفاظ بھی خدا کے ہیں اور مفاہیم بھی۔

قرآن پاک کی تعریف یہی تو کی جاتی ہے نا۔

هو النظم والمعنى جميعا

قرآن پاک نظم ومعنی دونوں کو کہتے ہیں۔

لیکن حدیث وہ ہے کہ اللہ نے مفہوم آپ کے قلبِ پاک میں نازل کیا اور آپ نے اپنے لفظوں میں بیان کیا تو یہ حدیث ہے۔

اس سے حدیثِ پاک کی مکمل عظمت کا بیان ہوتا ہے۔ بعض ظالموں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی کہ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ط کا یہ مطلب ہوا کہ "اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا" قرآن پاک کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر بیان کرتی ہے۔

جبکہ یہ بات نہیں ہے پورے قرانِ پاک کی ہر آیت دوسری آیت کی تفسیر نہیں کرتی ۔

پھر آپ ذرا احکام کو دیکھئے اور جائزہ لیجیے احکامِ الٰہی کا، کیا کوئی انسان بغیر حدیثِ پاک کی رہنمائی کے نماز پڑھ کر دکھا سکتا ہے قرآنِ پاک میں اقامتِ صلاۃ کا حکم دیا گیا ہے اور بار بار دیا گیا ہے، رکوع اور سجدے کا حکم دیا گیا ہے لیکن کتنی رکعتیں پڑھی جائیں؟ کب وقت شروع ہوگا؟ کب ختم ہوگا؟ رکوع میں کیا پڑھا جائے؟ سجدے میں کیا پڑھا جائے؟ تشہد میں کیا پڑھا جائے؟ صرف قرانِ پاک پر عمل کرنے کا دعوی کرنے والے دو رکعت نماز پڑھا کر دکھا دیں کبھی نہیں دکھا سکتے، روزہ رکھ کر دکھا دیں قرآن پاک میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ تم کھانے پینے سے اور جنسی عمل سے غروبِ آفتاب تک رک جاؤ لیکن بقیہ احکام کہاں ہیں، تشریحات کیا ہے کہیں اسکا تذکرہ ہے۔

حضرات! سارے اعمال کا معاملہ یہی ہے، قران میں زکاۃ کا حکم تو دیا گیا ہے کہ زکاۃ دو لیکن کتنی دو، مال کی زکاۃ کیا ہوگی؟ غلے کی زکاۃ کیا ہوگی؟ سونے اور چاندی کی زکاۃ کتنی ہوگی؟ جانوروں کی زکاۃ کتنی ہوگی؟ کب نکالی جائے گی؟ یہ سب حدیث پاک میں بتایا گیا ہے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۹۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ○ وَ قِیْلَ مَنْ رَاقٍ ○ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ○
وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ○ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

سامعین کرام آئیے ہم اور آپ درود شریف پڑھ لیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَم وَاٰلِہٖ الْکِرَام اَجْمَعِیْن

حضراتِ گرامی! میں نے سورۂ قیامہ کی جن آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے ان میں جانکنی کے منظر کو پیش کیا گیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

ہاں ہاں! جب جان پہنچے گی گلے تک اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا، وہ جان جائے گا کہ اب جدائی کی گھڑی آگئی ہے اور جب لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی سے دوسری پنڈلی اس دن آپ کے رب کی طرف آنا ہوگا۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ○ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:26)

ہاں ہاں جب جان پہنچے گی گلے تک

حضرات! جان کا نکلنا پاؤں سے شروع ہوتا ہے اور حلق تک پہنچنے کے بعد جان مکمل نکل جاتی ہے تو ایسے وقت میں لوگ کہتے ہیں کہ

وَ قِيْلَ مَنْ رَاقٍ (سورۃ القیامۃ الآیۃ:27)

اور لوگ کہیں گے ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔

تا کہ جانکنی کا لمحہ آسان ہو، اسکی جان آسانی سے نکلے یا اسے شفاء میسر آجائے۔

وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (سورۃ القیامۃ الآیۃ:28)

اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ جدائی کی گھڑی ہے۔

ایک غافل کے لیے جو خدا کے احکام اور قوانین سے غافل ہے اس کے لیے موت سرتاسر جدائی ہے۔ اپنے گھر والوں سے، اپنے بال بچوں سے، اپنے مال و دولت سے ہر ایک سے جدا ہو رہا ہے جدائی تو ہے مگر وصال نہیں ہے اس لیے کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتا، موت کے بعد زندگی پر یقین نہیں رکھتا ہے اس لیے جیسے ہی یہ جدائی کا لمحہ قریب آتا ہے وہ انتہائی بے بسی محسوس کرتا ہے لیکن ایک مومن کے لیے، عبادت گزار کے لیے، اللہ کے احکامات کی پیروی کرنے والے کے لیے یہ جدائی تو ہے مگر اس کے ساتھ پیغامِ وصالِ محبوب ہے۔

موت اس کے لیے بہت مشکل ہوتی ہے جو اپنا سب کچھ چھوڑ رہا ہو اور وہ موت کو زندگی کا آخری مرحلہ سمجھ رہا ہو کس قدر مایوسی اور درد کیفیت اس انسان پر ہوتی ہوگی جو زندگی بھر کماتا رہا ہے، بلڈنگیں بناتا رہا ہے، کاروبار پھیلاتا رہا ہے، باغات اور کھیتیاں تیار کرتا رہا ہے اور اب موت حلق تک پہنچ چکی ہے اور اسکی پھٹی ہوئی آنکھیں جو موت سے قریب تر ہیں ان تمام

چیزوں کو انتہائی حسرت سے دیکھ رہی ہیں اور کچھ بھی نہیں کر سکتا وہ۔ لیکن وہ انسان جس نے اپنے اللہ کو راضی رکھا، جس نے آخرت پر یقین کیا جو اس لیے جیتا رہا کہ ایک روز مر کر آخرت کا مسافر بنے گا اور اللہ اور رسول کے جلووں کا دیدار کر سکے گا اس کے لیے موت صرف جدائی نہیں ہے بلکہ وصال کا پیغام بھی ہے۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے
موت، تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
میرے جنازے پہ رونے والو! فریب میں ہو، بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں غمِ نبی میں لباسِ ہستی بدل گیا ہوں
آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات
تیرے کشتوں کو موت آئی تو کتنی بامراد آئی
ادھر ہونٹوں پہ دم آیا صدائے زندہ باد آئی

اہلِ محبت اور اہلِ ایمان کا معاملہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سوچتا اور کہتا ہے کہ قبر میں جس گھڑی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی جان لے لو واقعی مجھے وہ لمحہ دے دو۔

تو جدائی یقیناً غافل افراد کے لیے، کافر افراد کے لیے موت کی جدائی کا لمحہ بڑا دردناک ہوتا ہے، وہ سب کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوتا ہے اور جس طرح سے ایک انسان مکان بناتا ہے اسے مکان سے محبت ہوتی ہے، در و دیوار سے محبت ہوتی ہے، صحن و باغ سے محبت ہوتی

ہے جب اس کو مکان سے زبردستی نکالا جائے تو بطورِ مثال عرض کر رہا ہوں تو کبھی اس دیوار کو حسرت سے دیکھتا ہے کبھی اس دیوار کو، ایک گوشے میں کھڑا ہو کر کے اسے لپٹنے کی کوشش کرتا ہے، کبھی ستون سے لپٹے گا کہ ہائے اب تو جدائی ہونے والی ہے۔

روح، جان انسانی وجود کے اندر ساٹھ، ستر سال تک رہی اب وہ جب اپنے جسم کو چھوڑ رہی ہے تو کبھی ہاتھ اکڑ رہا ہے تو کبھی پیر اکڑ رہا ہے وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ کی کیفیت ہے کبھی آنکھیں الٹ رہی ہیں، روح جو ہے اپنے ساٹھ، ستر سالہ مقام کو اب چھوڑ رہی ہے۔ لیکن وہ روح یا نفس مطمئنہ جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے گذشتہ درس میں جب نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف رجوع کر رہا ہوگا تو فرشتے استقبال کے لیے تیار ہوں گے، بہت مطمئن ہوگا وہ، اسے کوئی حسرت نہ ہوگی، دنیا چھوڑنے کا کوئی افسوس نہ ہوگا۔

حضراتِ گرامی! میں چند مثالوں کے ذریعہ محسوس طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کروں۔ ایک شخص ہے جو اپنے ملک سے بھاگ کر کے کسی دوسرے ملک میں پہنچا، بڑا دولت مند ہے، بڑی دولت اس نے کمائی اور دوسرے ملک میں منتقل کی، اس نے کوئی قتل کر دیا تھا اپنے ملک میں وہ بھاگ کر کے آیا فائیو اسٹار ہوٹل میں زندگی گزارنے لگا اچانک انٹر پول کے ذریعہ اسے گرفتار کیا گیا اور اسے وطن لے جایا جا رہا ہے جہاں اسے پھانسی دی جائے گی یا عمرِ قید ہوگی۔ ذرا سوچیے کیا وہ قاتل جو انتہائی عیش و آرام سے اپنے ملک سے بھاگنے کے بعد دوسرے ملک میں رہ رہا تھا جب اسے اپنے وطن کی طرف لے جانا چاہیں گے پولیس والے تو کیا وہ جانا چاہے گا، وہ چاہے گا کبھی وطن کی سرحدیں قریب نہ آئیں، خدا کرے میں کبھی نہ پہنچ سکوں جیسے جیسے وطن قریب آتا جائے گا اس کا اضطراب بڑھتا جائے گا۔

قریب آتا ہے روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

وطن جیسے جیسے قریب آ رہا ہوگا وہ قاتل اور ظالم انتہائی مضطرب اور بے چین ہوگا۔ لیکن ایسے انسان کے بارے میں سوچیے جو اپنے وطن سے کمانے کی غرض سے، غریب تھا نکلا کوئی سرمایہ اس کے پاس نہیں تھا چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر نکلا اس نے کئی سال تک بے پناہ محنت کی، جائز طریقہ سے اس نے روزی کمائی اب وہ واپس آ رہا ہے، اپنے بچے کو اپنی بیوی کی گود میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اب جا رہا ہے تو اس کے خیال میں ہے کہ میرا بچہ بڑا ہو چکا ہوگا میں جاؤں گا تو مجھ سے لپٹ جائے گا اب وہ سوچے گا جلدی وطن آجائے اور بہت خوش ہوگا ہر لمحہ، جیسے جیسے وطن کے قریب ہوگا اس کی خوشیاں کئی گنا بڑھتی جا رہی ہوں گی، دل کی کلی کھل رہی ہوگی، چہرے پر مسرتوں کا اجالا ہوگا اور یقین مانیے جب وہ اپنے گھر پہنچے گا تو اس کا ننھا سا بچا اس سے لپٹ کے ایک مرتبہ اسے ابو کہہ دے گا تو واللہ العظیم کئی سالوں کی محنتوں اور تکالیف کو وہ بھول جائے گا۔

حضرات! میں نے یہ مثال اس لیے دی کہ آپ کو اپنے سفرِ آزمائش کو سمجھاؤں کہ ایک شخص ایسا ہے دنیا میں آیا، یہ اس کا عارضی وطن ہے اس نے بہت کمایا، بڑی دولت اکٹھی کی، بڑے آرام سے رہا، نوکر چاکر بھی رہے، لمبی لمبی کاریں بھی رہیں، عظیم الشان مکان بھی رہا اب موت کا فرشتہ آیا اس نے احساس دلایا کہ چلو تمہیں آخرت کے گھر تک لے چلتے ہیں کوئی پونجی نہیں تھی، کوئی سرمایہ آخرت کے لیے نہیں تھا سب کچھ کمانے کے بعد بھی خالی ہاتھ جا رہا تھا اور گناہوں کی بنیاد پر ہر لمحہ وہ لرز رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔

انسان جیسے ہی مرتا ہے وہ گنہگار ہو یا پارسا ہو آخرت کے مناظر اس کے سامنے ہوتے ہیں ایک گنہگار تو کبھی مرنا نہیں چاہے گا لیکن ایک مومن جس نے آخرت کے لیے کام کیا ہے

اسے یقین ہے کہ وہاں جانے کے بعد وہ بہترین نعمتوں سے نوازا جائے گا اس لیے کہ وہی اس کا وطن اصلی ہے، اس کی موت یقیناً دوسروں سے مختلف ہوگی، اس کا سفر دوسروں سے بہت مختلف ہوگا بلکہ موت اسے سکون دے گی کہ محنت کے ایام ختم ہو گئے اب پھل کھانے کا وقت ہے اور وہ اسی تصور میں مگن ہوگا یہی وجہ ہوگی کہ اسے موت کی سختیوں کا احساس تک نہ ہوگا۔

اور پھر یہ بھی سوچیے کہ ایک ایسا آدمی ہے جو کسی ایسے مقام پر کام کرتا ہے جہاں اس کے دوست ہیں، احباب ہیں نوکری کرتا ہے، بڑا آفیسر ہے کوئی اچانک حکم ہوتا ہے کہ تم فلاں شہر میں جاؤ اور وہ جانتا ہے وہاں میرے دشمن موجود ہیں، میرے لیے جان کا خطرہ ہے، وہاں کوئی جاننے اور پہچاننے والا نہیں ہے تو بتائیے کہ کیا وہ جانا چاہے گا، اس تبادلہ کو قبول کرے گا، اس ٹرانسفر کو پسند کرے گا۔ نہیں۔

حضرات! آپ مومن ہیں، آپ کو اللہ سے محبت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے، صحابۂ کرام سے محبت ہے، اولیائے کرام سے محبت ہے۔ آپ نے اولیائے کرام کو دیکھا نہیں ہے، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی ہے، صحابۂ کرام کو دیکھا نہیں ہے یا آپ نے مومن بھائیوں، بہنوں اور ماؤں کو دیکھا نہیں ہے اور وہ آخرت کا سفر کر چکے ہیں۔ اب فرشتۂ اجل آ کر آپ سے یہ کہہ رہا ہے کہ آئیے جنت میں چلیں جہاں تم اپنے رب کا دیدار کر سکو گے، جس کی بارگاہ میں تم پانچ مرتبہ حاضری ہوتے تھے، تمہارے بربط روح پر سبحان ربی الاعلی کا نغمہ چھڑتا تھا، جہاں رسولِ پاک کی زیارت ہوگی جن پر تم ایمان لائے تھے ، جہاں صحابۂ کرام ہوں گے، جہاں اولیائے کرام ہوں گے جن سے تم محبت کرتے تھے، جن کی یادیں منایا کرتے تھے، جن کے نقشِ قدم کی اتباع کرتے تھے یقیناً ایسا انسان خوف زدہ نہیں ہوگا بلکہ موت کو پیغامِ وصالِ محبوب سمجھے گا۔

فرمایا گیا ہے۔

اَلْمَوْتُ جَسَرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبُ اِلَی الْحَبِیْبِ۔

موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتا ہے۔

حضراتِ گرامی! قرآنِ عظیم اس کے بعد ارشاد فرما رہا ہے:

وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:29)

یعنی موت کے بعد کفن میں پاؤں لپیٹے جائیں گے یا شدتِ مرض یا کمزوری سے پنڈلیاں آپس میں لپٹ جائیں گے۔

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىٕذِ الْمَسَاقُ (سورۃ القیامۃ، الآیۃ:30)

اس دن تیرے رب ہی کی طرف ہانکنا ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ اے حبیب اس روز ان کی یہ دردناک کیفیت ہوگی اسی حال میں وہ ہمارے حضور حاضر ہوں گے۔

اس دردناک کیفیت کی تصویر کشی کے بعد بھی منکروں کا کیا عالم ہوا انہوں نے اس ارشاد و رہنمائی سے کیا حاصل کیا اس بارے میں بتایا جا رہا ہے:

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰىۙ○ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰىۙ○

(سورۃ القیامۃ، الآیات:32/31)

اس نے نہ تو سچ مانا اور نہ نماز پڑھی ہاں جھٹلایا اور منہ پھیرا

موت کا اضطراب، موت کی بے کسی، موت کے بعد تنہائی کا سفر، جانکنی کا اضطراب یہ سب سننے اور دیکھنے کے بعد بھی بدبختِ ازلی کا یہ عالم ہے فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰىۙ○ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰىۙ کہ نہ اس نے تصدیق کی آخرت کی۔ وَ لَا صَلّٰىۙ نہ اس نے نماز

پڑھی وَلٰكِنْ كَذَّبَ لیکن یہ سب سننے کے بعد اس نے تکذیب کی، جھٹلایا یہ سب غلط ہے وَ تَوَلّٰى اور پیٹھ پھیر کر کے چلا گیا۔ تَوَلّٰى سے مراد پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ نازل ہوئے قرآن سے پیٹھ پھیرنا، احکاماتِ الٰہی سے پیٹھ پھیرنا، وحیٔ پاک سے پیٹھ پھیرنا یا خود پیغمبر اعظم کی ذات سے پیٹھ پھیرنا، ان کی طرف پشت کر دینا، اور نخوت سے کہہ دینا کہ نہیں سنتے ہم تمہاری بات۔

حضرات! اس سے ایک بات تو واضح ہوئی کہ دین کی بات سنانے والا جب دین کی بات سنا رہا ہو تو ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیٹھ نہ پھیرے بلکہ سنے، قرآن پڑھا جا رہا ہوں تو سنے اسے ٹھیک ہے تم اس طرح پیٹھ نہیں پھیرتے جس طرح کافر پھیرتے تھے لیکن مشابہت تو ہو جائے گی حتی کہ قرآن پاک کی طرف پشت بھی نہ کرے اس عذاب کو ملحوظ رکھیں۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ؕ (سورۃ القیامۃ: الآیۃ:33)

کافر نے موت کی دردناک کیفیت سننے کے بعد بھی نہ تصدیق کی اور نہ ہی نماز ادا کی اور نہ ہی خدا کی بارگاہ میں سر کو جھکا سکا بلکہ تکذیب کی یہاں صَلّٰى سے مراد اگر اصطلاحی نماز نہ ہو تو لغوی نماز ہے، جھک جانا خدا کی بارگاہ میں بلکہ تکذیب کی اور روگردانی کی پھر اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا۔ یہ ابو جہل یا ولید ابن مغیرہ کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں ہیں کہ جب پیغمبر اعظم نے قرآن سنایا تو اکڑتا ہوا چلا گیا پس تیری خرابی آلگی ہے، تیری خرابی بہت قریب ہے۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى (سورۃ القیامۃ: الآیات:35/34)

چنانچہ ولید نے جس شدت سے انکار کیا تھا اس کے بعد وہ جلدی مر گیا ابو جہل بھی قرآن پاک کی آیت کو سن کر لوگوں سے کہتا تھا یہ تو قصہ کہانیاں ہیں چلو یہاں سے چلو اپنے

وقت کو برباد نہ کرو یعنی جو لوگ حریمِ کعبہ میں یا کسی مقام پر پیغمبر اعظم کی آواز سننے کے لیے جمع ہوتے تھے ان کو واپس کرتا کہ یہ تو قصہ کہانیاں ہیں ان کو بھڑکاتا تھا، ان کو بہکاتا تھا کہیں کوئی مسلمان نہ ہو جائے لیکن جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى تو آقائے دو جہاں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کے یہ آیت پڑھی۔ تو اس مردود نے کہا کہ آپ مجھے دھمکی دے رہیں ہیں آپ اور آپ کا خدا کچھ نہیں بگاڑ سکتا میرا معاذ اللہ! اور اس نے کہا ان دونوں پہاڑوں کے درمیان میں جتنے لوگ آباد ہیں میں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں لیکن جب بدر کا دن آیا تو مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی لَا يُعْبَدُ اللّٰهُ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ آج کے دن کے بعد تمہارے خدا کی کوئی عبادت نہیں کرے گا اور پھر اسی میدان میں ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

واقعہ یوں ہے کہ اللہ کے رسول تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین سو تیرہ نہتے مجاہدین کو لے کر بڑی منظم کافروں کی قوت کے مقابلے میں دین کو بچانے کے لیے تشریف لے گئے تھے، رات بھر خدائے وحدہ قدوس کے بارگاہ میں سجدہ ریز رہے اور اس یقین کے ساتھ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ! اگر یہ تین سو تیرہ جو کل کمائی ہے میری اب تک کی یہ فنا ہو گئے تو لَنْ تُعْبَدَ اَبَدًا تو تیری عبادت کبھی نہ ہو سکے گی۔

حضراتِ گرامی! جناب صدیق نے عرض کی آقا کی گریہ وزاری کو دیکھ کر کے جو حریمِ ناز مصطفی خیمے کا طواف کر رہے تھے کوئی تیر نہ آجائے، کوئی زخم نہ پہنچے آقا کو نمازِ عصر سے پہلے کہا: حضور سر اٹھائیے! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو فتح نصیب فرمائے گا۔ پھر آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیمے سے باہر آئے نماز فجر کے بعد اور اپنے عصائے ناز سے ایک دائرہ کھینچا ریت کے اوپر کہا یہاں ابو جہل مارا جائے گا، یہاں عتبہ مارا جائے گا ایک اور دائرہ کھینچا

اور کہا یہاں شیبہ مارا جائے گا یہ تین کمانڈر تھے، سردار تھے اور جب جنگ کا غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ موت کا اضطراب بھی عتبہ اور شیبہ کی لاشوں کو اور ابو جہل کی لاش کو دائرہ سے باہر نہ لا سکا جس کو اللہ کے رسول کے عصائے ناز نے کھینچ دیا تھا۔ جنگ ہو رہی ہے ریت کا میدان ہے دائرہ کہاں محفوظ رہتا مگر سب کچھ محفوظ تھا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

(سورۃ النجم، الآیۃ: 4/3)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے

جو شب کو دن کہہ دیا تو دن نکل آیا

جو دن کو کہہ دیا شب تو رات ہو کر رہی

چنانچہ بڑی بے عزتی کے ساتھ ابو جہل اور یہ ظالم جو مذاق اڑاتے تھے مارے گئے اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى، تم عذابِ الٰہی سے سب زیادہ قریب ہو اور سب سے زیادہ مستحق ہو یہ بھی ترجمہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ○ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ○ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى (سورۃ القیامۃ، الآیات: 36-40)

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو بیکار چھوڑ دیا گیا ہے، کیا وہ ایک ناچیز نطفہ نہیں تھا منی کا جو منتقل کی گئی اس کے ماں کے شکم میں پھر وہ علقہ بن گیا گوشت کا ایک لوتھڑا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا اور برابر مکمل انسان بنا دیا، کیا وہ پروردگار جس نے ایک قطرۂ ناپاک سے ایک ایسا انسان بنایا جو سمیع وبصیر ہے، عقل ودانائی کا مالک ہے، بے پناہ

صلاحیتوں کا حامل ہے اگر مومن ہے تو پھر اس کے سر پر تاجِ کرامت رکھا جائے گا ہے لیکن بات یہاں مومن کی نہیں ہو رہی ہے، ان کی ہو رہی ہے جو انکار کر رہے تھے لیکن کوئی کافر بھی ہو تو بہر کیف وہ اپنی حیات کے بارے میں، اپنی پیدائش کے بارے میں سوچے اور ہمیں اللہ نے زندگی کے مختلف مراحل سے گزار کر کے اس قابل بنایا کہ ہم آج سننے والے اور دیکھنے والے، چلنے اور سوچنے والے، کام کرنے والے انسان ہیں، سمیع وبصیر انسان۔

تو کیا اللہ نے انسان کو یوں ہی پیدا کر دیا ہے، بے مقصد نہیں ہے مقصد ہے اور وہ اللہ کی عبادت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ جب تم قطرۂ ناچیز تھے، مکمل انسان بن کر کے سامنے آئے اور اللہ نے زوجین پیدا کیے تو کیا وہ پروردگار اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ مردے کو دوبارہ زندہ فرما دے جس کا تم مسلسل انکار کر رہے ہو۔

عدم سے وجود میں لانا مشکل ہے مگر موجود کے ذرات کو جمع کر کے پھر موجود کرنا یہ مشکل نہیں ہے تمہارا پیدا ہونا زیادہ مشکل تھا اس کو تم مانتے ہو لیکن دوبارہ جو حیات ملے گی اس کا تم انکار کرتے ہو۔ رحم کے اندھیرے میں ایک بوند ٹپکی اور پھر اس کا منہ بند ہو گیا سیپ کی طرح سے، سیپ میں بارش کا ایک قطرہ پڑتا ہے اور اس کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس میں ایک موتی پیدا ہوتی ہے یہی حال انسان کا ہے اس نے مختلف مراحل گزار کر انسان کی تخلیق کی اور اس کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا گیا۔

خود انسان اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے، اس کا وجود خود اس بات کا گواہ ہے کہ خدائے قدیر مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خطاب نمبر (۹۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ○
اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○
اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ

حضراتِ گرامی، سامعین کرام! آج سورۃ الدھر کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ آئیے ہم اور آپ گفت وشنید سے قبل آقائے دو جہاں، حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ گرامی میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ،

سورۃ الدھر کا دوسرا نام سورۃ انسان بھی ہے اس لیے کہ پہلی ہی آیت میں انسان کا بھی تذکرہ ہے اور دہر کا بھی تذکرہ ہے، قرآن پاک کے سورتوں کے نام کے سلسلہ میں یہ بات

ذہن نشین کرلیں کہ یہ نام عنوان بھی نہیں ہے بلکہ صرف سورتوں کے پہچاننے کے سلسلہ میں ایسے لفظ سے سورتوں کو متعارف کرایا گیا ہے جو قران میں پہلی بار آیا ہو۔

حضراتِ گرامی! یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اس میں ۲ رکوع اور ۳۱ آیات ہیں، اس سورت کے بارے میں اختلاف ہے بعض مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن حضرت قتادہ، حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے، سورت کے مضامین ایسے ہیں جن کے مخاطب اہلِ مکہ بھی ہو سکتے ہیں اور اہلِ مدینہ بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سورت کی کچھ آیات مکی ہیں اور کچھ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں، اس سورت کے مشمولات کیا ہیں اس کی مختصر سی وضاحت عرض کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

قرآن کا مخاطب انسان ہے، قرآن انسانوں ہی کے لیے نازل کیا گیا ہے، انسان اللہ کی بہترین مخلوق ہے، شاہکارِ تخلیق الٰہی ہے، ساری کائنات انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان کو اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے جگہ جگہ انسان کے حوالہ سے آیاتِ مبارکہ موجود ہیں کبھی انسان کے عظمت کے حوالہ سے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ، کبھی انسان کے منتخب مخلوق ہونے کے حوالہ سے، کبھی اس کے سمیع وبصیر ہونے کے حوالہ سے، صاحبِ شعور وادراک ہونے کے حوالہ سے، کبھی اس کی بندگی کے حوالہ سے کبھی اس کو مخاطب کیا گیا ہے اس لیے تاکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرسکے اور اس کی بندگی کر سکے، کبھی اسے گناہوں سے روکا گیا ہے، کبھی کفر سے اور انحراف سے روکا گیا ہے اس لیے انسان کی بڑی اہمیت ہے نگاہِ قدرت میں بھی اور کائنات میں بھی۔

اسے کائنات کا حکمراں بنا کر بھیجا گیا ہے عقل وشعور دے کر کے، نطق سے نواز کر کے

اسے پوری کائنات پر قبضہ دیا گیا ہے اللہ کی طرف سے، یہ احسانِ عظیم ہے پروردگارِ عالم کا انسانوں کے اوپر لیکن وہاں احساس بہت شدید ہوجاتا ہے جب انسان اپنے خالق، اپنے مالک پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے اور ان حقائق کو نیہ کا انکار کرتا ہے یا اخروی حقائق کا جن کی صداقت امر مسلم ہے اور جس کی تصدیق اس کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

ان تمام حقائق میں سے ایک عظیم حقیقت ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حشرِ اجساد، قیامت کا برپا ہونا، خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا، اپنے ہی اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا یہ ساری باتیں اس لیے مکرر، تکرار کے ساتھ قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہیں تاکہ انسان آخرت پر یقین کر کے اپنی دنیا سنوار لے۔ اگر آخرت پر یقین نہ ہو تو انسان وحشی اور درندہ بن جاتا ہے بلکہ درندوں سے بڑھ کر بن جاتا ہے۔

آج دنیا میں آخرت پر یقین نہ رکھنے والی قوموں کا جو حال ہے وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے انسان اتنا وحشی ہوگیا ہے، اتنا بڑا درندہ ہے کہ اگر درندوں کو عقل ہوتی اور خدا کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کرنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ اے اللہ! انسان ہماری حیثیتِ عرفی کا انکار کر رہا ہے اور ہماری توہین کر رہا ہے انسان خود کو درندہ کہہ کر کے ہماری توہین کر رہا ہے اس لیے کہ ہم تو اپنا شکار پانے کے بعد، کھانے کے بعد مطمئن ہوجاتے ہیں اور انسان تو پوری پوری قوم کو، لاکھوں افراد کو موت سے ہمکنار کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتا جس کی بھوک بڑھتی رہتی ہے ہماری بھوک کی ایک انتہا ہے مگر انسان کی بھوک کبھی کم نہیں ہوتی یہاں تک کہ موت سے ہمکنار ہوتا ہے وہ سرمایہ کی بھوک ہو، دولت کی بھوک ہو، اقتدار کی بھوک ہو یہ صورتِ حال ہے تو ان حالات میں انسان کو بار بار مخاطب کرنا دراصل اس لیے تھا کہ انسان انسان بن کر رہے، انسانی قدروں سے آشنا ہو۔

سرورِ پاک کی تشریف آوری اور قرآنِ پاک کا نزول دونوں انسانوں کو انسانوں کی منزل انسانیت سے آشنا کرنے کے لیے ہیں، دلیل عظمتِ انسانیت ہیں اس لیے اس سورت میں انسان کی حیثیت کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کیا تھا اور کیسے اس کا وجود ہوا ایک قطرے سے اس کا وجود ہوا اور دولت اور امارت اور سرمایہ اور اقتدار کے بنیاد پر انسان اپنی حیثیت کو بھول گیا۔ بار بار اس کی حیثیت کی یاد دہانی اس لیے کرائی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے خلاق مطلق اپنے پروردگار، اپنے خالق، اپنے معبود کے احسان کو محسوس کر سکے کہ اگر اس نے انسان نہ بنایا ہوتا، تدریجی مراحل سے گزار کر کے سمیع و بصیر انسان، سوچنے اور سمجھنے والا انسان نہ بنایا ہوتا تو انسان ایک قطرہ ہی تو ہوتا، قابل نفرت قطرہ۔

انسان کو جب دولت مل جائے، اقتدار مل جائے تو اپنے مالکِ حقیقی اور اپنے خالق کو فراموش کر بیٹھتا ہے یہ سب سے بڑی ناشکری ہے اور یہ سب سے بڑی احسان فراموشی ہے، احسان ناشناسی ہے جس کا تذکرہ اس سورت میں کیا گیا ہے۔ انسانوں کو انسانوں کی محبت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اسے دردِ دل بخشا گیا ہے، احساس کی قوت دی گئی ہے تاکہ وہ دوسرے انسانوں کی ضرورتوں کو محسوس کر سکے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

وہ فرشتے جو قریب ترین فرشتے ہیں وہ کروڑوں کی تعداد میں اپنے رب کی اطاعت کر رہے ہیں کوئی ضرورت نہیں تھی کہ انسان کو پیدا کیا جاتا اسے دردِ دل ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور وہ درد اپنے رب کی محبت کا ہو، اپنے نبی آقائے دوجہاں کی محبت کے حوالے سے ہو یا پھر ان کی اطاعت میں ہر مسلمان کے درد کو محسوس کرنا اس کے مزاج میں داخل

ہو جائے اس لیے اس سورت میں مساکین اور ضرورت مندوں کی مدد کا حکم دیا گیا ہے اور ان لوگوں کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے جو اپنی شدید ضرورتوں کے باجود بھی مساکین اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی ضرورت مندان کے پاس آجائے تو ان کے در سے محروم نہ جانے پائے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم بھی ایسی ہی تھی، ان کا نمونہ حیات بھی جو انہوں نے پیش کیا کہ ان کی بارگاہ میں لانہیں تھا سوائے وہ لا جو کلمۂ مبارکہ میں موجود ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ

ورنہ جو بھی ان کے آستانہ پر آیا اس کی ضرورت کو اس کی خواہش سے زیادہ پورا کیا آقائے دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔

کیوں اپنی گلی میں وہ روادارِ صدا ہو
جو بھیک لیے راہِ گدا دیکھ رہا ہو

اس سورت میں دنیا پرستوں کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کو تبلیغ میں جو تکالیف پہنچائی گئیں ان پر صبر کی تلقین کی گئی ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں، مشکلات جتنی بھی ہوں دعوت وتبلیغ کے راستہ میں اور کلمۂ حق کے راستہ میں، قرآنِ پاک کو بندوں تک پہنچائے جانے میں جو بھی تکلیفیں دی جائیں اے محبوب آپ اس پر صبر کریں۔

دنیا میں آپ کو کوئی جزا تو نہیں ملے گی لیکن آپ کی جزا تو بہت عظیم ہے، آپ کا پروردگار دین کے راستہ میں ان مشقتوں کو دیکھ رہا جو آپ اٹھا رہے ہیں اس لیے آپ صبر کریں، صبر اس لیے نہیں کہ معاذ اللہ وہ بے اختیار تھے اور کچھ جواب نہیں دے سکتے تھے ظالموں کا۔ جن لوگوں نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابتدائی دور کو، مکی زندگی

کو مجبور اور بے کس زندگی بنا کر پیش کیا ہے وہ یقیناً منصب رسالت اور اختیاراتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نا آشنا ہیں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ با اختیار رہے ہیں۔ صبر کی تلقین اس لیے ہے کہ محبوب آپ نظر اٹھائیں تو قبلہ بدل جائے، اشارہ کریں تو چاند اپنا سینہ چاک کر دے، ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے، درخت سجدہ ریز ہو جائیں، کنکریاں کلمہ پڑھیں، آپ دعا کرتے تو یہ سارے ظلم کرنے والے فنا ہو جاتے مگر محبوب صبر کیجیے اس لیے کہ قیامت تک آپ کا دین باقی رہے گا اور داعیانِ دین کو ان تمام مشکلات سے گزرنا پڑے گا حق کے راستہ میں جن مشکلات سے آپ گزر رہے ہیں، آپ صبر کریں گے تو انہیں صبر کا شعور مل جائے گا۔

ایک صبر مجبوری کا ہوتا ہے آدمی کچھ کر نہ سکے پھر صبر کرے اور ایک صبر اختیار کے باوجود انتقام نہ لینے کا ہوتا ہے صبر کا یہ مقام بہت بلند ہوتا ہے اور سرورِ کائنات اپنے اختیارات کے باوجود بھی انتقام نہیں لیتے تھے، نہ دعائے ہلاکت کرتے تھے پوری سیرتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کی گواہ ہے۔ جہاں تک اختیار کا معاملہ ہے اگر آپ دیکھنا چاہیں تو تاریخ کا مطالعہ کریں سیرتِ پاکِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو جہاں جہاں تاریخ ان پر مجبوری کا الزام عائد کرے گی، عدمِ اختیار کا وہیں احادیث مبارکہ سے اختیارِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چشمے پھوٹتے نظر آئیں گے۔ کیا وہ لمحہ مجبوری کا لمحہ ہے جب آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کی دیواروں کے نیچے کلید بردارِ کعبہ سے کہتے ہیں کہ مجھے چابی دو میں اپنے رب کے گھر میں دو سجدے ادا کرلوں، کعبہ تو ان کے لیے بنایا گیا تھا، کعبہ کی تعمیر کے وقت ان کے لیے دعا کی تھی جنابِ ابراہیم نے جو مقصودِ تعمیر کعبہ ہیں وہ خود چابی مانگ رہے ہیں اور چابی کا کلید بردار کہتا ہے کہ یہ چابی صابی کو مل سکتی ہے، یہود ونصاری کو مل سکتی ہے آپ کو نہیں اس لیے کہ آپ ہمارے معبودانِ باطل کو برا کہتے ہیں آقائے دو جہاں صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

تبسم فرمایا اور کہا کہ اے عثمان ابن طلحہ کل یہ کنجی مجھے ملے گی میرے پاس ہوگی اور میں تمہیں دوں گا اور قیامت تک تم سے کوئی نہیں لے سکے گا۔

آپ اندازہ کریں! اس میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات کی کتنی صورتیں ہیں کل یہ کنجی میرے پاس ہوگی یعنی مکہ فتح ہو چکا ہوگا آج جس کعبہ میں تم نماز پڑھنے سے روک رہے ہو کل اس کی چابی میرے پاس ہوگی پھر میں تمہیں دوں گا کلید بردار کعبہ یہ مت سمجھو کہ میں تم سے انتقام لوں گا، میں تمہیں دوں گا۔

اس وقت سے لے کر فتح مکہ تک نہ جانے کتنے صنادید قریش، زعمائے قریش مارے جا چکے ہوں گے مگر تمہاری زندگی کی ضمانت میں لے رہا ہوں کہ تم موجود رہو گے تبھی تو میں چابی تمہیں دوں گا اور صرف تمہاری زندگی نہیں بلکہ قیامت تک تمہاری نسلوں کی زندگی کی گواہی دے رہا ہوں کہ قیامت تک تم سے کوئی نہ لے سکے گا مگر ظالم کتنے انقلابات آئیں گے، کتنے تخت اچھالے جائیں گے، کتنی قومیں تبدیل ہوں گی مگر تمہارا خاندان قیامت تک باقی رہے گا اور آج بھی باقی ہے کیا یہ مصطفی کا عظیم اختیار نہیں ہے۔

آقائے دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام ہجرت فرما رہے ہیں اور مکہ والوں نے اعلان کر دیا ہے کہ جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا، سونا دیا جائے گا، سونے کی لالچ میں اور مال کی لالچ میں بہت سے ظالم رسولِ پاک کے گرفتار کے لیے بکھر گئے صحراء میں وہ ذاتِ پاک جن کی محبت میں پوری کائنات گرفتار ہے ان کو گرفتار

کرنے کے لیے سراقہ قبیلۂ مدلج کا ایک بہادر انسان آقا کے قریب پہنچ گیا اور اس نے آپ پر کمند ڈالنی چاہی آگے بڑھنا چاہا مگر زمین نے اس کے گھوڑے کے پیر کو پکڑ لیا اس نے معذرت کی اور پھر ارادہ کیا تو گھٹنوں تک پکڑ لیا زمین نے، تب اس نے محسوس کیا نہیں یہ پیغمبر ہیں اور ان کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں واپس جاؤں اور مجھے پناہ دیجیے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر راستہ میں کوئی اور آتا ہوا نظر آیا تو میں انہیں واپس لے جاؤں گا آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو کسی کو اپنے در سے واپس نہیں کرنے والے تھے فرماتے ہیں کہ تم سونے کی لالچ میں آئے تھے نا میں کسری کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں دیکھ رہا ہوں۔ اختیار دیکھ رہے ہیں آپ دنیا کے سپر پاور کسری یعنی گویا وہ مفتوح ہوگا اور وہ کنگن جو بادشاہ پہنا کرتے تھے تمہارے ہاتھ میں دیا جائے گا کیا یہ اختیار نہیں ہے، کیا یہ مجبوری ہے۔ سفرِ ہجرت کو مجبوری کا نام تو نہیں دے سکتے جو کچھ تھا تعلیم کے لیے تھا۔ ترکِ وطن کرنا پڑے، تکلیفیں براشت کرنی پڑے، پتھر کھانے پڑے تو دین کے راستہ میں سب کچھ کرو یہ سب میری سنت ہے۔

حضرات! پھر ایسا ہوا کہ حضرت سراقہ ایمان لائے اور فتح ایران سے پہلے بیمار ہو گئے، مسلمانوں کی فوجیں ایران کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں بیمار شدید ہوئے تھے تو مسلمانوں نے کہا کہ سراقہ وصیت کیجیے اس لیے کہ اب آپ زندگی کے آخری لمحات میں ہیں تو ایمان دیکھیے کہ فرماتے ہیں کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے موت آجائے گی موت اپنا رخ بدل سکتی ہے مگر میرے نبی کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا ابھی تو میرے ہاتھ خالی ہیں ابھی تو میں نے کسری کے کنگن پہنے ہی نہیں ہیں اور جب کسری فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنگن تلاش کروایا نہیں مل رہا تھا لیکن آپ نے فرمایا: ضرور ملے گا خزانہ میں ملا تو سراقہ

کے ہاتھوں میں ڈال کر فرمایا کہ آقا نے تمہیں عطا فرمایا تھا، تمہاری امانت ہے کیا یہ اختیا رنہیں تھا۔

کیا وہ لمحہ آپ مجبوری کا لمحہ آپ قرار دیں گے جبکہ غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ مجاہدین کو لے کر حاضر ہیں اور اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں پوری رات دعا کرتے ہیں گریہ وزاری کے ساتھ اور کہتے کہ یہ تین سو تیرہ مجاہدین اگر ختم ہو گئے لَنْ تُعْبَدَ اَبَدًا تو تیری عبادت کبھی نہیں کی جائے گی۔ ایک بندہ خدا سے اس قدر جرأت سے بات کر رہا ہے یہ محبوبیت کا اعلیٰ ترین مقام ہے اس کے بعد جب صبح ہوئی تو دائرہ کھینچا اپنے عصائے اطہر سے ریت کے اوپر اور کہا: یہاں ابوجہل مارا جائے گا ایک اور دائرہ کھینچا اور کہا: یہاں عتبہ ایک اور کہا: یہاں شیبہ مارا جائے گا اور جب جنگ کا غبار چھٹا تو دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ موت کے اضطراب نے بھی عتبہ، شیبہ اور ابوجہل کو اس دائرہ سے نہ نکال سکا جو سرکار کے عصا نے کھینچ دیا تھا۔

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کر رہی

حضرات! کیا یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے پناہ اختیار نظر نہیں آرہا ہے۔

صبر کی اعلیٰ ترین قسم وہی ہے کہ انتقام لینے کی صلاحیت کے باوجود دین کے راستہ میں بندہ سب کچھ برداشت کرے چنانچہ یہاں صبر کی تلقین کی گئی ہے اور صبر کی حالت میں بھی ذکرِ الٰہی میں مشغول ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

میں نے یہ ساری تفصیلات اس لیے بیان کر دی ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی مومن کے قلب میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجبوری کا کوئی احساس نہ پیدا ہونے پائے کہ کبھی وہ مجبور اور بے کس بھی تھے وہ بے کسوں کے آقا تھے، ملجا اور ماوی تھے۔

اس سورت میں بتایا گیا کہ قرآنِ عظیم تمام انسانوں کیلئے نصیحت ہے اور ان کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دعوت دیتا ہے، اب آئیے چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ سماعت کر لیں۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا۔

(سورۃ الانسان، الآیۃ: 1)

بلاشبہ یہاں ھل سوال کے لیے نہیں ہے یقین کے لیے ہے بلاشبہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا جب وہ قابل ذکر شئی بھی نہ تھا انسان کو ہم نے مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا۔

مخلوط نطفہ کی جو توجیہات کی گئی ہیں اس میں ایک یہ ہے کہ مرد و عورت کے نطفہ سے پیدا فرمایا اور یہ بھی ایک توجیہ کی گئی ہے کہ انسان کے مختلف خصائص، مختلف رنگ و نسل اور مختلف عادات کی وجہ سے، بہت سے مختلف جراثیم تھے ان کو ملا کر کے پیدا کیا گیا لیکن کوئی بھی بات ہو یہ نبی کی علم کی گواہی دے رہی ہوتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ۔

بیشک ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تا کہ ہم اسے آزمائیں۔

ہم نے انسان کو کیوں پیدا کیا تا کہ ہم اسے آزمائیں، انسانوں اور جنوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق ایسی نہیں ہے جن کی پیدائش آزمائش کے لیے ہوئی ہو، انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا تا کہ وہ دنیا میں آنے کے بعد اللہ کے احسان کو مان کر اتباع کرتا ہے، پیروی کرتا ہے اس کے نبی کی یا پھر گمراہ ہو جاتا ہے۔

ہم نے آزمانے کے لیے پیدا کیا ہے لیکن آزمانے کے لیے شرط ہے کہ اسے عقل وشعور سے نوازا جاتا، دانائی عطا کی جاتی، حق و باطل کی امتیاز کی صلاحیت دی جاتی، حق کو سننے اور حق کو مشاہدہ کرنے کی طاقت دی جاتی تو ہم نے پیدا بھی کیا اور اس کو سمیع و بصیر بھی بنایا۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (سورۃ الانسان، الآیۃ:2)

ہم نے اس کو سمیع اور بصیر بنایا، سماعت والا بھی اور بصارت والا بھی، کلمۂ حق کو سننے والا بھی اور حقائق کونیہ اور ماورائے کونین کا مشاہدہ کرنے والا بھی۔

لیکن ہر انسان کے بس کی بات نہیں تھی کہ اپنی عقل وشعور کی بنیاد پر وہ حقائق کا ادراک کر سکے اس لیے کہ انسانی عقل ماحول کی پیداوار ہوتی ہے اور شعور صرف اردگرد کی بنیاد پر پروان چڑھتا ہے اور بصارت بھی محدود ہوتی ہے اس لیے ہم نے اپنی اس شاہکار مخلوق کو جس کے سر پر ہم نے تاجِ کرامت رکھا، ہم نے اسے پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑا

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ

ہم نے اسے ہدایت دی صراطِ مستقیم کی۔

ہم نے انبیائے کرام کو بھیجا، کتابیں نازل فرمائیں تاکہ وہ انسانوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیں۔ تو ہوا یوں کہ انسانوں میں ہدایت کو ماننے والے بھی ہوئے اور انکار کرنے والے بھی۔ اسی بارے میں فرمارہا ہے۔

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (سورۃ الانسان، الآیۃ:3)

یا تو وہ شکر کرنے والا ہوا یا پھر ناشکری کرنے والا

احسان ناشناسی کرنے والا، احسان فراموشی کرنے والا۔

حضراتِ گرامی! یہ چند آیات مبارکہ آج میں نے پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے اس میں بہت سی حقائق کی وضاحت کی گئی ہیں جس میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ہم نے اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت دی۔

ہدایت دینے کے لیے سرورِ کائنات کو بھیجا گیا اور انبیائے کرام کو اپنے اپنے

ادوارِ نبوت میں بھیجا گیا لیکن ہدایت کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے ہمارے انبیا کا جو کام ہے وہ ہمارا ہی کام ہے پھر قرآن بھی ہم ہی نے نازل فرمایا تاکہ قرآن سے تعلیم حاصل کریں اور نبی کی مقدس زندگی سے عملی نمونہ دیکھیں۔

کتابِ الٰہی احکامات اور فرامین کا مجموعہ ہے اور نبی کی زندگی ایک مجسم کتاب ہے، اگر پیغمبرِ اعظم کی سیرتِ طیبہ نہ ہوتی اور احادیث کا یہ عظیم ذخیرہ ہمارے سامنے نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ قرآنِ پاک کی تحریف وتاویل میں اور تفسیر میں ہزاروں غلطیاں لوگ کر بیٹھتے مگر قرآن بھی نازل کیا اور شارحِ قران بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ایک زندگی جو سرتاپا قرآن ہے۔

حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ ان کے اخلاق کیسے تھے آپ فرماتی ہیں کہ كان خلقه القرآن ان کا اخلاق تو قرآن ہے وہ تو سرتاپا قرآن ہیں یعنی گویا سوال کرنے والے سے کہہ رہی ہیں اے سوال کرنے والے کیا تم نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا اگر کیا ہے تو سن لو اس کی ہر آیت تصویرِ کردارِ مصطفی ہے اور تصویرِ اخلاقِ مصطفی ہے۔

قرآن ان کا اخلاق ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میں قرآنِ پاک کو نازل کرنے والا ہوں اور قرآن کی حفاظت کرنے والا بھی میں ہی ہوں۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۃ الحجر، الآیۃ:9)

اللہ فرما رہا ہے کہ ہم قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جنابِ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمارہی ہیں کہ نبی کی سیرت قرآن ہے نبی کے اخلاق قرآن ہیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ اخلاق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت آپ کے کردار کی حفاظت کا ذمہ بھی خدا کا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۹۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ○
اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا ۚ
عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضراتِ گرامی! اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ انسان میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:4)

ہم نے کافروں کے لیے تیار کر رکھی ہیں زنجیریں، طوق اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ

یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو شکر کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ناشکری کر کے کفر کرنے والے ہیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا ۚ ○

(سورۃ الدھر، الآیۃ:5)

بے شک نیک لوگ وہ ایسے جام پئیں گے جنت میں جس کا مزاج کافور کا ہوگا۔

عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا ○

(سورۃ الدھر، الآیۃ:6)

کافور ایک ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے سیراب ہوں گے، وہ چشمہ ان کے مکمل اختیار میں ہوگا۔ اللہ کے محض خاص بندے پئیں گے اور اپنے محلوں میں جہاں بھی ہوں گے وہ اس چشمہ کو بہا کر لے جائیں گے۔

یہ اللہ کے نیک بندے کون ہیں قرآنِ عظیم اس کی وضاحت کر رہا ہے۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ○

(سورۃ الدھر، الآیۃ:7)

یہ لوگ وہ ہیں جو نذر کو پورا کرتے ہیں۔ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکیاں، جس کا شر اور برائیاں بہت ہی پھیلی ہوئی ہیں اور طویل ہیں۔

یعنی جو نذر وہ مانتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں جو منتیں مانتیں ہیں اسے پورا کرتے ہیں اور پورا کرنے کے بعد بھی یہ عالم ہے ان کا کہ وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے، جس کی سختی پھیلی ہوئی ہے، جس کا عذاب پھیلا ہوا ہے، کافروں کے لیے، بہت برا دن ہوگا اس سے وہ ڈرتے ہیں۔

یعنی نذر سے مراد وہ عبادات یا وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو فرائض وواجبات کے علاوہ ہیں جسے انسان اپنے طور پر خدا کی رضا کے لیے ادا کرتا ہے جو نذر مان لیتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں یہ نذر ہر طرح کی ہوتی ہے جسے وہ اپنی زندگی اور تندرستی کے لیے مانا کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جتنے نیک کام وہ کرسکیں وہ زیادہ سے زیادہ کر لیں ۔فرائض وواجبات کی ادائیگی تو وہ کرتے ہی ہیں لیکن وہ اپنی نذروں کو بھی پورا کرتے ہیں حضور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں یہ بات بہت زیادہ نمایاں ہے کہ وہ فرض وواجب عبادتوں کے علاوہ بھی بہت سی عبادتیں اپنی زندگی میں انجام دیتے تھے ان کی سنت کے مطابق انسان اگر فرض اور واجب کے علاوہ کسی اور عبادت کو اپنے لیے خاص کرلیتا ہے تو اس کی حیثیت نذر کی ہوجاتی ہے اور اگر منت مانتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ابرار لوگ رب کے احکامات اور واجبات کے علاوہ خود اپنی واجب کی ہوئی نذور کو بھی پورا کرتے ہیں اور اس قدر نیک اعمال کرنے کے باوجود وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکیاں جس کا شر اور جس کی برائیاں بہت پھیلی ہوئی ہیں ۔اور بہت طویل ہیں اور اسی ڈر اور شوق میں

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○

(سورۃ الدھر الآیۃ:8)

اور اس کی محبت پر وہ مسکینوں کو، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! بعض مفسرین نے اس آیت کی شانِ نزول کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حسنین کریمین بیمار ہوئے تو جنابِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اور جنابِ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جنابِ فضہ جو خادمہ تھیں ان تینوں نے یہ نذر مانی کہ اگر یہ شہزادگانِ جنت ٹھیک ہوگئے اچھے ہوگئے تو ہم تین روز روزہ رکھیں گے یعنی پورے گھر کے لوگ تین روزے رکھیں گے یہ دور تھا جب گھر میں فاقہ ہو رہا تھا جنت کے شہزادے ہیں، فاتحِ خیبر ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بابِ مدینۃ العلم ہیں جن کی محبت ایمان ہے ان کا یہ عالم ہے کہ فاقوں میں گذر بسر ہوتی تھی۔

ایک روز روزہ رکھا اور قرض کے ذریعہ سے کچھ منگایا کہ اچانک ایک مسکین نے آواز دی میں بھوکا ہوں تو سارا کھانا اٹھا کر انہیں دے دیا گیا خود بھوکے رہ گئے حسنینِ کریمین بھی، مولائے کائنات بھی، سیدۃ النساء بھی اور جناب فضہ بھی، دوسرے دن پھر روزہ رکھا انہوں نے پھر شام کو ایک یتیم آیا اس نے سوال کیا کھانا اٹھا کر اسے دے دیا اور تیسرے روز جب روزہ رکھا تو ایک اسیر آیا اور کھانا اسے دے دیا گیا اس قدر شدید مشقت اٹھائی انہوں نے لیکن اپنے دروازے سے واپس نہیں کیا کسی کو اور یہ کہا:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ○

(سورۃ الدھر الآیۃ:9)

ہم تمہیں اللہ کو راضی کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتے اور نہ کوئی شکریہ ہی مانگتے ہیں۔

یہاں جزا سے مراد یہ ہے کہ ہم اس کے بدلے میں شکریہ بھی طلب کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کیوں کہ وہ خود تو سائل تھے جزا کیا دیتے اس لیے یہاں جزا طلب شکر کے معنی میں ہے۔ وَّ لَا شُكُوْرًا اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ تم ہمارا شکر ادا کرو۔ جب تین روز روزے کے باوجود کھانا مسکینوں میں، اسیروں میں، یتیموں میں دے دیا گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے

یہ آیت کریمہ ان کی شان میں نازل کی۔ بعض لوگوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بابِ فضائل میں تو ضعیف بھی مقبول ہے اور یقیناً وہ اتنے عظیم تھے کہ سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کے لیے قربان کرنا ان کے مزاج کا حصہ تھا، اتنا کرنے کے بعد بھی وہ اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:10)

بے شک ہم اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے دن سے ڈرتے ہیں جو بہت تلخ اور بہت سخت ہے۔

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ○

(سورۃ الدھر، الآیۃ:11)

تو انہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچالیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی۔

واقعہ تو جناب علی مرتضی اور ان کے اہلِ خانہ سے متعلق ہے لیکن اِنَّا نَخَافُ سے مراد وہ سارے مومنین ہیں جو اعمالِ صالحہ کے بعد بھی قیامت سے ڈرتے رہتے ہیں وہ اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے یہ نہیں سمجھتے کہ ہم قیامت کے عذاب سے محفوظ کر دیے گئے ہیں ان کی کیفیت خوف ورجاء کی ہوتی ہے، اللہ سے بے پناہ امید کی اور ڈر کی بھی۔

سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ثانی ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اگر قیامت میں یہ اعلان کرے کہ میں نے تمام گنہگاروں کو معاف کر دیا سوائے ایک کے اللہ اکبر تو وہ کہتے ہیں کہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر میں سمجھوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں جو قابل معافی نہیں ہوں میدانِ قیامت میں لیکن اللہ اگر یہ اعلان کرے کہ میں نے سارے گنہگاروں کو جہنم کا مستحق بنا دیا ہے سوائے ایک گنہگار کے تو اللہ کی وسعتِ رحمت سے امید کرتے ہوئے سمجھوں گا کہ میں تنہا

ہوں کہ مجھے اللہ تبارک وتعالی نے معاف کر دیا۔ یہ ہے اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ کی حیثیت اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں۔ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ اللہ ان کو اس دن کے شر سے بچا لیتا ہے وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا اور انہیں تازگی اور مسرتوں سے ہمکنار فرماتا ہے وہ تازگی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں اور عارضی نہیں ہے۔

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:12)

اور ان کو اللہ ان کے صبر کی وجہ سے جنت عطا فرماتا ہے جہاں ریشمی لباس، حریر کے لباس انہیں دیے جائیں گے۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ

وہاں وہ تخت پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:13)

اور نہ وہاں دھوپ کی شدت دیکھیں گے اور نہ شدید ٹھٹھورنے والی سردی دیکھیں گے۔

یاد رکھیے فلسفہ کا ایک مشہور عنوان کرۂ زمہریر یعنی ایک ایسا مقام ہے جہاں کوئی بھی چیز جاتی ہے جم جاتی ہے تو ایسی سردی جو خون کو جما دینے والی ہو اسے زمہریر کہتے ہیں اور ایسی سختی، سورج کی شدت، دھوپ کی شدت جو پریشان کن ہوگی اسے شمس سے تعبیر کیا گیا ہے کہ نہ اس میں دھوپ کی شدت ہوگی جنت میں اور نہ خون جما دینے والی سردی ہوگی بلکہ نہ شدید سردی ہوگی نہ شدید گرمی ہوگی موسم جنت کا ہمیشہ خوشگوار اور معتدل ہوگا۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ○

(سورۃ الدھر، الآیۃ:14)

اور جنت میں درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے جھکا دیئے جائیں گے۔

ان کے لیے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے توڑ سکیں گے اپنے تختوں پر بیٹھ کر۔

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۠ ○

(سورۃ الدھر، الآیۃ:15)

اور دور چلے گا ان پر ایسے جام کا اور ایسے پیالوں کا جو چاندی کے بنے ہوئے ہوں گے اور ایسے پیالوں کا کہ جو شیشوں کی طرح ہوں گے مگر وہ شیشہ نہیں کہ جس میں کوئی حسن نہ ہو۔

قَوَارِيْرَا ۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:16)

ایسے جام ہوں گے جو شیشے کے ہوں گے مگر ان کی شکلیں چاندی کی طرح روشن اور اجالی اور تابناک ہوگی اور انہیں انتہائی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا ہوگا اور رکھا گیا ہوگا۔

وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۠ ○

(سورۃ الدھر، الآیۃ:17)

اور وہاں انہیں ایسے پیالوں میں پلایا جائے گا جس کا مزاج زنجبیل کا ہوگا۔ زنجبیل کا معنی ادرک ہوتے ہے لیکن وہاں کی کسی بھی خوراک کی تشبیہ یہاں سے نہیں دی جاسکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زنجبیل کی تشبیہ آگے۔

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:18)

وہاں ایک چشمہ بھی ہوگا زنجبیل کا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ

اور ان کے اوپر کم عمر بچے خدمت کے لیے طواف کر رہے ہوں گے۔

گردش میں ہوں گے ہر لمحہ جو ہمیشہ نوعمر ہی رہیں گے، مُّخَلَّدُوْنَ یہ کون سے بچے ہوں گے ان کے بارے میں مفسرین کی مختلف رائے ہے۔

ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ یہ بچے وہ بچے ہوں گے جو بچپنے میں انتقال کر گئے اور بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچے اور تکالیفِ شرعیہ کے وہ حامل نہیں ہوئے تھے اور ان کے ماں باپ نے ان کی ذمہ داریاں برداشت کی یا وہ بچے کافروں کے بھی ہو سکتے ہیں جو بچپنے میں انتقال کر گئے وہ اہلِ جنت کی خدمت کے لیے غلمان میں تبدیل کر دئے جائیں گے یا پھر یہ غلمان فرشتوں کو ایک ایسی مخلوق ہوگی جو نوعمر ہوگی اور یہ ہمیشہ خدمت پر معمور رہیں گے۔

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:19)

اور جب آپ انہیں دیکھیں گے یہ خیال فرمائیں گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:20)

اور جب آپ انہیں نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو دیکھیں گے اللہ کی نعمتوں کو اور ایک بڑی سلطنت کو انتہائی آرام کے ساتھ ایک بہت بڑی سلطنت میں وسیع سلطنت میں جو جنت کی شکل میں ان کو ملے گی اس میں موجود ہوں گے وہ۔

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ○ (سورۃ الدھر، الآیۃ:21)

ان کے بدن پر سندس کا لباس ہوگا جو سبز ہوگا قتادیز استبرق کا لباس ہوگا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اللہ انہیں سیراب فرمائے گا شرابِ طہور سے۔

شرابِ طہور سے مراد ایسی شراب جس میں نہ نشہ ہو اور نہ ہی کوئی ناپسندیدہ بو بلکہ انتہائی خوشگوار مشروب ہوگا وہ عربی میں شراب مشروب کو بھی کہتے ہے دنیاوی شراب اس

سے مراد نہیں ہے۔

حضرات! یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے ریشم کا لباس ہے اسی طریقہ سے اور دوسرے لباس ہیں چاندی اور سونے کا استعمال برتنوں کی شکل میں وہ جنت میں کیوں عطا کئے جائیں گے فطری طور پر انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا مفسرین نے اس کا جواب بہت حسین دیا ہے۔

انہوں نے یہ کہا کہ دنیا میں جہدِ مسلسل اور سعیٔ پیہم کا پابند بنایا گیا ہے، جہادِ زندگانی میں آدمی قدم رکھتا ہے دنیا میں آنے کے بعد مسلسل حالتِ جہاد میں ہے اور ایک مجاہد کے لیے اس طرح نرم و نازک لباس اور اس قدر زینت اختیار کرنا اس کے مزاج کے مطابق نہیں ہے انہیں ہر وقت اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے تیار ہونا ہے اور جو شخص اس قدر نعمتوں میں، اس قدر اچھے لباس میں، اس قدر نازک لباس میں ملبوس ہوں گے وہ جہاد کیا کرسکیں گے اس لیے دنیا میں اس سے روکا گیا ہے مگر چونکہ آخرت میں جہاد نہیں ہے آخرت میں صرف نعمتِ الٰہی اور جہادوں کا صلہ ہے اس لیے وہ ساری نعمتیں جو دنیا میں ان پر روکی گئیں تھی بہت زیادہ ان کو یہاں دی جائیں گی جن کا یہاں تصور بھی نہیں کرسکتے۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

(سورۃ الدھر، الآیۃ:22)

بے شک یہ تمہارے لیے جزا ہے اور تمہاری محنتوں اور کوششوں کی جزا ہے مکمل طور پر، تمہاری محنتیں اور کوششیں ٹھکانے لگی ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ (سورۃ الدھر، الآیۃ:23)

بلاشبہ ہم نے ہی آپ پر قرآن تدریجاً نازل فرمایا۔

یاد رکھیے عربی زبان میں اگر انزلنا ہو تو ایک ساتھ نازل ہوا جیسے کہ لیلۃ القدر میں اور تنزیل کے معنی تدریج کے ساتھ نازل ہوا، جہاں انزلنا کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک ایک ساتھ اتارا اور جہاں تنزیلا کہا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانِ اول سے زمین پر نجماً نجماً اور آیۃ آیۃ نازل ہوا۔

اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے آپ پر قرآنِ پاک نازل کیا اور یقیناً قرآنِ پاک کے نزول کی وجہ سے اور قرآنِ پاک کی دعوت کو عام کرنے کے لیے آپ کو بے پناہ تکلیفیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

(سورۃ الدھر، الآیۃ:24)

تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صابر و شاکر رہیں۔

یہ مرحلہ تھا جب تکالیف بہت ہو رہی تھیں تو قریش کے سردار خاص طور پر ولید ابن مغیرہ، عتبہ ابن ربیعہ یہ بڑے دولت مند لوگ تھے، یہ بارگاہِ رسول میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ تبلیغِ دین بند کر دیں بڑی مشقتوں میں ہیں بڑی تکالیف میں آپ ہیں اگر آپ شادی کرنا چاہیں تو ہم اپنی بیٹیاں آپ کی خدمت میں پیش کرسکتے ہیں، دولت چاہیں تو ہم سب کچھ حاضر کریں گے، ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ کو کبھی مال کی ضرورت نہیں پڑے گی اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ظاہر ہے کہ پیغمبرِ اعظم نے تو جواب یہ دیا تھا کہ تم اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج لا کر رکھ دو تو بھی میں اپنے پیغام سے باز نہیں آؤں گا جس کا پابند میرے رب نے کیا ہے لیکن یہاں پیغمبر کو مخاطب کر کے پوری امت مسلمہ کو جو دعوت کے

راستہ میں تکالیف اٹھانے والی ہے اور قرآنِ پاک کے پیغام کو پہنچانے والی ہے اس کو فرمایا جارہا ہے کہ ”فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ “اے پیغمبر! آپ اور آپ کے نظامِ دعوت پر عمل کرنے والے مومنین، آپ پر ایمان لانے والے ان کو صبر کرنا ہوگا اپنے رب کے حکم سے۔“

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (سورۃ الدھر، الآیۃ:24)

اور ان گنہگاروں اور ناشکروں کی بات نہ مانیں۔

یعنی ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، ان کی بات نہیں تسلیم کی جائے گی۔ یہ اس بات کا واضح اعلان تھا کہ جب بھی دین کے راستہ میں دنیا کی لذتیں حائل ہونا چاہیں یا دنیا قدموں میں ڈالی جائے تو انسان دنیا کو ٹھوکر لگا دیں اور اپنے رب کی بارگاہ میں صبر سے کام لے کسی ناشکرے اور گنہگار کی دعوت کو قبول نہ کرے وہ۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (سورۃ الدھر، الآیۃ:25)

اور اپنے رب کا نام لیجیے، اپنے رب کو یاد کیجیے، اپنے رب کا ذکر کیجیے صبح کو، اور سورج ڈھلنے کے بعد۔

اصیل کہتے ہیں آفتاب ڈھلنے کے بعد کے وقت کو تو بکرۃ سے مراد نمازِ صبح ہے اور اصیلا سے مراد نمازِ ظہر اور عصر ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ اور رات کے کچھ حصہ میں (اس میں مغرب اور عشاء آجاتی ہے۔)

فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ (سورۃ الدھر، الآیۃ:26)

تو آپ سجدہ کیجیے اپنے پروردگار کا اور طویل رات تک اس کی تسبیح کیجیے۔

فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ سے مراد بعض مفسرین نے تہجد لیا ہے تو یہ پانچ نمازیں بھی آگئیں اور تہجد بھی شامل ہوگئی اس میں، اپنے رب کو یاد کیجیے صبح کو، اصیل کو، سورج ڈھلنے کے

بعد، رات کے کچھ حصہ میں اپنے رب کا سجدہ کیجیے اور اس کی تسبیح کیجیے طویل رات تک۔

اللہ فرماتا ہے یہ لوگ جو آپ کو دولت اور حسن پیش کرنے آئے ہیں ان کے حوالہ سے سن لیں کہ ان کی ترجیح کیا ہے ان کا مطمحِ نظر کیا ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ

یہ لوگ تو سامنے والی شئی کو جو بالکل سامنے ہے اسے پسند کرتے ہیں یا جو پاؤں کے تلے ہے عاجلہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے انہیں آخرت کا کوئی احساس نہیں ہے۔

وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (سورۃ الدھر، الآیۃ:27)

اور اپنے پیچھے بہت بھاری اور مشکل دن کو چھوڑ رہے ہیں۔

اس کا کوئی خیال نہیں ہے ان کو کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ

جب کہ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے تمام اعضا کو ہم نے مضبوط کر دیا۔

وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝ (سورۃ الدھر، الآیۃ:28)

اور ہم جب چاہیں گے ان جیسے اور لوگوں کو بدل دیں گے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (سورۃ الدھر، الآیۃ:29)

یہ نصیحت ہے اللہ کی جانب سے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔ (جو بھی چاہے، ساری کائنات کو مخاطب کیا جارہا ہے۔)

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط

اور تم کیا چاہوں گے مگر وہی جو اللہ چاہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (سورۃ الدھر، الآیۃ:30)

بے شک اللہ علم وحکمت والا ہے۔

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

وہی داخل فرمالیتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں۔

وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ ○ (سورۃ الدھر الآیۃ:31)

ظالموں کے لیے اور کافروں کے لیے تیار رکھا گیا ہے بہت دردناک عذاب۔

اس پوری سورت میں عذابِ الٰہی کو مخصوص کیا گیا ہے کافروں کے ساتھ، کافر، ظالم، احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرنے والے، پیغمبرِ اعظم کی دعوت کو تسلیم نہ کرنے والے یہ سارے لوگ ظالمین میں شامل ہیں یہاں مسلمان مراد نہیں ہیں کہ ان کو اس طرح کا عذاب دیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ اپنے فضل سے، ایمان کی برکت سے، کلمۂ شہادت کی برکت سے مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اگر انہیں کچھ دنوں کے لیے اور ان دنوں کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے کہ کتنا طویل ہوگا جہنم میں داخل بھی کیا گیا تو انہیں پھر دوبارہ جنت میں داخل کیا جائے گا یہ مسلمہ حقیقت ہے۔

پروردگارِ عالم، خدائے قدیر و جبار ہم سب کو اپنے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جہنم کے عذاب سے بچالے، آخرت کی سختیوں سے بچالے اور اپنے حبیب تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۹۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى

وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ○ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ○ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ○

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ○ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ○ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ○

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم وَصَدَّقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْم

وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضرات، سامعین کرام آج سورۃ المرسلات کی آیات مبارکہ کی تلاوت اور اس کے ذیل میں جو مضامین ہیں ان کو عرض کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

حضرات! سورۃ المرسلات بھی مکی ہے جمہور کے نزدیک اس میں ۵۰ آیات ہیں اور ۲ رکوع ہیں اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں اکثر دو الفاظ پر مشتمل ہیں، معانی کا ایک سمندر پوشیدہ فرمادیا ہے۔ بیشتر آیاتِ مبارکہ میں صفات کا ذکر تو ہے مگر موصوف کا ذکر نہیں ہے اس لیے مفسرین کرام نے ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ اور

تشریح مختلف انداز سے کی ہے اور سبھی حق ہیں ۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ جو مشہور تفاسیر ہیں یا تراجم ہیں ان کو سامنے رکھ کر کے کچھ باتیں عرض کروں ۔

مکی سورتوں کی طرح سے سورۂ مرسلات میں بھی حشر ونشر سزا اور جزاء کا تذکرہ موجود ہے ۔ خاص طور پر قیامت جس کا انکار مسلسل کفار کر رہے تھے اور انکار ہی نہیں بلکہ ان کی جرأت اور جسارتِ بے جا کا یہ عالم تھا کہ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ قیامت برپا ہو جائے، ہم قیامت کو دیکھنا چاہتے ہیں ظاہر ہے قیامت برپا ہو جاتی تو دیکھنے کی طاقت ان کو کب رہتی مگر اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے وہ اس طرح کی بات ہمیشہ کرتے تھے ۔ اس لیے اس سورت میں قیامت کے تذکرہ سے پہلے اللہ رب العزت نے کچھ قسمیں یاد فرمائی ہیں اور یہ قسمیں کچھ تو انسانوں کے مشاہدات سے متعلق ہے اور کچھ عالم غیب سے آنے والے حقائق سے متعلق ہے ۔

اسی طریقے سے اس سورت میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنی سنت کا ذکر فرمایا ہے کہ جو ظلم کرتا ہے اللہ اس کو ضرور سزا دیتا ہے اور برباد کر دیتا ہے، کفار اور مومنین کے آخرت کے انجام کا ذکر ہے کہ کفار کو کس طرح سزائیں دی جائیں گی اور مومنوں کو کتنے انعامات سے نوازا جائے گا ۔ پھر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ راستے ہیں ہدایت کے بھی کھلے ہوئے ہیں اور گمراہی کے بھی جو چاہے ان راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کر لے لیکن ان دونوں کے انجام سے باخبر ہونا چاہیے کہ اگر اس نے ایمان کے راستہ کو اختیار کیا تو کن نعمتوں سے نوازا جائے گا اور کفر اور انحراف کا راستہ اختیار کیا تو کون سی سزائیں دی جائیں گی تاکہ قبولِ حق اور عدمِ قبولِ حق کے سلسلہ میں کوئی عذر نہ رہ جائے کہ ہمیں بتایا نہیں گیا تھا وغیرہ وغیرہ ۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ○ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ○ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ○

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ○ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ○ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو مسلسل بھیجی جا رہی ہیں اور ان ہواؤں کی بھی جو بڑی شدید ہیں اور طوفانی مزاج رکھتی ہیں، زور سے چلنے والی اور جھونکا دینے والی ہیں اور قسم ہے ان ہواؤں کی جو ابھار کر اٹھانے والیاں ہیں اور پھر ان کی جو بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خوب جدا کرتی ہیں پھر ان کی قسم جو ذکر کا قلوب میں القا کرتی ہیں حجت تمام کرنے یا ڈرانے کو ۔

حضراتِ گرامی ! ان آیات میں جہاں صفات کا ذکر ہے مگر صفات سے متعلق موصوف کا ذکر نہیں ہے مفسرین کرام نے ان کی مختلف وضاحتیں کی ہیں ۔

مثلاً ان قسموں سے متعلق ہوائیں بھی ہیں، فرشتے بھی ہو سکتے ہیں، قرآنِ مجید بھی ہے اور انبیائے کرام بھی ہیں اور ہر ایک موصوف کے اعتبار سے ترجمہ بھی الگ ہوگا مثلاً المرسلات کا ترجمہ ہوائیں جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں یہ ترجمہ ہوگا اسی طریقہ سے اس کا یہ بھی ترجمہ ہوگا کہ وہ ہوائیں جو نیکی اور بھلائی کے لیے چلتی ہیں اگر فرشتے مراد ہیں تو یہ ترجمہ ہوگا وہ فرشتے جو اللہ کی رحمت لے کر آتے ہیں اور اگر قرآن مراد ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن جو رحمت کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور اگر انبیائے کرام مراد ہیں تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ جو رحمت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ۔

اس آیت اور اس کے بعد والی چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے پانچ صفات کی قسم ارشاد فرمائی اور جن چیزوں کی یہ صفات ہیں ان کا آیات میں ذکر نہیں کیا گیا الگ الگ موضوعات کے اعتبار سے مختلف مفہوم اخذ ہوں گے آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں ۔

وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:1)

ان کی قسم جو لگا تار بھیجی جاتی ہیں۔

اگر موصوف ہوائیں ہوں تو ترجمہ یہ ہوگا ان ہواؤں کی قسم جو لگا تار بھیجی جاتی ہیں۔ اگر فرشتہ مراد ہوں تو ان فرشتوں کی قسم جو اللہ تعالیٰ کے احکامات دے کر لگا تار بھیجے جاتے ہیں۔ قران مراد ہو تو ترجمہ ہوگا لگا تار بھیجی جانے والی قرآن کی آیتوں کی قسم۔ اور اگر انبیاء مراد ہوں تو ترجمہ یوں ہوگا ان انبیاء کی قسم جو ایک کے بعد دوسرے بھیجے جاتے رہے ہیں۔

فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ○(سورۃ المرسلات، الآیۃ:2)

پھر ان ہواؤں کی قسم جو انتہائی تیز و تند ہیں۔

اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو عذاب نازل کرتی ہیں قوم عاد اور قوم ثمود کی مثال موجود ہے اگر فرشتے مراد ہیں تو فرشتے جو آندھی کی طرح کفار کی روحوں کو لے جاتے ہیں۔ اگر قرآنِ پاک مراد ہے تو جو باطل کے تمام مکر و فریب کو ہوا میں اڑا دیتا ہے، حق کو واضح کر دیتا ہے۔ اگر انبیاء مراد ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ابتداءً انبیاء کی تعلیم نرم ہوگی مگر بتدریج انکار کرنے والوں کی وجہ سے اس میں شدت پیدا ہو جائے گی۔

وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ○(سورۃ المرسلات، الآیۃ:3)

سے مراد وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں اگر ہوا مراد ہے تو بادلوں کو پھیلانے والی ہوائیں ہیں۔ اور اگر فرشتے مراد ہیں تو جو زمین پر اپنے پروں کے ساتھ اترتے ہیں پروں کو پھیلائے ہوئے یا قیامت کے دن جو لوگوں کے صحائفِ اعمال بکھیر دیں گے اگر قرآنِ مجید مراد ہے تو جو اپنی تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلانے والا ہے۔ اور اگر انبیاء مراد ہیں تو وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا سے مراد انبیائے کرام کی تعلیمات ہیں جو پوری دنیا میں پھیلنے والی ہیں۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ○(سورۃ المرسلات، الآیۃ:4)

جو بادلوں کو الگ الگ کر کے جدا کرنے والی ہوائیں ہیں یا فرشتے مراد ہیں جو حق و باطل کو جدا کرنے والے ہیں یا قرآنِ پاک مراد ہے جو حق و باطل کو جدا کرنے والا فرقان ہے اور اگر انبیاء مراد ہیں تو یہاں بھی حق و باطل کو جدا کرنے والے انبیائے کرام ہیں۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ○(سورۃ المرسلات، الآیۃ:5)

وہ ہوائیں جو دلوں میں ذکرِ الٰہی پیدا کرنے والی ہیں اگر فرشتے مراد ہیں تو وحیٔ پاک کو انبیائے کرام تک پہنچانے والے ہیں اگر قرآن پاک مراد ہے تو ذکرِ الٰہی جو مکمل دلوں کو معمور کرنے والا قرآنِ عظیم اور اگر انبیاء مراد ہیں تو اللہ کی مخلوق کو ذکرِ الٰہی کی طرف دعوت دینے والے انبیاء ہیں اور ان کے دلوں میں ذکرِ الٰہی کی کیفیتوں کو اتارنے والے ہیں تو ان قسموں سے ہوائیں بھی مراد لی گئی ہیں، فرشتے بھی مراد لیے گئے ہیں، قرآنِ عظیم بھی مراد لیا گیا ہے اور انبیائے کرام بھی مراد لیے گئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یہ عظیم قسمیں سب پر برابر صادق آتی ہیں۔

حضراتِ گرامی! اللہ ارشاد فرماتا ہے قسم ہے ان ہواؤں کی جو لگا تار بھیجی جاتی ہیں پھر قسم ہے زور سے، جھٹکا دینے والی شدت کے ساتھ اور قسم ہے ان ہواؤں کی جو بادلوں کو ابھار کر اٹھانے والیاں ہیں ترجمہ عام طور پر مفسرین نے ہواؤں کے ذریعہ ہی کیا ہے تشریح میں بقیہ باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خوب جدا کرتی ہیں اور پھر ان ہواؤں کی قسم ہے جو ذکر کا القاء کرتی ہیں اللہ فرماتا ہے:

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ○(سورۃ المرسلات، الآیۃ:6)

یہ سب کچھ کیوں ہے یہ بیان حجت تمام کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے۔

عُذْرًا حجت تمام کرنے کے لیے تا کہ کسی کو یہ عذر نہ رہ جائے قیامت میں کہ ہم کو بتایا نہیں گیا تھا، ہم کو ڈرایا نہیں گیا تھا ہمیں حقائق سے آشنا نہیں کیا گیا تھا اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے قسم یاد فرما کر باضابطہ طور پر انہیں ڈرایا بھی ہے، ان پر اتمامِ حجت بھی کی ہے کہ وہ اس بات کو نہ کہیں کہ ہم کو کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔

حضراتِ گرامی! جن پانچ چیزوں کی اللہ تبارک وتعالی نے اس سورت میں قسم کھائی ہے اس کی وضاحت میں نے کر دی ہے کہ اللہ کی نافرمانی کے لیے کوئی عذر نہ رہ جائے یہ بھی ایک بنیادی وجہ ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ (سورۃ المرسلات الآیۃ:7)

بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی قیامت یا حشر ونشر یا بعث بعد الموت جس کا بھی وعدہ کیا گیا لَوَاقِعٌ بلاشبہ وہ واقع ہونے والا ہے۔

قیامت کب آئے گی اس کی کچھ تصویر کشی کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے:

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ (سورۃ المرسلات الآیۃ:8)

جب تارے مٹا دیے جائیں گے۔

یا بے نور کر دیے جائیں گے، آسمان پر ستارے تابندہ ہیں لیکن قیامت میں ان کی روشنی سلب ہو جائے گی یا یہ مٹا دیئے جائیں گے۔

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ (سورۃ المرسلات الآیۃ:9)

اور جب آسمانوں میں دراڑیں پڑ جائیں گی، رخنے پڑ جائیں گے۔

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ (سورۃ المرسلات الآیۃ:10)

اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ (سورۃ المرسلات الآیۃ:11)

اور جب پیغمبرانِ کرام کو ایک وقتِ خاص پر، ایک میعاد پر مقرر کیا جائے گا اور جمع کیا جائے گا، کیوں جمع کیا جائے گا تا کہ وہ اپنے اپنے امتیوں کی گواہی دیں ان کے نیکو کاروں کے بھی اور ان کے بدکرداروں کے بدکرداریوں کی بھی اس لیے کہ ان کی گواہی پر ہی حشر میں ان کا فیصلہ موقوف ہوگا۔

حضرات! انبیائے کرام کی گواہی کی ضرورت کیوں پیش آئی جب کہ اللہ تبارک وتعالی علیم وخبیر ہے مگر اللہ اس نظام عدل کا مشاہدہ کرانا چاہتا ہے جو دنیا میں بھی قائم رہنا چاہیے ورنہ وہاں کس کو جرأت ہے کہ اللہ کے فیصلہ سے انحراف کریں مگر اس کے باوجود انبیائے کرام کو ایک مقرر میعاد پر جمع کر کے پوچھا جائے گا کہ وہ اپنے امتیوں کی گواہی دیں قرآنِ پاک میں دوسرے مقام پر یہ بھی آیا ہے کہ امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سابقہ انبیائے کرام کی امتیوں پر گواہ ہوگی اور سرورِ کائنات اپنی امت پر گواہ ہوں گے بہر حال شہادت اور گواہی کا یہ سلسلہ قیامت میں کیا جائے گا انبیائے کرام کو جمع کر کے۔

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ (سورۃ المرسلات الآیۃ:12)

جب رسل کو جمع کیا جائے گا تو یہ واضح کیا جائے گا کہ کس دن کے لیے پیغمبروں کو ٹھہرایا گیا تھا، مقرر کیا گیا تھا وہ دن کون سا ہوگا۔

لِیَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ (سورۃ المرسلات الآیۃ:13)

وہ فیصلہ کا دن ہوگا۔

قیامت کا دن ہوگا جس روز حق و باطل کا فیصلہ ہوگا، انسانوں کے اپنے اختلافات کا

فیصلہ ہوگا جو لوگ نیکو کار ہیں ان کی نیکیوں کا فیصلہ ہوگا، جو بد کردار ہیں ان کی بد کرداریوں کے بارے میں فیصلہ ہوگا اس وقت تمام جرائم واضح کر دیے جائیں گے اور کوئی بھی بات پوشیدہ نہیں رہے گی اس کو یوم الفصل کہتے ہیں، فیصلہ کا دن، ایسا دن کہ جس میں کوئی بھی شبہ باقی نہ رہ جائے اپنے فیصلہ کے سلسلہ میں۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جب پچھلی امت کے لوگ شریعت کا انکار کریں گے اور یہ کہیں گے کہ اے اللہ! ہم کو تیرا حکم کسی رسول نے نہیں پہنچایا تو انبیائے کرام اپنی رسالت اور پیغام رسانی کے سلسلہ میں کہ ہم نے پیغام پہنچایا ہے اس کی تصدیق کے لیے امتِ محمدیہ کو پیش کریں گے اور حضور کی امت پچھلے رسولوں کے کلام اور پیغام کی تصدیق کریں گے۔ گذری ہوئی امت کے لوگ جب یہ کہیں گے کہ اے اللہ! امتِ محمدیہ تو ہم سے بعد میں پیدا ہوئے ان کو ہمارا حال کیسے معلوم ہوگا؟ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتی کہیں گے، جواب دیں گے کہ قرآنِ مجید میں سب کے حالات لکھے ہوئے تھے جب رسولِ پاک کے امتی گواہی دے چکے ہوں گے تو اس کے بعد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کی گواہی دیں گے اور پھر ان ہی گواہیوں پر فیصلہ کیا جائے گا اس لیے بھی اس کو یوم الفصل قرار دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا جا رہا ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:14)

اے پیغمبر آپ کو علم ہے کہ یہ یوم الفصل کیا ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:15)

یہ دن جو یوم الفصل ہے یہ بہت تباہی اور بربادی کا دن ہوگا ان لوگوں کے لیے جو انبیائے کرام کو جھٹلانے والے ہیں اور حقائق کا انکار کرنے والے ہیں۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:16)

کیا ہم نے گذشتہ کافروں کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا۔

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:17)

اور پھر ان کے پیچھے ان لوگوں کو بھی ہلاک کیا جائے گا جو بعد میں آنے والے ہیں۔ یعنی جھٹلانے والے ہیں۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:18)

اور ہم مجرمین کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:19)

سو تباہی ہو، بربادی ہو، خرابی ہو مکذبین کے لیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں متعدد مقامات پر انسان کی تخلیق کے حوالہ سے اپنی قدرت، بعث بعد الموت پر دلائل قائم کئے ہیں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:20)

کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:21)

پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ مقام پر عورت کے رحم میں رکھا۔

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (سورۃ المرسلات، الآیۃ:22)

ایک معین مدت کے لیے

فَقَدَرْنَا

تو ہم نے ایک اندازہ مقرر کیا رحمِ مادر میں، شکمِ مادر میں بچے کی تدریجاً ترقی کے

لیے، پہلے وہ ایک قطرہ تھا پھر اس کے بعد وہ تبدیل ہوا گوشت کے ایک لوتھڑے میں اس کے بعد پھر اس کے اعضا وجود پذیر ہوئے اور پھر اس کی تقدیر لکھی گئی جو بھی وہ کرنے والا تھا اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی اور پھر وہ وجود پذیر ہوا ایک مدت کے بعد اور وہ سمیع وبصیر انسان کی حیثیت سے دنیا میں ظاہر ہوا۔

آپ اندازہ کیجیے کہ ایک نطفہ سے لے کر پیدائش تک اور پیدائش سے لے کر جوانی تک اور اس کے بعد بڑھاپے تک کتنے ہی مراحل سے انسان کو گزرنا پڑا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہوا ہے، اس کے فیصلہ کے مطابق ہے تو جو پروردگارِ عالم ماں کے شکم میں بچے کی پرورش فرماتا ہے، اسے ان تمام صلاحیتوں سے نوازتا ہے جن صلاحیتوں کا ایک انسان کے لیے ہونا ضروری تھا۔

کس قدر نازک وہ رحم ہے ماں کے شکم میں جس میں بچے کی پرورش ہوتی ہے وہاں اسے تمام آفات سے بچاتا ہے، وہاں اسے غذا فراہم کرتا ہے پروردگارِ عالم، وہ ماں کے شکم میں حرکت بھی کرتا ہے لیکن ماں کو بھی یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ اپنے بچے کا بوجھ اٹھائے ہوئے نو مہینے تک یا کم یا اس سے کچھ زیادہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی ہیں یہ سب کچھ قدرتِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے اللہ فرماتا ہے:

فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:23)

ہم کتنے ہی عظیم قدرت والے یا اندازہ فرمانے والے ہیں، یہ سب کہنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:24)

تباہی اور بربادی ہو جھٹلانے والوں کے لیے۔

اللہ فرماتا ہے تمہاری تخلیق سے پہلے

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:25)

کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی نہیں بنایا، تمہارے زندوں کے لیے بھی اور تمہارے مردوں کے لیے بھی، جو زمین کے اندر ہیں ان کے لیے بھی اور جو زمین کے اوپر ہیں ان کے لیے بھی اس بات کا تمہارا مشاہدہ بھی ہے

اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:26)

وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ ۝

اور ہم نے زمین پر بلند اور اونچے پہاڑ پیدا کیے۔

وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:27)

اور ہم نے تم کو بہت خوشگوار اور میٹھا پانی پلایا یہ ساری نعمتیں ہم نے تم کو بخشی پھر بھی تم انکار کر رہے ہو۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:28)

تو تباہی ہے قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:29)

لو اس دوزخ کی طرف چلو فرشتے کہیں گے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝ (سورۃ المرسلات الآیۃ:30)

ایک ایسے سائے کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہوگا۔

جہنم سے ابلنے والا وہ سایہ ہوگا جو جہنم سے نکلنے کے بعد تین شاخوں میں بٹ جائے گا لیکن اس سائے میں جس کو سایہ سمجھ کر مکذبین، ظالم پناہ لینا چاہیں گے۔

لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ؕ ○(سورۃ المرسلات الآیۃ:31)

نہ اس میں کوئی سایہ ہوگا اور نہ ہی وہ جہنم کے شعلوں سے پناہ دینے والا ہوگا۔

اسے لوگ سایہ سمجھ کر جائیں گے اور سایہ نہیں ملے گا انہیں وہ سمجھیں گے شاید وہاں جہنم کے شعلوں سے پناہ مل جائے جو بھڑک رہی ہوگی اور پناہ نہیں ملے گی۔

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ○(سورۃ المرسلات الآیۃ:32)

اور بے شک دوزخ بڑے بڑے انگارے اڑاتی ہوئی اس طرح آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے جیسے آگ کے محل۔

اور ان کی بلندی کی کیفیت اور پھیلنے کی کیفیت کیسی ہوگی فرمایا جا رہا ہے

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ○(سورۃ المرسلات الآیۃ:33)

گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

اونٹوں کی قطاریں آپ نے دیکھی ہوں گی جب اونٹ چلتے ہیں تو ان کے جسم کی کیفیت ایک خاص منظر پیش کرتی ہے آگ اس طرح پھیل رہی ہوگی جہنم کی اور بلندی کی طرف جا رہی ہوگی ایسا محسوس ہوگا کہ گویا یہ اونٹوں کے سفر کے ساتھ ساتھ بلند ہو رہی ہے اور عظیم الشان محل میں تبدیل ہو رہی ہے، قصر میں تبدیل ہو رہی ہے یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہوگا جو قیامت کا انکار کرنے والے ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○(سورۃ المرسلات الآیۃ:34)

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی۔

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ○(سورۃ المرسلات الآیۃ:35)

یہ وہ دن ہوگا کہ وہ نہ بول سکیں گے۔

یعنی قیامت کا دن وہ دن ہے جس میں کفار نہ بول سکیں گے اور نہ کوئی ایسی حجت پیش کر سکیں گے جو ان کے کام آئے۔

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ○(سورۃ المرسلات الآیۃ:36)

اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں۔

یعنی قیامت کے دن کفار کو معذرت کرنے کی اجازت نہیں ملے گی اور اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے پاس کوئی عذر موجود ہوگا لیکن عذر بیان کرنے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ درحقیقت اُن کے پاس کوئی عذر ہی نہ ہوگا کیونکہ دنیا میں حجتیں تمام کر دی گئیں اور آخرت کیلئے کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○(سورۃ المرسلات الآیۃ:37)

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۹۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّمَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۃ النباء کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا یہ تیسویں پارے کی پہلی سورت ہے الحمدللہ انتیس پاروں کا خلاصہ اور مختلف مقامات سے آیات مبارکہ کی تشریحات پیش کی جا چکی ہیں اب یہ آخری پارہ اور چونکہ انتیسویں اور تیسویں پارے کی بہت سی سورتیں عامۃ المسلمین کے ذہن میں بھی رہتی ہیں اور نماز میں بھی ان ہی سورتوں کی تلاوت کثرت سے کی جاتی ہے اس لیے میں کوشش کروں گا کہ ان سورتوں کے مضامین کو قدرے وضاحت کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرنے کا شرف حاصل کروں۔

حضرات! سورۃ النباء کا دوسرا نام سورۂ عم یتساءلون بھی ہے یہ بھی مکہ مکرمہ میں نازل

ہوئی ہے اور اس میں ۲ رکوع اور ۴۰ آیات ہیں یہ سورت آغازِ نبوت کی سورتوں میں سے ہے چونکہ اعلانِ نبوت کے بعد آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بنیادی عقائد کی تعلیم دینی شروع کی جن بنیادی عقائد پر پورے اسلامی نظام اور معاشرے کی بنیاد ہے، جتنے احکامات بھی ہیں، جتنے قوانین ہیں اور جتنے بھی اخلاقی، معاشی مسائل ہیں ان سب کے تحقق کے لیے اور ان سب پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا یقین کرے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور آخری رسول ہیں، موت برحق ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے اور حشر میں اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے اس کے بعد بتوفیق الٰہی اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جانا ہے اور مجرموں کو اور کفار کو دوزخ میں داخل کیا جانا ہے۔

حضرات! کچھ لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کے بنیاد پر کبھی کبھی نیک کام کرتے ہیں مگر وہ منظم نہیں ہوتے اس لیے کہ ان کے سامنے کوئی نیک کام، نیکیوں کا کوئی باضابطہ نظام نہیں ہوتا اور ایسے ہی وہ اپنی طبیعت سے کچھ اچھے کام تو کر لیں دنیا کے ہر قوم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں لیکن آخرت پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے وہ کام عارضی ہوتے ہیں، ناپائیدار ہوتے ہیں اور کسی قوم کا مزاج نہیں بنتے۔

انفرادی طور پر کچھ لوگ انسانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے ہیں لیکن پوری قوم، پورا معاشرہ ایک ہی سانچہ میں ڈھلا ہوا ہو اور سبھی نیکی کی طرف مائل ہوں اور سب برائیوں سے پرہیز کرنے والے ہوں ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ یہ اسی وقت ہوگا جب معاشرہ کے تمامی افراد آخرت پر یقین رکھیں، اللہ کی ذات پر، مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر، جنت اور دوزخ پر، حساب وکتاب پر تو انسان اپنے کو خدا کی بارگاہ میں جوابدہ تصور کرتا ہے اور وہ دنیا میں کوئی قدم

غلط نہیں اٹھاتا، ان کا کوئی قدم نام ونمود کے لیے، شہرت کے لیے، سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے، اپنی ذات کو کسی معاشرہ میں قابل اعتبار بنانے کے لیے وہ اس لیے نہیں کرتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے اور وہ دنیا والوں سے اپنے نیک کاموں کی کوئی جزا نہیں چاہتا بلکہ اس کی نگاہ آخرت پر ہوتی ہے اور وہ اپنے ہر نیک کام کے لیے اپنے رب سے توقع رکھتا ہے اس لیے سورت نباء میں بھی ان ہی مضامین پر زور دیا گیا ہے اور ان ہی مضامین کو بطورِ عقیدہ پیش کیا گیا ہے جن کا تعلق مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے ہے۔

کفار چونکہ اس کو ناقابل یقین تصور کرتے تھے اور وہ اس بات کے لیے تیار نہیں تھے کہ اس مادی دنیا کے علاوہ بھی کوئی دنیا ہے اس لیے انہیں اللہ کی قدرتِ کاملہ اور محسوسات کو محسوس کرا کر عالم غیب پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تعلق عالم غیب سے ہے عالم مشاہدات سے نہیں ہے۔

اب یہ مشکل ہے کہ کوئی انسان اس طور پر دلائل دے کہ جس کا تعلق انسان کے اپنے مشاہدہ سے ہو اس لیے انسان کی موجودہ زندگی کو سامنے رکھ کر کے قرآنِ عظیم نے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں کہ جس خدا کو تم پیدا کرنے والا سمجھتے ہو، جس نے تمہیں زندگی دی ہے، تمہیں وجود بخشا ہے، تمہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے، تمہارے لیے روئے زمین کو باضابطہ فرش بنا دیا ہے اور آسمان کا شامیانہ تنا ہے، ستاروں کی قندیلیں روشن کی ہیں، چاند اور سورج کے ذریعہ تمہیں جو روشنی پہنچا رہا ہے، جس نے ہوائیں چلائی ہیں، بادل اٹھائیں ہیں، جو بادلوں کے ذریعہ تمہاری کھیتیوں کو سیراب کرتا ہے، زمین کے اندر پانی پیدا کیا ہے، تمہارے لیے باغات ہیں، کھیتیاں ہیں یہ سب کچھ جس خدا نے تم کو عطا فرمایا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے۔

غیر موجود کو موجود کرنا مشکل ہے لیکن موجود کو اس کے بکھرے ہوئے اعضا یا اجزا یا ذرات کو جمع کر کے دوبارہ موجود کر دینا یہ کم مشکل ہے تو جس نے تم کو عدم سے وجود بخشا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ تم کو دوبارہ زندگی عطا فرمائے۔

اس طرح کی بہت سی مثالوں کے ذریعہ تم دیکھتے ہو اس سے پہلے سورتوں میں گزر چکا ہے کہ ایک مردہ دانا زمین میں ڈالا جاتا ہے اور بارش ہوتی ہے اور وہ دوبارہ سر اٹھاتا ہے زمین سے اور پھل دار درخت بن جاتا ہے تو جو ایک مردہ دانے کو زندگی دے سکتا ہے وہی قادرِ مطلق اپنی رحمت کے بارش سے تمہیں دوبارہ زندہ بھی فرما سکتا ہے۔

حضرات! اس سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جس قیامت کا تم انکار کرتے ہو ایک وقت آئے گا کہ ضرور تم اس کا مشاہدہ کرو گے اور اقرار کرو گے مگر اس وقت کا اقرار تمہارے لیے مفید نہ ہوگا اس لیے کہ اسلام ایمان بالغیب کی دعوت دیتا ہے اور دیکھنے کے بعد ماننا یہ اپنے مشاہدے پر ایمان لانا ہے غیب پر نہیں اور ایمان بالغیب ہی مفید ہے دیکھنے کے بعد تو سبھی مان لیتے ہیں مومن تو وہ ہے جو اپنے اللہ کے فیصلہ کو بغیر دیکھے ہوئے تسلیم کرے اس لیے دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہ ہوگا، معتبر وہی ایمان ہے جو اس زندگی میں ہو اور بن دیکھے ہو۔

فرعون نے جب دیکھ لیا تھا وہ ڈوب رہا ہے اور اسکے تمام وسائل اور اس کی فوج اس کے کام نہ آئی اور وہ بھی سب ڈوب رہے ہیں تو اس نے بھی کہا تھا:

آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ (سورۃ طٰہٰ الآیۃ: 70)

لیکن اس وقت مفید نہیں ہوا اس لیے کہ اس نے اللہ کا عذاب دیکھ لیا تھا ایسے ہی قیامت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اگر تم نے مانا تو معتبر نہیں ہوگا تمہیں دنیا ہی میں قیامت کو تسلیم کرنا ہوگا اس لیے کہ عقیدہ کا بنیادی مقصد کسی بھی عقیدہ کا انسانی کردار کی اصلاح ہے آخرت

میں تمہیں کسی ذمہ داری کا حامل نہیں بنایا جائے گا۔

انسان وہاں جزا اور سزا کے مرحلہ میں ہوگا کام تو اسے دنیا میں کرنا ہے، ذمہ داری تو اسے دنیا میں پوری کرنا ہے تو اگر وہ آخرت پر یقین نہیں کرے گا تو ایک وحشی کی طرح زندگی گزارے گا اور جو بھی ظلم اور زیادتی کرنا چاہے گا وہ کر بیٹھے گا مگر آخرت کا یقین اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا یقین اسے دنیا میں متواضع زندگی عطا کرتا ہے اور اسے تمام گناہوں سے بچا لیتا ہے اسی لیے دنیا میں اس کا یقین کرنا ضروری ہے اسی لیے اس سورت میں انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

حضراتِ گرامی! دنیا میں دو طرح کے انسان ہیں کچھ وہ ہیں جو ہزاروں برائیاں کرتے ہیں، زیادتی کرتے ہیں اور دنیا میں انہیں سزا بھی نہیں ملتی۔ بعض حالات میں یعنی آپ دیکھیں وہ قومیں جنہوں نے پوری دنیا کو تباہی سے ہمکنار کر دیا ہے یا وہ لوگ جو اصراری طور پر ظالم ہیں ممکن ہے کہ دنیا میں ان کو کوئی سزا نہ ملے اور کچھ لوگ جو مظلوم ہیں، ستائے ہوئے لوگ ہیں اگر دونوں نتائج کے اعتبار سے ایک جیسے ہو جائیں تو بتائیں کہ انسانی عقل اسے قبول کرے گی کہ دونوں مرنے کے بعد فنا ہو جائیں نہ ظالم کو سزا ملے نہ نیکوکار کو اس کی نیکی کی جزا ملے، نہ ظالم کو انتقام سے دوچار کیا جائے اور نہ مظلوم کو انصاف عطا فرمایا جائے ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے دونوں کے نتائج ایک جیسے نہیں ہو سکتے کہ دونوں مر کر مٹی میں مل گئے اور کوئی حساب وکتاب نہیں اس لیے عقلِ سلیم بھی اس کو مانتی ہے کہ جس نے ظلم کیا ہے اس کو سزا ملنی چاہیے اور جس نے ظلم برداشت کیا ہے اور نیکیاں کی ہیں اس کو اللہ کی بارگاہ میں جزا ملنی چاہیے۔

آپ اندازہ کریں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں بعض ظالموں کو دنیا میں سزا مل جاتی

ہے مثلاً بوسینیا میں پندرہ ہزار افراد کو چھری سے ذبح کرنے والی قوم کا لیڈر، پچاس ہزار عورتوں کو لوٹنے والی قوم، حاملہ کے پیٹ سے بچوں کو نکال کر ذبح کرنے والی قوم اگر اس پوری قوم کے بدلے میں ایک آدمی کو سزا دی جائے وہ بھی ایک ایسے بوڑھے کو جو مرنے والا ہے، اسے جیل میں ڈال دیا جائے تو کیا واقعی ان ہزاروں افراد کے مظالم کا حقیقی انتقام ہوا۔ اس لیے قیامت برپا ہونا ضروری ہے تاکہ بمباری کرنے والے، موت سے زمین کو بھر دینے والے، آبادی کو جلا دینے والے ان کو ایک ایک جرم کی الگ الگ سزا ہزاروں سال کی پھیلے ہوئے دامن پر دینے قیامت کا ہونا برحق ہے اور حساب وکتاب کا ہونا برحق ہے۔

بعض کافر ایسے ظالم وجری تھے منکرین قیامت اور منکرین حشر وہ کہتے تھے کہ قیامت برپا نہیں ہوگی دوسری کوئی زندگی نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہوا بھی تو وہاں بھی ہم کو ان غریب اور مفلس، مجبور اور ستائے ہوئے لوگوں کے مقابلہ میں بہت اچھی زندگی ملے گی یعنی یہ خوش فہمی میں تھے اپنے مظالمین کو دیکھنے کے بجائے وہ یہ کہتے ہیں کہ ان سے وہاں بھی بہتر ہوں گے۔

فرشتوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ فرشتے عذاب دیں گے اگر فرشتے ہمارے کوئی خلاف اقدام کریں گے تو ہمارے یہ قریشی نوجوان جو بڑے بہادر اور جری ہیں انہیں سزا دیں گے (معاذ اللہ)۔ اس کے بعد ان تمام منکرین کو ہدایت دی گئی کہ یہ زندگی ہے اس کو غنیمت جانو اگر اس زندگی میں تم نے نیکیاں نہیں کیں تو کل قیامت میں تمہارا یہ حال ہوگا کہ تم کہو گے کہ اے کاش میں مٹی ہوتا۔

حضرات! یہ مختصر سا خلاصہ ہے اس سورت میں جو مضامین ہیں ان کا اب آئیے چند آیتوں کا ترجمہ اور مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ○

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ○ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ○(سورۃ النباء: الآیات:1-5)

یہ لوگ کس بات میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کیا اس عظیم خبر کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں یقیناً وہ عنقریب جان لیں گے اور بلاشبہ بہت جلد وہ جان لیں گے۔

حضرات! یہ النباء العظیم کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اس بڑی خبر کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور اختلاف کرتے ہیں اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ دو فائدہ ہے ایک ایسی خبر جو فائدہ پہنچانے والی ہو اور انتہائی بڑی خبر ہو۔

مفسرین کرام نے النباء العظیم سے مختلف خبریں مراد لی ہیں مثلاً بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد قیامت ہے قیامت کی خبر بہت بڑی خبر ہے یہ بلاشبہ لیکن النباء کہتے ہیں فائدہ دینے والی تو قیامت کی خبر سے کیا فائدہ ہوگا تو جواب یہ ہے کہ قیامت کے ذکر سے اس پر ایمان لا کر، اس پر یقین کر کے لوگ گناہوں سے بچ کر جنت کے مستحق بن جائیں گے تو قیامت کی خبر دراصل انسانوں کو جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہے، دائمی زندگی اور دائمی نعمتوں کو پالینے کا ذریعہ ہے کہ انسان قیامت پر یقین رکھیں اس لیے یہ عظیم فائدے والی خبر ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد قرآنِ عظیم ہے، قرآنِ عظیم کا نزول ہو رہا تھا اور وہ آپس میں بحث کر رہے تھے کہ قرآنِ پاک جو نازل ہو رہا ہے یہ اللہ کا کلام ہے یا پیغمبر گڑھ لیتے ہیں یا اساطیر الاولین ہیں اہلِ ایمان ایمان بھی لاتے تھے تو چونکہ قرآنِ پاک پر ایمان لا کر انسان اچھے کردار کا حامل ہو کر، اللہ کی بندگی کر کے جنت کا مستحق ہوتا ہے اس لیے یہ خبر بھی انتہائی فائدہ پہنچانے والی ہے۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ہے جس کے

بارے میں بحث کرتے تھے وہ نبی ہیں یا نہیں وہ تو ہم جیسے انسان ہیں، کبھی وہ انکار کرتے تھے کبھی وہ آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے تو یقیناً اس عظیم خبر سے بھی بے پناہ فائدہ ہے اس لیے کہ سرورِ کائنات کی تشریف آوری اور ان کی نبوتِ مطلقہ تو دراصل لاکھوں فوائد کی جامع اور حامل ہے۔ دنیا میں ایک ایسے انسان کی اخلاقی تشکیل جس کے ذریعہ وہ بہترین انسان کہلانے کا مستحق ہو اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں بہترین نعمتوں سے نوازا جانا، دنیا میں ایسا معاشرہ قائم کیا جانا جو عدل اور انصاف پر مبنی ہو اور آخرت میں اس معاشرہ کے سارے افراد کو جنت سے دوچار کیا جانا یہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی برکات ہیں۔

تو اگر اس سے مراد قیامت ہے تو بھی خیر کا ذریعہ ہے، اگر مراد قرآنِ عظیم کا نزول ہے تو بھی عظیم خبر ہے اور اگر مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ہے تو اس کے بھی بے پناہ فائدے ہیں اس لیے النباء العظیم کے معنی بڑے فائدہ والی خبر۔

حضرات! اسی سے لفظ نبی بھی مشتق ہے النبی کا معنی ہے المخبر عن الغیب، غیب کی خبر دینے والی ذات۔ آپ ذرا سوچیے! کیا انبیائے کرام دنیا کی خبر دینے آتے ہیں، موسم کی خبر، دنیا میں ہونے والے فسادات کی خبر کی نہیں! انبیائے کرام کی خبر کا جو محور ہے وہ آخرت کی زندگی ہے اور وہ غیب ہے۔ تو جو بھی اخبارِ غیب ہیں موت کے بعد کی زندگی، قبر کی زندگی، عالم برزخ کی زندگی، جنت و دوزخ، لوح وقلم، عرش و کرسی، میدانِ قیامت، میزان، صراط یہ سب غیب ہیں۔ اس لیے نبی کے معنی ہوں گے جو النباء سے مشتق ہے المخبر عن الغیب جو غیب کی خبر دینے والے ہیں۔

حضراتِ گرامی! یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ فلسفیوں کے نزدیک

عالم قدیم ہے، دنیا کبھی فنا ہونے والی نہیں ہے۔ جب کہ فلسفیوں کا ایک گروپ کہتا ہے کہ نہیں! عالم حادث ہے: العالم متغیر وکل متغیر حادث فالعالم حادث، عالم بدلنے والا ہے اور ہر بدلنے والی شئی مٹنے والی ہے، حادث ہے تو عالم بھی حادث ہی ہوگا۔

حضرات! فلسفیوں کا یہ گروپ جو عالم کو متغیر اور حادث کہتا ہے وہ اسلام کے قریب تر مفہوم کا حامل ہے۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ عالم کو فنا ہو جانا ہے، اسے دوام حاصل نہیں ہے، قدیم نہیں ہے، قدیم صرف اللہ کی ذات ہے اس لیے کہ وہ متغیر نہیں ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ مگر کائنات میں تغیر ہے اور جو بدلنے والی ہو وہ حادث ہوتی ہے۔

کفار کا یہی کہنا تھا:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (سورۃ یٰسین، الآیۃ:78)

کون ہے جو ان ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ وہ خاکستر ہو چکی ہوں گی۔

مٹی ہو چکی ہوں گی انہیں کون زندہ کرے گا لیکن خدائے وحدہ قدوس نے قیامت کا عقیدہ دے کر اور دنیا کے فنا ہونے کا عقیدہ دے کر یہ بتایا ہے کہ دنیا مٹنے والی ہے اور ایک نئی زندگی اور ایک نئی دنیا سے دوچار ہونے والا ہے جو قیامت کے بعد برپا ہوگی۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (سورۃ النباء، الآیۃ:6)

کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے بستر نہیں بنایا، گہوارہ نہیں بنایا۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (سورۃ النباء، الآیۃ:7)

اور (کیا ہم نے زمین کے لیے) پہاڑوں کو بطورِ میخ نہیں گاڑ دیا۔

حضرات! اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے، جبالِ شامخہ نہ ہوتے تو زمین لرزہ براندام ہوتی،

زمین کا ٹھہرنا ممکن نہ تھا اس لیے زمین کو ساکت وصامت رکھنے کے لیے پہاڑوں کا وجود اللہ تبارک وتعالی نے قائم فرما دیا اسے اوتاد بنایا یعنی ان کی حیثیت میخ کی ہے زمین کی اضطرابی کیفیت کو ختم کرنے کے لیے علامہ سعدی نے کہا ہے:

زمین از تپ لرزہ آید ستوہ
فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

جب زمین بخار کی طرح لرزہ براندام ہوئی تو اللہ تبارک وتعالی نے پہاڑوں کے وجود کو باضابطہ طور پر زمین کے اوپر میخ کی حیثیت سے کھڑا کر دیا تا کہ زمین کھڑی رہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے جبال کو اوتادیعنی میخیں بنا دیا اس کے علاوہ پہاڑوں میں اور بے شمار فوائد ہیں، پہاڑ معدنیات کا مرکز ہیں، پہاڑ میں سونا ہے، چاندی ہے، تانبا ہے جو، اہرات وغیرہ نکلتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَوْ شِئْتُ لَسَعَتْ مَعِيَ الْجِبَالُ ذَهَبًا۔

اگر میں چاہوں تو یہ پہاڑ ایک مقام پر احد کا لفظ آیا ہے سونا بن کر میرے ساتھ چلیں۔

یعنی نگاہِ رسالت دیکھ رہی تھی اس کے اندر معدنیات پوشیدہ ہیں مگر وہ تو دراصل پوری دنیا کو الفقر فخری کی تعلیم دینے آئے تھے، اس لیے آپ نے دنیا کا اقتدار یا سرمایہ قبول نہیں فرمایا۔ اب اللہ ارشاد فرماتا ہے: تم زمین کو دیکھ رہے ہو، پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو تو کیا زمین اور پہاڑوں کا خالق انسانوں کو دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ اگر تم زمین، آسمان اور پہاڑوں وغیرہ کی تخلیق پر غور نہیں کر سکتے ہو تو کم از کم اپنی ذات کے اوپر غور کرو اللہ نے کہیں آیات آفاق پیش کی ہیں بطورِ دلیل اور کہیں آیات انفس بطورِ دلیل پیش کی ہیں۔

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ، اللہ کی نشانیاں تمہارے ذات کے اندر ہے۔

اس کی آیات، اس کے دلائل تمہاری ذات کے اندر ہیں۔

وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (سورۃ النباء، الآیۃ:8)

اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔

وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (سورۃ النباء، الآیۃ:9)

ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے آرام کا ذریعہ بنایا۔

وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا (سورۃ النباء، الآیۃ:10)

اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا تمہارے لیے۔

وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (سورۃ النباء، الآیۃ:11)

اور ہم نے دن کو تمہارے لیے حصولِ معاش کا ذریعہ بنایا اگر تم آسمان اور زمین کی تخلیق پر غور نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی زندگی پر غور کرو۔ خالق کائنات نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا فرمایا کسی کو مرد بنایا کسی کو عورت، کسی کو باپ بننے کی صلاحیت دی اور کسی کو ماں اور کسی کو دونوں سے محروم رکھا۔

خطاب نمبر (۹۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ جَمِيْعًا
وَاَقَامَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِلْمُنْذِبِيْنَ الْمُتَلَوِّثِيْنَ الْخَطَّائِيْنَ الْهَالِكِيْنَ شَفِيْعًا
فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَيْهِ
وَعَلٰى كُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِيٌّ لَّدَيْهِ
صَلَاةً تَبْقٰى وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَيِّ الْقَيُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ○ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ○ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ○
وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ○ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ○ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○
وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ○ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ○
وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ○
لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ○ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ○

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الامین الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالیٰ ان آیات کریمہ میں کائنات کی عظیم چیزوں کے بارے میں ارشاد فرمارہا ہے سب سے پہلے اس نے زمین اور اس کے متعلقات کا تذکرہ فرمایا پھر آسمان اور اس کے متعلقات کا ذکر کیا۔ ارشاد فرمایا

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (سورۃ النباء،الایۃ:6)

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا۔

تاکہ تم اس پر رہو اور وہ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہو۔

وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا (سورۃ النباء،الایۃ:7)

اور پہاڑوں کو میخیں۔

تاکہ ان سے زمین ثابت اور قائم رہے۔

وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (سورۃ النباء،الایۃ:8)

اور تمہیں جوڑے بنایا۔

تاکہ تم ایک دوسرے سے سکون حاصل کرو اور معاشی ومعاشرتی اُمور کا انتظام کرو۔

وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (سورۃ النباء،الایۃ:9)

اور تمہاری نیند کو آرام کیا۔

تاکہ اس سے تمہاری کوفت اور تھکن دور ہو اور تمہیں راحت وآرام حاصل ہو۔

وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا (سورۃ النباء،الایۃ:10)

اور رات کو پردہ پوش کیا۔

تاکہ تمہارے معاملات پوشیدہ رہیں۔

وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (سورۃ النباء،الایۃ:11)

اور دن کو روزگار کے لیے بنایا۔

تاکہ تم اس میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اپنی روزی تلاش کرو۔

وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (سورۃ النباء،الایۃ:12)

اور تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیاں چنیں (تعمیر کیں)۔

فرمایا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط اور مستحکم آسمان بنائے اور اس میں بے شمار ستارے اور سیارے محوگردش ہیں مگر کروڑوں سال گزر جانے کے بعد بھی اس میں سرمو فرق نہیں آیا کیا یہ خالق کائنات کی قدرت کی عظیم نشانی نہیں ہے۔

وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (سورۃ النباء،الایۃ:13)

اور ان میں ایک نہایت چمکتا چراغ رکھا۔

اور فرمایا کہ ہم نے ایک روشن چراغ یعنی سورج بنایا، سراج سے مراد سورج ہے وَهَّاجًا کے معنی مرکز نور وضیاء کے ہوتے ہیں۔ ایسا سورج کے چاند اور ستارے بھی اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور زمین کی ہر شئی منور ہو جاتی ہے، سورج صرف روشنی ہی نہیں دیتا بلکہ حیاتِ انسانی اور جانوروں کی زندگی اور پودوں کے نشوونما کے لیے بھی اس کا وجود اور اس کی حرارت بے پناہ ضروری ہے۔

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا (سورۃ النباء،الایۃ:14)

اور بھری بدلیوں سے زور کا پانی اتارا۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا (سورۃ النباء،الایۃ:15)

کہ اس سے پیدا فرمائیں اناج اور سبزہ۔

وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا (سورۃ النباء،الایۃ:16)

اور گھنے باغ۔

بارش کے فوائد کتنے ہیں اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے اور نہ ہی شمار کر سکتے ہیں بارش سے نہ صرف غلہ، سبزیوں، گھنے درختوں والے باغات اور ہر طرح کے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں بلکہ بارش کا پانی ہی پینے اور سیرابی کے کام آتا ہے یہی پانی ہے جس کے بارے میں دوسرے موقعہ پر اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (سورۃ الانبیاء،الایۃ:30)

یعنی پانی سے ہم نے ہر چیز کو زندگی عطا فرمائی۔

خالق کائنات نے پانی کو مبارک بھی کیا، ارشاد فرمایا: ماءً مبارکۃً۔

پانی انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے اور حیات کا آغاز ہی پانی کے ذریعے سے ہوا ہے، قدرت کی عظیم الشان نشانیاں کیا اس پر ایمان لانے کے لیے کافی نہیں ہیں اور اس بات پر یقین کرنے کے لیے کہ جس رب نے یہ عظیم الشان چاند، سورج اور سیاروں کا نظام قائم فرمایا ہے، خلاء کی وسعتیں جن کو آج تک ناپا نہیں جاسکا ہے، جو بادلوں سے بارش فرما کر انسان، حیوانات اور ہر شئی کو زندگی بخشتا ہے وہ قادرِ مطلق کیا انسان کو دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں ہے۔ ان تمام دلائل کے باوجود اگر منکرین ایمان نہ لائیں تو ان کے لیے اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ○ (سورۃ النباء،الایۃ:17)

بے شک فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا دن مقرر ہے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ○ (سورۃ النباء،الایۃ:18)

اور جب صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج۔

کفار نہ صرف یہ کہ حشرِ اجساد کا انکار کرتے تھے بلکہ قیامت کے بھی منکر تھے اور بطورِ مزاح بار بار کہتے تھے کہ قیامت کو برپا کر کے دکھائیے ان ظالموں کو یہ معلوم نہیں تھا اور انہیں یہ عقل نہیں تھی کہ اگر قیامت برپا ہوگی تو کیا وہ اس کو دیکھنے کے لیے باقی رہیں گے اس لیے اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرما رہا ہے کہ فیصلہ کا ایک دن مقرر ہے اور جب صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ اپنے انجام کو دیکھنے کے لیے خدا کی بارگاہ میں حاضر کیے جاؤ گے۔

حضرات گرامی! وقوعِ قیامت اور لوگوں کے فوج در فوج حاضر کیے جانے کا ذکر قرآن عظیم میں فرمایا گیا اور اس کے بعد قیامت کی ہولناکیوں اور اس کی شدت کا ذکر کیا جارہا ہے:

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ○ (سورۃ النباء،الایۃ:19)

اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازوں میں تبدیل ہو جائے گا۔

وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ○ (سورۃ النباء،الایۃ:20)

اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکا دیتا۔

جن آسمانوں کی مضبوطی اور پختگی اور سلامت کا یہ عالم ہے کہ کروڑوں سال کے بعد بھی اس میں کوئی رخنہ نہیں ہے اور نہ کہنگی کے کوئی آثار ہے مگر قیامت کے دن آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائیں گے اور ان میں گویا دروازے پیدا ہو جائیں گے یا حقیقتاً ان میں دروازے پیدا ہوں گے اور کارکنانِ قضا وقدر یعنی فرشتے اس میں سے اتریں گے اور اپنی مقررہ ذمہ داری پوری کریں گے۔ وہ پہاڑ جو صدیوں سے زمین کو سنبھالے ہوئے ہیں انہیں چلایا جائے گا اور وہ سراب کی طرح ہو جائیں گے یعنی ریت کے صحرا میں تبدیل ہو جائیں گے جو دور سے

دیکھنے والے کو پانی کا دریا نظر آتا ہے مگر حقیقت میں فریب نظر ہوتا ہے وہ صرف چمکتی ہوئی ریت کا ایک میدان ہوتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ○ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ○ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ○ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ○ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ○ جَزَآءً وِّفَاقًا (سورۃ النباء، الایات: 26/21)

بے شک جہنم سرکشوں کے انتظار میں ہے اور وہی ان کا ٹھکانہ ہے اور وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ٹھنڈک کا ذائقہ چکھیں گے اور نہ ہی ان کو خوشگوار مشروب ملے گا مگر انہیں صرف کھولتا ہوا پانی یا پیپ پینے کو ملے گا اور ان کو ان کی بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

حضراتِ گرامی! قرآن عظیم کی ان آیات میں باضابطہ طور پر یہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ قیامت کے قائل نہیں ہیں، مرنے کے بعد زندگی کے قائل نہیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ کفر پر اڑے ہوئے ہیں اور مسلسل بغاوت اور انحراف کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں ان کو ان تمام اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ کیوں دی جائے گی؟

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ○ (سورۃ النباء، الایۃ: 27)

اس لیے کہ وہ لوگ یوم حساب کی امید نہیں رکھتے تھے، وہ ہمیشہ تکذیب کرتے تھے آخرت کی، حشر کی، خدا کے بارگاہ میں حاضری کی، حساب کی اور اپنے رب سے ملاقات کی۔

وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا (سورۃ النباء، الایۃ: 28)

اور وہ ہمیشہ ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے، جھٹلاتے تھے۔

وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ○ (سورۃ النباء، الایۃ: 29)

اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے۔

اور ہم نے ہر چیز ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رکھی ہے اور ان کا شمار کر لیا گیا ہے۔

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ○ (سورۃ النباء، الایۃ: 30)

اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب۔

تو ان سے کہا جائے گا کہ اب مزا چکھو اب تم پر کوئی رحم نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ بار بار انبیائے کرام کے ذریعہ، قرآنِ عظیم کے ذریعہ اس بات کا یقین دلایا گیا کہ ایمان لاؤ آخرت پر، قرآن عظیم پر، اللہ کی ذات پر اور اس کی وحدانیت پر مگر جب بھی ان سے یہ بات کی جاتی تو جھٹلاتے اور تکذیب کرتے تو اس کے نتیجہ میں انہیں عذاب سے دو چار کیا جائے گا۔

مگر اس کے برعکس جنتیوں کے لئے اللہ تعالی کے انعام ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (سورۃ النباء، الایۃ: 31)

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کی کامیابی کی ایک عظیم جگہ ہے وہ جنت ہے۔

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا (سورۃ النباء، الایۃ: 32)

جس میں باغ ہوں گے اور طرح طرح کے میوے ہوں گے، انگور ہوگا۔

وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا (سورۃ النباء، الایۃ: 33)

اور ان کو خوش رکھنے کے لیے ہم عمر عورتیں ہوں گی۔

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا (سورۃ النباء، الایۃ: 34)

اور پاکیزہ شراب سے بھرے ہوئے جام ہوں گے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا (سورۃ النباء، الایۃ: 35)

اس جگہ وہ کوئی لغو اور بیہودہ بات نہ سنیں گے اور نہ ہی وہاں کوئی بات جھٹلائی جائے

گی۔کیونکہ وہ جنت ہوگی اور جنت میں یہ ساری باتیں معدوم ہوں گی۔

جنت ایک ایسا مقام ہے جو خیر مطلق کا مقام ہے وہاں خیر ہی خیر ہوگا اس لیے وہاں دنیا کی طرح سے کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جہاں انسان جھوٹ بھی بولتا ہے، بیہودہ باتیں بھی کرتا ہے اور تکذیب بھی کرتا ہے وہاں ایسا نہیں ہوگا اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (سورۃ النباء،الایۃ:36)

صلہ تمہارے رب کی طرف سے نہایت کافی عطا۔

اور یہ بدلہ،اور یہ جزا تمہارے پروردگار کی طرف سے دی گئی ہے جو کہ نہایت کافی ہے بطورِ انعام

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (سورۃ النباء،الایۃ:37)

وہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے رحمٰن کہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے۔

وہ پروردگار آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے، بے پناہ کرم کرنے والا ہے اور عالم یہ ہے اس کے جلال کا کہ وہاں کوئی بات نہ کر سکے گا۔صرف اطاعت اور فرمابرداری ہوگی۔

اور عالم یہ ہوگا کہ انسان تو انسان ہیں فرشتے بھی حیران ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا (سورۃ النباء،الایۃ:38)

جس دن جبریل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پرا باندھے (صفیں بنائے) کوئی نہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اِذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی وہ سچا دن ہے۔

روح سے مراد مفسرین نے جبرئیل علیہ السلام کو لیا ہے جس دن جبرئیل اور سارے فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اس روز کوئی حاضرین میں سے محشر میں بول نہ سکے گا ہاں! جس کو اللہ نے اذن دیا ہوگا وہ بولے گا یعنی شفاعت کرے گا۔اس میں انبیا بھی ہیں اور فرشتے بھی ہیں اور اولیا بھی ہیں اور دوسرے نیکو کار بھی ہیں۔

وَ قَالَ صَوَابًا اور اس نے ٹھیک بات کہی۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا (سورۃ النباء،الایۃ:39)

وہ سچا دن ہے اب جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ بنالے۔

اور وہ دن برحق دن ہے، وہ واقع ہونے والا ہے۔تو جو چاہے ابھی دنیا میں اختیار ہے یہ دنیا دار العمل ہے پس جو چاہے عمل صالح کے ذریعہ اپنے پروردگار کے حضور اپنا ٹھکانہ بنالے۔اور اب اس کے بعد قرآن عظیم کافروں سے پھر مخاطب ہے:

اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (سورۃ النباء،الایۃ:40)

ہم تمہیں ایک عذاب سے ڈراتے ہیں کہ نزدیک آ گیا جس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا۔

اے کافرو! ہم نے تم کو قریب کے عذاب سے ڈرایا تھا جس دن ہر شخص دیکھے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے، دنیا دار العمل ہے یہاں جو کچھ اس نے کیا ہے کل قیامت میں سب کچھ انسانوں کی نگاہوں کے سامنے ہوگا یعنی نیکی یا بدی کا نامۂ عمل جس میں سب کچھ

درج ہوگا، اس روز عالم یہ ہوگا کہ کفار و منکرین انتہائی حسرت سے کہیں گے کاش! میں خاک ہو جاتا تاکہ عذاب سے بچتا۔

یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ۔

جس روز انسان دیکھے گا جو اس نے آگے بھیجا ہے اپنے ہاتھ کی کمائی اپنے اعمال کو اور کافر یہ کہے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔

حضرات! سورۂ نباء کا بہت ہی مختصر سا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے پروردگارِ عالم ہمیں اور آپ کو اپنے کلام مقدس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خطاب نمبر (۹۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ○ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ○ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ○ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ○ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا

صَدَقَ اللّٰهُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِهِ الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! آج کی جو سورت ہے اس سورت کا نام النازعات ہے۔ اس سورت کے دوسرے بھی کئی نام ہیں۔ جن میں الطامة الکبری اور الساحرة بھی مشہور ہیں اس سورت میں 46 آیات اور 2 رکوع ہیں۔ اس سورت کا بنیادی مضمون مکی سورتوں کی

طرح قیامت اور حشر ونشر کے منکرین کو ڈرانا، جواب دینا ہے اور ان کے انجام سے انہیں با خبر کرنا ہے۔

اس سورت میں فرشتوں کی قسم یاد فرمائی گئی ہے جو کافروں کی روح انتہائی شدت سے نکالتے ہیں اور مومنین کی روح انتہائی لطافت سے نکالتے ہیں۔ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن زمین کا کیا عالم ہوگا، دلوں کی کیا کیفیت ہوگی اور نگاہوں کا کیا عالم ہوگا، اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوت دینا، اس کا انکار کرنا اور اپنے کو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہنا میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں اور پھر اس کے انجام کا ذکر کرکے کافروں کو باور کرایا گیا ہے کہ تم فراعنہ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو تو تم اپنے انجام پر غور کرو۔

آسمان کی تخلیق اور فرش زمین کا بچھایا جانا، پہاڑوں کی تخلیق کے بعد یہ فرمایا گیا کہ یہ سب تمہارے لیے ہیں اور تم اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کے لیے ہو مگر اس کے باوجود بھی اپنی ضد پر قائم ہو تو اس بڑی آفت کا انتظار کرو جس روز جہنم ظاہر کردی جائے گی۔ پھر اللہ تبارک وتعالی نے اہلِ ایمان کا ذکر کیا ہے جو اپنے رب کے حضور حاضری کے خوف سے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ان کا دائمی ٹھکانہ جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ مختصر سا تعارف اس سورتِ پاک کا ہے۔

قرآن پاک کے پارہ انتیس اور تیس ان دو پاروں میں بہت مختصر الفاظ میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں جنہیں آپ آیتوں کا نام دے سکتے ہیں بڑی عظیم حقیقتوں کا اظہار فرمایا گیا ہے جس پہ ہزاروں صفحات لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں مگر کون ہے جو قرآنِ پاک کا حق ادا کرسکے۔ یہ وہ کلامِ الٰہی ہے جس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر تمام دریا روشنائی میں تبدیل ہوجائیں اور اتنے ہی مزید دریا شامل کردئے جائیں اور تمام درختوں کے قلم تیار

کیے جائیں اور پھر اللہ کی ذات وصفات اور اس کے کلام کے بارے میں لکھا جائے تو دریا خشک ہوجائے گا سیاہیوں کا اور قلم تمام ہوجائیں گے، زندگیاں ختم ہوجائے گی مگر ذکر الٰہی اور کلام الٰہی کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حضرات گرامی! آئیے اب ہم اس سورت کے مختصر مختصر جملوں اور آیتوں پر غور کریں اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (سورۃ النزعات،الایۃ:1)

قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر جسم کے اندر جان کھینچنے والے ہیں، نازعات کہتے ہیں سختی سے کسی چیز کو کھینچنا اسی سے لفظ نزع جو موت کے وقت کی کیفیت ہے وہ نکلا ہے، جانکنی کے اضطراب کو نزع کہتے ہے۔ خدا ہمیں اور آپ کو اور جملہ سامعین اور اہلِ ایمان کو نزع کی تکلیف سے محفوظ فرمادے۔ آمین

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا

جو غوطہ لگا کر جان کھینچنے والے ہیں چونکہ انسان کی روح کا تعلق پورے وجودِ انسانی سے ہوتا ہے پیروں سے روح نکلنی شروع ہوتی ہے اور دھیرے دھیرے اعضاء بے جان ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ حلق، آنکھوں اور حلقوم سے باہر جاتی ہے، دماغ مرجاتا ہے ظاہر ہے کہ اس روح کو نکالنے کے لیے لفظ نازعات سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہوسکتا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو روح نکالتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں جانکنی کی کیفیات کا بہت تذکرہ ہے، نزع کی کیفیت کے بارے

میں بھی بہت سی باتیں کی گئی ہیں، خود لوگوں کے مشاہدات ہیں کہ انسان جب مر رہا ہوتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے سوائے ان لوگون کے جو اہلِ ایمان ہیں اور جن کی روحوں کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○

وہ لوگ جنہوں نے آخرت کی تیاری کر رکھی ہے فرشتے ان پر سختی نہیں کریں گے بلکہ ان کے بارے میں قرآن ارشاد فرماتا ہے:

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (سورۃ النزعات،الایۃ:2)

اور نرمی سے بند کھولیں۔

اور انتہائی آسانی کے ساتھ بند کھولنے والے ہیں۔ فرمایا گیا احادیث میں کہ مومن کی روح اس طرح نکلتی ہے جیسے بچہ ماں کے پستان کو سوتے میں چھوڑ دیتا ہے تو اہلِ ایمان کی روحیں بہت ہی آسانی سے نکلتی ہیں اور انہیں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور محسوس بھی کیوں ہو وہ ارواح مقدسہ، وہ روحیں جو ابتدائی شعور سے لے کر کے آخری عمر تک اپنے رب کے جلوں کو دیکھنے کی تمنا رکھتی ہیں، وہ روح کے نکلنے کے وقت آخرت کے جلوں سے آشنا ہوتی ہیں تو ان پر موت کی شدت کا کوئی احساس نہیں ہوتا بلکہ بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ، بہت ہی نشاط کے ساتھ اسی ناشطات سے نشاط ماخوذ ہے ان کی روحیں نکالی جاتی ہیں۔

اور فرمایا گیا ہے:

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (سورۃ النزعات،الایۃ:3)

اور آسانی سے پیریں (چلیں)

اور وہ فرشتے جو بہت تیزی کے ساتھ تیرنے والے ہیں فرشتے اپنے بازو اور پر سے پرواز کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ فضا میں تیر کر کے زمین پر اتر رہے ہیں سبح کے معنی ہوتے ہیں پانی میں تیرنا، تو فرشتے جو ان روحوں کو لے کر کے فضائے آسمانی میں تیرتے ہوئے بڑی برق رفتاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں انہیں پیش کرتے ہیں۔ یا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا سے وہ فرشتے مراد ہیں جو بہت تھوڑے وقت میں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مشرق و مغرب میں بلندی اور پستی میں محو پرواز رہتے ہیں احکام الٰہیہ کی تعمیل کے لیے۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (سورۃ النزعات،الایۃ:4)

پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں

اور یہ تیز رفتار فرشتے تعمیل حکم الٰہی میں بہت سبقت لے جانے والے ہیں، بہت تیز رفتار سبقت کرنے والے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (سورۃ النزعات،الایۃ:5)

پھر کام کی تدبیر کریں

اور اللہ کے حکم کے مطابق سارے ہی کائنات کے انتظام کرنے والے ہیں۔

حضرات! یہ فرشتے جو مختلف کاموں کے لیے متعین کیے گئے ہیں کچھ فرشتے جان نکالنے کے لئے ہیں، ان کو عزرائیل کا نام دیا گیا ہے، فرشتہ جو انسان کی معیشت اور معاش پر پہرہ دے رہا ہے اسے میکائیل کا نام دیا گیا ہے، اور جو احکامات الٰہیہ کو انبیائے کرام تک پہنچاتے ہیں انہیں جبرئیل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے قیامت برپا ہوگی انہیں اسرافیل کا نام دیا گیا ہے۔ یہ چند فرشتوں کی ڈیوٹیاں تو بتائی گئی ہے لیکن اس طرح کے کتنے ہی مدبرات ہیں، اللہ کے احکامات کی تدبیر کو عملی جامہ پہنانے

والے ہیں جو اس زمین پر کارکنانِ قضاو قدر ہیں۔

یہی فرشتے جو اعمالِ انسانی کو لکھتے ہیں کراما کاتبین کی حیثیت سے، کچھ فرشتے وہ ہیں جو اہلِ ایمان کی مدد کرتے ہیں ہر مقام پر پہنچ جاتے ہیں حتی کہ غزوات میں بھی اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں، جیسا کہ بدر وحنین وخندق میں فرشتوں نے ساتھ دیا اور بعد میں بھی ان کی تائیدات جب تک مسلمان، مسلمان رہے، حاصل رہی، بادلوں کو چلانے والے بھی ہوتے ہیں، بارش کے نزول کا اہتمام کرنے والے بھی ہوتے ہیں، اس طرح کے کتنے ہی فرشتے ہیں جو مختلف کاموں پر لگا دیئے گئے ہیں ان کو فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ان باتوں کے تذکرے کے بعد یعنی قسم یاد فرمائی ہے شدت سے روح نکالنے والے فرشتوں کی، آسانی سے بند کھولنے والے فرشتوں کی، تیزی سے پرواز کرنے والے فرشتوں کی، ہر کام میں حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے آگے بڑھنے والے فرشتوں کی اور کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتوں کی۔

ان کی قسم یاد فرمانے کے بعد اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (سورۃ النزعات،الایۃ:6)

جس روز زمین حالت لرزہ میں ہوگی، کانپ رہی ہوگی اور جب وہ کانپنا شروع کرے گی۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (سورۃ النزعات،الایۃ:7)

تو اس کے ساتھ اس کے بعد ایک شدید جھٹکا ہوگا، یہ قیامت کا جھٹکا ہوگا، بڑا لرزہ دینے والا، بے پناہ تکلیف دینے والا لفظِ رادفہ استعمال کیا گیا۔ردیف شاعری کی دنیا میں کہتے ہیں قافیہ کے ساتھ لگے ہوئے لفظ کو اور ردیف کہتے ہیں گھوڑے کے پشت پر سوار کے ساتھ

بیٹھنے کو۔

تو فرمایا گیا کہ جس روز زمین تھرتھرائے گی تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ اور اس کے بعد ایک جھٹکا ہوگا۔مفسرین نے کہا ہے کہ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ سے مراد پہلا صور ہے جب پھونکا جائے گا تو زمین کانپ اٹھے گی، لرزہ براندام ہو جائے گی۔تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ سے مراد دوسرا صور ہے جو پھونکا جائے گا تو سارے مردہ انسان، سارے مردہ حقیقتیں دوبارہ زندہ ہو جائیں گی۔اس وقت دوبارہ زندہ ہوں گے تو عالم کیا ہوگا۔

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ (سورۃ النزعات،الایۃ:8)

اس روز انسانوں کے دل خوف سے کانپ رہے ہوں گے، لرز رہے ہوں گے وہ سارے لوگ جو خود کو انتہائی طاقت ور کہتے تھے اور جو اپنی طاقت وقوت پر ناز کرتے تھے ان کے دل کانپ رہے ہوں گے۔

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (سورۃ النزعات،الایۃ:9)

اور ان کی آنکھیں ڈر سے جھکی ہوں گی یا انجام کے خوف سے جھکی ہوئی ہوں گی۔

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ (سورۃ النزعات،الایۃ:10)

وہ کہیں گے کیا ہم کو پلٹایا جائے گا الٹے پاؤں دنیا میں۔

ان کے قول کی وضاحت کی گئی ہے قیامت کے منظر سے پہلے پہلے وہ کہیں گے کیا ہم کو دوبارہ لوٹایا جائے گا الٹے پاؤں۔

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (سورۃ النزعات،الایۃ:11)

جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیوں میں اور ٹوٹی پھوٹی ہڈیوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے۔

حشر کے مناظر کو دیکھنے کے بعد، بعث بعد الموت کا تذکرہ سننے کے بعد یہ کہیں گے:

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ(سورۃ النزعات،الایۃ:12)

یہ تو بڑے ہی گھاٹے کی چیز ہوگی کہ ہمارا تو یہ خیال تھا کہ ہمیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے، یہ دنیا قدیم ہے، کوئی اور دنیا نہیں ہے، مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور پھر ہمارا کوئی حساب وکتا ب نہیں ہوگا، دنیا میں ہم جتنا چاہے ظلم کرلیں، زیادتی کرلیں، دوسروں کو ستالیں، لوگوں کے مال آبرو پر ڈاکے ڈالیں، انسانی لاشوں، عمارتوں پر اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کریں، ہم جو بھی کریں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، ہم بڑے طاقت ور لوگ ہیں اپنی طاقت اور گھمنڈ میں، جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہمیں تو واپس ہونا ہوگا تب وہ کہیں گے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہے، بڑے نقصان کی ہے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ(سورۃ النزعات،الایۃ:13)

یہ تو ایک جھڑک ہوگی، ایک ڈانٹ ہوگی کہ جس کے ذریعے انہیں ایک دوسری زندگی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

قیامت کا منظر کیا ہوگا اور میدان کیسا ہوگا! قرآن فرماتا ہے:

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ(سورۃ النزعات،الایۃ:14)

تو وہ لوگ ایک کھلے ہوئے میدان میں جمع کیے جائیں گے۔

یہ قیامت کا منظر پیش کرنے کے بعد قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى(سورۃ النزعات،الایۃ:15)

اے حبیب! کیا پہنچی ہے آپ کو موسی علیہ السلام کی خبر۔ اس طرح کے سوال سے یہ مطلب نہیں ہے کہ خبر نہیں پہنچی ہے بلکہ بطور تاکید کہا جا رہا ہے کہ آپ کو موسی علیہ السلام کی خبر تو پہنچی ہی ہوگی۔

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى(سورۃ النزعات،الایۃ:16)

جب کہ ان کے پروردگار نے ایک مقدس وادی جس کا نام طوی ہے سے پکارا تھا۔

کیا حکم دیا تھا اللہ تبارک وتعالی نے

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى(سورۃ النزعات،الایۃ:17)

جاؤ فرعون کے پاس وہ بہت سرکش اور باغی ہوگیا ہے۔

طغیان کی انتہا پر پہنچ گیا ہے۔ جاؤ اسے دعوت دو پروردگار عالم کسی کو فنا نہیں کرتا کسی پر عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک کہ اس پر حق واضح نہ کر دیا جائے پھر وہ اپنے شعور اور عقل کے تمام آزادی کے بعد یا تو حق کو قبول کرے یا تو باطل کو، تو فرعون کو بھی دعوت دی گئی۔ قرآن پاک کی دوسری آیات میں بہت تفصیل موجود ہے یہاں صرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى(سورۃ النزعات،الایۃ:18)

(موسی جاؤ اور فرعون جیسے باغی اور سرکش سے) کہو کیا تمہاری یہ خواہش نہیں ہے کہ تمہیں پاک کر دیا جائے۔

یہ گناہ کی آلودگیاں جو تمہارے دامن پر لگی ہوئی ہیں اور یہ سارے مظالم جس سے تمہاری روح بہت زیادہ گندی ہو چکی ہے تم چاہو تو اللہ سب کچھ معاف کر دے گا، تمہاری روح کو پاک کر دے گا۔

سامعین کرام! روح کی پاکیزگی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جنت میں جانے کیلئے روح کا پاک ہونا بہت ضروری ہے یا تو ہدایت قبول کرنے کے بعد پاک ہو جائے اس لیے کہ انسان جب کفر سے اسلام کی دنیا میں آتا ہے، جب کلمۂ شہادت پڑھتا ہے تو تمام سابقہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور اگر مومن گنہگار ہے تو توبہ کے ذریعے اپنی روح کو

پاک کرلے۔تو جناب موسی سے کہا اللہ تبارک وتعالی نے کہ جاؤ اس کے پاس اور اس سے کہو کیا تم پاک ہونا نہیں چاہتے اگر تمہاری خواہش ہے کہ تمہیں پاک کر دیا جائے اور

وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (سورۃ النزعات،الایۃ:19)

اور میں تمہاری ہدایت اس پروردگار کی طرف کروں جس سے تم ڈرو

اور ڈر کر کے تم لوگوں پر مظالم کرنا چھوڑ دو خاص طور پر بنی اسرائیل پر جن کو تم نے صدیوں سے غلام بنا رکھا ہے تم نے اور تمہارے پہلے فرعونوں نے،تو انہیں آزاد کر دو، انہیں اپنی مرضی سے جینے دو،ان کے گلوں سے غلامی کا طوق اتارو اور اپنی بندگی کے بجائے جو جھوٹی اور غلط ہے خدا کی بندگی کی طرف مائل ہو جاؤ اور لوگوں کو دعوت دو کہ اس کائنات کا ایک خالق، مالک اور پروردگار بھی ہے۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (سورۃ النزعات،الایۃ:20)

تو حکم الٰہی کے مطابق جناب موسی علیہ السلام اس کے پاس گئے اور اس کو بہت سی نشانیاں دکھائیں،نو معجزات کا ذکر تو قرآن پاک میں ہے مگر جبکہ نبی کا ہر انداز حیات معجزہ ہوتا ہے آیات کبری کو دیکھنے کے بعد بھی۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى (سورۃ النزعات،الایۃ:21)

اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

ایک ایسا مقام آیا تھا کہ جناب موسی علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم چاہو تو سارے گناہ معاف ہو جائیں اور تم کو دوہری زندگی دی جائے یا زندگی دوگنی کر دی جائے کہ دوبارہ بڑھاپے میں،ضعف میں تبدیل نہ ہو اور تمہارے مال و دولت میں اضافہ کر دیا جائے پس ایمان لاؤ،فرعون کے دل میں تھوڑی دیر کے لیے خیال آیا تھا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے

،مجھے جوانی اور شباب ملے گا،اور سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور پھر میرا دائرۂ اقتدار بڑھا دیا جائے گا اور یہ ممالک میرے زیر نگیں ہو جائیں گے اور پھر آخرت میں جنت میسر آئے گی تو بھاگا ہوا گیا اور اپنی بیوی سے کہا جو مسلمان تھی، خاموشی سے ایمان لا چکی تھی،آج موسی نے مجھے یہ آفر کی ہے۔کیا میں ان کا دین قبول کرلوں؟ تو کہا تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟ خدارا! جلدی جاؤ رحمت تمام تمہیں خود آواز دے رہی ہے،اللہ کا کرم پکار رہا ہے جاؤ ایمان لاؤ تمہیں میرے پاس آنے سے پہلے خود اپنے ضمیر کے فیصلے کے مطابق ایمان قبول کر لینا چاہیے تھا اس سے بڑا انعام کیا ہوگا کہ خدا کا نمائندہ تمہیں ان انعامات سے نواز رہا ہے جاؤ جناب موسی کے پاس مگر وہ ظالم جناب موسی کے پاس جانے سے پہلے اس نے کہا کہ میں ذرا اپنے وزیر ہامان سے مشورہ تو کرلوں بیوی نے کہا خدارا! ایسا مت کرو ہامان تمہیں گمراہ کرے گا جو آج تک گمراہ کرتا ہی رہا ہے تم کو،مگر وہ گیا اور اس نے پوچھا تو اس نے کہا کہ موسی تم کو دھوکہ دے رہے ہیں، پھر آج کے بعد ان کی حکمرانی ہوگی، پھر تم کو کون خدا کہے گا؟ کون تمہارے سامنے سجدہ کرے گا؟ کون تمہاری اطاعت کرے گا؟ اور تمہیں ان کی قوم کو آزاد کرنا پڑے گا جو تمہارے برابر کھڑے ہوں گے یہ دھوکہ کی بات ہے پھر فرعون ایمان نہ لا سکا۔

ہاں ایک وقت ایسا آیا کہ جب وہ ڈوب رہا تھا تو اس نے کہا:

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى (سورۃ طٰہٰ،الایۃ:70)

وہ بولے ہم ایمان لائے ہارون وموسی کے رب پر

مگر عذاب الٰہی کو دیکھنے کے بعد کا ایمان قابل قبول نہیں ہے رد کر دیا گیا۔

اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس نے اللہ کی عظیم آیتیں دیکھیں جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى (سورۃ النزعات،الایۃ:22)

پھر پھر گیا اور پرانی سابقہ فتنہ انگیزیوں میں اور ظلم میں مبتلا ہوگیا بلکہ اور کوشش کرنی شروع کر دی۔

فَحَشَرَ فَنَادٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:23)

پھر اس نے لوگوں کو جمع کیا اور آواز دی

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:24)

میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

جب کبر اس مقام پر پہنچ گیا کہ حقیقی رب الاعلیٰ کو چھوڑ کر اپنے کو رب کہنے لگے تو پھر سزا تو ملنی تھی۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:25)

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے مبتلی کر دیا عذاب میں جو دنیا کے لیے بھی اور آخرت کے لیے بھی دوہرے عذاب سے اسے دوچار کیا گیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:26)

(اللہ مخاطب کر کے کہہ رہا ہے پیغمبر اعظم کے مدعوین کو ان کے مخاطبین کو اور اہلِ ایمان کو بھی کہ) بے شک (فرعون کے حشر اور اس کے انجام میں جو اپنے کبر اور غرور کی بنیاد پر انجام بد کو پہنچا) اس میں عبرت اور نصیحت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا (سورۃ النزعات،الایۃ:27)

کیا تمہارا پیدا کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے کہ ہم نے یہ آسمان پیدا کیا۔

کیا تم آسمانوں کے خالق کے بارے میں یہ سوچتے ہو کہ وہ تم کو پیدا نہیں کر سکے گا۔

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا (سورۃ النزعات،الایۃ:28)

جس نے آسمان کی چھت کو بہت بلند کیا اور اسے درست فرمایا۔

وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا (سورۃ النزعات،الایۃ:29)

اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی چمکائی۔

اور اس نے رات کو تاریکیوں میں تبدیل فرما دیا اور دن کو روشن بنا دیا۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (سورۃ النزعات،الایۃ:30)

اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا (سورۃ النزعات،الایۃ:31)

اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا (سورۃ النزعات،الایۃ:32)

اور پہاڑوں کو جمایا۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (سورۃ النزعات،الایۃ:33)

تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے فائدہ کو۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:34)

پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے بڑی۔

یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:35)

اس دن آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:36)

اور جہنم ہر دیکھنے والے پر ظاہر کی جائے گی۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی (سورۃ النزعات،الایۃ:37)

تو وہ جس نے سرکشی کی۔

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

(سورۃ النزعات،الایۃ:38،39)

اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، تو بے شک جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔

(سورۃ النزعات،الایۃ:40)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا۔

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (سورۃ النزعات،الایۃ:41)

تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا۔

تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے۔

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا۔

تمہیں اس کے بیان سے کیا تعلق۔

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا، اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا۔

تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے، تم تو فقط اُسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا۔

گویا جس دن وہ اسے دیکھیں گے دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے۔

خطاب نمبر (۹۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَهْدِيْهِ وَنَسْتَغْفِرُهٗ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا
مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِيْنَ

سامعین کرام! آج تیسویں پارے کی سورت سورۂ عبس کے مضامین کو پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا اس سورت میں صرف ایک رکوع اور 42 آیات ہیں یہ سورت بھی مکہ مکرمہ کی ابتدائی دور میں نازل ہوئی سورت کے مضامین کا مختصر سا تذکرہ سماعت فرمالیں۔

اس سورت میں ایک عظیم صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو

ایمان کے اعتبار سے السابقون الاولون میں ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خالو کے صاحبزادے ہیں، اور نابینا تھے ان کے حوالہ سے کلام فرمایا گیا ہے۔ ایک روز بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں قریش کے سارے ہی سردار حاضر تھے جس میں شیبہ عتبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے ابوجہل امیہ ابن خلف، ولید ابن مغیرہ اور عباس ابن عبد المطلب یہ سبھی لوگ موجود تھے اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں دین کی تبلیغ فرما رہے تھے اور انتہائی اخلاص کے ساتھ، دل سوزی کے ساتھ انہیں دین کی دعوت دے رہے تھے، ظاہر ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس دین کی دعوت کے لیے جلوہ گر ہوئے تھے اسی عظیم فریضہ کو انجام دے رہے تھے چونکہ یہ سرداران قریش تھے اور یہ خیال تھا کہ اگر یہ ایمان لائیں گے تو پورا مکہ مکرمہ بغیر کسی جنگ وجدل کے اسلام کے دامن میں شامل ہو جائے گا اس لیے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاص طور پر ان پر توجہ دے رہے تھے۔ اثنائے گفتگو دعوت میں حضرت عبد اللہ ابن مکتوم حاضر ہوئے، نابینا ہونے کی وجہ سے وہ سردارانِ قریش کو نہ دیکھ سکے اور انہوں نے انتہائی اشتیاق کے عالم میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی۔

عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا عَلَّمَکَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی۔

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں بھی وہ سکھائیے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔

ایسے موقع پر جب کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری توجہ سرداران قریش کی طرف تھی اور وہ انتہائی دل سوزی کے ساتھ کوشش فرما رہے تھے کہ یہ مومن

ہو جائیں، مسلمان ہو جائیں آپ کو ایسے وقت میں حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کا سوال پسند نہیں آیا اور آپ کے چہرۂ پاک پر ناگواری کے آثار نظر آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا آداب مجلس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ درمیانِ کلام میں گفتگو نہ کرتے یا سوال نہ کرتے، اس لیے کہ نابینا ہونے کی وجہ سے مجلس میں شریک افراد کو تو نہ دیکھ سکے ہوں گے مگر آواز اور گفتگو یقیناً سماعت فرمائی ہوگی۔ ان حالات میں سوال کیا جانا تو یقیناً غصہ دلانے والا تھا جبکہ قرآن عظیم نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے آداب خود سکھائے ہیں۔

دنیا کے اربابِ اقتدار اپنی بارگاہ میں حاضری کے لیے یا تو خود قانون بناتے ہیں یا ان کے درباری بناتے ہیں یا ان کے وزراء بناتے ہیں مگر یہ بارگاہ رسالت مآب ہے جہاں قوانین اللہ نے خود بنائے ہیں کہ میرے نبی کے بارگاہ میں کس طرح آؤ۔

لَا تُقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (سورۃ الحجرات الآیۃ:1)

اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (سورۃ الحجرات الآیۃ:2)

اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔

اس طرح کے احکامات آدابِ بارگاہ رسالت کے قرآن پاک میں موجود ہیں۔

لیکن یہ ان کا اشتیاق تھا کہ انہوں نے سوال کر دیا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لیے ناگواری کا اظہار فرمایا، جو خود عبد اللہ ابن ام مکتوم نے تو نہیں دیکھا ہوگا مگر سرداران قریش نے تو دیکھا ہوگا۔ یقیناً ایک داعی وہ بھی سرور کائنات ہو، ان کی انتہائی خواہش ہوتی ہے کہ جن کو دعوت دی جا رہی ہے وہ ایمان لئے آئیں۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر یہ

سرادارانِ قریش ایمان ل آئیں تو پورا مکہ مومن ہو جائے گا۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْ کِھِمْ۔

لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

یہ بادشاہ تو نہیں ہیں لیکن طاقت ور ہیں مکے پر ان کے اثرات ہیں، ان کے ایمان سے اسلام پھیلے گا جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا ہوگا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم تو مسلمان ہیں اور اولین مسلمان میں سے ہیں، ان کے پاس تو بہت سے مواقع ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں لیکن جبکہ سردارانِ قریش یہاں موجو دہیں، ان کو دعوت دی جارہی ہیں، ایسے موقع پر ان کی مداخلت یقیناً وجہ ناگواری تھی جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا۔

اب یہاں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو تنبیہ کی جاتی کہ انہوں نے درمیان میں مداخلت کیوں کی؟ مگر ان کے بجائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا اور ان کے رخ انور کے پھیر لینے پر مشیت نے ان کی تنبیہ فرمائی۔

حضرات! اس کی بہت سی وجہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے متنبہ نہیں کیا گیا کہ ان کی دل جوئی ہو اور ان کے قلب کو تکلیف نہ پہنچے اور سرداران قریش جب سنیں کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے سامنے رخ انور پھیر لینے کی وجہ سے، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے تو وہ یہ محسوس کرلیں کہ وہ دولت مند ضرور ہیں، سرمایہ دار بھی ہیں، صاحب اقتدار بھی ہیں لیکن بارگاہ خداوندی اور بارگاہ رسول میں ایمان دیکھا جاتا ہے اہل ایمان کی قدر و قیمت ہوتی ہے، وہ محسوس کریں کہ ایک غریب

مومن پر دنیا بھر کے مالدار کو قربان کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تنبیہ کر کے سرداران قریش کو یہ باور کرانا تھا کہ پیغمبر اسلام اگر تمہیں دین کی دعوت دے رہے ہیں، تو تمہاری دولت اقتدار کے بنیاد پر نہیں بلکہ تمہیں جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیے اور ان کے اس زعم باطل کی اصلاح بھی کرنی تھی کہ اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں ہے، تم اس غرور سے باہر نکل آؤ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ پیغمبر تمہیں اس قدر دل سوزی سے دعوت دے رہے ہیں تا کہ اسلام کو کوئی فائدہ پہنچے تم سے، یا تمہاری ضرورت ہے ان کو، ایسا نہیں ہے بلکہ ایک مفلس صحابی، ایک مفلس مومن تمہارے مقابلے میں اللہ و رسول کے پاس زیادہ معظم ہے۔

یہ ساری مصلحتیں تھیں جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ناراض ہونا تادیب میں داخل ہے۔ وہ پیغمبر ہیں اور معلم بھی ہیں اگر کوئی ایسی بات محسوس کریں جس سے دین میں خلل واقع ہو، ان کی دعوت میں خلل واقع ہو تو انہیں تنبیہ کرنے کا مکمل حق ہے، انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ ان سے غلطی ہوئی تھی یا خطا ہوئی تھی، دین کی دعوت ایک اہم کام ہے اور اس میں شعوری اور لاشعوری طور پر اگر مداخلت ہو تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ناراض ہونا ان کے منصب کے مطابق تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لیے آپ کی تنبیہ فرمائی تا کہ اصحاب صفہ اور فقراء صحابہ کی دل شکنی نہ ہو کہ سرمایہ داروں کی محفل میں ہمارے ایک ایسے عظیم ساتھی کو جو اولین میں سے ہیں ان کی بات نہیں سنی گئی یا ان سے بے رخی کی گئی، اس سورت میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک عاشق کی دل جوئی ہوئی جس اشتیاق کامل کے ساتھ وہ بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے تھے اس کا اندازہ عشاق ہی کر سکتے ہیں، انہیں کلیم عرش اعظم سے کلام کرنا تھا اس کلام کی

لذت کوئی عاشق زار ہی محسوس کرسکتا ہے اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق کی دل جوئی فرمانے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی۔

اس سے بھی اللہ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کی قدرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق کا اتنا خیال رکھتی ہے تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا کیا عالم ہوگا حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ نے احساس کرلیا کہ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصروف ہیں، جواب نہیں دینا چاہتے بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا میں نے کوئی غلط سوال کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضو رصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے سوال پر ناراض نہیں تھے بلکہ سلسلہ دعوت میں جس قدر مداخلت ہوگئی تھی اس سے ناراض ہوئے تھے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحابی کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا بھی عبادت ہے۔

جب آپ اس مجلس سے اٹھ کر کاشانہ نبوت میں تشریف لئے گئے تو ابھی داخل ہو ہی رہے تھے کہ سورۂ عبس نازل ہوئی اس سورت کے نزول کے بعد جب بھی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوتے بارگاہ رسول میں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لیے چادر بچھا دیتے اور فرماتے ''أهلا بمن عاتبني فيه ربي''میں استقبال کرتا ہوں اس شخص کا جن کی وجہ سے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔

یہ عتاب محبوب حقیقی کا عتاب ہے کتنا عظیم انعام ہے کہ آپ بطور کرم فرماتے ہیں کہ ''جن کی وجہ سے مجھ پر عتاب ہوا'' اس کے بعد آپ کے قلب اطہر میں ان کی اہمیت زیادہ ہوگئی۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کا استقبال کرتے اور پوچھتے هل لك من

حاجة آپ کو کوئی حاجت ہے؟

حضرات! عالم یہ ہوگیا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو اپنا نائب بناتے تھے بعض غزوات میں بھی ان کو اپنا نائب مقرر کیا یہ مقام بلند ان کو اس لیے ملا کہ وہ بارگاہ رسول میں انتہائی ادب واحترام کے ساتھ کلام کو سننے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

اس آیت شریفہ کو پڑھ کر کے بعض بدعقیدہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شان اطہر میں گستاخیاں کرتے ہیں اور معاذ اللہ! کہتے اللہ نے ان کو ڈانٹ دیا، انہیں پھٹکار دیا اور خدا کی بارگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے معاذ اللہ! ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، کیا ان کی نگاہ میں قرآن پاک کی وہ درجنوں آیات نہیں ہیں جس میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنے محبوب کی عظمت بیان کی ہے، کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی قسم فرمائی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے پاک کی قسم کھائی ہے، حضور کو طہ ویسین کے نام سے یاد کیا گیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مزمل اور مدثر فرمایا گیا ہے، حضور کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے، نذیر للناس فرمایا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔ کیا ان ظالموں کے سامنے یہ آیت مبارکہ نہیں ہیں، یہ دین کی ایک مصلحت تھی اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ اصحاب صفہ کی دلجوئی تھی کہ اللہ نے اپنے حبیب کو تنبیہ فرمائی۔

حضرات گرامی! حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے زمانے میں کسی نے شکایت کی کہ ایک شخص ہر نماز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی نیت سے سورۂ عبس

ہی پڑھتا ہے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ گستاخ رسول کی سزا کیا ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے واقعہ کے علاوہ اس سورت میں مکی سورتوں کی طرح قیامت حشر ونشر کا ذکر ہے، اللہ کے بندوں پر انعامات کا تذکرہ ہے اور فساق وفجار کی سزا کا ذکر ہے اور اہل ایمان کو ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ ہے۔

حضرات یہ تعارف ہے ان شاء اللہ کل اس سورت طیبہ کے مضامین کو پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۰۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ○ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ○ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّہٗ یَزَّكّٰی ○ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّكْرٰی ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

سامعین کرام! گذشتہ درس میں میں نے سورۂ عبس کی تفصیلات پیش کی تھیں اور میں نے بہت سے اسباب بیان کیے تھے جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ناراض ہونا یا پیشانی مبارک پر ناگواری کے آثار نمایاں ہونا یہ دراصل اس لیے تھا کہ وہ ایک اہم کام میں مصروف تھے اور وہ دعوت دین کا کام تھا۔

اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی (سورۂ عبس، الایۃ:1)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا

چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیے یعنی پیشانی مبارک پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے اس کی تفصیلات، میں کل کے درس میں پیش کر چکا ہوں۔

اللہ تعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعایت فرماتے ہوئے یہاں صیغۂ خطاب نہیں بلکہ صیغۂ غائب ارشاد فرمایا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کو دعوت دینے کے سلسلے میں انتہائی حد تک جاں فشانی اور دل سوزی سے کام لیتے تھے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ

شاید آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے اگر یہ کفار اسلام نہیں لا رہے ہیں۔

آپ اندازہ کیجیے کہ جن کا یہ عالم ہو کہ کفار کو دین کی دعوت دینے کے لیے انتہائی مشقتیں برداشت کر رہے ہوں ان کے لیے یہ یقیناً ناگواری کی بات تھی کہ درمیان میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم مداخلت فرمائیں اس میں ان کا بھی کوئی قصور نہیں تھا وہ نابینا تھے اور انہوں نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو مجلس میں موجود تھے۔

اللہ تبارک وتعالی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰى ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○ (سورۂ عبس، الایات:2/1)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔

چیں بجبیں ہوئے، روئے انور کو پھیر لیا یعنی آپ کے پیشانی مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے ان سے رخ پھیر لیا جب کہ آپ کے پاس حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ حاضر ہوئے تھے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ○ (سورۂ عبس، الایۃ:3)

اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو۔

آپ کو کیا معلوم کہ وہ مزید صاف ستھرا ہونے کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے یعنی ان کا نفس تو یقینی طور پر پہلے ہی صاف ستھرا تھا، صحابی تھے، اصحاب صفہ میں سے تھے اور اولین ایمان لانے والوں میں سے تھے، تزکیہ کے لئے ان کا نفس تو حامل تھا لیکن اس کے باوجود وہ حاضر بارگاہ ہو کر سوال اس لیے کرنا چاہتے تھے کہ تزکیہ نفس کے مزید مراحل طے کر سکیں اس لیے اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے کہ وہ مزید تزکیہ نفس حاصل کر سکتے تھے اگر آپ نے ان کو نہ روکا ہوتا۔

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى (سورۂ عبس، الایۃ:4)

یا نصیحت لے تو اسے نصیحت فائدہ دے۔

یہاں تذکیر سے مراد غور وفکر کرنا ہے یا وہ مزید غور وفکر کرتے کلام الہی میں تو ان کو آپ کی نصیحت جو قرآن کے ذریعے ہے وہ مزید نفع بخش ہوتی۔

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى (سورۂ عبس، الایۃ:6/5)

وہ جو بے پروا بنتا ہے تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو۔

اور جو اپنی دولت اور مال کے اقتدار کے سبب آپ کی دعوت سے بے پرواہ ہے بے نیاز ہے آپ ان کی فکر کرتے ہیں۔

وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى (سورۂ عبس، الایۃ:7)

اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو۔

جب کہا اے محبوب! آپ پر کوئی الزام نہیں ہے اگر وہ، سرداران قریش میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا اور پاک نہیں ہوتا تو آپ پر الزام نہیں ہے آپ تو دعوت دے چکے

اب ایسا نہ ہو کہ ان کو دعوت دینے کے سلسلے میں آپ کی بارگاہ میں انتہائی عقیدت سے، انتہائی محبت سے حصول علم کے لیے، تزکیہ نفس کے لیے کوئی آپ کا محبت کرنے والا غریب آجائے تو آپ اس سے روئے زیبا پھیر لیں۔

وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى ۝ وَ هُوَ يَخۡشٰى (سورۂ عبس، الایۃ:9/8)

اور جو تمہاری طرف دوڑتا ہوا آیا جبکہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔

فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى (سورۂ عبس، الایۃ:10)

تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو۔

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ ۝ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ (سورۂ عبس، الایۃ:12/11)

اے محبوب! بے شک قرآن پاک کی آیات مبارکہ نصیحت ہیں پس جو چاہے اسے یاد کریں اور اس سے نصیحت حاصل کریں۔

یہ قرآن پاک ہے، کلام الٰہی ہے آپ کا منصب کلام الٰہی کو سنانا ہے لیکن اس سے جو چاہے گا نصیحت حاصل کرے گا اور جو نہیں چاہے گا اس سے اللہ بے پرواہ ہے او راے محبوب! آپ بھی بے پرواہ ہو جائیں کہ وہ مستقل اپنی روشِ قدیم پر اور گناہوں کے راستہ پر چلتا رہے۔

فِىۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ (سورۂ عبس، الایۃ:14/13)

لوح محفوظ کے ایسے اوراق پر لکھے ہوئے ہیں جو اللہ کے نزدیک بلند قدر والے اور عزت والے ہیں۔

بِاَيۡدِىۡ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۝ (سورۂ عبس، الایۃ:16/15)

یہ تحریریں ان فرشتوں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں جو بزرگ اور نیکوکار ہیں۔

تو یہ تحریریں اللہ کا کلام ہے اور فرشتوں نے لوح محفوظ میں محفوظ کر دیا ہے انتہائی مکرم تحریریں ہیں، انتہائی بلند تحریریں ہیں، انتہائی پاکیزہ تحریریں ہیں۔ یہ پھر جن کی قسمت میں ہوگا یقیناً وہ اس سے استفادہ کریں گے اور جن کی قسمت میں نہیں ہوگا وہ بے اعتنائی برتیں گے، یہ فرشتے اتنے عظیم ہیں جن کی شان میں قرآن کہتا ہے۔ یہ بلند قدر اور نیکوکار ہیں ظاہر ہے فرشتے تو نیکوکار ہوتے ہی ہیں۔

حضراتِ گرامی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَكۡفَرَهٗ (سورۂ عبس، الایۃ:17)

بلاشبہ وہ انسان مارا گیا، تباہ ہوا جو ناشکرا ہے۔

اور اس قدر کثیر نعمتوں کے باوجود وہ اللہ کی ناشکری بھی کرتا ہے اور نافرمانی بھی کرتا ہے اور ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

حضرات! اوپر کی آیات مبارکہ میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ انسان کی ناشکری کا صرف یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ صرف سامنے کی نعمتوں کی ناشکری کر رہا ہے یا دین کو نہ قبول کر کے ناشکری کر رہا ہے۔ بلاشبہ یہ بھی بہت اہم ہے مگر وہ تو اتنا ناشکرا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے پانی کی ایک بوند سے پیدا فرمایا اور پھر اسے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا، عمر بھر کی ضرورتیں اس کے لیے پیدا کر دی گئیں اور جب اس کی عمر پوری ہوگئی تو پھر اس کی روح قبض کی گئی اس کی لاش کو رسوا نہیں کیا گیا جبکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی لاش کتے کھینچتے پھرتے ہیں، چیل اور کوے کھاتے پھرتے ہیں بلکہ اس کے لاش کے لیے باضابطہ طور پر مشیت نے احترام سے قبر میں دفن کرنے کا انتظام کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے مارا گیا انسان تباہ ہوا انسان اس لیے کہ وہ ناشکرا ہے۔

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○

(سورۂ عبس،الایۃ:19/18)

اُسے کاہے سے بنایا پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا۔

اللہ تبارک وتعالی نے اسے کس چیز سے پیدا فرمایا؟

نطفہ سے پیدا فرمایا اور اس کے لیے ایک اندازہ مقرر فرمایا۔

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ○ (سورۂ عبس،الایۃ:20)

پھر اسے راستہ آسان کیا۔

جس کی بنیاد پر وہ نطفہ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ایک کامل انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہونے والا تھا تو اللہ تعالی نے ایسا راستہ پیدا فرمایا کہ جس کے ذریعے سے وہ دنیا میں آسکے پھر پوری زندگی اللہ کی رحمت اور سایۂ کرم میں گزارے، وہ بچہ تھا ماں کے پستان میں دودھ پیدا کر دیا گیا، ماں نے اس کی پرورش کی، پھر وہ پلنے کے ماحول میں داخل ہوا ،تو اس کی تمام ضرورتیں مشیت کی طرف سے پوری کی گئی پھر وہ جوان ہوا پھر وہ بوڑھاپے کے مراحل سے گزرا ان تمام ادوار میں ماں کے شکم سے لے کر موت تک اس کی جتنی بھی مادی ضرورتیں تھیں وہ سب اللہ اپنے فضل سے پورا کرتا رہا اس کے لیے ذرائع پیدا فرمائے، اسباب دیئے، سہولتیں عطا فرمائیں، اعوان وانصار دیئے جو ان کی مدد کریں، اسے کہیں بے سہارا نہیں چھوڑا اور پھر ایک معین مدت کے بعد جو عمر ختم ہونے کا ہے موت دی گئی۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (سورۂ عبس،الایۃ:21)

پھر اللہ تبارک وتعالی نے اسے موت دی اور اسے قبر میں جگہ دی۔

آپ اندازہ کریں! جو لوگ جلا دیتے ہیں ان کی میت کا جو حال ہوتا ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ایک بڑے لیڈر کی لاش جو اچھی طرح جل نہیں پائی تھی اس کو کتے کھسیٹے پھر رہے تھے، کچھ لوگ جلانے کے بعد راکھ کو دریاؤں میں پھینک دیتے ہیں جن کا کوئی نشان باقی نہیں رہ جاتا ہے، کچھ لوگ باضابطہ اپنی لاشوں کو پرندوں کے حوالے کر دیتے ہیں اس طرح مختلف جگہوں میں لاشوں سے دستبردار ہونے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے ہیں لیکن اسلام اور دوسرے انبیائے کرام جو ماضی میں گزر چکے ہیں انہوں نے اللہ کے مرضی کی مطابق میت کو قبر میں دفن کرنے کا اہتمام کیا اور اہتمام ہی نہیں بلکہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرامین کے مطابق قبر کی حاضری کو بھی مستحب قرار دیا گیا اور باعث ثواب قرار دیا گیا، مسلمان کی قبر کبھی ویرانے میں نہیں ہوتی، کبھی ویرانگی سے ہمکنار نہیں ہوتی بلکہ اسکے ورثا اور جملہ مومنین حاضر ہوتے رہتے ہیں قبر پر اور دعائیں دیتے رہتے ہیں مغفرت کی اسے مرنے کے بعد بھی تنہا نہیں چھوڑتے ہیں، یہ اہتمام قدرت کی طرف سے کیا گیا۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (سورۂ عبس،الایۃ:22)

پھر جب چاہا اسے باہر نکالا

پھر جب اللہ نے چاہا تو قبر کی زندگی کے بعد اسے حساب وکتاب کے لیے، جزا کے لیے قبر سے اٹھا دیا۔

كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَا اَمَرَهٗ (سورۂ عبس،الایۃ:23)

کوئی نہیں اس نے اب تک پورا نہ کیا جو اُسے حکم ہوا تھا۔

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انجام کار کیا ہوا کہ اللہ تبارک وتعالی نے اسے جو حکم دیا تھا اسے اس نے پورا نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں اسے عذاب سے دو چار ہونا پڑا۔

حضرات گرامی! اس پوری سورت میں جو چند باتیں واضح کی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسانوں کی تخلیق فرمائی اور پھر اسے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا، پوری زندگی میں جس چیز کی بھی اس کو ضرورت تھی وہ چیزیں اسے عطا کی گئیں لیکن مسلسل وہ نافرمانی کرتا رہا، ناشکری کرتا رہا، پوری زندگی اس نے ناشکری کی، ایمان نہیں لایا، اللہ تبارک وتعالی اسے یقیناً اس کی بداعمالیوں کی سزا دے گا، خدا کی ناشکری کرنے والوں کا حشر کیا ہوگا۔

اس کا اندازہ ان آیات کریمہ سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اس کو زندگی اور زندگی کی تمام قدروں سے نوازا، اسے عقل وشعور عطا فرمایا، عقل وشعور عطا فرمانے کا بنیادی مقصد یہ تھا؟ کہ دنیا میں اپنی باوقار زندگی کے لیے عقل سے کام لے لیکن اس کی عقل کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی عقل سے اپنے انجام پر بھی غور وفکر کرے جیسے کہ انسان مکان بناتا ہے، کھیتی باڑی کرتا ہے، باغ لگاتا ہے ہر ایک کا اپنا مقصد ہے مکان بنانے کا مقصد کیا ہے؟ وہ جانتا ہے کھیتی باڑی کرنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ بھی جانتا ہے۔

پھر اللہ کی حکمت وتدبیر اس کے ذہن میں منتقل کر دی جاتی ہے اور وہ اپنا کام کرتا ہے، دنیاوی اعتبار سے کیا وہ اللہ کے قادر مطلق ہونے کا انکار کرسکتا ہے، کیا اپنی عقل سے اس نے آخرت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، اپنی حیات کو اس نے صرف دنیا ہی تک محدود رکھا یا موت تک محدود رکھا اسے چاہیے تھا کہ وہ اپنی عقل کا صحیح استعمال کرے اور وہ اس بات پر غور کرے کہ اسے مرنا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ

(سورۃ المؤمنون:۲۳، آیت: ۱۵۵)

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا، اور کیا تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

یقیناً ہمیں اور سب کو خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اس لیے جہاں ہم اپنی زندگی کے لیے ہر طرح کی محنت ومشقت کرتے ہیں کامیاب بنانے کے لیے اسی طرح اپنے عقل وشعور سے کام لے کر آخرت کے بھی تیاری کریں اور اللہ کی انعامات کی ناشکری نہ کریں۔

حضرات! اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (سورۂ عبس، الایۃ:24)

انسان کو چاہیے کہ جو کھانا وہ کھاتا ہے اس میں غور کرے۔

أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (سورۂ عبس، الایۃ:25)

ہم نے اسے اچھی طرح بارش سے سیراب کیا، اچھی طرح پانی برسایا بادلوں سے۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (سورۂ عبس، الایۃ:26)

پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑ دیا۔

تاکہ زمین کے ذریعہ وہ اپنی غذا حاصل کرسکے

فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا (سورۂ عبس، الایۃ:27)

،انگور بھی اور بہت سی ترکاریاں بھی۔

وَعِنَبًا وَقَضْبًا (سورۂ عبس، الایۃ:28)

اور پھر ہم نے اس سے اس کیلئے اگایا اناج بھی۔

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا (سورۂ عبس، الایۃ:29)

ہم نے زیتون عطا فرمایا۔

وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (سورۂ عبس،الایۃ:30)

کھجوروں کے درخت بخشے

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا (سورۂ عبس،الایۃ:31)

اور انتہائی گہرے سایہ دار باغات عطا فرمائے۔

اور ایسے گنجان باغ جس کو تم باضابطہ طور پر معیشت کے لیے استعمال کرسکو۔اس نے پھل بھی عطا فرمایا اور مویشیوں کیلیے چارے کا بھی تمہارے ذریعہ اہتمام کیا یہ کیوں ہوا تھا؟

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (سورۂ عبس،الایۃ:32)

یہ ساری نعمتیں تمہارے لیے ہیں اور تمہارے جانوروں کے لیے ہیں۔

تاکہ تم بھی آسودہ رہو اور جن جانوروں کو تم استعمال کرتے ہو معیشت کے لیے،کھیتی باڑی کے لیے،سواری کے لیے،اپنی خوراک کے لیے یہ سب اللہ تبارک وتعالی نے تمہارے لیے پیدا کیا اور تمہارے جانوروں کی سہولت کے لیے پیدا کیا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ (سورۂ عبس،الایۃ:33)

پس جب سخت قیامت کا دن آئے گا یعنی دوبارہ صور پھونکا جائے گا پہلا صور پھونکا گا تو انسان کو موت واقع ہوگی،کائنات فنا ہوگئی اور جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور عالم یہ ہوگا میدان قیامت میں۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ○وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ○وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ

(سورۂ عبس،الایات:36/35/34)

جس روز آدمی اپنے بھائی سے بھاگ رہا ہوگا،اپنی ماں سے بھاگ رہا ہوگا،اپنے باپ سے بھاگ رہا ہوگا،اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگ رہا ہوگا۔

کوئی کسی کو پہچانے گا نہیں،کسی کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی،دنیا کے سارے رشتہ وہاں بے بس ہوں گے اور ہر آدمی کو اپنی فکر ہوگی۔

لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (سورۂ عبس،الایۃ:37)

ہر ایک کی اپنی فکر ہوگی جو اسے اوروں سے بے نیاز کردے گی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (سورۂ عبس،الایۃ:38)

اس روز کتنے ہی چہرے ہوں گے جو نور ایمان سے منور ہوں گے۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (سورۂ عبس،الایۃ:39)

ہنسنے والے ہوں گے متبسم ہوں گے اور انتہائی بشاش ہوں گے۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (سورۂ عبس،الایۃ:40)

اور کچھ چہرے ایسے بھی ہوں گے اس دن جن پر کفر کی وجہ سے گرد چڑھی ہوگی۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (سورۂ عبس،الایۃ:41)

ان پر سیاہی غالب آچکی ہوگی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (سورۂ عبس،الایۃ:42)

یہی وہ لوگ ہوں گے جو کافر بھی ہوں گے اور انتہائی بدکردار بھی ہوں گے۔

حضرات گرامی!اس سورت میں انسانوں کی تخلیق اور مختلف مراحل سے اس کا گزرنا پھر اس کی زندگی کے لیے سہولتوں کو پیدا فرمانا،آسمان سے بارش نازل فرمانا،زمین کو شق کر کے اس کے لیے غذائیں فراہم کرنا اور اس میں وہ تمام چیزیں پیدا کرنا جن کی اس کو ضرورت ہے،انتہائی شاداب باغوں سے نوازنا،پھلوں سے نوازنا اس کے لیے بھی اور اس کے جانوروں کے لیے بھی یہ سب اس لیے تھا تاکہ وہ اللہ کی عبادت کرسکے لیکن جب انتہائی

ہولناک دن ہوگا قیامت کا، جب کہ نفخۂ ثانیہ ہوگا تو اس روز جن لوگوں کے لیے وہ اللہ کی نافرمانی کر رہا تھا وہ اس کے بھائی بھی ہو سکتے ہیں، ماں بھی ہو سکتی ہے، باپ بھی ہو سکتا ہے ،بیوی اور بچے بھی ہو سکتے ہیں قیامت میں کوئی بھی کام نہیں آئے گا، ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، ہر ایک ایک دوسرے سے بے نیاز ہوگا۔

قیامت تو قیامت ہے ہم نے دنیا میں بھی دیکھا کہ جب کوئی زلزلہ آتا ہے تو لوگ ایک دوسرے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

اس روز صرف ان ہی لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے، متبسم ہوں گے جو نیکو کار ہوں گے، اللہ کی عبادت اور اطاعت کرنے والے ہوں گے، لیکن وہ چہرے جنہوں نے دنیا تو سجایا مگر آخرت کے لیے کوئی کام نہیں کیا بلکہ گناہوں میں اور کفر میں مبتلا رہے، ان کے چہرے گرد آلود بھی ہوں گے اور ان پر سیاہی بھی چھائی ہوگی۔

حضرات ! یہ آیات مبارکہ ہر انسان کو اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ انسان دنیا میں آنے کے بعد اپنے اللہ کو، اپنے رسول کو اور آخرت کو بھول نہ جائے ورنہ اس کا انجام ویسا ہی ہوگا جس کے بارے میں قرآن پاک نے فرمایا ہے یہ کفار ہوں گے، انکار کرنے والے ہوں گے اور بد کردار ہوں گے اللہ ہمیں اور آپ کو ایمان کی روشنی، ایمان کی زندگی اور صالحیت عطا فرمائے اور صلحا کے ساتھ ہمارا حشر کرے۔

خطاب نمبر (۱۰۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ
سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ
اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ تکویر کی کچھ آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا ،سورۂ تکویر بھی مکیہ ہے اس میں ایک رکوع انتیس آیات مبارکہ ہیں اس سورت میں رسالت اور قیامت کا ذکر کیا گیا ہے، اس سورت میں قیامت کے دو مرحلوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، پہلا جب صور پھونکا جائے گا اور ساری کائنات تباہ ہو جائے گی اور دوسرا جب نفخۂ ثانیہ ہوگا تو سب لوگ جی اٹھیں گے اور پھر حساب وکتاب کے مراحل سے گزار کر انہیں جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو دوزخ سے بچائے۔

حضراتِ گرامی! اس سورت میں قیامت برپا ہونے کے وقت، سورج، ستارے، پہاڑ، وحوش وطیور، دریاؤں اور اجسام نیز زندہ درگور کی ہوئی بچیوں کا ذکر کیا گیا ہے، نیز یہ بھی کہ ہر ایک کے نامۂ اعمال کو دیکھا یا جائے گا۔ جنت کا ذکر کیا گیا ہے جب وہ قریب لائی جائے گی جہنم کا تذکرہ جب وہ شعلہ زن ہوگی اور انسانوں کو جلانے کے لیے اس کے شعلے آسمانوں سے بات کر رہے ہوں گے۔ پھر قسم یاد فرمائی گئی ہے ثوابت سیاروں کی اور ستاروں کی، ثوابت: وہ ستارے ہیں جو اپنے مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور سیارے: وہ ستارے ہیں جو باضابطہ طور پر گردش میں رہتے ہیں پھر رخصت ہونے والی رات اور سانس لینے والی صبح کی قسم لی گئی ہے۔

قسم اس بات کی فرمائی گئی ہے کہ قرآن عظیم ایک معزز قاصد جبرئیل امین کا لایا ہوا کلام ہے اور اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجنون ہیں اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کے بتانے میں بخیل نہیں ہیں اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ یہ کلام کسی شیطان رجیم کا نہیں ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قیامت کے منظر کو آج دیکھنا چاہے وہ سورۂ تکویر کی تلاوت کرے۔

حضرات! جس قدر پر جلال انداز سے قیامت کا تذکرہ سورۂ تکویر میں کیا گیا ہے اور مشیت نے جو منظر پیش فرمایا ہے اگر انسان ذرا سا بھی احساس رکھتا ہے اور دل کے کسی گوشے میں روحانی زندگی کی رمق موجود ہے تو لرزہ براندام ہو جائے گا اور کبھی کوئی ایسا کام نہ کرے گا جس کی بنیاد پر وہ قیامت کے مصیبت سے دو چار ہو اور حشر میں اس کا انجام ایسا ہو کہ جس کی وجہ سے وہ جہنم کا مستحق ہو جائے۔

اس سورت کا کمال یہ ہے کہ ایک طرف تو قیامت کا انتہائی دردناک اور وحشت ناک منظر پیش کیا گیا ہے تو دوسری طرف انداز ایسا ہے کہ جس میں ادب اور فصاحت و بلاغت

اپنے نقطہ انتہا پر ہے جس کی مثال کسی دنیاوی کلام میں نہیں پیش کی جا سکتی، قرآن کا اسلوبِ بیان خود اس کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (سورۃ التکویر، الایۃ:1)

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔

یا سورج کی شعاعیں سلب کر لی جائے گی اور صرف اندھیرا ہوگا مگر سورج کی تپش ہزاروں گناہ بڑھا دی جائے گی وہ سوا نیزے کے قریب آجائے گا کھوپڑیاں کھول رہی ہوں گی اور لوگ اپنے ہی پسینہ میں غوطہ زن ہوں گے۔

حضرات! کائنات میں سورج کی اہمیت اور اس کی روشنی کا ادراک ہر انسان کرتا ہے سورج صرف روشنی ہی نہیں دیتا بلکہ اس کے ذریعے سے انسان، شجر وحجر، وحوش وطیور سبھی توانائی حاصل کرتے ہیں مگر قیامت کے دن توانائی کا یہ سرچشمہ بے نور ہو جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (سورۃ التکویر، الایۃ:2)

جب ستارے بکھر جائیں گے یا جھڑ جائیں گے۔

یعنی ستارے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے یعنی خلا میں یا آسمانوں کا یہ نظام جو کشش ثقل کے بنیاد پر قائم ہے اس روز جب قیامت برپا ہوگی تو حکم الٰہی سے یہ کشش ثقل ختم کر دی جائے گی اور سیارگانِ فلک آپس میں متصادم ہو کر بکھر جائیں گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (سورۃ التکویر، الایۃ:3)

اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

یعنی پہاڑوں کا وزن باقی نہ رہے گا اور وہ روئی کے گالوں کی طرح فضاء بسیط

میں اڑ رہے ہوں گے۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ(سورۃ التکویر،الایۃ:4)

اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں آزاد ہوں گی۔

اس کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنی دولت، سرمایہ اور اپنی محبوب ترین چیز سے دور ہو جاتا ہے۔ قیامت کی مصیبت ایسی ہی ہوگی، عرب حاملہ اونٹنیوں سے بہت محبت کرتے تھے اور اس کو سرمایہ سمجھتے تھے، اس کی بڑی حفاظت کرتے تھے، بڑا خیال رکھتے تھے وہ ان کی دولت ہوتی تھی لیکن اس روز لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ ان کی اونٹنیاں آزاد گھوم رہی ہیں اور انہیں اپنی گرفت میں لینا چاہیے بلکہ وہ اپنی مصیبت میں اس قدر مبتلا ہوں گے کہ انہیں کسی بات کا خیال نہیں ہوگا، اونٹنیوں کو بطور استعارہ پیش کیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس روز انسان سب کچھ بھول جائے گا، بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ نہ اسے اپنی ماں کی خبر ہوگی اور نہ ہی اپنے باپ کی اور نہ کسی محبوب شئ کی خبر ہوگی تو پھر بھلا وہ جانوروں کی پرواہ کیا کرے گا۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ(سورۃ التکویر،الایۃ:5)

اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔

یعنی صرف انسان ہی بدحواس نہیں ہوں گے بلکہ وحشی جانوروں کا یہ عالم ہوگا کہ درندے ہوں، چرندے ہوں یہ سب جمع ہوں گے مگر اس کے باوجود یہ کیفیت ہوگی کہ نہ شیر کسی کو پھاڑے گا نہ وحشی جانور کسی کو نقصان پہنچائے گا یہ اس لیے نہیں کہ وہ اپنی خونخواری کو فراموش کر چکے ہیں بلکہ قیامت کی ہولناکیوں کے بنیاد پر ان کو خود اپنی خبر نہیں ہوگی۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ سیلاب جب کبھی آتا ہے تو سانپ اور انسان کسی چٹان پر جمع

ہوتے ہیں مگر انسان نہ سانپ کو مارتا ہے اور نہ سانپ انسان کو ڈنستا ہے یہ دنیا میں آنے والی مصیبت کا اندازہ ہے تو آپ اندازہ کیجیے کہ قیامت کا عالم کیا ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ(سورۃ التکویر،الایۃ:6)

اور جب سمندر شعلہ زن ہو جائیں گے۔

یعنی سمندروں سے اس روز پانی کی موجوں کی جگہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے، کیا عالم ہوگا سمندروں کا کہ جہاں دیو پیکر موجیں کبھی اٹھتی تھی، ساحلوں سے ٹکراتی تھی مگر قیامت کے دن آگ کے شعلوں کے پہاڑ اٹھ رہے ہوں گے، اللہ کی قدرت پانی کی ماہیت بدل دے گی پانی آگ کو سرد کر دیتا ہے مگر اس روز پانی آگ بن چکا ہوگا اللہ قادر مطلق ہے جو پانی کو سرد کرتا ہے وہی پانی کو آگ کے شعلوں کی حرارت بھی عطا فرما سکتا ہے اور قیامت میں ایسا ہوگا۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ(سورۃ التکویر،الایۃ:7)

اور جب جانیں ایک دوسرے سے ملا دی جائیں گی۔

اس مقدس آیات کی بہت سی توجیہات ہیں ارواح کو اجسام سے ملا دیا جائے گا قیامت سے پہلے، نفخۂ ثانیہ سے پہلے سب کچھ تباہ ہو چکا ہوگا لیکن جب دوبارہ اٹھایا جائے گا تو جسم اور روح دوبارہ جمع ہو جائیں گے، دوبارہ جسم میں روح پھونکی جائے گی، یا پھر اس کا یہ مفہوم ہے کہ قیامت کے دن نیکوں کو نیکوں کے ساتھ اور بروں کو بروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا وہاں بالکل الگ کر دیئے جائیں گے، نیکوں کی جماعتیں الگ ہوں گی اور بروں کی جماعتیں الگ ہوں گی، نیک اور برے ایک دوسرے کے ساتھ ملیں گے نہیں، خلط ملط نہیں ہوں گے

بلکہ قیامت میں ہر ایک آدمی یہ دیکھ رہا ہوگا کہ یہ نیکوں کی جماعت ہے اور یہ معذب ہونے والے بروں کی جماعت ہے جو دنیا میں صرف برائیاں کیا کرتے تھے۔

سورۂ واقعہ میں اللہ تبارک وتعالی نے قیامت کے دن تین گروہ ہوں گے اس کا تذکرہ فرمایا ہے ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کو الگ الگ نفوس کے ساتھ ملایا جائے گا آپ نے سورۂ واقعہ میں پڑھا ہوگا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ○ (سورۃ الواقعۃ،الایۃ:7)

پھر تین گروہ ہو جائیں گے۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ○ (سورۃ الواقعۃ،الایۃ:8)

دائیں طرف والے اور کیا ہی بہترین لوگ ہیں دائیں طرف والے۔

وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ○ (سورۃ الواقعۃ،الایۃ:9)

اور بائیں طرف والے اور کتنے ہی برے ہیں یہ بائیں طرف والے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ،الایۃ:10)

اور جو سبقت لے جانے والے ہیں اور سابقین اولین میں سے ہیں وہ تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ یہ وہ لوگ ہیں جن کا صحیفۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ جنتی ہیں۔

وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وہ لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جو اس بات کا اظہار ہوگا کہ وہ جہنمی ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل کیے جائیں گے اور وہ سابقون الاولون میں سے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو

نیکیوں میں سبقت کرتے تھے یا سرور کائنات کے بارگاہ میں حاضر ہونے کے سلسلے میں، ایمان لانے کے سلسلے میں جنہوں نے سبقت کی ہے یہ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے تو یہاں وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ سے مراد یہ تین گروہ ہوں گے جنہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا نہیں جائے گا بلکہ اصحاب المیمنہ الگ ہوں گے، اصحاب المشئمہ الگ ہوں گے اور سب سے بلند سابقون الاولون ہوں گے۔

حضرات گرامی! ایک تاویل یہ بھی ہے کہ وہاں یہودیوں کو یہودیوں کے ساتھ، عیسائیوں کو عیسائیوں کے ساتھ اور مختلف قسم کے کافروں کو کافروں کے ساتھ اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ ہی ملایا جائے گا۔ ایک تاویل یہ بھی ہے کہ عقائد، اعمال اور اخلاق کے حساب سے الگ الگ جماعت ہوگی جن کے عقائد ایک جیسے ہوں گے وہ ایک ساتھ ہوں گے، جن کے اعمال اور اخلاق ایک جیسے ہوں گے وہ ایک ساتھ ہوں گے اور جن کے اعمال اور اخلاق اور عقائد میں فرق ہوگا وہ الگ کر دیئے جائیں گے ان کی جماعت الگ ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۃ التکویر،الایات:9/8)

اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اس کو کس جرم میں قتل کیا گیا۔

عربوں میں زمانۂ جاہلیت میں جاہلانہ اور ظالمانہ رسوم کا رواج تھا، اس میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ بعض قبائل اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور اس کی وجہ بہت سی ہوں گی ان کے نزدیک لیکن ایک وجہ غربت بھی تھی جس کو قرآن عظیم نے تو اولاد کے بارے میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (سورۃ الاسراء،الایۃ:31)

اپنی اولاد کو کھلانے پلانے کے خوف سے نہ قتل کرو۔

اولاد میں زیادہ بوجھ اس زمانے میں لڑکیوں کا ہوا کرتا تھا اس لیے انہیں وہ زندہ نہیں رکھتے تھے کہ یہ بڑی ہوں گی، ان کی پرورش کی جائے گی، ان کی شادی بیاہ کے مراحل سے گزرنا ہوگا، یہ ہمارے اوپر بوجھ ہوں گی۔ معاذ اللہ!

دوسری وجہ یہ ہے کہ قبائل میں جنگیں ہوا کرتی تھیں لڑکے جوان کے دست و بازو بن کر میدان جنگ میں اپنے قبیلے کا تحفظ کرتے تھے وہ تو زندہ رکھے جاتے تھے مگر لڑکیاں جو بوجھ ہوتی تھی اور بعض وقت شکست کی صورت میں وہ فاتح قبیلہ کی ملکیت بن جاتی تھیں، اس طرح اپنے اس بوجھ کو اتارنے کے لیے بعض قبیلے انہیں خود اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیتے تھے تاکہ وہ رسوائی کا سامان نہ بنیں کسی اور قبیلہ کی ملکیت نہ بن جائیں اور رسوائی نہ ہو۔ ایک اور بات تھی کہ ان کا جاہلانہ عزت نفس کا تصور کہ میرا کوئی داماد بنے گا، میں کسی کا خسر ہوں گا ایسا کبھی نہیں ہوگا اس کو ذلت سمجھتے تھے، اس نظام کائنات کو جس کے بنیاد پر انسانی قافلہ آگے بڑھا جناب آدم سے لے کر آج تک اور قیامت تک اس کو ذلت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

قرآن پاک میں آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں بچی پیدا ہو جاتی تو باپ کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ شدت غضب سے وہ غصہ کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے اور مزید خراب بات یہ تھی کہ وہ بچی کے زندہ دفن کرنے کو باعث افتخار سمجھتے تھے، وہ فخر سے بیان کرتے تھے کہ میں نے دو تین پانچ چھ لڑکیاں دفن کی ہیں۔

بڑا مشہور واقعہ ہے حدیث میں حضرت قیس ابن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انہوں نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: کہ آپ آئے تو دلوں کو زندگی ملی ہے، جینے کا شعور میسر آیا ہے، ہم نے پہلو میں دھڑکتا ہوا دل محسوس کیا ہے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے

ہمارے دل پتھر تھے، احساسات سے عاری تھے میں نے اپنی چھ زندہ بچیوں کو دفن کیا ہے اور یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری لڑکی کی یاد آج بھی تڑپا دیتی ہے، مجھے بے قرار رکھتی ہے، اب میں کیا کروں اسلام لانے سے پہلے مجھ سے یہ جرم سرزد ہوا ہے تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ یہ بڑی سنگدلی ہے بس ایسا کرو کہ تم چھ بکریاں ذبح کرو۔ کہا بکریاں میرے پاس نہیں ہیں، اونٹ ہیں۔ کہا اونٹ ہی صدقہ کر دو اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اس لیے کہ اسلام ماضی کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے یہ اسلام کی عظمت ہے۔

مگر اس دور میں کچھ ایسی صالح طبیعتیں بھی تھیں جو بچیوں کو جن کے ماں باپ ان کو دفن کرنا چاہتے تھے انہیں پال لیتے تھے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی زید ابن عمرو ابن خطاب کو جب پتہ چلتا کہ کوئی شخص اپنی بچی کو دفن کرنا چاہتا ہے تو اس سے بچی لے لیتے تھے وہ اس کو پال کر اس کی شادی وغیرہ کی ذمہ داری پوری کرتے تھے بہت عزت سے اس کے گھر رخصت کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچیوں کی پرورش کے سلسلہ میں جس طرح کے ثواب کا ذکر کیا ہے وہ کسی اور عمل پر نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بچیوں کا باپ بنے اور باپ کی وجہ سے اسے آزمایا گیا ہو، اس زمانے میں بچیوں کا باپ بننا یقیناً بڑی بات تھی اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ لڑکی آتش جہنم کے لیے پردہ ثابت ہوگی، اسے جہنم کے عذاب سے بچالے گی یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

حضرات گرامی! آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس رسم کو بند کرنے کے لیے صرف اس کو حرام قرار نہیں دیا، ناجائز ہی قرار نہیں دیا، اسے ظلم عظیم ہی قرار نہیں دیا بلکہ بچیوں کی پرورش پر انعامات مقرر کیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش

کی اور جب وہ بالغ ہوگئی تو قیامت کے دن میں اور پرورش کرنے والا باپ ان دو انگلیوں کی طرح ایک دوسرے سے قریب ہوں گے، اپنے عظیم قرب کی دولت سے نواز رہے ہیں آقا اس کو جو اپنی بچیوں کی پرورش کرتا ہے۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لئے جارہے ہیں اور صحابہ کرام بھی ساتھ ہیں ایک گھر بڑا نورانی نظر آرہا ہے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں بجلی کی روشنی تو نہیں رہی ہوگی وہ عمل کا نور تھا صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! یہ گھر تو بڑا نورانی ہے تو فرمایا جاؤ دیکھو اس گھر میں یا تو کسی بچہ کی پیدائش ہوئی ہوگی یا کسی یتیم کی پرورش ہورہی ہوگی۔

آپ اندازہ فرمائیں! کہ اس دور جہالت اور دور بربریت میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طبقہ نسواں پر اتنا بڑا احسان کیا۔ کاش! یہ طبقہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احسانات کو محسوس کرسکتا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آج بھی بعض خاندانوں میں بچی کی پیدائش کو ایک طرح کا عار محسوس کیا جاتا ہے یہ وہ روایت ہے جو کافروں سے منتقل ہوئی ہے، بچی اللہ کی نعمت ہے اس پر انعام کا وعدہ کیا گیا ہے بچوں کی پیدائش پر نہیں، بچی جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے بچاتی ہے، بچی کی پرورش آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قربت کا ذریعہ ہے لیکن اس زمانے میں بچیوں کو دفن کردیا کرتے تھے۔

قرآن پاک نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۃ التکویر، الایات:9/8)

جب دفن کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم میں قتل کیا گیا تھا مقصود یہ ہے کہ ان کو سزا دی جائے گی جنہوں نے بے قصور اور معصوم صفت بچیوں کو دفن کردیا تھا۔ باقی آیات مبارکہ کا ترجمہ کل پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۰۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! آئیے ہم اور آپ حضور رحمت عالم، شفیع المذنبین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِهِ الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ

سورۂ تکویر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (سورۃ التکویر، الایۃ:10)

اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے یعنی ہر انسان اپنے تمام اعمال کو اپنی نگاہوں سے دیکھے گا اور جب اس میں ان تمام جزئیات کا مشاہدہ کرے گا جو اس کے عمل سے متعلق ہوں گی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل لکھنے سے نہیں رہ گیا ہوگا تو حیرت

سے کہے گا:

مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً

(سورۃ الکھف،الایۃ:49)

کیا ہی عجیب ہے یہ عظیم کتاب کہ جس میں کسی چھوٹے عمل کو نہ چھوڑا گیا اور نہ کسی بڑے عمل کو۔

اس لیے میدان قیامت میں صحیفۂ حیات جب کھولا جائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے اچھے اعمال کیے انہیں بے پناہ مسرت ہوگی۔لیکن جو برے اعمال کیے ہیں انہیں یقیناً غم ہوگا،اور ایسا غم کہ جس کی مثال دنیا کے کسی غم سے نہیں دی جاسکتی۔ایک ایسے انجام کو دیکھ رہے ہوں گے جو انجام ان کے نزدیک دائمی ہوگا اور ان سے عذاب ٹلنے والا نہیں ہوگا۔

دنیا میں مصیبتیں آتی ہیں اور دور بھی ہو جاتی ہیں یا کم از کم تو موت کے ساتھ تو مصائب کا سلسلہ ختم ہو ہی جاتا ہے۔

غم سے گھبرا کہ وہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کہ بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

مگر آخرت کا معاملہ بالکل ایسا ہے کہ وہاں موت آئے گی ہی نہیں بلکہ وہ مرنے اور نہ مرنے کے درمیان میں ،موت وحیات کے درمیان میں ہمیشہ زندہ رہیں گے جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں میں۔اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (سورۃ التکویر،الایۃ:11)

اور جب آسمان ادھیڑ دیے جائیں گے۔

بکھیر دیے جائیں،منتشر کر دیے جائیں گے۔آسمان کا یہ معظم نظام اس وقت یہ سب ختم ہو جائے گا،انسان آسمان کی بلندی اور اس کی وسعتوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہتا ہے مگر اس روز آسمان کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہ ہوگی۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ (سورۃ التکویر،الایۃ:12)

اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔

کافروں کے لیے جہنم کے شعلوں کو اس طرح بھڑکایا جائے گا کہ اس کے شعلوں کی آواز دور تک سنائی دے گی اور انتہائی خوفناک ہوگی۔

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (سورۃ التکویر،الایۃ:12)

اور جب جنت اہل تقوی کے لیے ان سے قریب لائی جائے گی۔

اور وہ اپنے ٹھکانہ کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ (سورۃ ق،الایۃ:31)

اور پاس لائی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے کہ ان سے دور نہ ہوگی۔

جنت کو قیامت کے دن اہل تقوی سے قریب کر دیا جائے گا اور وہ اس کا مشاہدہ کریں گے اور قیامت کے تمام وحشتوں کا ان کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ (سورۃ التکویر،الایۃ:14)

اس روز ہر فرد جان لے گا کہ اس نے آخرت کے لیے کیا سامان جمع کیا ہے۔

اس نے اپنی زندگی میں کیا کامیابی حاصل کی اور کیا ناکامی اس کا مقدر بنی ہے۔اس

روز حقیقی کامیابی اور ناکامی کا مشاہدہ ہوگا اور کامیابی اور ناکامی کے دنیاوی معیارات بدل جائیں گے یہ مصنوعی پیمانہ،دنیا میں دولت ،شہرت ،عزت اور سرمایہ ،وقار ،کرسی یہ پیمانے ہیں اور وہاں کامیابی کا پیمانہ جنت ہے جو ابدی زندگی کے لیے ہے،جو اللہ کے نعمتوں سے معمور ہوگی اور اس میں جانے والا کبھی بھی اس سے نکالا نہیں جائے گا۔

حضرات ! یہاں تک تو جو آیات تھیں وہ قیامت کے بارے میں تھیں ،جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں کے بارے میں تھیں ،انسانوں کے اعمال کے حوالہ سے تھیں ۔لیکن اب یہاں سے جو آیات شروع ہو رہی ہیں ان میں اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ کافروں کا یہ دعوی کہ قرآن پاک اللہ کا کلام نہیں ہے جب کہ اس کا بھیجنے والا،نازل فرمانے والا پروردگار ہے ،لانے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو امین ہیں اور رب العرش کے نزدیک انتہائی عزت والے ہیں،آسمان کے تمام فرشتے ان کی اطاعت کرتے ہیں ۔اور پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان بیان کی گئی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ○ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (سورۃ التکویر،الایات:16/15)

قسم ہے ان ستاروں کی جو الٹے پھریں ۔سیدھے چلیں یا تھم جائیں۔

اللہ رب العزت نے اپنی مخلوقات میں ان پانچ حیرت انگیز ستاروں کی قسم یاد فرمائی ہے جن کو خمسۂ متحیرہ کے نام سے ماہرین فلکیات یاد کرتے ہیں اور وہ پانچ ستارے زحل ، ہشتری،مریخ،زہرہ اور عطارد ہیں۔

بعض مفسرین نے ستاروں کی قسم کے ساتھ یہ وضاحت کی ہے کہ سابقہ انبیائے کرام پر کبھی مسلسل وحی پاک آتی تھی اور کبھی سلسلۂ وحی منقطع ہو جاتا تھا،چھپ جاتا تھا تو اس طرح کے وحیٔ پاک کے آنے سے تشبیہات دی گئی ہیں ان ستاروں کی جن کی حیثیت کبھی مسلسل رفتار کی

ہوتی ہے،کبھی چھپ جاتے ہیں،کبھی نمایاں ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ○ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (سورۃ التکویر،الایۃ:18/17)

اور رات کی قسم جو رخصت ہو رہی ہے اور اس صبح کی قسم جو رات کے بعد نمودار ہو!

مفسرین نے اس کی یہ وضاحت کی ہے کہ رات کا رخصت ہونا ان تاریکیوں کے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے جو آفتاب رسالت کے جلوہ گری سے پہلے کائنات پر چھائی تھیں اور صبح کا روشن ہونا نبوت کی جلوہ گری ہے جس نے ظلم و جبر کی تمام تاریکیوں کو مٹا دیا۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (سورۃ التکویر،الایۃ:19)

بے شک یہ قرآن عظیم معزز پیغام رساں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پڑھنا ہے۔

یہاں جناب جبرئیل علیہ السلام کو رسول کہا گیا ہے اس لیے کہ وہ انبیائے کرام کے پاس وحی لے کر آتے تھے،وہ اللہ کے کلام کو پڑھتے اور انبیائے کرام انہیں محفوظ کر لیا کرتے تھے،یاد فرما لیا کرتے تھے،قرآن عظیم بھی اسی رسول کا لایا ہوا کلام ہے جو بہت عظیم ہے۔

یہاں قول کا ترجمہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ جبرئیل کا قول ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کیا ہے کہ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اللہ کا کلام نہیں،جناب جبرئیل کا اپنا قول ہے اس لیے یہاں اس کا ترجمہ قول کے بجائے امام اہل سنت نے پڑھنا کیا ہے۔وہ آکر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارگاہ میں اللہ کا کلام پڑھتے تھے اور آقا اسے یاد کر لیا کرتے تھے۔

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ (سورۃ التکویر،الایۃ:20)

حضرت جبرئیل جو انتہائی قوت والے ہیں اور رب العرش کے نزدیک انتہائی عزت اور تمکنت والے ہیں۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ(سورۃ التکویر،الایۃ:21)

فرشتے جن کی اطاعت کرتے ہیں،سید الملائکہ ہیں وہ اور امانت دار ہیں وہ۔

اللہ تبارک وتعالی نے جبرئیل علیہ السلام کی یہ صفات اس لیے بیان کی کہ منکروں پر حجت قائم ہو جائے کہ جو عظیم فرشتہ وحیٔ الٰہی پر معمور رہے جب اس کی شان بارگاہ الٰہی میں اتنی باعظمت ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ کلام الٰہی کے پہنچانے میں اس سے کوئی خطا ہوئی ہو۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ(سورۃ التکویر،الایۃ:22)

اور تمہارے صاحب یعنی آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجنون نہیں ہیں۔

جس ذات کے اوپر اس قدر حیرت انگیز کلام الٰہی نازل ہو رہا ہو اور لانے والے جبرئیل امین ہوں اور سرور کائنات خود امین وصادق ہوں جس کا اعتراف خود چالیس سال تک اے کفار! تم بھی کرتے رہے ہو،تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل لے آئیں جو امین ہیں ،امین وصادق پر قرآن پاک نازل ہو اور معاذ اللہ وہ کذب بیانی سے کام لیں اور اپنے کلام کو خدا کی طرف منسوب کریں۔حالانکہ قرآن عظیم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کو بطور ثبوت بھی پیش کیا گیا ہے،قرآن پاک میں فرمایا گیا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (سورۃ یونس،الایۃ:16)

تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اے منکرو! کیا تم نے میری زندگی نہیں دیکھی ہے۔مجھے چالیس سال کے بعد اعلانِ نبوت کا اس لیے حکم دیا گیا کہ تم مجھے دیکھ لو میری امانت کو،میری صداقت کو،میرے کردار کو،میری اخلاقی قدروں کو تم اچھی طرح جانچ لو ،پرکھ لو جو پوری زندگی امین وصادق بن کے تم میں موجود رہا ہو،تم نے اسے ایک مقدس روح

سے یاد کیا ہو۔کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خدا پر جھوٹ باندھے یا اللہ کے کلام کے بارے میں غلط فیصلہ کرے۔وہ فرماتے ہیں:میں نے تم میں ایک طویل زندگی گزاری کیا میرا ماضی میرے حال ومستقبل کے دعوی کی تصدیق کے لیے کافی نہیں ہے۔پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں نے قرآن کو گڑھ لیا ہو یا احکام الٰہی میں خیانت کی ہو اور یہ بات تمہارے ذہن میں ہونی چاہیے کہ کیا ایک مجنون ایسا کلام ظاہر کر سکتا ہے،ایسا کلام پیش کر سکتا ہے جس کا چیلنج یہ ہو کہ:

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (سورۃ البقرۃ،الایۃ:26)

تم اس کے جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔

اگر تم پیغمبر پر جنون کا الزام عائد کرتے ہو اور خود صاحب ہوش ہو بنا لو قرآن جیسی ایک سورت یا چند آیتیں ہی۔یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن عظیم جس ذات پاک پہ نازل ہو رہا ہو اس ذات پہ تم جنون کا الزام عائد کرو۔قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ جب کفار اللہ تبارک وتعالی کے بارے میں کچھ کہتے ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں یا ایسا ہوتا ہے کہ خدائے پاک خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زبان سے جواب دلواتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ(سورۃ الاخلاص،الایۃ:1)

اے محبوب! فرما دیجیے وہ اللہ ایک ہے۔

میں ایک تو ہوں مگر آپ جواب دیجیے میری طرف سے کفار کو کہ میں ایک ہوں، میں بے نیاز ہوں،میرے جیسا کوئی نہیں ہے،کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔تو عالم یہ تھا کہ جب کفار خدا کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات کہتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جواب دیتے اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کفار کچھ کہتے تو خدا جواب دیتا۔

کیا عظیم معاملہ ہے اللہ اور رسول کے درمیان کیا عظیم شان ہے ۔کفار مجنون کہتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ(سورۃ التکویر،الایۃ:22)

اور تمہارے صاحب یعنی آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجنون نہیں ہیں۔

اور ایک مقام پر تو انتہائی محبت کے ساتھ فرمایا گیا:

مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ○ (سورۃ القلم،الایۃ:2)

اے محبوب! آپ اپنے رب کے فضل وکرم اور اس کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔

کفار شاعر کہتے تو اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (سورۃ الحاقۃ،الایۃ:41)

یہ شاعری نہیں ہے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ(سورۃ یسین،الایۃ:69)

ہم نے اپنے محبوب کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی شاعری ان کے منصب نبوت کے معیار کے موافق ہے۔

شاعر تو مختلف وادیوں میں بھٹکتا ہے اور میرا محبوب ان صداقتوں کا اعلان کرتا ہے جو ازلی صداقتیں ہیں اس لیے میرا محبوب شاعر نہیں ہے بلکہ پیغمبر ہے اور صاحب وحی ہے۔

اس طرح پورے قرآن عظیم میں یہ اسلوب آپ کو نظر آئے گا کہ جہاں کفار نے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر الزام عائد کیا تو اللہ تبارک وتعالی نے جواب دیا اور جہاں خدا کے بارے میں، اس کی توحید کے بارے میں، اس کی صفات کے بارے میں، اس کی جلالت شان کے بارے میں کچھ کہا گیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا۔اللہ تبارک وتعالی

ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ(سورۃ التکویر،الایۃ:23)

اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں افق کے روشن کناروں پر دیکھا۔

جناب جبرئیل علیہ السلام جب بھی بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے تو انسان کی شکل میں آتے تھے ۔کبھی کبھی صحابہ کرام کی موجودگی میں بھی وہ آئے ہیں ایک عظیم انسان کی شکل میں حدیث جبرئیل آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

جناب عامر کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اصلی صورت میں جلوہ گر ہوئے تو انہوں نے آسمان کے تمام کناروں کو اپنی وسعت سے بھر لیا تھا اور ان کے وجود ناز پر سبز ریشم کا لباس تھا جس سے موتی لٹک رہے تھے۔

مگر بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو متعدد بار دیکھا ہے۔اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ○(سورۃ التکویر،الایۃ:24)

اور نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔

بخل کا الزام اس پر عائد ہوگا جو مالدار ہوگا اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور غیب کا علم رکھتے ہیں، سرمایہ دارِ غیب ہیں۔قرآن کی دوسری آیات میں بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں غیب سے مراد قرآن عظیم بھی ہے اور وہ تمام غیوب ہیں جن کی خبر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے خواہ وہ ماضی سے متعلق ہوں یا حال ومستقبل سے ،صفات الہیہ سے متعلق ہوں یا احکام الہیہ سے، مذاہب کی حقیقت یا اس کے بطلان سے متعلق

ہوں، یا جنت اور دوزخ، موت اور اس کے احوال سے متعلق ہوں، یا پورے عالم آخرت سے متعلق ہوں مابعد الموت کی زندگی سے متعلق ہوں۔

انسانی زندگی کے دو حصے ہیں، ایک حصہ ما قبل موت ہے اور ایک مابعد موت ہے۔ ما قبل موت کو ہم عالم مشاہدہ کہہ سکتے ہیں لیکن یہاں بھی بہت سے مغیبات ہوتے ہیں، لیکن مابعد موت کا معاملہ جہاں تک ہے وہ تو صرف ہم کو پیغمبر کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے موت کیسے ہوگی، مرنے کے بعد کیا ہوگا، قبر میں کیا ہوگا، حشر کس طرح سے ہوگا، قیامت کیسے برپا ہوگی، مرنے کے بعد ہماری روحیں کہاں جائیں گی علیین یا سجین میں جائیں گی، عالم برزخ کی کیا کیفیات ہوں گی، وہاں کے اپنے مشاہدات کیا ہوں گے، جنت اور دوزخ کیسی ہوگی، فرشتوں کا کیا عالم ہوگا، عرش عظیم کا کیا عالم ہوگا؟ اور غیب الغیوب اور پروردگار عالم کی ذات کا مشاہدہ یہ ساری چیزیں غیب ہیں۔ اور ان تمام غیوب سے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نوازا گیا ہے اور ان کے علاوہ عالم ما کان و ما یکون ہیں، ان پر ایمان لانا شرطِ ایمان ہے قرآن فرماتا ہے:

يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ○ (سورۃ البقرۃ الایۃ:3)

متقی وہ لوگ ہیں اور قرآن ہدایت ان کو دیتا ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو غیب پر ایمان نہ لائے وہ ہدایت یافتہ نہیں اور قرآن عظیم انہیں ہدایت نہیں دیتا ہے۔

کافر معاذ اللہ! ہر طرح کا الزام لگاتے ہیں۔ دیوانے ہیں، مجنون ہیں، شاعر ہیں، ساحر ہیں مگر انتہائی تکلیف دہ الزام یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن پاک شیطان سکھاتا ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○ (سورۃ التکویر الایۃ:25)

اور وہ (قرآن) ہرگز مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔

شیطان تو انسان کا دشمن ہے، وہ تو گمراہ کرتا ہے مگر قرآن تو ہدایت ہے اس لیے یہ مردود شیطان کا کلام نہیں ہے۔ شیطان تو جہنم میں لے جانے والا ہے اور قرآن جنت کا راستہ دکھاتا ہے، شیطان بداخلاقی اور بدکرداری کی تعلیم دیتا ہے اور قرآن سرتاپا اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک شیطان کا کلام ہو۔

ان سارے الزامات کا جواب دینے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ○ (سورۃ التکویر الایۃ:26)

تو اے لوگو تم کدھر بھٹک رہے ہو۔

آجاؤ دامن رسالت میں نجات مل جائے گی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۰۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج سورۃ انفطار کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو قرآن عظیم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس سورت میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے، یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سورت میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر، ستارے، سمندر اور قبور کا ذکر ہے۔ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا اور انسان کو اپنے اعمال کا خود مشاہدہ کرنا ہوگا اس کی تفصیلات ہیں۔

انسان کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے رب کے بارے میں کیوں غافل ہو، کس چیز نے تم کو مبتلائے فریب کیا ہے۔ ان نگراں فرشتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو انسانوں کے صحیفۂ اعمال کو مرتب کر رہے ہیں، نیکو کاروں اور بد کرداروں کے آخری اور دائمی ٹھکانہ کا تذکرہ ہے، ان کے

انجام کا، قیامت میں انسان کی بے بسی کا یہ عالم ہوگا کہ اس روز کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔ یہ مختصر سا تبصرہ ہے اس سورت طیبہ پر۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (سورۃ الانفطار، الایۃ:1)

جب آسمان پھٹ جائے گا۔

قرآن پاک میں آسمان کے پھٹنے کا تذکرہ کئی مقامات پر مختلف انداز سے ہے مثلاً:

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَۃً کَالدِّھَانِ (سورۃ الرحمن، الایۃ:37)

جب آسمان پھٹ کر سرخ چمڑی کی طرح ہو جائے گا۔

ایک اور آیت کریمہ ہے، سورۂ قارعہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ (سورۃ القارعۃ، الایۃ:5)

اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح سے اڑ رہے ہوں گے۔

آسمانوں اور ستاروں کے تذکرے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جب آسمان کا یہ حال ہوگا تو ضعیف انسان کا کیا عالم ہوگا۔ اس لیے قیامت کی ہولناکی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ خالق کائنات، رب السموات کے سامنے سر جھکائیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ (سورۃ الانفطار، الایۃ:2)

جب ستارے جھڑ جائیں گے۔

جب مخلوق ہی نہ رہے گی تو ستاروں کی ضرورت کیا ہوگی۔ ستارے آسمان کی زینت بھی ہیں اور مسافر کو منزل کا پتہ بھی دیتے ہیں۔ اب نہ مسافر ہوں گے اور نہ منزل آشنائی کا کوئی

تصور ہوگا۔

حضرات! قدرت کا یہ قانون ہے کہ جس چیز کی ضرورت باقی نہ رہ جائے وہ فنا کر دی جاتی ہے۔ ستاروں کی ضرورت نہیں رہ جائے گی اسے فنا کر دیا جائے گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:3)

سمندر ابل پڑیں گے۔

اور زمینوں کو نگل لیں گے یا سارے سمندر رمل جائیں گے اور درمیان میں حائل زمین خود بخود ختم ہو جائے گی۔

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:4)

جب قبریں شق ہو جائیں گی یا زیروزبر ہو جائیں گی۔

اور ان میں سے مردوں کو زندہ کر کے نکالا جائے گا۔

سورۂ زلزال میں فرمایا گیا ہے:

وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ○ (سورۃ الزلزلۃ، الایۃ:2)

جب کہ زمین اپنے وزن کو باہر پھینک دے گی۔

حضرات گرامی! اللہ ارشاد فرماتا ہے:

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:5)

ہر شخص جان لے گا جو اس نے پہلے عمل کیا تھا یا اس نے بعد میں جو عمل کیا ہے یا جن احکام الٰہیہ کی تعمیل پیچھے رہ گئی یا جن کی تعمیل اس نے نہیں کی ابتدائی زندگی میں اور جو اعمال اس نے بعد میں کیے یا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جو اس نے آخرت کے لیے چھوڑا اور جو کچھ اس نے دنیا میں رکھا۔ قیامت کے منظر اور حشر کی کیفیات کے بعد اللہ رب العزت انتہائی

موثر انداز سے بلکہ بڑے کریمانہ انداز سے انسان کو نصیحت فرما رہا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:6)

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کرم والے رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔

وہ جو خالق کائنات ہے، جس نے کائنات کو پیدا فرمایا اور تمہاری بھی تخلیق کی، جس نے تمہیں پیدا کیا، اپنی نعمتوں سے نوازا، عقل وشعور و دانائی عطا فرمائی، زمین کو تمہارے لیے خانۂ نعمت بنایا اور تمہاری ہر ہر سانس کو اپنی حفاظت میں رکھا پھر تم اللہ سے کیوں بغاوت کر رہے ہو؟ اس آیت کریمہ کے حسن کو اور اثر پذیری کو اگر صاحب دل محسوس کرے تو کبھی بھی اپنے اللہ سے بغاوت نہ کرے، اس کے احکامات سے انحراف نہ کرے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:7)

اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر درست کیا، تمہیں متناسب الاعضا بنایا یا عناصر حیات کو ترتیب بخشی تاکہ تم زندہ رہ سکو۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب

موت کیا ہے ان ہی اجزا کا پریشاں ہونا

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (سورۃ الانفطار، الایۃ:8)

جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔

انسان کی تخلیق کے تذکرے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:9)

بے شک تم یوم جزا کی تکذیب کرتے ہو، جھٹلاتے ہو۔

اس بات کا یقین نہیں کرتے کہ مرنا ہے، مرنے کے بعد خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔ قیامت کے دن کو تو مانتے ہی نہیں ہو ورنہ تم شیطان کے فریب میں ہرگز نہ آتے اور نہ شیطان تمہیں تمہارے رب سے غافل کر پاتا۔

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (سورۃ الانفطار، الایۃ:10)

اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تمہیں صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے اوپر محافظ فرشتے مقرر کیے گئے ہیں۔ یہ تمہارے ایک ایک عمل کا جائزہ لے رہے ہیں، تمہارا کوئی بھی عمل خواہ وہ پر کاہ کے برابر ہو، ایک ذرہ بے قدر کے برابر ہو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (سورۃ الانفطار، الایۃ:11) مُعَزّز لکھنے والے۔

انہیں کراما کاتبین کہا گیا ہے، یہ فرشتے بہت ہی معزز لکھنے والے ہیں جن سے خطا ممکن ہی نہیں اور نہ ہی یہ کبھی غفلت برتیں گے اور نہ دنیا کی طرح سے انہیں رشوت دی جا سکے گی، یہ کارکنان قضا و قدر ہیں، انہیں خالق حقیقی نے مقرر کر رکھا ہے، اللہ کی بارگاہ میں ان کا مقام بہت بلند ہے اور یہ اتنے عظیم ہیں کہ:

يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (سورۃ الانفطار، الایۃ:12)

وہ سب کچھ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

یہ فرشتے نامۂ اعمال تیار کرتے ہیں جو قیامت میں اللہ کے بندوں کو یا دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جو نیکو کار ہوں گے یا بدکرداروں کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور جیسے ہی

قیامت میں دائیں یا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو فوراً ہی آدمی سمجھ لے گا کہ ہمارا انجام کیا ہے، اس نامۂ اعمال میں ہماری نیکیاں ہیں یا ہماری برائیاں ہیں۔

حضرات! عالم یہ ہے کہ دونوں فرشتے جنہیں کراما کاتبین کہا گیا ہے، ہمارے دائیں کاندھے پر اور بائیں کاندھے پر ہر وقت موجود رہتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کی تحریر کے گواہ بھی ہوں گے اس لیے کہ انسانوں کے اعمال کو یہ دیکھ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اتنے کریم ہیں کہ جب انسان گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو بائیں طرف کا فرشتہ اس کے ارادۂ گناہ کو لکھنا چاہتا ہے مگر دائیں طرف کا فرشتہ روک دیتا ہے نہیں ابھی اس نے ارادہ کیا ہے گناہ کیا تو نہیں ہے، جب وہ گناہ کے ارادے سے چلتا ہے تو پھر وہ لکھنا چاہتا ہے مگر دائیں طرف کا فرشتہ پھر روک دیتا ہے اس نے ارادہ کیا، چل پڑا ہے، اس نے گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا ہے لیکن جب گناہ کر لیتا ہے تو اس کے گناہ کو لکھ لیتا ہے۔

اس کے برعکس جب انسان نیکی کی نیت کرتا ہے تو دائیں طرف کا فرشتہ اس کی نیکی لکھ لیتا ہے اس لیے کہ:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (صحیح البخاری، بدء الوحی کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رقم الحدیث: 1)

اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ: نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ۔

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

تو نیت لکھ لیتا ہے اور جب چلتا ہے نیکی کی طرف تو ان کا چلنا بھی محفوظ کر لیتا ہے اور جب نیکی کر لیتا ہے تو اس نیکی کو بھی لکھ لیتا ہے۔ نیکی لکھنے والے فرشتوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی تحریر کے ذریعہ سے بندے کو جہنم کے عذاب سے بچایا جا سکے۔

کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اللہ فرشتوں کو مقرر کرتا، سب کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے مگر فرشتوں کو اس لیے مقرر کیا گیا تا کہ اتمامِ حجت ہو سکے، اور انسان ان کے لکھے ہوئے کو خود دیکھ سکے اور بندوں کو بتایا جا سکے کہ تمہیں آزادی عمل تو دی گئی ہے مگر یونہی نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تمہارا احتساب ہر لمحہ ہوتا رہا ہے، اور قیامت میں اس کا رزلٹ سامنے آجائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم خود کو برہنہ رکھنے سے بچو کیوں کہ تمہارے ساتھ جو دو فرشتے رہتے ہیں، جو قضائے حاجت کے وقت، بیت الخلاء کے وقت، جب شوہر اپنی بیوی سے ہم بستری کرتا ہے اس وقت اس سے دور رہتے ہیں۔ تو تم فرشتوں سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو۔

ترمذی شریف کی روایت ہے۔

آپ اندازہ کریں! کہ فرشتے انتہائی حیادار ہیں، وہ حیا کرتے ہیں جب آدمی عریاں ہوتا ہے تو وہ دیکھنا نہیں چاہتے، کسی جنسی عمل میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ دیکھنا نہیں چاہتے، غسل کی حاجت ہوتی ہے تو وہ انتہائی پاکیزہ فرشتے ہیں، دور کھڑے ہو کر نامۂ اعمال کو لکھ رہے ہوتے ہیں مگر انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے ان حالات میں کوشش کرنی چاہیے کہ جلدی سے آدمی پاک ہو جائے تا کہ فرشتوں کو تکلیف نہ ہو اور عریاں رہنے کی کوشش نہ کرے۔

آپ اندازہ فرمائیں! آج کے عریانیت کے دور میں کتنی تکلیف دی جا رہی ہے اپنے ان گواہوں کو جن کے لکھنے کی بنیاد پر ہماری آخرت کا فیصلہ ہوگا۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بندہ جب نیک عمل کرتا ہے تو فرشتے اس عمل کی خوشبو کو مشک کی طرح محسوس کر لیتے ہیں اور جب بندہ برا عمل کرتا ہے تو فرشتے انتہائی ناگوار بدبو

محسوس کرتے ہیں۔ بدبو انسان کو بھی گوارا نہیں ہوتی مگر وہ فرشتے جو سرتاپا نظافت اور پاکیزگی ہیں ان کو کتنی تکلیف دی جاتی ہوگی برے گناہوں کے ذریعے سے۔

حضرات! فرشتے ہمارے اعمال کے گواہ ہوتے ہیں، ہمیں ان کی تکریم کرنی چاہیے اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ○ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ○

(سورۃ الانفطار، الایۃ:14/13)

بے شک نیک لوگ آرام میں ہیں یعنی اللہ کی نعمتوں میں ہیں اور بدکردار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ○ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ○

(سورۃ الانفطار، الایۃ:16/15)

وہ جہنم میں داخل ہوں گے قیامت کے دن اور اس روز وہ غائب نہ ہو سکیں گے۔

دنیا میں انسان جرم کرتا ہے چھپ جاتا ہے قانون کی نگاہوں سے اور بعض اوقات بچ بھی جاتا ہے۔ لیکن قیامت میں ایسا نہیں ہوگا بلکہ وہ ہر وقت قانون کی نگاہوں میں ہوں گے، اور وہ بھی نگاہ قدرت میں اور انہیں ان کے جرائم کی سزا ملے گی۔

قرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ جب کسی بات کی تاکید فرمانی ہوتی ہے یا اس کی اہمیت بیان کرنی ہوتی ہے تو اسے کئی بار بیان کیا جاتا ہے۔ علم کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کیا آپ کو علم ہے؟

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:17)

آپ کو علم ہے کہ یہ انصاف کا دن، فیصلہ کا دن، جزا کا دن کیا ہے۔

ثُمَّ مَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ○ (سورۃ الانفطار، الایۃ:18)

اور پھر کیا آپ کو معلوم ہے کہ جزا کا دن کیا ہے۔

یوم الدین کی اہمیت کو بتانے کے لیے پیغمبر کو مخاطب کیا جارہا ہے جب کہ عالم یہ ہے کہ قرآن پاک کی سورۂ فاتحہ ہی میں یوم الدین کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ط○ (سورۃ الفاتحۃ، الایۃ:3)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف مالک یوم الدین کی حیثیت سے کرایا تھا۔

لیکن یہاں دوبار پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے یوم الدین کیا ہے تاکہ قرآن کا مطالعہ کرنے والے قیامت کی اہمیت کو محسوس کر سکیں۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ط وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ○

(سورۃ الانفطار، الایۃ:19)

جس روز کوئی نفس کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا کسی کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، سارا حکم، سارا فیصلہ صرف اللہ کا ہوگا۔ ہاں انبیائے کرام، اہل اللہ یا جن کی شفاعت کا تذکرہ باضابطہ احادیث مبارکہ میں ہے وہ شفاعت کریں گے یا تو دنیا ہی میں ماذون من اللہ ہیں یا انہیں آخرت میں اجازت دی جائے گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ خدا کی بارگاہ میں بغیر حکم الٰہی کے کوئی بولنے کی جرأت نہ کرے گا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا○ (سورۃ النبأ، الایۃ:38)

رحمن کی اجازت کے بغیر کوئی کلام کی جرأت نہ کر سکے گا اور وہ درست بات کرے گا۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

خطاب نمبر (۱۰۴)

اَلْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِيْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ان شاء اللہ سورۃ المطففین کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا یہ مقدس سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں 36 آیات مبارکہ ہیں۔

مکہ مکرمہ کے لوگ عام طور پر تجارت پیشہ تھے، کاروباری لوگ تھے اور وہ کاروبار میں خیانت کا بھی ارتکاب کرتے تھے، خاص طور پر ناپ تول میں وہ ہمیشہ جب لوگوں سے لیتے تھے تو پورا لیتے تھے اور جب خود دیتے تھے تو کم دیتے تھے۔ کچھ لوگ تو اس کے لیے باضابطہ مشہور تھے اور مدینہ طیبہ میں بھی ایک شخص اس کام کے لیے بہت زیادہ مشہور تھا غالباً جس کا نام جہینہ تھا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ صرف نظام عبادت پیش کریں بلکہ وہ پورا نظام زندگی جس میں معیشت اور معاش کی بڑی اہمیت ہے اس کو بھی انہوں نے تفصیل کے ساتھ پیش فرمایا۔

دین اور religion کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں میں مذہب کا تصور تو صرف یہ تھا کہ وہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک خاص تعلق ہے اور کچھ نہیں مگر اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے جس میں عبادت کے ساتھ ساتھ معاملات بھی عبادت کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ کاروبار کے حوالہ سے ،دیانت اور امانت کے حوالہ سے آیات مبارکہ موجود ہے۔

اس سورت کا آغاز بھی لفظ مطففین سے ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جو ناپ اور تول میں کمی اور بیشی کرتے ہیں ان کے بارے میں۔

حضرات! دنیا میں کاروبار کی جو اہمیت ہے وہ آج نگاہوں کے سامنے ہے۔ آقائے دو جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی معاشرتی اور معاشی زندگی کا آغاز بھی تجارت سے کیا تھا۔ جناب ابو طالب کے ساتھ بھی وہ تجارتی سفر پہ باضابطہ شام وغیرہ تشریف لے جایا کرتے تھے گویا وہ اپنے کردار و عمل سے دنیا کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ کاروبار میں اگر

ایمانداری ہوگی، معاملات میں ایمانداری سے کام لیا جائے گا تو معاشرہ ہمیشہ پر امن رہے گا لیکن اگر معاملات میں، معیشت اور معاش کے معاملہ میں بے ایمانی سے کام لیا گیا، عدم عدل سے کام لیا گیا تو یہ فساد فی الارض کا ذریعہ بن جائے گا۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس حیات طیبہ اور قرآن عظیم کی روشنی میں مسلمانوں نے کاروبار کیا، دنیا سے تجارت کی اور دنیا بھر میں ان کی تجارت پھیل گئی اس لیے کہ دنیا ان کی امانت پر، ان کی دیانت پر، ان کے وعدوں پر، ان کے معاملات پر بہت زیادہ بھروسہ کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحرائے عرب سے مسلمان نکلے اور ایک طرف یورپ اور دوسری طرف ایشیا اور افریقہ کے تمام ممالک میں ان کے کاروبار پھیل گئے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ دنیا کے سمندروں میں مسلمان ہی جہاز کے ذریعہ سے اپنے مال کو منتقل کرتے تھے ایک جگہ سے دوسری جگہ۔

یورپ نے جہاز رسانی کا شعور اس وقت حاصل کیا جب مسلمان قسطنطنیہ موجودہ استنبول پر قابض ہوئے اور جہاز رسانی کے ذریعے سے مختلف جزیروں میں، مختلف علاقوں میں یہاں تک کہ اٹلی اور وینس تک بھی اپنا مال پہنچاتے رہے۔ یہ اسی لیے تھا کہ قرآن پاک نے دیانت داری کی تعلیم دی۔

یہاں ناپ تول کی بات فرمائی گئی ہے لیکن یہ تو ایک اشارہ ہے پورے نظام زندگی میں دیانت اور معاملات میں عدل سے کام لینے کا اس لیے اس سورت میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سورت میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اہل ایمان کو دیکھ کر کے کفار مذاق اڑایا کرتے تھے اور اشاروں اور کنایوں سے ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے ،دیکھتے تو ہنستے تھے کہ یہ کیسے نادان لوگ ہیں کہ اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین پر عمل

کرنے والے ہیں، یہ بڑے نقصان اٹھانے والے ہیں، یہ گمراہ ہیں معاذ اللہ! یعنی اہل ایمان کو گمراہ کہہ رہے تھے اور جب وہ اہل ایمان کا مذاق اڑا کر گھر جاتے تو بہت مسرور ہوتے تھے ،بہت خوش ہوتے تھے کہ ہم نے کوئی بہت اہم کام انجام دیا ہے قرآن عظیم نے اہل ایمان کو یہ بتایا ہے کہ یہ کفار تمہارا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آئے گا قیامت کا کہ جب ان کا فیصلہ ہوگا اور انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو تم انہیں دیکھو گے کہ یہ آج تم پر ہنس رہے ہیں اور کل تم ان پر ہنسو گے اور ان کی گزری ہوئی زندگی کو یاد کر کے یہ محسوس کرو گے کہ ان کو بد اعمالیوں کی سزا مل رہی ہے۔

یہ مختصر سا تعارف اس سورت طیبہ کا ہے اب آئیے ہم ترجمہ سماعت کرنے کا شرف حاصل کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ○ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ○ وَاِذَا کَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ○ (سورۃ المطففین، الایات: 3/2/1)

بربادی ہے، ویل ہے اور تباہی ہے ان ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے جو جب لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں لوگوں سے اور جب دینے کے لیے تولتے ہیں یا ناپتے ہیں تو انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔

یہ ایک آیت کریمہ ہے اب اس کے بعد بہت تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کے انجام کی خبر دی جارہی ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ بظاہر ناپ اور تول ایک بنیادی معاملہ سمجھا جاتا ہے مگر اس کا آخرت سے کتنا گہرا تعلق ہے آنے والی آیات سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا۔

یاد رکھیے! قانون خواہ کتنا ہی سخت ہو لیکن جب تک آخرت کا یقین اور قیامت کا یقین

نہ ہو اور قیامت میں حساب وکتاب کا یقین نہ ہو اس وقت تک آدمی کبھی بھی عدل سے، دیانت سے اور امانت سے کام نہیں لے گا۔ وہ لوگوں نگاہوں سے بچ کر جرم کرے گا، خیانت کرے گا، بد عملی کرے گا اور سمجھے گا کہ میں بہت ذہین ہوں لیکن جب اسے یقین ہو جائے کہ میں جو کر رہا ہوں اسے کوئی دیکھ رہا ہے اور صرف دیکھ نہیں رہا ہے بلکہ لکھنے والے فرشتے ہمارے اعمال کو لکھ رہے ہیں اور ایک روز ہمیں پائی پائی کا، ایک ایک ذرہ کا حساب دینا پڑے گا یہ یقین اگر پختہ ہو جائے تو انسان تنہا ہو، قانون کی نگاہ میں یا قانون کی نگاہ سے باہر ہو وہ کبھی بے ایمانی اور خیانت نہیں کرے گا۔ اللہ تبارک وتعالی اسی لیے ارشاد فرماتا ہے:

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:4)

(یہ ناپ اور تول میں کمی کرنے والے، تجارتی معاملات میں دھوکہ دینے والے، لوگوں کے نگاہ میں دھول جھونکنے والے)

کیا اس بات کا یقین نہیں کرتے کہ انہیں ایک روز قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۙ (سورۃ المطففین، الایۃ:5)

ایک بڑے دن کے لیے۔

اتنا بڑا دن کہ اس سے بڑا دن دنیا میں کبھی ان کے اوپر نہیں آیا ہوگا۔

یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:6)

جس روز لوگ (حساب وکتاب کے لیے، جواب دہی کے لیے) پروردگار عالم کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔

کَلَّاۤ اِنَّ کِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِیۡ سِجِّیۡنٍ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:7)

بلا شبہ یہ حق ہے، یہ سچائی ہے کہ اس روز بد کرداروں کا، بے ایمانوں کا نامۂ عمل سجین

میں رکھا جائے گا۔

حضرات! یہ دو مقامات ہیں ایک مقام سجین ہے اور دوسرا مقام علیین ہے۔ نیکو کاروں کے اعمال علیین میں محفوظ کیے جائیں گے اور ان کی روحیں بھی علیین میں رکھی جائیں گی اور بدکرداروں کے اعمال کو سجین میں رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:8)

اے پیغمبر، اے محبوب! آپ کو خبر ہے کہ سجین کیا ہے۔

خبر تو ہے مگر اس کے باوجود دنیا کے تمام انسانوں کو آگاہ کرنے کے لیے پیغمبر کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ:

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:9)

یہ ایک لکھی ہوئی سند یافتہ، مہر لگائی ہوئی کتاب ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:10)

اس روز (قیامت، آخرت اور نبوت کو) جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہوگی۔

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:11)

جو لوگ روز جزا، قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں اور جھٹلاتے ہیں اور اسے نئے نئے نام سے یاد کرتے ہیں اور یوم الدین پر یقین کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کا عالم کیا ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:12)

یوم الدین کا جھٹلانے والا صرف وہ ہوگا یا وہ ہے جو معتد ہے، حد سے زیادہ گزرنے والا ہے، انتہائی گنہگار ہے۔

معتد اور اثیم دو لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ حد سے زیادہ گزرنے والا جو ان تمام اخلاقی اور عدل کی قدروں کو توڑ دیتا ہے اور بے ایمانی کرکے، فریب دے کر کے تمام اخلاقی حدوں کو پار کر دیتا ہے اور دینی قدروں کو بھی تو وہ معتد ہے اور یقیناً ایسا کرنے والا اثیم ہے، بہت گنہگار ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○

(سورۃ المطففین، الایۃ:13)

اور جب ایسا شخص جو حد سے زیادہ گزرنے والا ہے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو پرانوں کے قصے ہیں۔

گھڑے ہوئے افسانے ہیں، اساطیر ہیں اس کے علاوہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نہ قیامت برپا ہوگی، نہ حساب وکتاب ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

(سورۃ المطففین، الایۃ:14)

نہیں نہیں حقیقتاً ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا گیا ہے ان کے بداعمالیوں کی وجہ سے جو دنیا میں وہ کرتے ہیں۔

حضرات! زنگ چڑھانے کے سلسلہ میں ایک بڑی مشہور حدیث ہے آقائے دو جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کرے اور گناہ سے باز آجائے اور استغفار کرلے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ آنسو کے چند

قطرے جب دل کے اس داغ پر گرتے ہیں تو وہ صاف ہو جاتا ہے۔لیکن اگر وہ بار بار گناہ کرتا ہے تو وہ داغ پھیلتے پھیلتے اس کے پورے دل کو گھیر لیتا ہے۔

یہی دراصل رین ہے اب ان کے دل میں کوئی روشنی یا کوئی گوشہ نہیں ہے جو حق کو قبول کر سکے اس لیے جتنا انہیں سمجھایا جائے گا اسی قدر زیادہ وہ نفرت کا اظہار کریں گے،خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ○

(سورۃ المطففین،الایۃ:)

ہاں ہاں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔

اور ان کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ قیامت کا دن اہل ایمان کے لیے یقیناً اللہ کی نعمتوں کے حصول کا دن ہے اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اللہ تبارک وتعالی کا بے حجاب دیدار ہے۔

دنیا میں انسان اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے،خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرتا ہے اور ہر سجدے میں اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کے جلووں کو دیکھ سکے،اپنے رب کے جلووں کو محسوس کر سکے۔لیکن دنیا میں اسے اس کے لیے دیکھنا ممکن نہیں ہے اور ممکن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی مادی نگاہوں کے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے رب کے جلووں کو دیکھ سکے۔

کیا واقعی ایک ایسا انسان جو اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ کے لاہوتی نغمہ سے اس کے قلب وروح سرشار ہوتے ہیں تو کیا وہ نہیں چاہتا

ہوگا کہ جس رب الاعلی کی بارگاہ میں ہم سجدہ ریز ہیں اس رب الاعلی کو اپنی نگاہوں سے دیکھ بھی سکتے ہیں۔کاش!اس کی ذات ہماری نگاہوں کے سامنے ہوتی اور ہم اس کے جلووں کا مشاہدہ کرتے۔یقیناً یہ ہر مومن کی تمنا ہے مگر وہ بھی جانتا ہے کہ ہم خواہش تو کر سکتے ہیں لیکن یہ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالی کا دیدار اس دنیا میں ہماری موجودہ مادی آنکھوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے جلووں کو دیکھے۔

کبھی اے حقیقت منتظر ! نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

تو وہ حقیقت منتظر جو خدائے وحدہ قدوس ہے اس کے جلووں کو اس دنیا میں دیکھنا اس لیے ممکن نہیں ہے اس لئے کہ حقیقت منتظر کو مجاز کی نگاہ سے دیکھنا یہ محال ہے۔

ہاں!یہ انعام ان لوگوں کے لیے ہے جو یقینی اور لازمی طور پہ ایمان وعمل کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے تو میدان قیامت میں رب کے جلووں کو دیکھنے کی تاب ان کی نگاہوں کے اندر پیدا کر دی جائے گی۔یہ اللہ تعالی کا اہل ایمان پر سب سے بڑا احسان ہوگا یہ۔

اور کفار کا،حد سے گزرنے والوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے،انہیں روک دیا جائے گا،محجوب ہوں گے،اپنے رب کے جلووں کو دیکھیں گے تو نہیں مگر اس کے فرامین کی سختی کو بہت شدت سے محسوس کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ○(سورۃ المطففین،الایۃ:16)

بلاشبہ اس کے بعد انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا لپٹی ہوئی آگ میں۔

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:17)

پھر ان سے کہا جائے گا یہی وہ جہنم ہے یا آخرت ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔

جھٹلاتے تھے یہ ان لوگوں کا حال ہے جو مطففین ہیں، جو حد سے گزرنے والے ہیں اور اثیم ہیں لیکن وہ لوگ جو عدل وانصاف سے کام لینے والے ہیں ایمان اور دیانت کے راستہ پر چلنے والے ہیں ان کا عالم کیا ہوگا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:18)

بے شک نیکو کاروں کا، ابرار کا صحیفۂ عمل علیین میں ہوگا۔

یہ بڑا اونچا مقام ہوگا فرشتے نیکوں کے صحیفۂ عمل کو بھی اور ان کی روحوں کو بھی علیین میں لے جائیں گے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:19)

اور اے پیغمبر! آپ کو خبر ہے کہ علیون کیا ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ○ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایات:21/20)

یہ ایک لکھی ہوئی مہر زدہ کتاب ہے جسے وہ لوگ مشاہدہ کریں گے جو مقرب ہیں۔

یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی حفاظت انتہائی مقرب فرشتے کر رہے ہوں گے جسے نہ بدلا جا سکے گا نہ محو کیا جا سکے گا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:22)

بے شک نیک لوگ اللہ کی نعمتوں میں ہوں گے اور آرام میں ہوں گے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:23)

وہ عظیم الشان تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور جنت کے تمام مناظر کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:24)

آپ پہچان لیں گے ان کے چہروں میں شگفتگی اور راحتوں کے اثرات کو۔

جو جنت میں انہیں میسر آئیں گے ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گے۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:25)

اس روز انہیں ایک سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ، جس پہ مشکی مہر لگی ہوئی ہوگی۔

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:26)

اور چاہئے کہ اس پاکیزہ، مقدس، انتہائی لذیذ، ہر طرح کے عیب اور بدبو سے پاک مشروب کو پینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں سبقت لے جانے والے۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:27)

اور اس میں تسنیم کی آزمائش ہوگی۔

تسنیم جنت میں ایک نہر بھی ہے اور تسنیم کے دوسرے مفاہیم بھی بیان کیے گئے ہیں۔ تسنیم کیا ہے خود ارشاد فرمایا:

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ○ (سورۃ المطففین، الایۃ:28)

یہ وہ چشمہ ہے جس سے مقربین سیراب ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ○

(سورۃ المطففین، الایۃ:29)

مگر وہ مجرم جنہوں نے جرم کیا ہے دنیا میں اہل ایمان کو دیکھ کر ہنستے تھے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ○(سورۃ المطففین،الایۃ:30)

اور جب اہل ایمان ان کے قریب سے گزرتے تو آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے۔

غمزہ کہتے ہیں کج نگاہی کے ساتھ دیکھنا، آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ○

(سورۃ المطففین،الایۃ:31)

اور جب وہ اپنے گھر لوٹتے تو تمسخر اور دل لگی کرتے ہوئے لوٹتے تھے۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ(سورۃ المطففین،الایۃ:32)

اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔

یہ لوگ گمراہی کے بدترین مقام پر جو خود پہنچے ہوئے ہیں وہ اہل ایمان کو جو ہدایت یافتہ ہیں گمراہ کہتے ہیں۔اس طرح کے لوگ ہر دور میں رہے ہیں۔کیا آج بھی اہل ایمان کو دنیا دار، بے ایمان لوگ، دھوکہ دینے والے، ناجائز طریقے سے دولت کمانے والے، ظلم کے ذریعہ برسر اقتدار آنے والے کیا آج بھی بھٹکا ہوا اور بے وقوف نہیں سمجھتے ہیں؟ جبکہ انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ وہ ان کے کردار اور ان کے عمل کا مذاق اڑائیں۔کیوں؟

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ○(سورۃ المطففین،الایۃ:33)

ان کو ان کے لیے محافظ بنا کہ تو نہیں بھیجا گیا تھا۔

وہ اہل ایمان کے محافظ تو نہیں تھے پھر ان پہ تنقید کرنے کا، ان پر غمزہ کرنے کا، کج نگاہی کے ذریعے سے مذاق اڑانے کا، انہیں گمراہ کہنے کا کیا حق ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ○ (سورۃ المطففین،الایۃ:34)

تو آج اہل ایمان کافروں پر ہنسیں گے۔

جنت میں رہنے والے مسلمانوں کو جہنمیوں کے مناظر دکھائے جائیں گے اور ان کو دیکھ کر اہل ایمان ہنسیں گے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ(سورۃ المطففین،الایۃ:35)

تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں۔

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ(سورۃ المطففین،الایۃ:36)

کیوں کہ کچھ بدلہ ملا کافروں کو اپنے کیے کا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۰۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ
اَجْمَعِیْنَ

حضرات گرامی! آج سورۃ انشقاق کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت بھی مکیہ ہے، اس میں 25 آیات مبارکہ ہیں اور ایک رکوع ہے، اس سورت میں اللہ تبارک وتعالی نے دوسری مکی سورتوں کی طرح قیامت کے دن واقع ہونے والے ہولناک مناظر کا تذکرہ فرمایا ہے اور قیامت کے وقت جو تبدیلیاں ہوں گی کائنات کے اندر جسے آپ تکوینی تبدیلی کے نام سے یاد کرسکتے ہیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب حساب لیا جائے گا تو انسان کا نامۂ اعمال یا تو دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا تو بائیں ہاتھ میں۔ جن کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ

میں دیا جائے گا ان کا حساب انتہائی آسان ہوگا اور جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ان کا حساب انتہائی تکلیف دہ ہوگا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ جہنم میں جانا ہے۔

اس سورت میں کفار ومشرکین کی مذمت کی گئی ہے ایمان نہ لانے کی بنیاد پر، انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور ایمان لانے والے مومنین کے لیے نجات کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ یہ مختصر سا مفہوم ہے اس سورت کا۔ اب آئیے ترجمہ سننے کا شرف حاصل کریں۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ ○

(سورۃ الانشقاق، الایات:2/1)

جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا، یہ حق ہے اس پر اس کے پروردگار کا۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○ وَاَلْقَتْ مَا فِیْھَا وَتَخَلَّتْ ○

(سورۃ الانشقاق، الایات:4/3)

اور جب زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ اسے باہر نکال دے گی اور زمین خالی ہو جائے گی۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:5)

اور یہ زمین بھی اپنے رب کا حکم سنے گی اور اس کی اطاعت کرے گی۔ یہ حق ہے اس پر اس کے پروردگار کا۔

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ ○

(سورۃ الانشقاق، الایۃ:6)

اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے کے لیے مشقت کر رہا ہے تو یقیناً تو اپنے رب سے ملے گا۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ○ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ○

(سورۃ الانشقاق، الایات:8/7)

تو جس شخص کا صحیفۂ اعمال، اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:9)

اور وہ اپنے اہل کی طرف انتہائی خوشی خوشی لوٹے گا مسرت کے ساتھ۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:10)

اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ○ وَّ یَصْلٰی سَعِیْرًا (سورۃ الانشقاق، الایات:12/11)

تو وہ موت طلب کرے گا کاش! مجھے پھر موت آجاتی، اور اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:13)

جبکہ وہ اپنے خاندان میں بہت خوش تھا، بڑی مسرور زندگی گزار رہا تھا۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:14)

اس کو یقین تھا، باطل یقین اور گمان تھا کہ وہ کبھی لوٹے گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف۔

بَلٰۤی ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:15)

کیوں نہیں، بلاشبہ، بے شک اس کا پروردگار اسے دیکھنے والا ہے۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:16)

تو میں قسم یاد فرماتا ہوں شفق کی۔

وَ الَّیْلِ وَ مَا وَسَقَ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:17)

اور رات کی جو تمام چیزوں کو سمیٹ لے۔

وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:18)

اور چاند کی جب وہ اپنے تابناکی میں پورا ہو جائے، مکمل ہو جائے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:19)

تم یقیناً ضرور درجہ بدرجہ اوپر چڑھو گے۔

فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:20)

تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:21)

اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

حضرات! یہ آیت سجدہ ہے، سجدہ کر لیجیے، میں بھی کر لوں۔

بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُكَذِّبُوْنَ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:22)

بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے وہ جھٹلاتے رہے ہیں قرآن عظیم کو۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:23)

اور اللہ خوب جانتا ہے جو انہوں نے اپنے دلوں کے اندر چھپا رکھا ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ (سورۃ الانشقاق، الایۃ:24)

اے محبوب! آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر دیجیے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ○

(سورۃ الانشقاق، الایۃ:25)

لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا ان کو کبھی نہ ختم ہونے والا، اور کبھی نہ مٹنے والا اجر عطا کیا جائے گا۔

حضرات گرامی ! ان میں چند آیات مبارکہ کی تشریح پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ ان شاء اللہ تبارک وتعالی۔

زمین کو پھیلا دیا جائے گا یہ فرمایا جارہا ہے، زمین کو پھیلانے کا کیا مطلب؟ بہت سی احادیث مبارکہ اس سلسلہ میں آئی ہیں۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تبارک وتعالی زمین کو پھیلا دے گا حتی کہ لوگوں کے لیے صرف اپنے قدموں کی جگہ ہوگی یعنی کہ چونکہ اس روز ابتدائے آفریں سے لے کر قیامت تک کے تمام افراد کو جمع کیا جائے گا۔ اس لیے زمین کو بے پناہ وسعت دی جائے گی پھر بھی عالم یہ ہوگا کہ لوگ اتنے ہی دائرے میں کھڑے ہوں گے جتنے دائرے میں وہ اپنا قدم رکھ سکتے ہو۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پس سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا اور جناب جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کے جلووں کے دائیں طرف ہوں گے تو میں کہوں گا: اے میرے رب! بے شک انہوں نے خبر دی تھی کہ تو نے مجھے ان کی طرف بھیجا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی فرمائے گا: یہ سچ ہے۔ پھر میں شفاعت کروں گا پس میں کہوں گا: اے میرے رب! تیرے بندوں نے اطراف زمین میں تیری عبادت کی ہے۔

اسی لمحۂ شفاعت کو اور مقام شفاعت کو مقام محمود کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

زمین اپنا سب کچھ نکال دے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین اپنے مردوں کو باہر نکال دے گی، یا زمین کے اندر جو کچھ ہے سب کو باہر پھینک دے گی۔

امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زمین کی وسعت میں قیامت کے دن اضافہ کیا جائے گا کیوں کہ اس دن تمام مخلوق حساب کے لیے کھڑی ہوگی اس لیے زمین میں اضافہ ضروری ہوگا خواہ زمین کو پھیلا کر اضافہ کیا جائے اور اس کے طول وعرض کو بڑھا دیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالی سب سے پہلے آسمان سے خطاب فرمائے گا: وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا۔ پھر زمین کو خطاب فرمائے گا تو زمین بھی اللہ کے فیصلہ کی مکمل اطاعت کرے گی۔

پھر انسانوں کو اللہ تبارک وتعالی نے مخاطب کیا کہ اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے کے لیے بہت مشقت کر رہا ہے تو یقیناً تو اس سے ملے گا۔ جس شخص کا نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے بہت ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل وعیال کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا اور جس کا نامۂ عمل پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ سمجھ جائے گا کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور وہ دوبارہ موت طلب کرے گا لیکن اسے موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ اسی حالت میں اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

وہ دنیا میں بہت خوش تھا وہ اور اللہ تبارک وتعالی کے احسانات کو بھولا ہوا تھا، اپنی تخلیق کو اور قیامت کو بھولا ہوا تھا لیکن میدان قیامت میں اس کی تمام خوشی کافور ہو جائے گی۔ اس کا گمان یہ تھا کہ وہ کبھی اللہ تبارک وتعالی کی طرف نہیں لوٹے گا لیکن اللہ یقیناً اس کو دیکھنے والا ہے اور اس کے گناہوں کی سزا اس کو دینے والا ہے۔

آسان حساب سے مراد کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! مجھ سے آسان حساب لینا۔ اللہ اکبر! معصوم پیغمبر بھی اپنے رب کی بارگاہ میں آسان حساب کی تمنا کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول تھا کہ وہ سوالات اس لیے کرتی تھیں تا کہ اس کے جواب کے ذریعے سے امت کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لیے دعا بھی کرتے تھے تا کہ امت ان کے دعاؤں کی تقلید کر سکے ورنہ ایک معصوم پیغمبر سے حساب لیے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

ہماری عظیم ماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسان حساب کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب اپنے بندے کے نامۂ عمل کو دیکھے گا تو اس سے درگزر فرمائے گا اور قیامت کے دن اگر وہ نیکیوں والا ہے تو اس سے کوئی سخت حساب وکتاب نہ لیا جائے گا یہاں تک کہ اگر اس سے کچھ غلطیاں ہوئی بھی ہیں تو دنیا میں اسے کچھ مصیبتیں ملی ہیں تو ان تمام مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا حتی کہ جو کانٹا اس کے پیر میں چبھتا ہے اس کے بدلہ میں بھی اسے نیکی عطا فرمائی جائے گی اور پھر اسے بغیر کسی سخت سوال وجواب کے جنت میں داخل ہونے کا موقع دیا جائے گا۔

لیکن جب کسی کافر کو کسی بدکردار کو اس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ اپنی موت طلب کرے گا اور کہے گا: ہائے میرا عذاب، ہائے میری موت! اور پھر اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

حضرات! ذرا سوچیے کہ کیا عالم ہوگا اس انسان کا جو زندگی بھر گناہ کرتا رہا، خطائیں کرتا رہا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھولا رہا اور جب اسے یہ یقین ہو جائے کہ اب بچنے کا کوئی راستہ

نہیں ہے تو اسکی تکلیف کا، اس کے کرب کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بلا تمثیل عرض کر رہا ہوں کہ دنیا میں اگر نتیجہ جب سامنے ہوتا ہے، امتحان دینے والے طلبا جب اپنا رزلٹ لینے جاتے ہیں تو وہ جس کا رزلٹ کامیابی کا ہوتا ہے وہ کتنا خوش ہو کر اپنے گھر لوٹتا ہے اور جب فیل ہو گیا ہوتا ہے وہ کتنا غم زدہ ہوتا ہے لیکن یہ تو بہت ہلکی سی بات ہے قیامت میں فیل ہونے والا صرف فیل نہیں ہوگا بلکہ اسے فوراً اس کے بعد ہی جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں میں ڈال دیا جائے گا۔

آئیے ہم خدا کی بارگاہ میں دعا کریں گے پروردگار عالم ہم سب کے نامۂ اعمال کو ہمارے دائیں ہاتھ میں دے بائیں ہاتھ میں دے نہ پیٹھ پیچھے سے دے۔ (آمین)

پیٹھ پیچھے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پشت کی طرف باندھ دیا جائے گا۔ وہاں اسے نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اور ایک لرزہ خیز روایت یہ ہے کہ اس کے سینے اور اس کے شکم سے اس کا ہاتھ چیر کر اس کے پیچھے نکال دیا جائے گا۔

حضرات گرامی! یہ اس لیے ہوگا کہ وہ اس بات کا یقین نہیں کرتا تھا کہ ہمیں مرنا بھی ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا بھی ہے۔

حضرات! ان تمام سورتوں میں مسلسل اس بات کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے کہ ہر بندہ یقین کر لے کہ موت کے بعد یقیناً اسے حساب وکتاب کے مرحلے سے گزرنا ہے اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ یہ چند سورتیں جس میں سورۂ انشقاق بھی ہے اور اس سے پہلے جو سورتیں گزری ہیں اگر کوئی ان تمام سورتوں کا مطالعہ کر لے یقین مان لیجیے کہ کبھی بھی گناہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

قیامت کے عذاب کے بارے میں مسلسل جو سورتیں ہیں سورۂ تکویر ہے، سورۂ انفطار

ہے، سورۂ مطففین ہے اور یہ سورۂ انشقاق ہے۔ ان چار سورتوں کا بنیادی مضمون جو ہے وہ قیامت، دوزخ، حشر ونشر، حساب وکتاب، اللہ کی نعمتیں، اللہ کے نیک بندوں کے لیے جنت کا تذکرہ ہے اور بار بار تنبیہ کی گئی ہے ان لوگوں کو جو آخرت کے منکر ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین نہیں رکھتے بلکہ مذاق اڑاتے ہیں۔

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا ہے اس سورت میں کہ تمہیں خدا کی طرف لوٹنا ہے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تمہیں مختلف مراحل سے دنیا میں گزرنا ہوگا۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ○

تم چڑھو گے ایک طبق کے بعد دوسرے طبق تک، ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے تک تم آگے بڑھو گے۔

یہ ایک طبق کے بعد دوسرے طبق کی طرف جانے کا مفہوم کیا ہے؟

اس سلسلہ میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں۔ ایک قول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ضرور اپنے سے پہلے کے لوگوں کی اتباع کرو گے۔ جو پہلے لوگ گزر چکے ہیں ایک ایک بالشت کے برابر ان کے قدم بہ قدم تم چلو گے یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا یہود ونصاری اس سے مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔

آپ اندازہ کیجیے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ہی یہ خبر دی تھی اور آج امت مسلمہ یہود ونصاری کی بھرپور اتباع کر رہی ہے، ان کے قدم بہ قدم چلتی ہوئی نظر آتی ہے، اس نے دین کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ قرآن کے احکام سے بے نیاز

ہو گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر وہ کیفیتیں ضرور طاری ہوں گی جو کیفیتیں بنی اسرائیل پر طاری ہو چکی ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ بدکرداری کی ہوگی معاذ اللہ! میری امت کے کچھ لوگ بھی ایسا جرم کریں گے۔ ایک مفہوم تو یہ ہے۔

لیکن مفسرین نے اس کی اور بھی بہت سی تاویلات بیان کی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ کی تفصیل یہ ہے کہ تمہارے احوال بدلتے رہیں گے پہلے تم تنگ دست ہو گے پھر خوش حال ہو جاؤ گے اور ممکن ہے خوش حالی کے بعد پھر تنگ دست ہو جاؤ گے۔ یہ بھی طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کا مفہوم ہے۔

اور ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں پست تھے، غریب تھے بظاہر غیر معزز تھے دنیا کی نگاہ میں وہ لوگ آخرت میں یقیناً معزز ہوں گے اور جو دنیا میں معزز تھے وہ آخرت میں حقیر وذلیل کر دئے جائیں گے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کے مختلف طبقات تک کے گزرنا ہے، قطرۂ آب سے شکم مادر میں مختلف مراحل سے گزر کے انسان بننا ہے، بچپنے کے مراحل سے گزرنا ہے، جوان ہونا ہے، بڑھاپے کے مرحلہ سے گزرنا ہے پھر موت سے ہم کنار ہونا ہے پھر دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔ یہ ہے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کا ایک مفہوم۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ آج کا انسان جو خلاؤں میں پرواز کر رہا ہے اور مختلف طبقات سے گزر رہا ہے شاید قرآن پاک نے اس طرف اشارہ کیا ہے لیکن قدیم مفسرین نے

اس طرح کی کوئی بات نہیں کی ہے۔

حضرات گرامی! اس کے بعد سورت میں وہ آیات تلاوت کی گئی ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے ہیں۔

حضرات! اس آیت کی سماعت کے بعد سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو قرآن پاک کو سنتے تو ہیں مگر خدا کی بارگاہ میں جھکتے نہیں ہیں تو جتنے مقامات قرآن پاک میں آئے ہیں، جہاں سجدے کا حکم دیا گیا ہے اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کے طرز عمل سے اختلاف کریں جو قرآن پاک سن کے سجدہ نہیں کرتے ہیں۔ تو آپ فوراً جھک جائیں کیوں کہ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ ہم قرآن پاک سن کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتے ہیں، ہم ساجدین میں سے ہیں، کافرین میں سے نہیں ہیں۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کفار کلام پاک کی فصاحت و بلاغت کو سننے کے بعد بھی جو کہ اعجاز کی انتہائی بلندیوں پر ہے، نبوت کی تصدیق کرتے ہیں نہ احکامات الٰہی کے پیروی کرتے ہیں لیکن مومن قرآن پاک کو سن کر تصدیق نبوت بھی کرتا ہے اور احکامات الٰہی کی تائید بھی کرتا ہے یہ ہے سجدہ کرنے کا مفہوم۔

حضرات گرامی! جب آپ آیت کریمہ سماعت فرمائیں تو سجدہ ضرور کر لیا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ساجدین میں اٹھائے اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کو شامل فرمائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

جن لوگوں نے تکذیب کی وہ لوگ یقیناً عذاب الٰہی کے مستحق ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے انہیں جنت دی جائے گی اور نعمتیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ کفار میں سے جن لوگوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو بھی عظیم ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

غیر ممنون کا ایک دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ ان کو جو ثواب ملے گا اس کے اندر کوئی احسان رکھا جائے گا نہ یہ کہہ کر کہ تمہیں ہم نے یہ عظیم نعمتیں دی ہیں نہ اذیت پہنچائی جائے گی، یہ ثواب کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اے اللہ! ہم کو ان میں شامل فرما دے۔ (آمین)

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۱۰۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ
اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمدہ تعالیٰ سورۃ البروج کا مختصر سا تعارف اور ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

یہ سورت مکیہ ہے اس میں 22 آیات اور صرف ایک رکوع ہے اس سے قبل کی چار سورتوں میں بھی آسمان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سورت میں اللہ رب العزت نے آسمان، قیامت اور گواہوں کی قسم یاد فرمائی ہے، اس سورت میں ایسے ظالم بادشاہ کا ذکر ہے جس نے

مومنین اور مومنات کو آگ میں جلا ڈالا تھا مگر وہ آگ میں جلتے رہے اس کے باوجود بھی وہ ایمان سے منحرف نہ ہوئے۔

اس واقعہ کے ذکر کے ذریعہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ایمان ایک ایسی طاقت ہے کہ جس کے دل میں موجود ہو وہ حالات کے خطرناکیوں کی پرواہ نہیں کرتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عشاء میں وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○ وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اللہ ہمیں بھی تلاوت کا شرف عطا فرمائے۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○ (سورۃ البروج الایۃ:1)
قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔

قدیم علمائے ہیئت اور ماہرین فلکیات کے نزدیک نو آسمان ہیں اور ہر آسمان میں ایک برج ہے اور سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت طے کرتا ہے ان نو آسمانوں کے علاوہ تین اور بروج ہیں اس طرح بارہ مہینے میں سورج ان بارہ بروج کی مسافت طے کرتا ہے اور اس کی وجہ سے موسموں کی تبدیلیاں ہوتی ہیں، کھیتیاں پکتی ہیں، پھلوں اور پھولوں کا وجود ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان بروج کے نام دئے گئے ہیں قمر، زحل، عطارد، شمس، مشتری، مریخ، زہرہ یہ سیارگان فلک ہیں، سیارات ہیں اور بقیہ ثوابت ہیں جو ٹھہرے رہتے ہیں ان میں حمل ہے، ثور ہے، جوزا ہے، سرطان ہے، اسد ہے، سنبلہ ہے، میزان وغیرہ ہے۔

حضرات! یہ قدیم علمائے ہیئت اور علمائے فلسفہ کی تحقیقات ہیں لیکن آج کے دور میں

یہ تحقیقات اتنی معتبر نہیں ہیں جتنی کی صدیوں تک معتبر رہی ہیں۔ ہاں منجمین کے نزدیک آج بھی ان کی اہمیت ہے۔

قرآن عظیم میں ان تمام چیزوں کے بارے میں صرف ایک بات کہی گئی ہے:

وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ (سورۃ الانبیاء، الایۃ:33)

تمام سیارگان فلک اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔

یہاں فلک سے مراد ان کا وہ محور ہے جس پہ وہ گردش کر رہے ہیں۔ انہیں آسمان سے بھی تعبیر کیا گیا ہے چونکہ علمائے قدیم نے نو آسمان بتائے تھے اس لیے بعد میں مفسرین نے عرش و کرسی ملا کر اس کو بھی نو بتانے کی کوشش کی ہے۔

مفسرین کرام نے اور بھی بہت سی تفسیریں تحریر فرمائی ہیں مگر حقیقت کا علم صرف اللہ تبارک وتعالی کو ہے اور ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم ان بروج کو مانتے ہیں جو اللہ جل مجدہ کے علم ازلی میں ہیں اور اللہ تبارک وتعالی نے انہی کی قسم یاد فرمائی ہے۔

وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ سے معلوم ہوا کہ یہ ثوابت نہیں ہیں بلکہ سیارے ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ اور آج کی سائنس بھی فلکیات کے باب میں اس بات کا مکمل اعتراف کر رہی ہے کہ کوئی بھی چیز ٹھہری ہوئی نہیں ہے۔ سورج سے لے کر دوسرے سیارگان فلک تک سب کے سب اپنی اپنی محوری گردش میں مصروف رہتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ○ (سورۃ البروج، الایۃ:2)

اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت نے قیامت کا وعدہ ہر دور میں انبیائے کرام سے کیا ہے اور ان کی

امت سے کیا ہے۔ قیامت کا برپا ہونا ایک ایسی صداقت ہے کہ جس کا تذکرہ ہر دور میں، ہر زمانے میں اپنے انبیائے کرام سے اور اپنے آخری نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی فرمایا ہے اور قرآن عظیم تو قیامت کے تذکرہ سے بھرپور ہے، پوری پوری سورتیں موجود ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت ایک حقیقت ہے اور جب وہ واقع ہوگی تو سب کچھ فنا ہو جائے گا مگر اہل ایمان اور ان کا ایمان سلامت رہے گا۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ○ (سورۃ البروج، الایۃ:3)

اس دن کی قسم جو گواہ ہے اور اس دن کی جب حاضر ہوتے ہیں۔

شاہد اور مشہود کی کم وبیش ایک درجن سے زائد تفسیریں کی گئی ہیں ان میں چند تفاسیر کا خلاصہ میں بیان کروں گا۔ شاہد کا معنی گواہ کے بھی ہوتے ہیں، حاضر کے بھی ہوتے ہیں اور مشہود جس کی گواہی دی جائے یا جہاں حاضر ہوا جائے۔

مولائے کائنات سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے: شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے۔

یہ دونوں دن بہت اہم ہیں اسی اہمیت کی بنیاد پر اللہ رب العزت نے ان کی قسم یاد فرمائی ہے جمعہ کے دن کی اور عرفہ کے دن کی۔ یہ دونوں دن انسانی مغفرت کے لیے بہت اہم دن ہیں۔ ہر جمعہ کو اللہ تعالی اپنے بندوں کو معاف فرماتا ہے اور عرفہ کے دن تو لاکھوں افراد کو مغفرتوں سے نوازا جاتا ہے۔

شاہد اور مشہود، شاہد کا معنی حاضر ہونے والا اور مشہود جہاں لوگ حاضر ہوں یہ بھی ایک

مفہوم ہے اس کا۔اس لیے کہ جمعہ کا دن خود حاضر ہوتا ہے، ہر ہفتے جلوہ گر ہوتا ہے اور عرفہ کے دن دنیا کے تمام اہل ایمان مقام عرفات میں حاضر ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ہر دن لوگوں پر ان کے اعمال کی گواہی دیتا ہے اس لیے ہر دن شاہد ہے اور ہر دن میں تمامی انسان مشہود ہیں۔ پورے دن میں انسان جو کچھ کرتا ہے دن سے مراد یہاں چوبیس گھنٹہ ہے جب یوم کہا جاتا ہے تو اس کا اطلاق چوبیس گھنٹے پر ہوتا ہے یعنی چوبیس گھنٹوں میں انسان جو بھی کرتا ہے چاہے دن میں ہو یا رات میں تو دن کی یہ تمام ساعتیں، رات کی یہ تمام ساعتیں انسان کے اعمال کی گواہ ہوتی ہیں اس اعتبار سے یہ ساعت، یہ لمحات، یہ اوقات یہ شاہد ہیں اور انسان مشہود ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: شاہد سے مراد ذات الٰہی ہے اور مشہود سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت، ان کی صداقت، ان پر قرآن عظیم کا نزول ان سب کی گواہی رب العالمین نے خود دی ہے۔اس اعتبار سے اللہ تبارک وتعالیٰ خود شاہد ہے اور سرور کائنات جن کی گواہی دی گئی ہے، جن کی شہادت اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود دی ہے ان کی نبوت کی وہ مشہود ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ انسان کے تمام اعضا شاہد ہیں اور انسان مشہود ہے۔قرآن عظیم میں اس کا تذکرہ موجود ہے کہ میدان قیامت میں انسان کے اعضا گواہی دیں گے ہاتھ، پیر، آنکھ اور ناک، سماعتیں اور مشاہدات سب کچھ گواہی دیں گے۔

ہاتھ یہ کہے گا کہ جس کا میں ہاتھ ہوں اس نے یہ اعمال کیے ہیں میرے ذریعے سے، پیر گواہی دے گا کہ یہ کہاں کہاں گیا تھا، آنکھیں گواہی دیں گی کہ اس نے بصارت کو کس مقصد کے لیے استعمال کیا تھا، سماعت گواہی دے گی کہ اس نے کیا کیا سنا ہے، ایسے ہی زبان گواہی

دے گی جب کہ اس پر مہر ہوگی پھر بھی گواہی دے گی کہ اس نے اپنی زبان سے کس طرح کے کلمات ادا کئے ہیں گویا انسان کے اعمال حسنہ کے بھی گواہ ہوں گے اعضا اور انسان کے بد اعمالیوں کے بھی گواہ ہوں گے۔اعضائے انسانی شاہد اور خود انسان مشہود ہے۔

ایک اور مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاہد اور تمام انبیاء مشہود ہیں۔آقائے دو جہاں، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمامی انبیائے کرام کی گواہی دی ہے، ان کے حقانیت کی، ان کی نبوت کی اور صرف گواہی ہی نہیں دی ہے بلکہ بہت سے انبیائے کرام کی حیات طیبہ کے نمایاں گوشے بھی پیش فرمائی ہے قرآن نے بھی اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس زندگی نے بھی اور نہ صرف انبیائے کرام کی گواہی دی ہے بلکہ جن امتوں کی طرف وہ داعی بنا کے بھیجے گئے تھے ان امتوں کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں موجود ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمامی ابنیائے کرام کے شاہد ہیں اور تمامی انبیائے کرام مشہود ہے۔

اس کے برعکس تمامی انبیائے کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاہد ہیں اور تنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمامی انبیائے کرام کے مشہود ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمامی انبیائے کرام کی یہ ذمہ داری لگائی تھی، ان کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں میں سے یہ تھی کہ سارے انبیائے کرام اپنے اپنے عہد نبوت میں اور اپنے اپنے دور نبوت میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گواہی دیں گے کہ وہ آخری نبی ہیں آنے والے ہیں۔اس کا تذکرہ جناب موسیٰ نے کیا ہے توریت کے اندر موجود ہے۔

اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے کا تذکرہ تو خود قرآن عظیم نے کیا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ○ (سورۃ الصف،الایۃ:6)

اور جب عیسی ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! مجھے دنیا میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں دو بات کی گواہی دوں توریت کی تصدیق کروں جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے اور اس عظیم پیغمبر کی گواہی دوں جو میرے بعد آنے والے ہیں۔

اسی طرح جناب موسی علیہ السلام نے بھی گواہی دی اس لیے تمامی انبیائے کرام شاہد ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشہود ہیں۔ اور پھر وہ عظیم شہادت جو مسجد اقصی میں معراج کی شب میں انبیائے کرام نے دی حاضر ہو کر کے اور آقا کے پیچھے نماز ادا کر کے اس لیے مسجد اقصی پر تمامی انبیائے کرام شاہد تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشہود تھے۔

اس کے علاوہ جتنے لوگ بھی حج پر جاتے ہیں خانۂ کعبہ ان سب کی گواہی دے گا کہ اے اللہ! ان لوگوں نے میرا طواف کیا، تیرا ذکر حولِ کعبہ میں کیا، حجر اسود بھی گواہی دے گا کہ ان لوگوں نے مجھے بوسہ دیا، احترام سے چوما، ماہ رمضان گواہ ہوگا جو لوگ روزہ رکھیں گے اخلاص کے ساتھ وہ بھی گواہ ہوگا کہ ان لوگوں نے روزہ رکھا، قرآن پاک تلاوت کرنے والوں کی گواہی دے گا۔ تو اس طرح خانۂ کعبہ ہے، حجر اسود ہے، ماہِ رمضان ہے، قرآن پاک ہے یہ سب شاہد ہیں اور جملہ اہلِ ایمان مشہود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان مشہودین میں ہمیں بھی شامل فرمائے اور آپ کو بھی۔

اور سبحان اللہ! مفسرین نے کہا شب معراج میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاہد ہیں اور رب تعالیٰ مشہود ہے اور یہاں شاہد بمعنی حاضر بھی ہے گواہ نہیں ہے بلکہ مشاہدہ بھی ہے ،حاضری بھی ہے تو ہر دو معنی کے اعتبار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر بھی ہیں اپنے

رب تعالی کے لیے اور اپنے رب کے گواہ بھی ہیں اور اللہ تبارک وتعالی شب معراج میں اپنے حبیب کا مشہود حقیقی بھی ہے۔

فرشتے گواہ ہیں، دن میں کتنے ہی فرشتے ہیں جنہیں سیاحین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کا کام یہ ہے کہ وہ زمین پر اتر کر اللہ کے نیک بندوں کے ذکر و فکر کو دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی فرشتہ کسی ایسی محفل میں پہنچتا ہے جہاں لوگ ذکر الہی میں مصروف ہیں تو وہ اور فرشتوں کو آواز دیتا ہے یہاں آؤ یہ وہ محفل ہے جس کے لیے تم کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور پھر تمام فرشتے محفل میں حاضر ہو جاتے ہیں اور ذکر میں شریک ہو جاتے ہیں اس کے بعد جب واپس جاتے ہیں تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں گواہی دیتے ہیں کہ آج ہم ایک ایسی محفل سے آئے ہیں جہاں تیرے بندے تیرا ذکر کر رہے تھے۔

ایک فرشتہ کہے گا اس میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو ذکر کی نیت سے نہیں آیا تھا کسی اور غرض سے آیا تھا بس بیٹھ گیا تھا محفل میں تو اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرمائے گا: اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے ان سب کو معاف کر دیا۔ اور اگر کوئی شخص ذکر کی نیت سے نہیں بھی آیا تھا تو اللہ تبارک وتعالی فرمائے گا:

هُوَلَاءِ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔

یہ وہ قوم ہے جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی شقی نہیں رہتا، محروم نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ جمعہ کے دن بھی فرشتے آتے ہیں اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں پھر جو اس کے بعد آتا ہے، پھر اس کے بعد جو آتا ہے یہاں تک کہ جب خطیب خطبہ کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ رجسٹر بند کر دیتے ہیں۔ جس ترتیب سے وہ آتے ہیں اسی اعتبار سے انہیں انعامات دئے جاتے ہیں۔

رمضان میں فرشتے نازل ہوتے ہیں خاص طور پر شب قدر میں اور وہ اہل ایمان کی گواہی دیتے ہیں تو گویا کہ فرشتے گواہ ہیں، شاہد ہیں اور جملہ اہل ایمان مشہود ہیں۔

حضرات! اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے مفاہیم بیان کیے گئے ہیں تمام اہل ایمان شاہد ہیں اور کلمۂ توحید، دین اسلام، قرآن پاک یہ سب مشہود ہیں۔ سب سے بڑی شہادت کلمۂ شہادت ہی ہے جس کے پڑھنے کے بعد ایک انسان کفر کی دنیا سے نکل کے فوری طور پر ایمان کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں تو یہ شہادت شہادت عظمیٰ ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

کلمۂ پاک کی شہادت کے اعتبار سے اہل ایمان شاہد ہیں اور کلمۂ توحید اور دین اسلام یہ مشہود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مفسرین کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق شاہد اور مشہود کی تعیین کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری حقیقتیں جن کا تذکرہ مفسرین نے الگ الگ کیا ہے یہ سب کے سب شاہد اور مشہود ہیں۔

اگر قرآن عظیم اور احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو ان سب کے بارے میں آیات بھی مل جائیں گی اور احادیث بھی مل جائیں گی۔ بہت سی آیات مبارکہ اور بہت سی احادیث طیبہ ان تمام شاہدین اور مشہودین کے گواہ ہیں اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ہے۔

حضرات! آج اتنا ہی کل ان شاء اللہ اس کے آگے بیان کیا جائے گا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۰۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ
اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۃ البروج کی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مختصر سی تفسیر پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا اس سے پہلے ابتدائی آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کیا جا چکا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○ وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ○ وَشَاھِدٍ

وَّمَشْهُوْدٍ○قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ○النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ○اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ○وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ط○

(سورۃ البروج الایۃ: 1-7)

قسم آسمان کی جس میں بُرج ہیں۔اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے۔اور اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں۔کھائی والوں پر لعنت ہو۔وہ اس بھڑکتی آگ والے۔جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے۔اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے۔

حضرات! یمن کے شمالی علاقے میں نجران ابن زیدان کے نام سے ایک مشہور علاقہ تھا، وہاں ایک بادشاہ رہا کرتا تھا جو انتہائی ظالم تھا، انتہائی شقیق القلب تھا۔اس کے دور میں جادو اور سحر کا بڑا غلبہ تھا۔سب سے بڑا جادوگر جب مرنے لگا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے کوئی بچہ دے دو نوجوان کہ میں اسے جادو سکھا دوں اور یہ وراثت منتقل ہو سکے۔اس نے ایک نوعمر لڑکے کا انتخاب کیا اور وہ اس جادوگر سے جادو سیکھنے لگا۔

جب وہ جادو سیکھنے کے لیے جادوگر کے پاس جاتا تھا تو راستہ میں ایک راہب رہا کرتا تھا وہ اس کے پاس بھی تھوڑی دیر بیٹھ جاتا تھا۔راہب جناب عیسی علیہ السلام کے دین پر تھا اور وہ جب ان کے پاس بیٹھتا تھا تو وہ اسے اچھی باتیں تعلیم دیا کرتا تھا۔

چنانچہ ہر روز یہ ماحول رہا کہ جب وہ جادوگر کے پاس جاتا تو راستہ میں اس راہب سے ملاقات کر لیا کرتا تھا لیکن اس کے قلب میں خلجان تھا کہ آخر حق پر کون ہے یہ جادوگر یا وہ راہب جس کے پاس میں بیٹھتا ہوں جب کہ راہب کی باتیں اسے زیادہ بہتر لگتی تھیں۔

ایک روز اس نے دیکھا کہ لوگوں کے راستے میں ایک بڑا ہی مہیب جانور ہے جس

نے لوگوں کی زندگی دوبھر کر رکھی ہے۔لوگوں نے آنا جانا بند کر دیا ہے جو بھی آتا ہے اس پر حملہ آور ہو کر اسے ختم کر دیتا ہے تو اس نوجوان نے ایک پتھر اٹھایا اور اللہ تعالی سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب حق پر ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے اس نے پتھر مارا اور جانور ہلاک ہو گیا۔پورے علاقے میں اس نوجوان کا شہرہ ہوا اور لوگ اس کے پاس دعا کے لیے آنے لگے، مستجاب الدعوات ہو گیا۔اس کی دعا سے اندھے اچھے ہونے لگے، کوڑھی شفایاب ہونے لگے۔جناب عیسی علیہ السلام کی شفا بخشی کا پرتو اسے میسر آیا اور لوگ ایمان لانے لگے۔

ظالم بادشاہ کا ایک وزیر تھا جو نابینا تھا یا نابینا ہو گیا تھا وہ بھی آیا اس نے دعا کی درخواست کی اس نوجوان نے دعا کی اور وہ بینا ہو گیا۔جب دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے پوچھا کہ تم آنکھیارے کیسے ہو گئے تمہاری تو آنکھیں جا چکی تھی۔لڑکے کا پتہ بتایا، بادشاہ نے لڑکے پر سختیاں کرنی شروع کر دیں پھر اس نے راہب کا پتہ بتا دیا۔بادشاہ نے راہب کو منگوایا اور اسے دین مسیح کو ترک کرنے لیے جو دین اسلام ہی تھا سختی کی، بار بار کہا۔اس نے انکار کیا تو اس نے سر پر آرا رکھوا کر اسے چھلوا دیا پھر جو مصاحب تھا بادشاہ کا وزیر اسے بھی اس نے چھلوا دیا رہے گیا لڑکا تو اس نے سپاہیوں کو کہا اسے لے جاؤ اور سمندر میں غرق کر دو۔

سپاہی اسے سمندر میں غرقاب کرنے کے لئے جاتے ہیں لیکن جب وہ بیچ سمندر میں پہنچا تو اس نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے بچا لے نتیجہ یہ ہوا کہ موجیں اٹھیں اور لڑکا صحیح وسلامت بادشاہ کے پاس آ گیا۔وہ سیدھے بادشاہ کے دربار میں گیا، بادشاہ نے کہا: وہ آدمی کہاں ہیں جو تمہیں لے گئے تھے؟ لڑکے نے کہا سب کو اللہ تبارک وتعالی نے ہلاک کر دیا۔اس نے پھر دوسرے فوجیوں کو بلایا اور کہا: اسے لئے جاؤ اور پہاڑ سے نیچے پھینک دو! وہ اسے پہاڑ پہ لے گئے اور وہاں سے پھینکنا چاہا ہی تھا کہ ایک زلزلہ سا پیدا ہوا اور لے جانے والے

زمین پر گر گئے اور یہ نوجوان پہاڑ سے صحیح وسلامت آگیا پھر دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ نے کہا: وہ لوگ کیا ہوئے؟ کہا: وہ لوگ ختم ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ بادشاہ ایمان لے آئے اور اس کے ذریعہ سے پوری قوم صحیح راستہ پہ آجائے لیکن بادشاہ اس قدر ظالم اور شقی تھا کہ ان ساری باتوں کو دیکھنے کے باوجود بھی ایمان کی طرف مائل نہ ہوا اور اس نے طرح طرح کی تدبیر کی جس کے ذریعہ سے نوجوان کو ہلاک کیا جاسکے مگر ناکام رہا، پھر اس نوجوان نے یہ کہا کہ تم مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو تو صرف ایک ترتیب ہے تم مجھے کھجور پر سولی دو، لٹکا دو اور میرے ہی ترکش سے ایک تیر نکالو اور تیر چلانے سے پہلے پڑھو بسم اللہ رب ھذا الغلام اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے یہ کہہ کر مارو ایسا کروگے تو میں قتل ہو جاؤں گا بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔

لیکن اس سے پہلے اس نے تماشہ دیکھنے کے لیے مملکت کے سارے افراد کو جمع کر لیا تھا کہ آج وہ لڑکا جو سمندر سے واپس آگیا، پہاڑ سے بھی واپس آگیا آج اس کی موت سب کی نگاہوں کے سامنے ہوگی۔ اس میں بھی اللہ تبارک وتعالی کی مصلحت تھی لوگ جمع ہوئے اور جب بادشاہ نے تیر کھینچ کر یہ کہا: بسم اللہ رب ھذا الغلام اس اللہ کے نام سے جو اس نوجوان کا رب ہے، اس لڑکے کا رب ہے یہ کہہ کر کے تیر چلایا۔ تیر کنپٹی پہ لگی اس نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھا اور شہید ہو گیا۔ مشاہدہ کرنے والوں کے پاس اتنی عقل تو تھی کہ انہوں نے دو بار یا تین بار یہ دیکھا کہ بادشاہ نے اس نوجوان پر جبر کرنا چاہا لیکن یہ نوجوان محفوظ رہا اور اب اگر اس نے شہادت قبول کی ہے تو اپنی بتائی ہوئی ترکیب کی بنیاد پر جس میں اس نوجوان کے رب کا نام لے کر تیر کھینچا گیا اور مارا گیا ہے۔ لوگ یہ دیکھ مسلمان ہو گئے۔

یاد رکھیے ایمان ایک ایسی قوت ہے کہ جب بھی دل میں گھر کر جائے تو دنیا کی کوئی طاقت مومن کو ایمان سے پھیر نہیں سکتی۔ بادشاہ نے خندق کھدوائی اس میں آگ دہکائی گئی

اور حکم دیا گیا کہ جو بھی دین سے نہ پھرے یعنی سچا دین سے تو اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔

جب لوگ اس آگ میں ڈالے گئے تو شہادت کے لمحات کو بڑی خوشی سے قبول کرتے گئے، کسی نے انکار بھی نہیں کیا کہ مجھے نہ ڈالا جائے یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کی گود میں ایک بچہ تھا شاید وہ بچہ کے خیال سے تھوڑا پس وپیش کرتی بچہ نے کہا: اے ماں! صبر کر اور خوفزدہ نہ ہو تو سچے دین پر ہے اور بچہ اور ماں دونوں آگ میں ڈال دیے گئے۔

اس سے چند باتوں کا اندازہ ہوتا ہے ایک تو یہ کہ بچہ بھی ان بچوں میں سے تھا جن کو پالنے میں یا آغوش میں بولنے کی طاقت دی گئی جناب عیسی علیہ السلام کی طرح سے یا جناب یوسف کی جس نے گواہی دی تھی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اولیاء کرام صاحبان کرامات ہوتے ہیں اس آیت میں اس کا تذکرہ محفوظ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ بچہ نے خود اپنی شہادت کے لیے راستہ بتایا۔

اس نوجوان کے دل میں یہ بات تھی کہ اگر میں ایسا کروں گا تو لوگ ایمان لائیں گے تو اس نے اپنی جان اس لیے دے دی کہ لوگ ایمان لائیں اور یقیناً وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اس کا تذکرہ اس آیت مبارکہ کے اندر کیا گیا ہے: مارے گئے خندق والے لوگ۔

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ○ (سورۃ البروج الایۃ:5)

یہ ایسی آگ تھی جو بڑے ایندھنوں کے ذریعہ جلائی گئی تھی۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ○ (سورۃ البروج الایۃ:6)

جب کہ وہ خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ○ (سورۃ البروج الایۃ:7)

اور وہ لوگ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو اہل ایمان کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

اب یہاں اصحاب خندق سے مراد کون ہیں؟ مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مومنین ہیں جو خندق میں جلائے گئے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خندق کے باہر کھڑے مومنین کو جلا رہے تھے۔ اللہ تبارک وتعالی نے مومنین کے ارواح کو جلنے سے پہلے ہی جنت میں داخل فرما دیا تھا یعنی انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور بعد میں ان سب کو خندق کی آگ میں جلا دیا گیا جو خندق کے کنارے کھڑے تھے اور تماشہ دیکھ رہے تھے۔

یہاں مفسرین کرام نے چند باتیں بطور تفسیر تحریر فرمائی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ بچہ اگر چاہتا تو کلمۂ کفر کہہ کر جان بچا لیتا یا وہ سارے لوگ جو ابھی ابھی ایمان لائے تھے وہ سب کے سب بادشاہ کی بات مان لیتے اور دہکتے ہوئے شعلوں سے اپنی جان کو بچا لیتے۔ اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا فیصلہ کیا ہے۔

حضرات! جان جانے کے خوف سے کلمۂ کفر کی ادائیگی کی رخصت ہے مگر عزیمت یہ ہے کہ جان دے دی جائے اور کلمۂ کفر ادا نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

(سنن الترمزی، أبواب الفتن باب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، رقم الحدیث 4011)

سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب کوئی کلمۂ حق ظالم ترین بادشاہ کے سامنے کرے گا تو اسے جان بھی دینی پڑے گی۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک صحابی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے نصیحت کیجیے تو آپ نے

ارشاد فرمایا: تم اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو خواہ تمہارے جسم کے ٹکڑے کر دئے جائیں یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے یہ ہے عزیمت کا وہ مقام جو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اور تاریخ اسلامی عہد صحابہ سے لے کر کے مختلف ادوار میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں نے شہادتیں قبول کیں، جان دی مگر کلمۂ کفر کہنا گوارا نہ کیا۔

جہاں تک رخصت کا معاملہ ہے، اجازت کا معاملہ ہے بعض حالات میں اس کی اجازت دی گئی ہے بشرطیکہ کلمۂ کفر کہنے والا اس پر قائم نہ رہ جائے۔

حضرات گرامی! حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے پکڑ لیا اور ان سے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرنے کے لیے کہا گیا ایسا کلمہ، جو انتہائی ناپسندیدہ تھا۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ وہ ایسا نہ کرے مگر اپنی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے والد کا انجام دیکھ چکے تھے۔ کافروں نے جناب یاسر کو بھی سولی دی اور جناب سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انتہائی دردناک حالت میں (جو پہلی شہیدہ ہیں اسلام کے راستے میں) شہید کیا۔ قدموں کو دو اونٹوں سے باندھ دیا گیا اور پھر درمیان سے چیر دیا گیا تھا۔

یہ دردناک منظر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اگر میں نے کافروں کی بات نہیں مانی تو یہ میرے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے چنانچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کلمہ کہہ دیا جو کافروں نے کہلوایا (میں اس لفظ کو نہیں کہوں گا) مگر وہ روتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے انہوں نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے یہ غلطی ہوگئی ہے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور فرمایا کہ اگر وہ تم کو دوبارہ مجبور

کریں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔

اس سے یہ اخذ کیا گیا کہ اگر ایسی صورتِ حال پیش آجائے جو حضرت عمار ابن یاسر کو پیش آئی تھی تو جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہنا مرحلہ رخصت میں جائز ہے۔

جب یہ واقعہ پیش آیا تو اللہ تعالی نے قرآن پاک میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورۃ النحل،الایۃ:106)

جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے سوائے اس آدمی کے جسے (کفر پر) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو لیکن وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

جو شخص ایمان کے بعد کافر ہو گیا وہ تو مرتد ہو ہی گیا مگر جو مجبور کیا گیا کلمۂ کفر ادا کرنے کے لیے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے اس نے دل سے کوئی بات نہیں کہی تو وہ کافر نہیں ہوا۔ حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ کے واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ (سورۃ البروج،الایۃ:6)

جب کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، تماشہ دیکھ رہے تھے ڈالنے والے بھی اور تماشائی بھی دونوں تھے اور کسی کو یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ وہ بادشاہ سے دریافت کرتا کہ ان کا قصور کیا ہے؟ کیا انہوں نے بغاوت کی ہے انہیں یہ سزا کیوں دی جارہی ہے۔ سبھی تماشائی تھے، سبھی خوش تھے یہ کیفیت تھی اور بعض روایت کے اعتبار سے بعد میں انہیں بھی جلا دیا گیا۔

حضرات! کیا آج مسلمانوں کا یہی حال نہیں پوری امت مسلمہ کو، پورے شہروں کو، وادیوں کو جلا دیا جاتا ہے بم باری کے ذریعہ اور دنیا تماشہ دیکھ رہی ہے پوری دنیا اہل ایمان کے لیے اصحاب اخدود کا خندق بن چکی ہے بلکہ بعض بے غیرت دعویداران اسلام بھی انتہائی خاموشی کے ساتھ یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالی منتقم حقیقی ہے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ (سورۃ البروج،الایۃ:7)

اور بے شک جو لوگ اہل ایمان کے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے وہ اس کے گواہ بھی تھے اور اسے دیکھ بھی رہے تھے۔

اب اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے ایسا کیوں کیا انہوں نے:

وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

(سورۃ البروج،الایۃ:8)

انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا تھا کہ مسلمان ایمان لائے ہیں اس اللہ تبارک وتعالی پر جو سب پر غالب ہے اور ستودہ صفات ہے، بے پناہ خوبی والا ہے، عزیز ہے اور حمید ہے۔

بس یہ ان کا جرم تھا کہ وہ اللہ تبارک وتعالی پر ایمان لائے تھے اور اس کی ان کو اتنی دردناک سزا دی گئی۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

جس کے لیے زمین اور آسمان کی تمام بادشاہت ہے۔

وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (سورۃ البروج،الایۃ:9)

اور اللہ تبارک ہر چیز پر قادر ہے یا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالی چاہے تو کسی بھی قوم کو جیسے ہی وہ اہل ایمان پر ظلم کرے فوراً سزا دے دے لیکن اللہ تبارک وتعالی کے کچھ فیصلے اس کی اپنی مشیت کے مطابق ہوتے ہیں وہ جانتا ہے کہ کب اور کس وقت کس قوم کو سزا دی جائے گی؟ مہلت دی جاتی ہے اللہ تبارک وتعالی شہید ہے وہ دیکھ رہا ہے اور دیکھتا رہا ہے ظالموں کے ظلم کو جو اہل ایمان پر کیے جارہے ہیں مگر فوراً انہیں سزا نہیں دی جارہی ہے ایک مہلت کی مدت ہے لیکن جب مدت ختم ہو جائے گی تو انہیں انتہائی دردناک سزا سے دوچار کیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا

بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایذا دی مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو اور پھر توبہ نہ کی۔

حضرات! ظاہر ہے کہ یہ آیات کریمہ مکہ مکرمہ میں نازل ہو رہی ہیں اور مکہ مکرمہ میں بھی مسلمانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ ان حالات میں اللہ تبارک وتعالی انہیں یہ موقع دے رہا ہے کہ وہ توبہ کرلیں، اگر وہ توبہ کرلیں گے تو وہ سارے مظالم معاف کر دئے جائیں گے جو انہوں نے اہل اسلام پہ کیے ہیں۔ فوراً اگر سزا نہیں دی گئی ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی انہیں توبہ کرنے کے موقع دے رہا ہے اور آپ نے دیکھا کہ چند ایک کے علاوہ مکہ کے بیشتر لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے اس لیے فوراً سزا نہیں دی گئی، اس لیے فوراً عذاب نازل نہیں ہوا۔ اللہ تو قادر ہے کیونکہ زمین وآسمان کا مالک ہے۔

لیکن وہ لوگ جو مسلمانوں کو ایذا دیتے ہیں اور پھر توبہ نہیں کرتے۔

فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ○ (سورۃ البروج الایۃ:10)

ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور انہیں بھی جلائے جانے کی سزا دی جائے گی۔

جیسے اصحاب اخدود کو جلایا گیا اسی طریقہ سے جو بھی مومن اور مومنات کو تکلیف دیں گے انہیں بھی جہنم میں جلائے جانے کی سزا دی جائے گی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ظلم کرنے والے ہیں، جو کافر ہیں لیکن قرآن پاک کا اسلوب آپ دیکھ رہے ہیں پورے قرآن پاک میں اگر ایک طرف کفار کے، ظالموں کی سزا کا اعلان ہے تو اس کے ساتھ ہی اہل ایمان کے انعامات کا بھی تذکرہ ہے۔

ٹھیک ہے دنیا میں تکلیفیں برداشت کرلیتے ہیں، تکلیفیں گوارا کرلیتے ہیں مگر انجام کتنا حسین ہے اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡكَبِیۡرُ ○ (سورۃ البروج الایۃ:11)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دنیا میں ظالموں کو لمحاتی اور وقتی طور پر جو کامیابی ملتی ہے وہ تو فنا ہو جانے والی ہے لیکن اے اہل ایمان! تم کو جو دائمی زندگی میں جنت کی کامیابی عطا کی جائے گی وہ سب سے بڑی کامیابی ہے اتنی بڑی کامیابی ہے کہ دنیا میں اس کا تصور کیا بھی نہیں جاسکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

میں قادر مطلق ہوں میری گرفت بھی بہت مضبوط ہے، میں جب چاہوں مومنین کو سزا دینے والے اور ستانے والوں کو اپنی سخت گرفت میں پکڑ لوں۔

اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِیۡدٌ ○ (سورۃ البروج الایۃ:12)

بے شک اے محبوب! آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ○(سورۃ البروج الایۃ:13)

وہی ہے جس نے ابتداء پیدا فرمایا اور دوبارہ اعادہ فرمائے گا۔

یعنی پہلے پیدا فرمایا اور دوبارہ زندہ کرے گا پیدا فرما کر کے، لوگوں کو اعمال حسنہ وجہ سے جنت عطا فرمائے گا اور بروں کو جہنم سے ہم کنار کرے گا۔

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ○(سورۃ البروج الایۃ:14)

اور وہ بے پناہ بخشنے والا اور بے پناہ محبت فرمانے والا ہے۔

انسان گناہ کرتا ہے، غلطیاں کرتا ہے اور اس کے ودود ہونے کا مظاہرہ یہ ہے کہ وہ اسے ایک طویل زمانہ تک توبہ کا موقع دیتا ہے کہ پلٹ آئے، واپس آجائے وہ قادر مطلق ہے۔

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ○ (سورۃ البروج الایۃ:15)

وہ مالک ہے عرش عظیم کا اور خود بڑے ہی شان والا پروردگار ہے۔ المجید یہ صفت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی۔

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ○(سورۃ البروج الایۃ:16)

اور وہ کرتا ہے جس چیز کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ○ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ○

(سورۃ البروج الایات:18/17)

کیا تمہارے پاس لشکروں کی بات آئی وہ لشکر کون فرعون اور ثمود۔

اس سے پہلی آیات میں کفار کی طرف سے اہل ایمان کو اذیتیں پہنچنے کے حوالے سے اصحاب الاخدود کا حال بیان کر کے تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی دی گئی اور اب یہاں سے اصحاب الاخدود سے بھی پہلے کے کفار کا حال بیان کر

کے تسلی دی جا رہی ہے چنانچہ اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے پیارے حبیب! صلی اللہ علیک وسلم، بے شک آپ کے پاس فرعون اور اس کی قوم اور ثمود کے ان لشکروں کی خبر آئی ہے جنہیں کافر لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مقابلے میں لائے تھے اور آپ کو ان کے انجام کے بارے میں معلوم بھی ہے کہ وہ لشکر اپنے کفر کے سبب ہلاک کر دیئے گئے، لہٰذا آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ کے بارے میں بتائیں اور انہیں سابقہ کفار کے حالات اور ان کا انجام سنا کر ڈرائیں کہ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی انہی جیسا ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج11ص115)

بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ○ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِیْطٌ○ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ○ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ○(سورۃ البروج الایات:22/19)

بلکہ کافر جھٹلانے میں ہیں۔ اور اللہ ان کے پیچھے سے انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔ لوح محفوظ میں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر جھٹلانے میں مصروف ہیں اور اللہ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اور جس کلام کا وہ انکار کر رہے ہیں وہ کلام قرآن ہے جو خود ہی بڑا بزرگ ہے اور وہ لوح محفوظ میں بھی موجود ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۰۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْد
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ○ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ○
اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

حضرات گرامی ! آئیے ہم اور آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ

حضرات گرامی ! آج سورۂ طارق کی چند آیات کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں صرف ایک رکوع ہے، اس میں بھی مکی سورتوں کی طرح سے اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں ارشادات الٰہیہ ہیں، قیامت کا برپا ہونا، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حساب وکتاب اور جزا وسزا کی تفصیلات، انسان کو عدم سے وجود میں لانا اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

آسمان پر طلوع ہونے والے روشن ستاروں کی قسم یاد فرما کر ہر نفس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو نگرانی کرتے ہیں۔

اس سورت میں لوگوں کی موت ان کے دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نطفہ سے پیدا فرمایا اور جب وہ نطفہ کے ذریعہ غیر موجود کو موجود فرما سکتا ہے تو موجود کو معدوم ہونے کے بعد بھی دوبارہ زندگی عطا فرما سکتا ہے۔ اس سورت میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے پوشیدہ راز اور دلوں کی کیفیات کو جانتا ہے اور جب قیامت برپا ہوگی اور اس سے حساب وکتاب لیا جائے گا تو کوئی بھی اس کا مددگار نہیں ہوگا۔

زمین کی قسم یاد فرما کر یہ کہا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ کفار کو وعید سنائی گئی ہے اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب ! ان کافروں کو کچھ دنوں کے لیے مہلت دیں۔ یہ چند مضامین ہیں جو اس سورت کی آیات مبارکہ کا خلاصہ ہیں۔ اب آئیے ترجمہ سماعت کریں۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ○ (سورۃ الطارق، الایۃ:1)
آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی قسم
اس سے مراد رات کو طلوع ہونے والا ستارہ ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ (سورۃ الطارق، الایۃ:2)
آپ کیا خیال فرماتے ہیں کہ رات کو طلوع ہونے والا ستارہ کیا ہے۔

النَّجْمُ الثَّاقِبُ (سورۃ الطارق، الایۃ:3)
وہ ایک نہایت روشن اور تابناک ستارہ ہے۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (سورۃ الطارق، الایۃ:4)

ہر نفس کے اوپر، ہر جان کے اوپر اللہ تبارک وتعالی نے محافظ مقرر کر رکھا ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (سورۃ الطارق، الایۃ:5)

تو چاہیے کہ انسان غور کرے کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (سورۃ الطارق، الایۃ:6)

اسے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ (سورۃ الطارق، الایۃ:7)

جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ (سورۃ الطارق، الایۃ:8)

بے شک اللہ تبارک وتعالی انسان کو دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (سورۃ الطارق، الایۃ:9)

جس روز تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ

(سورۃ الطارق، الایۃ:10)

تو اس روز نہ کوئی طاقت ہوگی کافروں کے پاس نہ کوئی مددگار ہوگا ان کا۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (سورۃ الطارق، الایۃ:11)

اور آسمان بارش نازل کرنے والا ہے۔

وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (سورۃ الطارق، الایۃ:12)

اور زمین پودے اگانے والی ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (سورۃ الطارق، الایۃ:13)

بے شک یہ کلام الہی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ (سورۃ الطارق، الایۃ:14)

اور یہ کوئی مزاح یا مذاق نہیں ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ (سورۃ الطارق، الایات:16/15)

بے شک یہ کافر مسلسل سازشیں کر رہے ہیں اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرما رہا ہوں۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (سورۃ الطارق، الایۃ:17)

پس اے محبوب! آپ کافروں کو چھوڑ دیں، انہیں مہلت دیں۔

یہ ترجمہ ہے ان آیات کا جو سورۂ طارق میں ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد کہ آسمان کی قسم اور رات میں طلوع ہونے والے ستارے کی قسم۔ اللہ تبارک وتعالی نے قسم یاد فرمائی الطارق کی، اللہ تبارک وتعالی نے قرآن عظیم میں آسمان، چاند اور ستارے کا ذکر بہت کیا ہے کیونکہ ان کے گردش سے ہی دن اور رات کا پیدا ہونا اور بہت سے عجائب سامنے آتے ہیں، انسان اور دوسری مخلوقات کے لیے اس میں بے شمار فوائد ہیں۔

طارق کا معنی ہوتے ہیں رات کو آنے والا خواہ وہ ستارہ ہو یا کوئی اور چیز چونکہ یہاں ایک روشن ستارے کا تذکرہ ہے اس لیے اسے "وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ" کہا گیا ہے۔ آسمان کے ساتھ والطارق کا ذکر فرما کر کے یہ بات متعین کر دی گئی ہے کہ اس سے مراد ستارہ ہی ہے کوئی اور آنے والا نہیں ہے۔

حضرات گرامی! النجم الثاقب کے معنی کیا ہے؟ وہ ستارہ بہت بلند ستارہ ہے اور بہت روشن ستارہ ہے جس کے ذریعہ سے سمندروں کے اندھیروں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ ثاقب کے معنی ہوتے ہے سوراخ کرنے والا اور یہ ستارہ اپنی روشنی سے اندھیرے میں اجالے کی کرنیں بکھیر دیتا ہے۔

"النجم الثاقب" کاایک اور مفہوم بھی ہے وہ یہ کہ یہ ستارہ تمام ستاروں سے بلند ہے اس لیے کہ جو پرندہ سب سے اونچی پرواز کرتا ہے اس کو ثاقب کہا جاتا ہے۔

النجم الثاقب کا معنی بعض مفسرین نے ستاروں کے مجموعہ کو بھی کہا ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ جناب ابوطالب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو روٹیاں اور دودھ پیش کیں جس وقت وہ کھانا کھانے ہی بیٹھے تھے کہ آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹ کر روشن ہوا اور اس کی روشنی تیزی کے ساتھ پھیل گئی بعض روایت میں ہے کہ وہ آگ کی طرح پھیل گیا۔ جناب ابوطالب نے کہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ستارہ ہے جس سے شیطان کو مارا گیا ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے یہ سن کر جناب ابوطالب کو بے پناہ حیرت ہوئی تو پھر یہ سورت طیبہ نازل کی گئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر نفس کے اوپر ایک محافظ مقرر کر رکھا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس محافظ سے مراد خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے کہ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا آیا ہے۔

لیکن دوسرا قول زیادہ مشہور ہے کہ اس سے مراد محافظ فرشتے ہیں اس لیے کہ متعدد آیات میں فرشتوں کو محافظ قرار دیا گیا ہے۔ یہ فرشتے اعمال بنی آدم کو، انسان کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ

(سورۃ الانعام، الایۃ:18)

وہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور وہ تمہارے لیے نگراں فرشتے بھیجتا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

(سورۃ الرعد، الایۃ:11)

اس کے محافظ نگراں ہیں اس کے آگے اور پیچھے تاکہ اس کی حفاظت کریں۔

اور نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ

(سورۃ الانفطار، الایات:13/12/11)

بے شک تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر کیے گئے ہیں بہت ہی معزز لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

ان آیات مبارکہ میں دو طرح کے فرشتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کچھ فرشتے وہ ہیں جو انسانوں کی نگرانی کرتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں بحکم الٰہی۔ کچھ فرشتے وہ ہیں جو انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نیکیوں اور برائیوں کو لکھتا ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے فرشتے لکھتے ہیں جس نے نیکی کا قصد کیا اور اس نیکی کو نہیں کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے اگر وہ نیکی کے قصد کے بعد اگر وہ اس نیکی کو انجام دے لے تو اس کو دس نیکی کے برابر سے لے کر سات سو نیکی کے برابر ثواب دیا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص برائی کا قصد کرے اور برائی نہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بھی ایک کامل نیکی کا ثواب عطا فرماتا ہے، اس نے ارادہ کیا برائی کا اور اس نے نہیں کیا تو اسے بھی

ایک نیکی کا ثواب دیا جاتا ہے۔اور اگر وہ اس برے کام کو کرلے تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالی کا بے پناہ کرم واحسان اپنے بندوں کے اوپر ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے حفاظت کرنے والے فرشتوں کو اسی طرح لکھنے کا حکم دیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ لکھنے والے فرشتوں کو اللہ تبارک وتعالی مطلع فرما دیتا ہے کہ انہیں کیا لکھنا ہے اور کس طرح لکھنا ہے۔ یہ لکھنے والے فرشتے ہیں۔

اور جو محافظ فرشتے ہیں ان کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے ہی فرمایا ہے: ہر نفس کے اوپر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ وہ فرشتے تمہارے عمل کی، تمہارے رزق کی، تمہارے موت کی اور تمہاری حیات کی حفاظت کرتے ہیں۔اور جب تمہاری زندگی پوری ہو جائے اے ابن آدم! تو تمہاری روح کو قبض کر کے تمہارے رب کے پاس لے جاتے ہیں۔اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جنہیں حفظہ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ وہ انسانوں کے پوشیدہ حالات کا مکمل علم رکھتا ہے۔

السَّرَآئِرُ سے مراد یہ ہے کہ دل میں جو عقائد اور نیتیں چھپی ہوئی ہیں اور جو اعمال انسان چھپ کر کرتا ہے تو اللہ تعالی ان سے مکمل طور پر واقف ہے اور قیامت کے دن بندوں کے اعمال اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور اس کے صحیفۂ اعمال پر غور کیا جائے گا وہ صحیفۂ اعمال جس میں فرشتوں نے اس کے اعمال کی تفصیل لکھی ہے یہ سب کچھ بطور اتمام حجت ہوگا یعنی اللہ تعالی تو جانتا ہے سب کچھ لیکن بندہ بھی دیکھ لے کہ اس نے دنیا میں کیا کیا ہے اور اسے جو سزا مل رہی ہے یا انعام مل رہا ہے وہ اس کے اپنے اعمال کا ہی نتیجہ ہے۔

آخر میں اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

اے محبوب! یہ کافر باضابطہ طور پر سازشیں کر رہے ہیں اور آپ کو نقصان پہنچانے کی

کوشش کر رہے ہیں اور میں بھی اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں تو کافروں کو کچھ مہلت دیجیے، ان کو ان کے حال پہ کچھ دنوں کے لیے چھوڑ دیجیے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالی کے علم پاک میں یہ بات تھی کہ آج جو کافر سازشیں کر رہے ہیں اگر انہیں فوراً سزا دی گئی تو یہ ایمان سے محروم ہو جائیں گے۔انہیں مہلت نہ دی گئی اور ان کے کید اور ان کے مکر کے بنیاد پر ان کو مکمل طور پر گرفت میں لے لیا گیا تو ان پر ایمان لانے کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

چنانچہ یہی ہوا کہ اس قانون امہال کے بنیاد پر مکہ کے بہت سے لوگ بلکہ اکثریت ایمان لے آئی لیکن جو امہال سے فائدہ اٹھا کر ایمان نہیں لائے اور مسلسل دشمنی پر قائم رہے انہیں عذاب بھی دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا آپ پر کوئی دن اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت گزرا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ تمہاری قوم (قریش) کی طرف سے میں نے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں لیکن اس سارے دور میں عقبہ کا دن مجھ پر سب سے زیادہ سخت تھا یہ وہ موقع تھا جب میں نے (طائف کے سردار) کنانہ بن عبد یا لیل بن عبد کلال کے ہاں اپنے آپ کو پیش کیا تھا لیکن اس نے (اسلام کو قبول نہیں کیا اور) میری دعوت کو رد کر دیا۔میں وہاں سے انتہائی رنجیدہ ہو کر واپس ہوا۔

پھر جب میں قرن الثعالب پہنچا، تب مجھ کو کچھ ہوش آیا، میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بدلی کا ایک ٹکڑا میرے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے اور میں نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام اس میں موجود ہیں، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں آپ کی قوم کی باتیں سن چکا اور جو انہوں نے رد کیا ہے وہ بھی سن چکا۔آپ کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ ان کے بارے میں جو چاہیں اس کا اسے

حکم دے دیں۔

اس کے بعد مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، انہوں نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں آپ کی قوم کی باتیں سن چکا، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ آپ جو چاہیں (اس کا مجھے حکم فرمائیں) اگر آپ چاہیں تو میں دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ملا دوں (جن سے وہ چکنا چور ہو جائیں)۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حلم و بُردباری اور دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا نہیں۔ اس لیے کہ اگر ان پر دونوں پہاڑوں کو ملایا جاتا تو وہ ہلاک ہو جاتے چنانچہ فرمایا: "مجھے تو اس کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی"۔ اور ایسا ہی ہوا، اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنی سخت تکلیف دینے والے ان مشرکین کی نسلوں میں سے ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق باب إذا قال أحدکم: آمین والملائکة فی السماء، آمین فوافقت إحداهما الأخری، غفر له ما تقدم من ذنبه، رقم الحدیث: 3231)

اس آیت کے مطابق آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو مہلت کا حکم دیا گیا تھا اس کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ آپ صبر و برداشت سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ ان کو یا تو ایمان کی دولت سے نوازے جائیں گے اور اگر مہلت کے باوجود ایمان نہیں لائیں تو انہیں سخت عذاب سے ہم کنار کیا جائے گا۔ یہ مختصر سا تعارف تھا اس سورت کا اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں قرآن عظیم کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خطاب نمبر (۱۰۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْد
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ○ وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○ وَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ○ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ○ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا یَخْفٰى ○ وَ نُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰى ○ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰى ○ وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ○ الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ○ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰى ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ○ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ○ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى ○ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میں نے سورۃ الاعلیٰ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ آئیے ہم اور آپ اس

کے کچھ مضامین سے استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔سورۃ الاعلیٰ مکیہ ہے اور اس میں 19 آیات ہیں اور ایک رکوع ہے۔

اس سورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور پھر ان کی اتباع میں تمام اہل ایمان کو حکم دیا جارہا ہے کہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرو، اپنے رب کو ہر عیب ونقص سے پاک مانو اور اس کا ذکر کرو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور انتہائی حسن واعتدال کے ساتھ اس کی تخلیق فرمائی جس میں کوئی نقص نہیں ہے، اس نے ہر چیز کی تخلیق کا مقصد بھی مقرر فرمادیا، اس نے کوئی چیز بے مقصد نہیں پیدا کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم آپ کو اس طرح تعلیم دیں گے، پڑھائیں گے کہ آپ کبھی فراموش نہ فرمائیں گے۔اس سورت میں انسان کے نفوس کے تزکیہ کا حکم دیا گیا جو تمام اخلاقی خوبیوں کی اساس ہے۔

حضرات گرامی! یہ مختصر سا تعارف ہے ان مضامین کا جو اس سورت کے اندر ہیں۔

اب آیئے ہم چند آیات کریمہ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○

اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھو جو سب سے بلند ہے، اعلیٰ ہے۔

تسبیح کے معنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تنزیہ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک ماننا بے پناہ ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان تمام باتوں سے بری تصور کیا جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔اس کی ذات پاک کو اس کے اسمائے حسنہ کے ذریعہ یاد کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔

اللہ تعالیٰ کے بڑے اچھے نام ہیں تو ان ہی ناموں کے ساتھ اپنے معبود کو یاد کرو۔

حضرات! تسبیح کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ یہ جانیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کبھی تسبیح کا حکم دیا ہے اور کبھی حمد کا حکم دیا ہے، کبھی ایک ساتھ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بھی فرمایا ہے۔تسبیح کے معنی ہوتے ہیں تمام عیب سے پاک سمجھنا اور تحمید کے معنی ہوتے ہیں تمام تر کمالات اور خوبیوں کا حامل قرار دینا۔تسبیح صفات تنزیہہ میں سے ہے اور تحمید صفات تحلیہ میں سے ہے یعنی تمام خوبیوں کا جامع تصور کرنا کہ کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جو مرتبہ کمال میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے اندر موجود نہ ہو اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کی جائے۔اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے یہ صفات تنزیہہ میں سے ہے۔اور صفات تحلیہ میں سے اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ وہ تمام خوبیوں کا جامع ہے خود اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسم ذاتی ہے اس اسم ذاتی کی تعریف میں بھی تمام کمالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اَللّٰهُ هُوَ الْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ہے جو کمال کی تمام صفتوں کا جامع ہے۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذاتی نام ہے اس کے علاوہ جتنے بھی اسماء حسنیٰ ہیں وہ سب اس کے صفاتی نام ہیں۔تو جب آپ نے کلمۂ جلالت اللہ کہا تو ان تمام خوبیوں اور کمالات کا ذکر کیا جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک متصف ہے۔اور جب آپ نے سبحان اللہ کہا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے باب میں اس بات کا ذکر کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام طرح کے عیوب سے، نقائص سے، کمزوریوں سے پاک ہے، اس کی ذات کی طرف کسی بھی نقص کا انتساب کرنا کفر ہے خواہ وہ کذب کا انتساب ہو یا کوئی اور انتساب ہو۔

جب وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے تو کوئی صفت زوال اس کی طرف منسوب کی ہی نہیں جاسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں اللہ تبارک وتعالی نے اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا ہے وہاں سبحان کی صفت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَیٰ بِعَبْدِهِ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی (سورۃ الاسراء، الایۃ:1)

پاک ہے وہ پروردگار عالم جس نے اپنے محبوب کو، اپنے بندے کو سفر کرایا رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصی تک۔

یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اتنا طویل سفر کیسے ممکن ہے تو اللہ تبارک وتعالی نے سب سے پہلے اپنی صفت سبحان کا ذکر فرمایا کہ پاک ہے وہ اللہ ہر عیب سے، ہر نقص سے کہ اس نے سفر کرایا تو یقیناً اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

تو تسبیح کے معنی ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالی کو اور اس کی صفات کو ہر طرح کے عیب سے اور کمزوری سے پاک تصور کرنا اور حمد کے معنی ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالی کی ذات کو ان تمام صفت کمالیہ سے متصف جاننا جو اس کی ذات کے شایان شان ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ'' (سورۃ الحاقۃ، الایۃ:52)

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کو تم رکوع میں پڑھا کرو۔

اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَی ○ (سورۃ الاعلی، الایۃ:1)

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو تم سجدہ میں پڑھا کرو۔ چنانچہ آج

بھی ہم اسے سجدہ ہی میں پڑھا کرتے ہیں۔

الاعلی اللہ تبارک وتعالی ہر ایک حمد وثناء سے بلند تر اور عظیم تر ہے۔ بہت بلند ہے اس کے بلند مقام تک کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

الَّذِی خَلَقَ فَسَوّٰی ○ (سورۃ الاعلی، الایۃ:2)

جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور درست فرمایا۔

چونکہ اللہ تبارک وتعالی کی تسبیح کرنے کے لیے اس کی معرفت کے لیے ضروری ہے کہ کائنات موجود ہو جو اس کی تسبیح کرے، اسے پہچانے۔ خود حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ہے:

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ، فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأُعْرَفَ۔

(روح المعانی، سورۃ الذاریات تحت الآیات 54 إلی 60، ج14ص25)

میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ میری پہچان ہو۔

اور الخلق سے مراد جان کائنات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بھی مراد لی گئی ہے۔

حضرات! اللہ تبارک وتعالی نے کائنات کو پیدا فرمایا تاکہ اللہ تبارک وتعالی کی تسبیح کی جائے اور اللہ تبارک وتعالی کا ذکر کیا جائے اور صرف پیدا ہی نہیں فرمایا الَّذِی خَلَقَ فَسَوّٰی یعنی اللہ تبارک وتعالی نے کائنات کی تخلیق اس طرح کی کہ اس میں کوئی نقص نہیں ہے چونکہ کائنات کی تخلیق رب الاعلی نے فرمائی ہے اس لیے اس تخلیق میں بھی اس کا کوئی شریک

نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالی ہی نے کائنات کو پیدا فرمایا ہے پوری کائنات کو فَسَوّٰی درست بھی فرمایا، اور اسے مکمل اعتدال عطا فرمایا کہیں بھی کوئی نقص کہیں بھی کوئی کمزوری اللہ تبارک وتعالی کی تخلیق میں نظر نہیں آئے گی۔ اس لیے کہ خود اللہ تبارک وتعالی ہر عیب سے پاک ہے تو اللہ تبارک وتعالی نے مخلوقات میں بھی اپنی تخلیق کو ہر کمزوری اور نقص سے پاک رکھا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ○ (سورۃ الاعلی، الایۃ:3)

جس نے صحیح اندازہ مقرر فرمایا اور اس نے ہدایت دی۔

یوں تو اللہ تبارک وتعالی نے ہر چیز کو انتہائی اعتدال و درستگی کے ساتھ پیدا فرمایا ہے مگر انسان کو اپنی تخلیق کا شاہکار بنایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (سورۃ التین، الایۃ:4)

ہم نے انسان کو بہترین اچھی صورت بنایا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تو انسان کو بھی ہدایت سے نواز گیا لیکن اسے مکلف بالشرع کیا گیا، تمام تکلیفات شرعیہ کا حامل اسے قرار دیا گیا جب کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ کائنات کی جو بھی مخلوق ہے اس کی ہدایت کا مفہوم فطرت کا وہ نظام ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے اس کے اندر پیدا فرمایا ہے۔

فَهَدٰی میں ہر چیز شامل ہے، ہر شئی اللہ تبارک وتعالی نے صحیح اندازے کے مطابق پیدا فرمائی اور ہر چیز اپنے افعال کو صحیح طور پر انجام دے رہی ہے، انسان کے اعضا جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں فطری ہدایت کے مطابق اپنا کام خود کر رہے ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے اور آنکھ کے دیکھنے میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے اللہ تبارک وتعالی

نے اسے ہدایت دی ہے اسی لیے وہ دیکھتی ہے، کان کی سماعت میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے صرف اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہے جس نے کان کو سننے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے، جملہ اعضاء انتہائی اعتدال کے ساتھ اپنا اپنا کام کرتے ہیں جب تک اللہ تبارک وتعالی کا حکم ہوتا ہے اور اسکی مرضی ہوتی ہے۔

انسان خود اپنی تخلیق کے اوپر غور کرے تو اللہ کی وہ ہدایت جو اس کی فطرت کے اندر پوشیدہ کر دی گئی ہے اس کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ جائے گا اور تشریح اعضاء کے بنیاد پر دیکھے، دماغ کو دیکھے اور اس کے پیچیدہ نظام کو دیکھے، دماغ جو حکومت کرتا ہے پورے وجود کے اوپر ان کا وہ جائزہ لے، وہ ہزاروں معلومات جو دماغ کے اندر محفوظ رہتی ہیں اس کا جائزہ لے، آنکھ کو دیکھے جب دیکھتی ہے زمین سے لے کر آسمان تک تو آنکھ سے ایک نور نکلتا ہے اور جہاں پہنچتا ہے وہاں سے اس کی تصویر لے کر کے انسانی دماغ کو مرتسم کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ چاند کو دیکھنا چاہیں نگاہیں اٹھائیں تو آپ کی آنکھ کا نور چاند تک پہنچے گا اور چاند کی تصویر آپ کی نگاہ میں آجائے گی اور یہ صرف چند سیکنڈ میں ہو جاتا ہے اس پر سیکنڈ کا اطلاق بھی درست نہیں یہ تخلیق کا عظیم نظام ہے جو اللہ تعالی نے ہمارے وجود کے اندر رکھا ہے۔

یہی حال ہمارے تمام اعضاء کا ہے، ہر عضو اپنے اپنے طور پر کام کر رہا ہے اسی کو فَهَدٰی کے لفظ سے یاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے کائنات کو پیدا فرمایا اور اسے ہدایت دی، انسانوں کو ہدایت دی تو اس کے اعضاء اور جوارح کو بھی کام کے قابل بنایا جو اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں اور چونکہ افضل المخلوقات ہے اس لیے اسے مکلف بالشرع بھی بنایا گیا، شریعت کا پابند کیا گیا اور مخلوقات میں انسانوں اور جنات کے علاوہ کسی اور کو مکلف نہیں بنایا گیا ہے وہ صرف اس فطری ہدایت کے اوپر عمل کر رہی ہیں جو اللہ تبارک وتعالی کے

جانب سے اس کے اندر پوشیدہ رکھ دی گئی ہیں۔

آپ اندازہ فرمائیں! کسی ایک مخلوق کو دیکھیں تو حیرت واستعجاب میں ڈوب جائیں گے جانور اپنی ضرورت کے مطابق اپنی غذا حاصل کرتے ہیں، پرندے پرواز کر کے روزی حاصل کرتے ہیں۔ جانور اپنی غذا کو پہچانتا ہے۔ کون بتاتا ہے کہ سبزہ زار میں کون سی غذا اس کے لیے مفید ہے اور کون سی غذا مفید نہیں ہے۔ آپ کسی سبزہ زار میں جا کر چھوڑ دیں جانور کو تو صرف اسی گھاس کو کھائے گا جو اس کی غذا ہے، ہر ایک پر منہ نہیں مارے گا پھول بھی ہوں گے، کلیاں بھی ہوں گی مگر جانور جانتا ہے کہ ہماری غذا کہاں ہے اور ہماری فطرت میں کس چیز کے لیے ہدایت رکھی گئی ہے کہ اسے ہم اپنی خوراک بنائیں۔ یہ شعور کس نے بخشا ہے؟، یہ وہ نظام ہدایت ہے جو انسان کی فطرت کے اندر اور کائنات کی فطرت کے اندر پوشیدہ کر دیا گیا ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ دریا کی مچھلیاں ہیں پانی کی اندر اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور پھر صرف اپنی غذا ہی نہیں حاصل کرتی بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پانی کی سطح پر انڈے سے نکلے ہوئے ننھے ننھے مچھلیوں کے بچے تیر رہے ہوتے ہیں ہزاروں کی تعداد میں اور ایک مچھلی ہوتی ہے جو ماں ہوتی ہے جو باضابطہ ان کی نگرانی کر رہی ہوتی ہے۔ آپ ایک پتھر پھینکیں تو مچھلی غائب ہو جائے گی تو مچھلی کے سارے بچے بھی اس کے ساتھ غائب ہو جائیں گے اور پھر دوسرے مقام پر ابھر آئیں گے اور وہ اس وقت تک پالتی رہتی ہے جب تک یہ ننھے ننھے بچے خود موجوں کا مقابلہ کر کے دریاؤں سے اپنی غذا حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ یہ صلاحیت کس نے بخشی ہے اور ممتا کا بھرپور جذبہ اس ننھی سی مچھلی کے اندر کس نے رکھا ہے جو اپنے بچوں کی پرورش کرنے کے لیے یہ انتظام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

آپ ذرا دیکھیں اور غور کریں! تو آپ کو ہر چیز میں ایک نظام نظر آئے گا پرندہ ہے

انڈے سے بچہ نکلتا ہے اور وہ پرندہ اس بچہ کے منہ میں انڈا ڈالتی رہتی ہے، اس کی حفاظت کرتی رہتی ہے جب تک کہ وہ خود پرواز کرنے اور غذا حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔

اپنے گھروں میں آپ نے مرغیوں کو دیکھا ہوگا یورپ اور امریکہ وغیرہ میں تو نہیں پالی جاتی ہیں لیکن ہم لوگ جہاں سے آئے ہیں وہاں تقریباً ہر گھر میں مرغیاں ہوتی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا مرغی کو کہ ایک مرغی ہے اس کے درجن بچے ہیں اس کے ارد گرد موجود ہیں اچانک کسی چیل نے حملہ کیا تو وہ بچے اس کے پروں میں چھپ جاتے ہیں اور اگر کسی چیل نے کسی بچے کو اٹھا لیا تو مرغی پرواز تو نہیں کرتی لیکن کئی کئی فٹ چیختی ہوئی اپنے بچوں کو چھڑانے کے لیے پرواز کرتی ہوئی نظر آتی ہے یہ ممتا، یہ بے پناہ جذبہ کس نے پیدا کیا یہ وہی فطری ہدایت ہے جس کے بارے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

جس نے صحیح اندازہ مقرر فرمایا اور اس نے ہدایت دی۔

حضرات گرامی! اسی طریقہ سے آپ ملاحظہ فرمائیں ایک چھوٹا سا دانہ آپ نے زمین کے سینہ میں ڈالا جو دانہ بظاہر زندہ نظر نہیں آتا ہے اور زمین کا نمک نہ جانے کتنے ہی بڑے بڑے فراعنہ کی ہڈیوں کو نگل لیتا ہے مگر وہ اس دانہ کی پرورش کرتا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد اسی دانہ سے ایک ننھی سی کونپل نکلتی ہے اور جیسے ہی وہ ننھی سی کونپل سر اٹھاتی ہے پورا نظام فطرت اس کی پرورش میں لگ جاتا ہے، سورج اسے دودھ پلاتا ہے، نسیم سحر اسے جھولا جھلاتی ہے اور بادل اسے غذا بھی فراہم کرتا ہے اور اگر بارش ہو تو اسے غسل بھی کراتا ہے یہ سارا نظام اسی قَدَّرَ فَهَدٰى کی تفسیر ہے جو آپ کائنات کے اندر دیکھتے ہیں۔ اور جیسے ہی پودا ذرا بڑا ہوتا ہے تو مٹی ایک ہے، پانی ایک ہے، بیج ایک ہے لیکن پھول طرح طرح کے نکلتے ہیں یہ رنگ و بو کی دنیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق کے مظاہر میں سے ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہ، لاشریک لہ، گوید
(جو گھاس بھی زمین سے اُگتی ہے
کہتی ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں)
برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقش دفتریست معرفت کردگار

آپ اندازہ کریں کہ پھل اور پھول اپنے اپنے موسموں کے مطابق پھلتے اور پھولتے ہیں اور پروان چڑھتے ہیں۔ یہ موسموں کا شعور پھلوں، پھولوں اور درختوں کے اندر کس نے پیدا کیا ہے؟ کون ہے جو موسم بہار میں گلستاں کو لالہ زار بنا دیتا ہے، پھول کھلتے ہیں، درخت سبزہ زار ہو جاتے ہیں؟ اور کون ہے جو موسم خزاں میں ان کی رونقیں سلب کر لیتا ہے؟ بلکہ یہ خود ہو جاتے ہیں اس لیے کہ یہ ہدایت ہے فطری طور پہ جو ان کے اندر رکھی گئی ہے۔

جہاں بارش ہوئی، جہاں موسم بہار آیا تمام سوکھے پودے زندہ ہو جاتے ہیں، بہار آجاتی ہے۔ اور جیسے ہی موسم گزرا پھر وہ سوکھ جاتے ہیں لیکن پھر جب موسم آتا ہے تو یہی عالم ہوتا ہے ان کا۔ یہ شعور اور یہ صلاحیت پودوں کے اندر کس نے عطا فرمائی ہے؟ کون ہے جو ننھی سی کونپل کو تناور درخت بناتا ہے؟ اور اس میں ہزاروں پھل اور پھول نمودار ہوتے ہیں اپنے اپنے وقت پر اور اپنے اپنے موسم پر۔

حضرات گرامی! اگر آپ لفظ فھدی پہ غور کریں تو کائنات کی ہر شئی میں رب اعلی کی ہدایت کارفرما نظر آئے گی جسے تکوینی ہدایت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی مزید اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ○ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ○

(سورۃ الاعلی، الایات:5/4)

وہی پروردگار عالم ہے جس نے چارہ پیدا کیا اور تازہ اور شاداب گھاس کو خشک اور سیاہی مائل کر دیا اس نے۔

ایک زمانے تک چراہ گاہ میں گھانس شاداب رہی اور پھر جب موسم گزر گیا تو وہ خشک ہوگئی اور سیاہی مائل ہوگئی پھر آپ نے دیکھا کہ جب بھی موسم بہار دوبارہ آیا تو وہی گھاس، وہی گیاہ خشک دوبارہ شاداب ہو جاتی ہے یہ اللہ کی قدرت کی واضح نشانیاں ہیں۔

اللہ رب العزت اپنے حبیب کو مخاطب فرما رہا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی ○ (سورۃ الاعلی، الایۃ:6)

ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ اسے فراموش نہیں فرمائیں گے۔
آپ اسے بھولیں گے نہیں جو ہم آپ کو پڑھائیں گے۔

ذرا سوچئے! معلم کون ہے؟ پروردگار عالم، تلمیذ کون ہے؟ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم براہ راست مبدا فیاض سے، اپنے رب کی بارگاہ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

آپ اندازہ کریں! یہ علم جو اللہ تبارک وتعالی نے انہیں عطا فرمایا ہے انسانوں کی ہدایت کے لیے، قرآن عظیم عطا کیا گیا، ایک مقدس کتاب دی گئی تاکہ انسان اس کے ذریعہ سے اس نظام زندگی اور نظام حیات کو سمجھ سکے، جان سکے اور اس پر عمل کر سکے جو اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

جو مخلوقات ذوی العقول نہیں تھیں، جو مخلوقات اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے دنیا میں پروان چڑھ رہی تھیں ان کو تو تکوینی اور فطری ہدایت سے نوازا گیا لیکن انسان چونکہ اشرف

المخلوقات ہے، عقل وشعور سے نوازا گیا ہے اس لیے اسے قرآن عظیم عطا فرمایا گیا ہے لیکن قرآن عظیم بھی سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کے ذریعہ نوازا گیا اس اہتمام کے ساتھ کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کلام الٰہی میں نہ کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی تغیر ہوسکتا ہے، ایک مکمل نظام زندگی ہے جو قیامت تک کہ تمام انسانوں کے لیے عطا فرمایا گیا ہے اپنے حبیب کے ذریعہ سے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ پڑھانے والا ہے اور سرور کائنات پڑھنے والے ہیں۔

ہاں عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ یہ آیت کریمہ آپ کی نبوت کی شہادت دے رہی ہے اس لیے کہ آپ امی ہیں مگر آپ کا معلم پروردگار عالم ہے۔ آپ نے کسی درسگاہ میں جا کر تعلیم حاصل نہیں کی کسی ہیومن ایجنسی کے ذریعہ سے آپ کو علم نہیں ملا بلکہ آپ کو علم دینے والا معلم حقیقی، پروردگار عالم ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

(سورۃ الرحمن، الایات: 1-4)

رحمن ہے جس نے قرآن سکھایا ہے، انسان کامل سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا کیا، اور انہیں بیان کی تعلیم دی۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ○ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○

(سورۃ النساء، الایۃ: 113)

آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا گیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے پناہ فضل ہے۔

اس طرح کی آیات مبارکہ اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو علم ہے علم لدنی ہے، براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے سرکار کو عطا فرمایا گیا

ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی یا کمی کی گنجائش نہیں ہوسکتی اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پڑھایا ہے یہ ہوسکتا ہے کہ دنیا یہ شبہ کرتی کہ ٹھیک ہے قرآن پاک ایک ضخیم کتاب ہے اور وہ اترتی رہی ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ فراموش کر دیا ہو، کوئی بات ذہن پاک سے اتر گئی ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقدس پیغام آپ بندوں تک نہ پہنچا سکے ہوں اس شبہ کا ازالہ فرمانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ کبھی نہیں بھولیں گے۔

اور یہی وجہ ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو آیتیں اترتی تھیں فورا ہی آپ کے حافظہ میں محفوظ ہو جایا کرتی تھی۔ کبھی بھی کوشش کر کے انہیں یاد نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ قرآن عظیم کی پوری آیات آپ کے پیغمبرانہ حافظہ میں محفوظ ہو جایا کرتی تھی اور صرف قرآن عظیم ہی نہیں قرآن عظیم کے مضامین، قرآن عظیم کے مفاہیم، قرآن عظیم کی تفاسیر، قرآن عظیم کے تمام مطالب یہ بھی اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کے ذہن مبارک میں منتقل کر دیا اور پھر آپ نے صحابۂ کرام کو وہ علم دیا جس کے ذریعہ سے قرآن پاک کی تفاسیر آج ہمارے سامنے ہیں۔

اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا، قیامت تک کے لیے نبی ہیں اور ساری کائنات کے لیے اس لیے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود پڑھایا اور اس طور پہ کہ آپ فراموش نہ کریں۔

حضرات گرامی! اور انبیائے کرام کو صحیفے دیے گئے اور لوگوں نے فراموش کر دیا مگر آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو قرآن عظیم عطا فرمایا گیا اس میں عالم یہ ہے کہ خود رسول پاک بھی نہ بھولیں اور رسول پاک کی امت عہد صحابہ سے لے کر قیامت تک

لاکھوں افراد ایسے ہوں جو قرآن پاک کو محفوظ رکھیں، حافظ ہو جائیں اور کبھی فراموش نہ کریں۔

سنو! اس دنیا میں آپ کو انجیل کا حافظ نہیں ملے گا، زبور کا حافظ نہیں ملے گا حتی کہ اگر آپ پاپائے اعظم سے بھی پوچھیں تو وہ بھی عہد نامہ، عتیق قدیم وجدید کو نہیں سنا سکتا ہے، نہ اس نے یاد کیا ہے اسے مگر قرآن پاک کا معاملہ یہ ہے کہ فَلَا تَنْسٰی کی برکتیں امت تک جب منتقل ہوئیں تو آٹھ دس سال کا بچہ بھی قرآن پاک کو اپنے سینہ کے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ اور یہ حیرت انگیز اعجاز ہے قرآن عظیم کا اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا تھا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (سورۃ الحجر، الایۃ:9)

ہم نے قرآن پاک کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہے۔

إِنَّا ہم نَحْنُ یقیناً ہم ہی نے، نَزَّلْنَا باب تنزیل سے، الذِّكْرَ معرفہ قرآن عظیم، وَإِنَّا اور ہم لَهُ بلا شبہ اس کو، لَحٰفِظُونَ یقیناً حفاظت کرنے والے ہے۔ اور حافظون کا کنایہ بتا رہا ہے کہ حفاظ کے ذریعہ سے حفاظت کرنے والے ہے۔ اور کتابیں باضابطہ تختیوں پر لکھی گئی، چھال پہ لکھی گئیں، پتھروں پہ لکھی گئیں اور مٹا دی گئیں مگر قرآن عظیم روز اول سے لوگوں کے دلوں میں لکھا جاتا رہا اور جب تک ایک بھی حافظ موجود رہے گا تب تک قرآن محفوظ رہے گا۔

کفار نے کوشش کی ستر ستر حفاظ کو ایک ساتھ شہید کر دیا دھوکہ سے بلا کر کے مگر آج بھی قرآن پاک لاکھوں افراد کے سینہ میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اس لیے کہ اس کے بعد کوئی اور کتاب آنے والی نہیں ہے اور پیغمبر اعظم کو جو کچھ پڑھایا گیا خود اللہ تبارک وتعالی نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا کہ آپ پڑھیں گے اور کبھی فراموش نہ کریں گے۔

اس لیے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ شبہ نہ ہو کہ جو کتاب دی گئی ہے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہے یا کوئی بات ایسی ہوگی جو شاید امت تک نہ پہنچ سکی ہو پھر یہی نہیں باضابطہ حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتاب مقدس عطا کی گئی، اللہ تبارک وتعالی نے پڑھایا بلکہ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ (سورۃ الشرح:الایۃ:1)

کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟

سینہ کھول دینے سے مراد کہ قرآن پاک کو محفوظ کرنے کے لیے آپ کے سینہ پاک کو کشادگی عطا فرمائی گئی اور وہ سارے علوم ومعارف جو قرآن پاک سے متعلق ہیں وہ آپ کے سینۂ اطہر میں منتقل کر دیے گئے۔

ہم آپ کو خود قرآن پڑھائیں گے جو تمام علوم اولین وآخرین کا جامع ہے اور کائنات کی کوئی شئ رطب ویابس کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے اندر موجود نہ ہو۔ معلم حقیقی خدائے عزوجل نے قرآن پاک کی تعلیمات کو ہر نقص وعیب سے پاک کرنے کے لیے خود پڑھانے کا ذمہ لیا اور سینہ اطہر میں محفوظ کرنے کا بھی ذمہ لیا۔

اللہ تبارک وتعالی بے عیب ہے، قرآن پاک بھی بے عیب اور خود اس کا رسول بھی مخلوقات میں بے عیب ہے۔

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی (سورۃ الاعلی، الایۃ:7)

مگر جو اللہ چاہے بیشک وہ ہر کھلی اور چھپی بات کو جانتا ہے۔

اس اِستثناء کے بارے میں مفسرین کے مختلف اَقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اِستثناء تبرک کے لئے ہے، حقیقت میں حاصل نہیں ہوا اور جب اللہ تعالیٰ نے پڑھا دیا تو اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کوئی چیز نہیں بھولے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس استثناء سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی

اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز بھلانا چاہے تو وہ اس پر قدرت رکھتا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ" (سورۃ بنی اسرائیل:۸۶)

اور اگر ہم چاہتے تو ہم جو آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اسے لے جاتے۔

اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ (قرآنِ مجید میں سے) جو کچھ پڑھیں گے اس میں سے کچھ نہ بھولیں گے البتہ جس آیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود چاہے گا وہ آپ کو بھلا دے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ فرما دے گا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں بھولنے سے معروف معنی مراد ہوں یعنی عارضی طور پر بھول جانا، اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے حبیب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ قرآن مجید میں سے کچھ نہ بھولیں گے البتہ جو اللہ تعالیٰ خود چاہے وہ بھول جائیں گے، پھر وہ چیز ہمیشہ کے لئے بھولی نہ رہے گی بلکہ بعد میں یاد آجائے گی۔ اس معنی کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی آیت کو بھول جانے کا ذکر ہے اور ان سے یہ واضح ہوتا ہے بعض مواقع پر حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (عارضی طور پر) کچھ آیات بھولے تھے اور آپ کا یہ بھولنا امت کے بھولنے کی طرح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر، ج11ص131)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صدقہ عطا فرمائے۔ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۱۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکزِ عقیدت، آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرورِ کائنات، محمد رسول اللہ ارواحنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ وَ اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

سامعین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ○ (سورۃ الاعلیٰ، الایۃ:8)

اور ہم آپ کے لیے آسانی کا سامان فراہم کردیں گے۔

حضرات! اگر چہ شریعت اسلامیہ فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے۔ مگر جو لوگ صدیوں سے کفر و شرک کے راستے پر چل رہے تھے ان کو دین فطرت پر عمل کرنا مشکل ہو رہا تھا اس لیے اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! ہم آپ کے لیے آسانی پیدا فرمادیں گے اور ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیں گے۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ (سورۃ الأعلیٰ، الایۃ:9)

تو آپ انہیں نصیحت فرماتے رہیں اگر نصیحت فائدہ دے۔

یعنی اے محبوب! آپ ان کو نصیحت کرتے رہیں لیکن جن کے دل پتھر ہو گئے ہیں یا جن کے دلوں پے مہر لگ چکی ہے، وہ فائدہ نہ اٹھائیں گے تو آپ انہیں تبلیغ و دعوت اور نصیحت کرنے کے لیے زیادہ مشقت نہ اٹھائیں، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور ان کے قبول نہ کرنے پر آپ غمزدہ نہ ہوں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں بھی نصیحت دیں جنہیں فائدہ پہنچنے کی امید نہیں تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ○ (سورۃ الأعلیٰ، الایۃ:10)

عنقریب وہی آپ کی نصیحت کو قبول کرے گا جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا۔

نصیحت کے قبول یا عدم قبول کا دار و مدار، دل کی کیفیت پر ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا، آخرت کا یقین ہوگا اور آخرت میں حساب و کتاب کے مراحل سے گزرنے کا یقین ہوگا، وہ یقیناً نصیحت قبول کرے گا۔ بارش اس زمین کو فائدہ پہنچاتی ہے جو بنجر نہ ہو، ورنہ مردہ زمینوں پر بارش ہوتی رہتی ہے مگر وہاں سبزہ نہیں اگتا۔

حضرات! انسانی دلوں کا بھی حال یہی ہے کہ جو دل اللہ کی خشیت سے زندہ ہیں ان

پر ہدایت کی بارش نازل ہوتی ہے اور ایمان کا بیج ان کے دل میں اپنا مقام پیدا کر لیتا ہے اور پھر برگ و بار لاتا ہے اعمال صالحہ کے ذریعے سے۔ لیکن زمین اگر مردہ ہے تو ہزار بارش ہو اور بیج کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو، اس زمین سے کوئی بھی پودہ نہیں اگتا برگ و بر وہ بیج نہیں لاتا یہی حال ایمان کا ہے۔

دل اگر زندہ ہے بیج بھی اگر ایمان کا ہے جو یقیناً زندہ ہی ہوتا ہے اور موسم بھی مناسب ہے اور باران رحمت بھی ہو جائے، تو یقیناً دل کے ایمان کے اثرات برگ و بار لائیں گے اعمال صالحہ کے ذریعے سے، نیکیوں کے ذریعے سے، لیکن اگر دل زندہ نہیں ہے تو پھر کوئی بھی نصیحت کارآمد نہیں ہوتی۔

ہمیں ہے خوف دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ○ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ○

(سورۃ الأعلیٰ، الایات:12/11)

اور دور رہے گا آپ کی نصیحت سے وہ شقی القلب انسان، جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔

حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: کہ بڑی آگ سے مراد دوزخ ہے اور چھوٹی آگ وہ عذاب ہے جو بد بخت لوگوں کو، اشقیا کو اسی دنیا میں دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جہنم کے مختلف درجات اور طبقات ہیں۔ بڑی آگ سے مراد جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہے، جہاں یہ مردہ قلب، سخت دل ڈالا جائے گا جیسا کہ منافقین کے

بارے میں قرآن عظیم نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورۃ النساء،الایۃ:145)

بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں داخل کیے جائیں گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی ○ (سورۃ الاعلیٰ،الایۃ:13)

وہاں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔

اس بڑی آگ میں، جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں اس کا یہ عالم ہوگا۔

حضرات! دنیا میں موت بہت سے مصائب کا خاتمہ کر دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مصیبتوں میں مبتلا انسان بعض اوقات موت کی تمنا کرتا ہے کہ کاش! موت آجائے، لیکن جہنم کا معاملہ بڑا مختلف ہوگا، وہاں بار بار سزا دی جائے گی اور ممکن ہے کہ وقتی طور پر موت سے ہمکنار کر دیا جائے، جلا دیا جائے، مگر پھر اسے زندہ کر دیا جائے گا اور پھر سزا دی جائے گی۔

اس لیے کہ بہت سے جرائم ایسے ہیں جن کی سزا ایک بار اگر مل جائے تو وہ کافی نہیں ہے، اس لیے کہ انہوں نے لاکھوں افراد کو قتل کیا ہوگا، ہزاروں افراد پر زیادتیاں کی ہوں گی، اس لیے انہیں زندگی دے کر پھر مارا جائے گا اور پھر زندگی اور پھر ہر جرم کی الگ الگ سزا دی جائے گی اور کافر کے ساتھ تو یہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں سزا ملے گی اور بڑی دردناک سزا ہوگی لیکن وہ موت و حیات کے درمیان ہوں گے، مرنا چاہیں گے مر نہ سکیں گے اور زندگی بھی ان کے لیے عذاب جان ہوگی۔ یہ بڑی دردناک کیفیت کی طرف اشارہ ہے، کچھ لوگ اس دنیا میں غموں سے گھبرا کر موت کی تمنا کرتے ہیں اور بعض اوقات خودکشی بھی کر لیتے ہیں یا یہ تصور کرتے ہیں کہ موت ان کے غموں کا خاتمہ کر دے گی، مگر وہاں یہ حال ہوگا کہ

غم سے گھبرا کے وہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اللہ تبارک وتعالیٰ ان اشقیا جن کے دل پر آقائے دو جہاں، نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ و السلام کے وعظ و نصیحت کا بھی اثر نہیں ہوتا، ان کی دعوت کو بھی قبول نہیں کرتے، ان کے انجام کی اطلاع دینے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرما رہا ہے جو کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی ○ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی (سورۃ الأعلیٰ،الایات:15/14)

بے شک وہ فلاح یافتہ ہوا، کامیاب ہوگیا، جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اپنے رب کو یاد کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا، اپنے رب کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

حضرات! تزکیہ دراصل ایمان کا حاصل اور کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلم اور مزکی دونوں بنا کر بھیجا گیا۔

وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ (سورۃ الأعلیٰ،الایۃ:)

پیغمبر اعظم، سرورِ کائنات، محمد رسول اللہ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں گے اور ان کا تزکیہ فرمائیں گے۔ کتاب و حکمت کے ذریعے ذہنوں کو سنواریں گے اور تزکیہ نفس کے ذریعے دلوں کو پاک فرمائیں گے۔

اعمال صالحہ کے لیے ضروری ہے کہ تزکیہ نفس حاصل کیا جائے، نفس کو پاک کیا جائے، تزکیہ کا تعلق دل سے ہے اور دل حکمراں ہے۔ اعضا اور جوارح تو محض غلاموں کی طرح قلب کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اس لیے دل کا صاف ہونا اور دل کا پاک ہونا بے پناہ ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمامی انبیائے کرام نے تزکیہ قلب پر زور دیا ہے اور جملہ مصلحین

امت اور اولیاے کرام کا بھی معمول یہی رہا ہے کہ وہ تزکیہ نفس پر زور دیتے رہے ہیں تا کہ انسان کی مکمل اصلاح ہو سکے اور حضور سید عالم، سرور کائنات کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں میں سے یہ دو بڑی ذمہ داریاں تھیں قرآن پاک کی تعلیم دینا اور تزکیہ نفس فرمانا۔

حضرات گرامی! دل کا معاملہ یہ ہے کہ دل اگر پاک وصاف نہیں ہے اور نفس اگر برائیوں سے آلودہ ہے، تو انسان کبھی بھی اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کا حامل نہیں ہو سکتا۔ آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلشَّیْطَانُ یَجْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ

(مسند احمد، مسند النساء، حدیث صفیة أم المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہا)

شیطان جسم انسانی میں اس طرح دوڑتا ہے جیسے خون دوڑتا ہے۔

اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دل مرکز حیات جسمانی بھی ہے اور منبع حیات روحانی بھی ہے۔ جس طرح سے دل خون پمپ کرتا ہے اور پورے جسم کو زندہ رکھتا ہے، توانائیاں دیتا ہے، اگر دل یہ کام بند کر دے تو انسان زندہ نہیں رہتا۔ اسی طریقے سے دل ہی اعمال صالحہ کو پورے وجود میں منتقل کرتا ہے۔ ہاتھ، پیر، آنکھ اور کان اور زبان اور چل پھر کے جو بھی نیک کام کیے جاتے ہیں، وہ دل کی حکمرانی کے تحت ہی کیے جاتے ہیں۔ دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے نیک کام کی اور انسان پھر نیک کام کرتا ہے۔ لیکن اگر دل میں خواہش پیدا نہ ہو، دل پاک وصاف نہ ہو، دل سیاہ ہو چکا ہو، تو پھر انسان نیکیوں کی طرف مائل نہیں ہوتا ہے اور نہ وہ ہدایت قبول کرتا ہے۔

اس لیے دل کا تزکیہ بے پناہ ضروری ہے اور کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جو دل کا تزکیہ کر لیتے ہیں، جو دل کو پاک وصاف رکھتے ہیں۔ آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام نے

یہ فرمایا کہ: شیطان جسم انسانی میں اس طرح دوڑتا ہے جس طرح خون دوڑتا ہے۔ اگر شیطان کا کنٹرول دل پر ہو جائے تو پھر وہ خون کی طرح سے تمام اعضا اور جوارح پر حکمرانی کرتا ہے۔

لیکن اگر دل پاک وصاف ہو اور شیطان کا کنٹرول نہ ہو، تو پھر انسان اپنے دل کی نیکی کے ذریعے سے، اور دل کی پاکیزگی کے ذریعے سے، جسے ہم نفس کہتے ہیں، ہمیشہ نیک کام کرتا ہے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس لیے تزکیہ قلب بے پناہ ضروری ہے۔ آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام ایک غزوے سے واپس آرہے ہیں کامیابی حاصل کرنے کے بعد صحابہ کرام بے پناہ خوش ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ

(شرح الزرقانی علی المؤطا کتاب قصر الصلاۃ فی السفر باب انتظار الصلاۃ والمشی إلیہا)

ہم لوٹ رہے ہیں چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف۔

صحابہ کرام کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ، اب کون سا جہاد ہمارے سامنے ہے؟ اللہ نے تمام جنگوں میں فتوحات عطا فرمائی ہیں۔ تو آقائے دو جہاں نے مزید وضاحت کے لیے کہا: ایک جہاد وہ تھا جس کو تم نے دشمنوں کے ساتھ جنگ کر کے کامیابی حاصل کر لی یہ تھوڑی دیر کے لیے تھا، لیکن ایک جہاد اپنے نفس کے ساتھ ہے جو ہمیشہ کرنا پڑے گا۔ یہ مسلسل جاری رہے گا یہاں تک کہ اس جہاد کے ذریعے سے تم اپنے نفس پر قابو پالو، اور نفس کی بد عنوانیوں سے بچ جاؤ، اور نفس کے شر سے تم اپنے وجود کو پاک کر لو اور یہی تزکیہ نفس ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے اللہ تعالی کے ایک ہونے کی شہادت دی اور اس بات کی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں یعنی اللہ کی توحید کی شہادت دی اور میری رسالت کی گواہی دی، وہ فلاح

پا گیا۔تو یہاں قَدْ اَفْلَحَ سے مراد کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا بھی ہے اور جب انسان اخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت کا اقرار کرے گا تو اسے تزکیۂ نفس خود بخود حاصل ہو جائے گا۔اس لیے کہ کلمہ شہادت دراصل صرف خدا و رسول کو ماننے کا نام نہیں ہے بلکہ کلمۂ شہادت دراصل ایک پورے نظام زندگی اور آئینۂ حیات کے لیے وفاداری کا عہد ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

تو جب انسان کلمہ شہادت پڑھے گا دل سے،تو پھر وہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے گا۔تمام برائیوں سے خود بخود بچنے کی کوشش کرے گا اور اس کا نفس پاک ہو جائے گا۔

نفس کی تین قسمیں کی گئی ہیں۔(۱)نفس امارہ (۲)نفس لوامہ اور (۳)نفس مطمئنہ

(۱)نفس امارہ:وہ جو پاک نہیں ہے،جس کا تزکیہ نہیں ہوسکا یا تزکیہ قبول نہیں کیا۔یہ ہمیشہ برائیوں کا حکم دیتا ہے اور بہت زیادہ حکم دینے والا ہے۔

(۲)نفس لوامہ:وہ نفس ہے جو برائیوں سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اور پاک رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ان دونوں میں جنگ رہتی ہے۔

ایک حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پہ ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے،اگر وہ توبہ کرلے تو وہ سیاہ نقطہ دھل جاتا ہے،اس کا نفس پاک ہو جاتا ہے۔لیکن اگر وہ مسلسل گناہ کرتا رہے اور توبہ نہ کرے تو نقطہ پھیل کر پورے دل پر مکمل طور پے چھا جاتا ہے اور پھر اس کے لیے قبول حق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔لیکن اگر اس نے نفس لوامہ کی بات سنی جب بھی انسان گناہ کرنا چاہتا ہے تو اندر ایک قوت منع کرتی ہے۔مت کرو برا کام ہے،اللہ ناراض ہوگا۔اگر وہ باز آگیا تو نفس امارہ ختم ہوتا ہے۔

(۳)نفس مطمئنہ:اور نفس لوامہ تزکیہ کے مراحل طے کر کے نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اور جب،نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے تو انسان فلاح کی تمام منزلیں طے کر لیتا ہے۔

اور قرآن ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (سورۃ الفجر،الایات:27-30)

یہی نفس مطمئنہ،اولیاے کرام کو حاصل ہوتا ہے اور اہل ایمان کو،جن کے بارے میں قرآن نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(سورۃ یونس،الایۃ:10)

جسے تزکیۂ نفس کی بنیاد پر نفس مطمئنہ میسر آجائے اسے نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ غم ہوتا ہے۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ پانچ نمازوں کی حفاظت تزکیۂ نفس کے لیے بہت ضروری ہے اور فلاح کی ضمانت یہ ہے کہ انسان پانچوں نمازوں کی حفاظت کرے۔مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے۔بہترین اوقات کا انتخاب کرے نماز پڑھنے کے لیے،جماعتوں کا التزام کرے،مقیم ہو تو اس کی تکبیر اولی بھی نہ چھوٹنے پائے،اور انتہائی اہتمام کے ساتھ نماز کے لیے خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہو اور ہمیشہ اس کی پابندی کرے تو وہ فلاح پا جائے گا۔

ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:کہ صدقۂ فطر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ (سورۃ الأعلی،الایۃ:10)

تو یہاں پر تزکّٰی سے مراد صدقۂ فطر ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ (سورۃ الأعلی، الایۃ:16)

بلکہ اے لوگو! تم ہمیشہ دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

یہ دنیاوی زندگی جو وقتی اور لمحاتی ہے، چند دنوں کی ہے، تم اسی کو ترجیح دیتے ہو اور ہمیشہ جب آخرت اور دنیا کا معاملہ آتا ہے، تو یہ دیکھتے ہو کہ دنیا میں کیا فائدہ ہے؟ تم عاجل فائدے کو آجل کے اوپر مقدم رکھتے ہو، جو جلدی حاصل ہونے والا ہو۔ تم لذت امروز کو اللہ کے وعدۂ فردا پر جس سے بڑا وعدہ کوئی نہیں ہوسکتا، اس پر قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا تمہیں حقیقی نجات اور فلاح سے دور رکھتی ہے۔ مگر ایک مومن ہمیشہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بہت سی تفصیلات موجود ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ○ (سورۃ الأعلی، الایۃ:17)

یہ دنیاوی زندگی تو فانی زندگی ہے، مٹنے والی زندگی ہے۔ مگر آخرت بہتر زندگی دینے والی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ○

(سورۃ الأعلی، الایات:19/18)

اور بلاشبہ یہی احکامات، یہی فرامین مقدسہ، گذشتہ صحیفوں میں بھی ہیں جو انبیاے کرام پر نازل کیے گئے جناب ابراہیم علیہ السلام پر اور جناب موسیٰ علیہم السلام پر۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

خطاب نمبر (۱۱۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ○
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ، حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذر صلوۃ وسلام پیش کرلیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَ اٰلِهِ الْكِرَام اَجْمَعِيْنَ

حضرات! آج سورۃ الغاشیہ کے مضامین کو پیش کرنے شرف حاصل کروں گا۔

سورۃ الغاشیہ مکیہ ہے، اس میں 26 آیات اور ایک رکوع ہے۔ اس سورت میں بھی سورۃ الاعلی کی طرح سے دوزخیوں کی کیفیات اور ان کے خصائل مذمومہ کا ذکر کیا گیا ہے اور

پھر جہنم میں ان پر ہونے والے عذاب کا ذکر ہے، جس کے تصور ہی سے انسان لرزہ براندام ہوجاتا ہے۔ پھر اہل ایمان پر اللہ کی نوازشوں کا اور انعامات کا ذکر ہے۔

قریش کو خصوصا اور جملہ اہل دنیا کو عموما دعوت دی گئی ہے کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ایمان لا کر حقیقی فلاح ونجات کے مستحق ہوجائیں۔ اس سورت میں توحید باری تعالی کا ذکر ہے اور حقائق کونیہ کا ذکر فرما کر خدا کی قدرت پہ استدال کیا گیا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:1)

بے شک اے محبوب! تمہارے پاس اس مصیبت کی خبر آگئی ہے جو چھا جانے والی ہے۔

غاشیہ سے مراد روز قیامت ہے، جو مصیبت قیامت کے دن بپا ہوگی وہ تمام بلندیوں اور پستیوں پے چھا جائے گی اور ہر ہر شی کو اپنے ہولناکیوں کے احاطے میں لے لے گی اور کوئی شی بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ (الا ماشاء اللہ)

قرآن پاک میں سورہ عنکبوت میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ (سورۃ العنکبوت،الایۃ:55)

جس روز ان کو عذاب ڈھانک لے گا۔

سورہ یوسف میں فرمایا گیا ہے:

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ (سورۃ یوسف،الایۃ:107)

کیا وہ محفوظ و مامون ہوگئے ہیں کہ ان کے اوپر ڈھک دینے والا عذاب اللہ کی طرف سے نازل ہو۔

آخرت میں کفار کے چہروں کو خاص طور پر عذاب کا نشانہ بنایا جائے گا، اس لیے کہ وہ دنیا میں خوف الہی سے بے نیاز رہتے تھے اور خدا کی بارگاہ میں جھکنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:2)

اس روز بہت سے چہرے ذلیل اور رسوا ہوجائیں گے۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:3)

کام کرنے اور مشقت جھیلنے والے۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو صراط مستقیم اور اسلام سے منحرف ہوکر، ادیان باطلہ کی پیروی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں انتہائی مصیبتیں اٹھاتے ہیں، رہبانیت اختیار کرتے ہیں، جوگی بن کر انتہائی مشقت کی زندگی گزارتے ہیں، شادی بیاہ سے بے نیاز ہوتے ہیں، فاقہ کشی کرتے ہیں، نفس کشی کرتے ہیں، جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں مگر دین حق کے بغیر یہ ساری نفس کشی اور ساری مشقتیں بے کار ہوجائیں گی۔

یا پھر عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ○ سے وہ دنیادار مراد ہیں جو دنیا کے حصول کے لیے انتہائی مشقتیں اٹھاتے ہیں مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:4)

داخل ہوں گے وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

انہوں نے دنیا میں دین کا زبانی اقرار کیا جو منافقین ہیں، لیکن جہاد کے لیے صحراؤں میں سفر کرنے اور گرمیوں کی شدت برداشت کرنے کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ ہم جہاد میں نہیں جائیں گے اس لیے کہ شدید گرمی ہے۔

اس مقام پر اللہ نے ارشاد فرمایا تھا:

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا (سورۃ التوبۃ،الایۃ:81)

اے پیغمبر! فرمادیجیے کہ جہنم کی آگ اس دنیاوی گرمی سے بہت زیادہ سخت ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو رمضان وغیرہ کی زحمتیں برداشت نہیں کرتے تھے۔اس لیے انہیں دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:5)

تو انہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا۔

یعنی جب دہکتی ہوئی آگ میں انہیں ڈالا جائے گا وہ بہت شدید پیاس کے عالم میں پانی طلب کریں گے۔ یا اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ پکاریں گے چیخیں گے۔تو انہیں یہ پانی دیا جائے گا۔اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کے لیے فرمایا گیا ہے: جو حرام مشروبات سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں، شراب نوشی کرتے رہتے ہیں۔ماہِ رمضان میں بھی روزہ نہ رکھ کر پانی اور دوسرے مشروبات کو پیتے رہتے ہیں یا سونے اور چاندی کے برتنوں میں وہ پانی اور دوسرے مشروبات کو پیتے ہیں، تکبر کی بنیاد پر یا نمائش دولت کی بنیاد پہ۔دنیا میں اللہ کے احکام کی کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:5)

انہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا۔

مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ کے بارے میں مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس چشمے کا ایک قطرہ پہاڑ پر ڈال دیا جائے تو پہاڑ پگھل جائے۔کفار پابند سلاسل ہوں گے، زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور شدت پیاس سے زبانیں باہر آرہی ہوں گی اس وقت انہیں اس کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا۔یہ تو ان کے پینے کا عالم ہے۔

لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ○ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ○

(سورۃ الغاشیۃ،الایات:7/6)

انہیں کوئی کھانا نہیں دیا جائے گا، مگر خار دار اور خشک اور لوہے کی طرح سخت درخت سے، جو انہیں فربہ کر سکے گا اور نہ ہی اس پانی سے ان کی پیاس جائے گی اور بھوک کی شدت سے انہیں نگلنے کی کوشش کریں گے تو ان کی آنتیں کٹ جائیں گی اور پھر برابر ہو جائیں گی اور بھوک کی شدت سے الجوع الجوع اور پیاس کی شدت سے العطش العطش پکار رہے ہوں گے اور کراہ رہے ہوں گے۔

یہ تذکرہ تھا ان لوگوں کا جو بغاوت کرنے والے ہیں دین متین سے اور جنت اور جہنم پر یقین نہیں کرنے والے ہیں اور دنیا میں نفس پروری کرنے والے ہیں، قانون فطرت سے اور قانون خدا سے بغاوت کرنے والے ہیں، ان کے بارے میں یہ ساری تفصیلات تھیں۔

اب آئیے اسی سورت طیبہ میں اہل ایمان اور وفاداران مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سماعت فرمائیں۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:8)

اور اہل ایمان کے چہرے انتہائی شاداب اور چین کے آئینہ دار ہوں گے۔

سورت المطففین میں فرمایا گیا ہے:

تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ○ (سورۃ المطففین،الایۃ:24)

آپ ان کے چہروں پر اللہ کی نعمتوں کی شادابی دیکھیں گے۔

لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:9)

وہ اپنی کوششوں اور محنتوں پر خوش ہوں گے۔

یعنی دنیا میں انہوں نے دین کے راستے میں جو تکالیف برداشت کی، حرام چیزوں سے پرہیز کیا، حلال روزی پے قناعت کی اور اللہ کا شکر ادا کیا اور دینی اعتبار سے جو ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئی تھی انہوں نے بخوبی انجام دیا، اب جنت میں اللہ کے انعامات کو پا کر وہ راضی ہوں گے اور بے پناہ خوش ہوں گے۔

فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ○ (سورۃ الغاشیۃ، الایۃ:10)

وہ بلند و بالا، عظیم الشان جنتوں میں ہوں گے اور باغات میں ہوں گے۔

لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ○ (سورۃ الغاشیۃ، الایۃ:11)

وہاں کوئی لغو اور ناپسندیدہ بات اور بیہودہ بات نہ سنیں گے۔

دنیا میں انہیں دین کے راستے میں بہت سے ناگوار جملے برداشت کرنے پڑے کافروں کے طعنوں نے اور الزام تراشیوں نے ان کے دلوں کو بارہا چھلنی کیا، اب جنت میں ان کا استقبال ہوگا کہ وہاں کوئی ناپسندیدہ بات بھی ان کی سماعتوں کو متاثر نہ کر سکے گی۔

فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ ○ (سورۃ الغاشیۃ، الایۃ:12)

اس میں ایک چشمہ جاری ہوگا، جس سے وہ سیراب کیے جائیں گے۔

اس کی تفصیلات بھی احادیث مبارکہ میں اور تفاسیر میں موجود ہے۔

فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ ○ وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ ○ وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ ○ وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ ○ (سورۃ الغاشیۃ، الایات:13-16)

وہاں وہ اونچے اونچے تخت ان کے لیے بچھے ہوئے ہوں گے جس پے وہ بیٹھے ہوں گے اور سلیقہ کے ساتھ رکھے ہوئے جام موجود ہوں گے اور برابر سے بچھے ہوئے قالین اور چاندنی کے نرم فرش ہوں گے، جس پر وہ انتہائی آرام و استراحت کے ساتھ بیٹھے ہوں گے

اور زندگی گزار رہے ہوں گے۔

اللہ رب العزت نے جہنمیوں کے عذاب اور اہل جنت کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد، آسمان اور زمین اور دنیا کے بعض مخلوقات اور ان کے فوائد کا ذکر فرما کر اپنے بندوں کو اپنی قدرت کاملہ کا یقین عطا فرمایا۔ جو خالق کائنات ان تمام عظیم الشان چیزوں کا خالق ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بھی عطا فرمائے گا اور جنت کی نعمتوں سے بھی نوازے گا، اس پر مکمل قدرت رکھتا ہے اور جو اللہ کی قدرت پر یقین نہیں کرتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، خدا کو نہیں مانتے ہیں ان کو جہنم میں داخل کرے گا۔

اب آگے سماعت فرمائیے۔

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ○ (سورۃ الغاشیۃ، الایۃ:17)

تو کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا بنایا گیا ہے۔

دنیا میں یوں تو بہت سے عجیب الخلقت جانور ہیں، مگر قرآن عظیم صرف ان مخلوقات کو بطور مثال پیش فرماتا ہے جو بالکل سامنے ہوں اور جن کی تلاش میں جنگل میں نہ جانا پڑے اور جو ان کی زندگی کے شب و روز میں داخل ہوں۔

ان میں اونٹ ہے جو سب سے نمایاں اور عجیب الخلقت جانور ہے۔ جو صحرا کا جہاز ہے۔ باربردار ہے۔ انتہائی وفادار ہے۔ ایک بچہ بھی اس کی نکیل تھام کر صحراؤں کا سفر کر سکتا ہے۔ وہ ایسی جڑی بوٹیوں سے پیٹ بھرتا ہے جسے دوسرے جانور نہیں کھاتے۔ ببول کے درخت کے پتے کھاتا ہے جو صرف صحراؤں ہی میں ہوتا ہے، وہ اس کی خوراک ہے یہ درخت اور اس کی پتیاں بڑی مرغوب غذا ہیں۔

صحرا میں پانی اکثر نایاب ہوتا ہے یا کمیاب ہوتا ہے اس لیے وہ دس دس دن کا پانی

اپنے شکم میں ذخیرہ کرلیتا ہے اور ایک طویل سفر کے لیے خود بھی تیار رہتا ہے اور اپنے سواروں کو بھی پہنچا دیتا ہے۔اونٹ بیٹھ کر اپنے سوار کو پشت پر بیٹھا لیتا ہے۔اس کی گردن لمبی ہوتی ہے تاکہ وہ اونچے درختوں کی پتیوں سے شکم پری کرسکے۔اس کے پیروں میں نرمی ہوتی ہے، جیسے کوئی گدیلہ لگایا گیا ہو۔تاکہ وہ صحرا میں سفر کرسکے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے عجائب ہیں۔اس کا جسم سواری کے لیے، دودھ اور گوشت غذا کے لیے فراہم کیا جاتا ہے۔

حضرات گرامی! ایسے موقع پر مجھے ایک بڑا خوب صورت واقعہ یاد آرہا ہے الجامعہ الاشرفیہ کے، فلسفے کے استاذ، علامہ ظفر ادیبی صاحب جو بہت خوش مزاج بھی تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ سیدی حافظ ملت علیہ الرحمہ کو جو شیخ الحدیث ہیں انہیں مسکرانے کے لیے سامان فراہم کریں۔انہوں نے ایک لمبے قد کے نوجوان کو جو بیچارہ کسی دیہات سے آیا ہوا تھا، پوچھا کہ تم نے اونٹ دیکھا ہے؟ تو اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا ذرا اس آئینے میں جاکے دیکھو وہ گیا اتنا سادہ تھا وہ بیچارہ اور واپس آیا کیا تم نے اونٹ دیکھا؟ تو کہا: کہ نہیں حضور وہاں تو میں ہی نظر آتا ہوں۔تو اس نوجوان کو لے کر علامہ ظفر ادیبی صاحب حافظ ملت کے پاس پہنچے اور کہا: حضور اس نے اونٹ نہیں دیکھا ہے۔سبحان اللہ مزاح کو کس قدر علمی بنا دیا انہوں نے سر اٹھایا اور فرمایا ظفر صاحب! آپ بھی اونٹ دیکھیے آپ نے بھی نہیں دیکھا ہے۔کیا آپ نے قرآن عظیم کی آیت شریفہ نہیں پڑھی ہے؟

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:17)

کیا یہ اونٹ کو غور سے نہیں دیکھتے کہ اس کی تخلیق کس عجیب طریقے سے ہوئی ہے۔

قرآن یہ بات ان لوگوں سے فرمارہا ہے جو اونٹوں میں رہتے تھے، اونٹ ان کی سب سے قیمتی متاع تھا۔ان سے فرمارہا ہے کہ اونٹ کو دیکھیں۔یہاں سے یہ باتیں ختم کردی

جائیں کیونکہ اونٹ کی گفتگو میں حافظ ملت کا تذکرہ درست ہیں۔

آئیے اب اگلی آیات کا ترجمہ وتشریح سن لیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ○ (سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:18)

اور آسمان کی طرف دیکھو کس طرح بلند کیا گیا ہے۔

وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ○

(سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:19)

اور پہاڑوں کو دیکھو کس طرح انہیں نصب کیا گیا ہے۔

وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ○

(سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:20)

اور زمین کو دیکھو کس طرح بچھائی گئی ہے۔

فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ○

(سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:22/21)

تو اے محبوب! آپ نصیحت فرماتے رہیں آپ کا کام نصیحت کرنا ہے آپ مُذَکِّر بنا کے بھیجے گئے ہیں یاد دہانی کراتے رہیں آپ کو ان پر مصیطر نہیں مقرر کیا گیا ہے کہ آپ انہیں مجبور کریں۔

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ○ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَکْبَرَ ○

(سورۃ الغاشیۃ،الایۃ:24/23)

ہاں جو شخص نافرمانی کرے گا، پیٹھ پھیرے گا، انحراف کرے گا اور کفر کا ارتکاب

کرے گا۔تو اللہ اسے سب سے بڑا عذاب دے گا۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اے حبیب! صلی اللہ تعالی علیک وسلم، انہیں مسلمان کر کے چھوڑنا یا مجبور کر کے مسلمان بنانا آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ پیغام پہنچانا آپ کی ذمہ داری تھی تو آپ کے سمجھانے اور نصیحت فرمانے کے بعد جو ایمان لانے سے منہ پھیرے اور کفر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں بڑا عذاب دے گا۔

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝

(سورۃ الغاشیۃ الایۃ:26/25)

بلاشبہ ان کا لوٹنا ہماری طرف ہے اور پھر یقیناً ہم ان کا حساب لیں گے۔

کیونکہ مرنے کے بعد انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے اور حشر کے میدان میں ان کا حساب بھی ہم نے ہی لینا ہے۔ یاد رہے کہ کفار کے لئے بہت سے عذاب ہیں: نزع کے وقت، قبر میں، محشر میں اور جہنم میں، ان سب میں بڑا عذاب دوزخ کا ہے، باقی اس کے مقابلے میں چھوٹے ہیں کیونکہ دوزخ کا عذاب دائمی ہے، اس میں سخت رسوائی بھی ہے، اس میں ہر طرح کا عذاب ہے کھانے، پینے، رہنے سہنے، زہریلے جانور سب کا عذاب، ان وجوہات سے اسے بڑا عذاب کہا گیا ہے۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

خطاب نمبر (۱۱۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝

وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

معزز حضرات، عزیزان گرامی، قابل احترام بزرگو اور دوستو! آج میں سورت الفجر کی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگار عالم ہمیں فہم قرآن کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن پاک کو ہمارے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے۔

حضرات گرامی! سورۃ الفجر میں تیس آیتیں اور ایک رکوع ہے۔ سورۃ الفجر میں بھی مکی آیات کی طرح سے کفار کو آخرت کے عقیدے کو سمجھنے اور جاننے کی تلقین کی گئی ہے اور بعض ظالم قومیں جیسے: عاد ثمود اور فرعون وغیرہ ہیں، جن پر عذاب نازل ہوا، ان کا ذکر کر کے اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے بھی پیغمبر اعظم علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ وہی سلوک کیا جو

ان قوموں نے اپنے انبیا کے ساتھ کیا تھا تو تم بھی عذاب الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے۔

اس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کو کشادگی میں مبتلا کرتا ہے یا تنگی میں مبتلا فرماتا ہے اور کسی انسان کے پاس دولت اور سرمایے کا ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول اور معزز ہے۔ بہت سے انسان فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے ہیں، لیکن وہ اللہ کے نزدیک بڑے محترم ہوتے ہیں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی ہے اور بے شمار لوگ دولت و سرمایے میں کھیلتے ہیں مگر خدا کی نگاہِ قدرت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے قیامت میں وہ انتہائی ذلیل ہوں گے۔

اس سورت میں بھی دوسری سورتوں کی طرح قیامت کے مناظر کو بیان فرمایا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ قیامت میں دو فرقے ہوں گے: ایک کامیاب اور خوش قسمت طبقہ ہوگا اور ایک ناکام اور سزا یافتہ طبقہ ہوگا۔

مومن اللہ کی بے شمار نعمتوں سے فیضیاب ہوں گے اور کافروں کے حق میں سوائے عذاب کے کچھ بھی نہ آئے گا۔ یہ مختصر سا تعارف تھا اس سورت کا۔ اب آئیے ہم چند آیتوں کا ترجمہ اور اس کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کریں۔

وَالْفَجْرِ ○ (سورۃ الفجر، الایۃ:1)
فجر کی قسم

وَلَيَالٍ عَشْرٍ ○ (سورۃ الفجر، الایۃ:2)
اور دس راتوں کی قسم

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ○ (سورۃ الفجر، الایۃ:3)
اور جفت اور طاق کی قسم

وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ○ (سورۃ الفجر، الایۃ:4)
اور رات کی قسم جو گزر رہی ہو۔

هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ○ (سورۃ الفجر، الایۃ:5)
بلا شبہ صاحب عقل کے لیے یہ بہت بڑی قسم ہے۔

حضرات گرامی! آج انہیں آیات مبارکہ کا کچھ مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ چوں کہ ان آیات مبارکہ کی تشریحات مفسرین کرام نے بہت فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فجر سے مراد صبح ہے۔ صبح صادق کا نمودار ہونا جب کہ رات ختم ہو جاتی ہے اور دن کا آغاز ہوتا ہے، اس وقت انسان، پرندے، جانور سبھی اپنے اپنے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ فجر کا وقت بڑا مبارک اور بہت ہی خوب صورت ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام قومیں فجر کے وقت کی قدر و قیمت سے آشنا ہے۔ ہر آدمی فجر کے وقت اپنے مقصود کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے۔ سعدی نے کہا ہے کہ:

علی الصباح چو مردم بہ کاروبار رَوند
بلا کشانِ محبّت بہ کوئے یار روند

فجر کے وقت جب لوگ اپنے کاروبار کی طرف روانہ ہوتے ہیں، اللہ کی محبت میں اسیر لوگ، اللہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ مسجدوں کو جاتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

فجر کی نماز کی بڑی تاکید ہے اور فجر کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ○ (سورۃ بنی اسرائیل، الایۃ:78)
بے شک فجر میں قرآن پاک پڑھنے پہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ گواہ بن جاتے

ہیں قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں کے لیے۔

یہ فرمایا گیا احادیث مبارکہ میں کہ تمہارے پاس رات و دن کے فرشتے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ان کا تبادلہ ہوتا ہے، ڈیوٹیز بدلتی ہیں فجر اور عصر کی نماز میں۔رات کے فرشتے فجر کی نماز میں شریک ہو کر واپس جا رہے ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے فجر کی نماز کے بعد اپنا چارج سنبھال لیتے ہیں۔

جو رات میں تمہارے ساتھ تھے وہ فجر کے وقت آسمان پے چلے جاتے ہیں اور ان کا رب یہ سوال کرتا ہے، پروردگار عالم پوچھتا ہے (حالاں کہ وہ جاننے والا ہے) اسے فرشتوں سے یا بندوں سے سوال کی حاجت نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ پوچھتا ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔

اور جب دن کے فرشتے جاتے ہیں اور ان سے سوال ہوتا ہے کہ تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟ تو وہ گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اس حال میں چھوڑا ہے تیرے بندوں کو کہ وہ نماز عصر پڑھ رہے تھے۔اس لیے فجر اور عصر کی نماز کی بڑی اہمیت ہے فجر کے لیے بھی حکم دیا گیا ہے تلاوت قرآن عظیم کا اور عبادت کا، یوں تو ساری نمازیں انتہائی اہم ہے۔

عصر کے لیے فرمایا گیا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○

(سورۃ البقرۃ،الایۃ:238)

تمام نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص نماز عصر کی اور اپنے رب کی بارگاہ میں تمام کائنات سے کٹ کے کھڑے ہوا کرو۔

بہر حال قرآن الفجر کا یہ ایک مفہوم ہے جو عام ہے۔دوسرا مفہوم یہ ہے کہ فجر سے مراد یوم نحر ہے، قربانی کی صبح، اس کی فضیلت بھی احادیث مبارکہ میں آئی ہے۔یہ ذوالحجہ کی فجر ہے کیوں کہ مناسک حج میں ایک اہم رکن قربانی بھی ہے۔اس لیے کہ اللہ نے فرمایا تھا:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○(سورۃ الصافات،الایۃ:107)

اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اُس بچے کو بچا لیا۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کی قربانی دینے کی کوشش کی، تو اللہ نے فرمایا: کہ ہم نے ان کا فدیہ ایک بڑے ذبیحہ سے کر دیا۔اس کے بعد سے لے کر آج تک قربانی کا یہ رواج امت مسلمہ میں ہے تو جس روز قربانی دی جاتی ہے، تو اس فجر سے مراد یوم نحر ہے یعنی وہ صبح جو قربانی کے دن طلوع ہوتی ہے اور لوگ قربانی دیتے ہیں۔

حضرات گرامی! تیسری توجیہ یہ ہے کہ الفجر سے مراد ذوالحجہ کی صبح ہے جب یہ مہینہ طلوع ہوتا ہے، یہ آخری مہینہ ہے سال کا اور بڑا اہم مہینہ ہے، یہ حج کا مہینہ ہے، قربانی کا مہینہ ہے، عبادات اور طاعات کا مہینہ ہے، تو اس کی جو پہلی فجر ہے یہاں وہ مراد ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دو جہاں نے ارشاد فرمایا کہ مہینوں کا سردار، ماہ رمضان ہے اور سب سے زیادہ عزت والا مہینہ ذوالحجہ ہے۔

الفجر سے مراد ماہ محرم کی صبح بھی ہے اس کی فضیلت بھی احادیث مبارکہ میں آئی ہے۔اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ماہِ محرم کی صبح، کیوں کہ وہ ہر سال کا پہلا دن ہے۔ماہِ محرم کی فضیلت میں بھی احادیث موجود ہیں۔

اور جناب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا ہے: والفجر ولیال عشر سے مراد ماہِ محرم کی پہلی فجر ہی ہے۔پہلی تاریخ کی۔ولیال عشر سے مراد مشہور

روایت کے مطابق ذوالحج کی دس دن اوران کی راتیں ہیں۔دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔اس لیے کہ ان ایام میں دنیا بھر کے مسلمان، حج پاک کی تیاری کررہے ہوتے ہیں یا حج میں مصروف ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں احادیث کی کثرت ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: کہ جن دس راتوں کی اللہ نے قسم یاد فرمائی ہے، اس سے مراد ذوالحجہ کی ہی دس راتیں ہیں۔اور جفت اور طاق سے مراد قربانی کا دن اور یوم عرفہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: کہ دس راتوں سے مراد قربانی کے مہینے کے دس دن ہیں۔اور الوتر سے یوم عرفہ مراد ہے اور الشفع سے یوم نحر مراد ہے۔

حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالی ان دس دنوں میں نیک عمل کرنا جتنا پسند کرتا ہے اور اس کے نزدیک ان دس دنوں میں نیک عمل کی جو فضیلت ہے اور کسی دن میں نہیں ہے۔

تم ان دنوں میں بکثرت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھتے رہو۔اللہ کی کبریائی اللہ کی تکبیر، اللہ کی تہلیل بیان کرتے رہو۔ان ایام میں نیک عمل کا ثواب سوگنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ ہم سب کو ان ایام میں عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان فرماتی ہیں: کہ میں نے ان دس دنوں کے علاوہ کبھی دس نفلی روزے رکھتے ہوئے آقائے دوجہاں کو مسلسل نہیں دیکھا۔یعنی آقا ان دس دنوں میں کثرت سے روزے رکھتے تھے پورے دس دن۔

بعض مفسرین کرام نے وَلَیَالٍ عَشْرٍ سے مراد محرم کے دس دن اور اس کی

فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔دس راتوں کی دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ ماہ محرم کے ابتدائی دس دن ہیں جن میں یوم عاشورہ بھی شامل ہے۔

مولائے کائنات سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسول میں آکر سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر میں رمضان کے بعد کسی مہینے میں روزہ رکھوں تو کس مہینے میں روزہ رکھوں؟ تو آقا نے فرمایا: کہ تم رمضان کے بعد اگر کسی مہینے میں روزہ رکھنا چاہتے ہو، تو محرم کے مہینے میں روزہ رکھو کیوں کہ وہ بھی اللہ کا مہینہ ہے۔

اور اس مہینے میں ایک قوم کی توبہ قبول ہوئی تھی۔اس لیے امید کی جائے گی اللہ کی رحمت سے کہ جو بھی اس ماہ مبارک میں توبہ کرے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

حضرات گرامی! اس لیے ولیال عشر سے دس راتیں یعنی محرم کی پہلی تاریخ سے لے کر دس تاریخ تک کے تمام دن اور تمام راتیں مراد ہیں۔اور عاشورہ کے روزے کے فضائل تو بہت زیادہ آئے ہیں۔اور اس دس دن اور دس راتوں میں وہ بھی شامل ہیں۔

عاشورہ کے فضائل میں آپ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالی نے تمام آسمانوں کو یوم عاشورہ میں پیدا فرمایا۔اسی طرح زمینوں کو بھی اور عرش کو یوم عاشورہ میں پیدا فرمایا۔کرسی بھی یوم عاشوہ ہی میں پیدا کی گئی۔بلند پہاڑوں کو یوم عاشورہ ہی میں تخلیق فرمایا گیا۔ستاروں کو بھی اور لوح محفوظ کے قلم کو بھی یوم عاشورہ کو پیدا کیا گیا۔جناب جبرئیل علیہ السلام سید الملائکہ ہیں، ان کو بھی یوم عاشورہ ہی میں پیدا کیا گیا۔فرشتوں کی تخلیق بھی یوم عاشورہ میں ہوئی۔آدم علیہ السلام کو یوم عاشورہ میں پیدا کیا گیا۔جناب حوا کی تخلیق جنت میں یوم عاشورہ ہی میں ہوئی، یوم عاشورہ میں آدم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے جنت میں ٹھہرایا۔جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی یوم عاشورہ میں پیدا ہوئے، یوم عاشورہ ہی میں ان کو اللہ نے نار نمرود سے نجات دی، یوم عاشورہ ہی

میں اللہ نے ان کا فدیہ قبول فرمایا قربانی کا،فرعون کو غرق کیا گیا،ادریس علیہ السلام کو یوم عاشورہ میں آسمان پے اٹھایا گیا،جناب داؤد علیہ السلام کی مغفرت یوم عاشورہ میں ہوئی۔ جناب سلیمان علیہ السلام کو یوم عاشورہ میں حکومت دی گئی۔

حضرات!اس طرح کے بہت سے فضائل یوم عاشورہ کے حوالے سے احادیث میں موجود ہیں۔آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس روز یوم عاشورہ جلوہ گر ہو تم اپنے اور اہل وعیال کی وسعت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرو اللہ وسعت عطا فرمائے گا۔ اس لیے وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے بہت سے مفسرین نے ماہ محرم کی پہلی تاریخ سے لے کر دس تاریخ تک مراد لیا ہے۔

بہت سے مفسرین نے وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے رمضان کا آخری عشرہ مراد لیا ہے۔ کیوں کہ اس کی فضیلت بے پناہ ہے۔رمضان کے آخری عشرے کے دس دنوں کے اندر لیلۃ القدر ہوتی ہے،ان طاق راتوں میں جن کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام رمضان کے آخری عشرے میں ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

حضرات گرامی! آخری عشرے میں لیلۃ القدر ہے جس کے لیے پوری سورۃ القدر قرآن پاک میں نازل فرمائی گئی۔ یہ سارے فضائل اس آخری عشرے کے ہیں۔اس لیے آخری عشرہ ہی وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے مراد ہے۔

بہر کیف قرآن پاک کے اسلوب میں ایک بات یہ بھی داخل ہے کہ کہیں کہیں نام تو موجود ہے مگر مسمی موجود نہیں ہے،کہیں صفت موجود ہے مگر موصوف موجود نہیں ہے،جس کا فلسفہ یہ ہے کہ جتنی بھی تشریحات کی جائیں اور تفسیریں کی جائیں سب اس میں شامل ہوں۔ اس لیے ماہِ رمضان کا آخری عشرہ بھی مراد ہوسکتا ہے بلکہ اب یقین کیجیے کہ یہاں،محرم کے دس

دن بھی مراد ہیں،حج کے دس ایام بھی مراد ہیں۔اور فجر سے ذوالحجہ کی فجر بھی مراد ہے اور اَلْفَجْر سے ماہِ محرم کی فجر بھی مراد ہے اور اَلْفَجْر سے یوم نحر بھی مراد ہے اور اَلْفَجْر سے تمام وہ مبارک صبحیں جو اللہ کے بندوں پہ عبادت کے ساتھ طلوع ہوتی ہے وہ سب مراد ہیں۔

اس لیے یہ آیت اپنی وسعت کے اعتبار سے بے شمار مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔قرآن پاک میں ان تمام چیزوں کا تذکرہ موجود ہے جن کے فضائل میں نے احادیث کی روشنی عرض کرنے کی کوشش کی ہے۔اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الْفَجْرِ ○ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ ○ وَّ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ ○ (سورۃ الفجر،الایات:1-3)

صبح کی قسم۔اور دس راتوں کی۔اور جفت اور طاق کی۔

یہ جفت اور طاق کیا ہے؟امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: کہ الشفع سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوا ہیں یہ دو ہیں اور الوتر سے مراد خود اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہے۔خدائے واحد نے جناب آدم اور حوا کو پیدا فرمایا تو الشفع سے مراد مخلوق ہے اور الوتر سے مراد خدائے واحد وقدوس ہے جو تنہا ہے۔

یہ بھی مفسرین نے فرمایا کہ الشفع سے مراد وہ نمازیں ہیں جو جفت ہیں جیسے فجر ہے،ظہر ہے،عصر ہے،عشاء ہے اور الوتر سے مراد وہ نمازیں ہیں جو طاق ہیں۔اللہ تعالی نے ان نمازوں کی اس لیے قسم کھائی کہ ایمان کے بعد نماز کا مرتبہ سب سے زیادہ اہم ہے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ الشفع سے مراد تمام مخلوقات الٰہیہ ہیں اس لیے کہ اللہ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ○ دنیا کی ہر چیز یا تو جوڑا جوڑا ہے یا کہیں کہیں فرد ہے۔تو الشفع سے مراد وہ ساری چیزیں ہیں جو جوڑا جوڑا ہیں اور فرد سے مراد وہ چیزیں ہیں جو تنہا ہیں۔

الشفع سے مراد جنت کے درجات ہیں، ان کی تعداد آٹھ ہیں جو جوڑا جوڑا ہیں اور الوتر سے مراد دوزخ کے طبقات ہیں جو سات ہیں۔

الشفع سے مراد دن اور رات ہیں۔ جوڑا جوڑا ہیں اور الوتر سے مراد وہ دن ہے جس کے بعد رات نہیں آنے والی ہے یعنی روز قیامت ہے۔

الشفع سے مراد وہ بارہ چشمے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بن گئے تھے اور الوتر سے مراد جناب موسیٰ علیہ السلام کو دئے گئے نو معجزات ہیں جن کا قرآن پاک میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس طرح اور بہت سی تشریحات کی گئی ہیں کہ الشفع سے مراد تیس دن کا مہینہ ہے اور الوتر سے مراد انتیس دن کا مہینہ ہے جو طاق ہوتا ہے۔

الشفع سے مراد دو ہونٹ ہیں اور الوتر سے مراد زبان ہے وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ

الشفع سے مراد دو سجدے ہیں اور الوتر سے مراد رکوع ہے جو تنہا ہے۔

حضرات! حقیقت یہ ہے کہ اگر ان تمام تشریحات کو اس آیت کے مفہوم میں داخل کریں تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ بلاشبہ یہ دو لفظ ہیں مگر اپنے مفاہیم کے اعتبار سے ہزاروں مضامین کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:

وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (سورۃ الفجر، الایۃ:4)

اور رات کی جب وہ چل پڑے۔

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ○ (سورۃ الفجر، الایۃ:5)

بے شک اس میں ارباب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے۔

ذی حجر سے کیا مراد ہے؟ یہ جاننا چاہیے؟

حجر کہتے ہیں عقل کو، اس لیے کہ عقل جو ہے انسان کو غلط اور نامناسب کام سے روکتی ہے اور حجر کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز سے روکنا اور منع کرنا۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص صاحب عقل ہوگا وہ ان مذکورہ جن کی قسمیں یاد فرمائی گئی ہیں، ان سے اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر جو دلائل دیے گئے ہیں، اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکے گا۔ یہ تمام چیزیں اللہ کی خلاقیت، اس کی قدرت، اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ اگرچہ مخلوق ہیں خدا کی مگر اللہ نے ان کی قسم یاد فرمائی ہے۔

یہ مختصر سی تشریح آج کے درس کی ہے۔ ان شاء اللہ کل مزید آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ حضرات میں تفسیر نہیں کر رہا ہوں بلکہ اپنی ناقص علمی بساط کی بنیاد پر صرف مفہوم پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ہر خطا سے بچائے اور فہم قرآن کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۱۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ○
الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ○ وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ○
وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ○ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ○ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ○
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ○ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ○

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ○ الَّتِیْ لَمْ

يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ○ وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ○ وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ○ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ○ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ○ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ○ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ○ (سورۃ الفجر، الایۃ:6-14)

کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جو اونچے ستونوں والے تھے کہ ان کے جیسا زور اور قوت والے شہروں میں پیدا نہ کیے گئے تھے۔ اور ثمود کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جنہوں نے وادی القری میں مکانات کی تعمیر کے لیے پہاڑ تراشے اور فرعون کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جو میخوں والا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی اور پھر فساد پھیلایا، تو تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک تمہارے پروردگار کی نگاہِ قدرت سے کچھ غائب نہیں ہے۔

یعنی اس کا عذاب ان ظالموں، سرکشوں کی تاک میں ہے۔ چنانچہ قوم عاد کو گرجدار تیز طوفانی آندھی سے تباہ کر دیا گیا۔

عاد کے بیٹوں میں شداد تھا، جس نے دنیا میں اقتدار کی مسند بچھائی اور خدائی کا دعوٰی کیا۔ جب اس سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ تا کہ اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے، تو اس نے کہا کہ جنت تو میں خود بنا سکتا ہوں۔

چنانچہ اس نے اپنے خیال سے جنت کی تعمیر شروع کی اپنے تمام تر وسائل استعمال کیے، جو کچھ حقیقی جنت کے بارے میں بتایا گیا تھا اسی طرح بنانے کی کوشش کی مگر کہاں جنت اور کہاں شداد کی جنت، جب اس کی جنت مکمل تعمیر ہوگئی تو انتہائی ہجوم کے ساتھ اپنی پوری قوم کے ساتھ اپنی مصنوعی جنت میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہوا اور دروازے پر قدم رکھا، تو جناب عزرائیل پہنچ گئے اور جب موت کو اپنے سامنے دیکھا، تو اس نے کہا کہ مجھے اتنی مہلت تو مل جائے کہ میں اپنی جنت میں داخل ہو جاؤں، ایک نظر دیکھ لوں، تو فرمایا گیا

فیصلہ ہوگیا ہے کہ نہیں، ظالموں کی سزا یہی ہے اور پھر اس کی جنت میں داخل ہونے سے پہلے اس کو موت نے آگھیرا اس کے بعد اس کی پوری قوم تباہ کر دی گئی۔

قوم ثمود کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ○ (سورۃ الحاقۃ الایۃ:5)

اور قوم ثمود کو ایک چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا نام ہے۔ جس نے معجزہ طلب کیا تھا۔ پہلے یہ جان لیجئے کہ اس قوم کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ لوگ پہاڑ تراش کر مکانات بناتے تھے، اوپر سے پہاڑ نظر آتا اور نیچے ان کے مکانات ہوتے، محلات ہوتے، جس میں زندگی گزارتے تھے۔

ان کا یہ خیال تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کے ان قلعوں کو تباہ نہ کر سکے گی، جو انہوں نے اپنی رہائش کے لیے پہاڑوں کے اندر، پتھروں کے اندر بنا رکھے ہیں۔ چوں کہ پہاڑوں میں رہتے تھے، پہاڑی لوگ تھے اور بڑے طاقتور تھے تو جب جناب صالح علیہ السلام نے انہیں دین کی دعوت دی تو انہوں نے معجزہ طلب کیا، کہ اگر آپ اس پہاڑ سے اونٹنی پیدا فرما دیں، اگر اونٹنی پیدا ہو جائے گی تو ہم ایمان لائیں گے۔

یاد رکھیے! جب کوئی قوم نبی سے معجزہ طلب کرتی ہے اور اس کے مطالبے پر معجزہ دکھایا جائے اور وہ قوم ایمان نہ لائے تو اس کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار آقائے دو جہاں سے معجزہ طلب کیا گیا، مگر آپ نے اختیار کے باوجود معجزہ نہیں دکھایا، اس لیے کہ اگر وہ ایمان نہ لاتے تو تباہ کر دیے جاتے۔ یہ بھی آپ کی رحمۃ اللعالمینی تھی۔

ہاں بغیر مطالبے کے آپ نے بہت سے معجزات دکھائے اور دیکھنے والے ایمان بھی لائے۔ جیسے شق القمر کا معجزہ ہے جس نے طلب کیا تھا جب وہ ایمان نہیں لایا، تو اسے بدر کے میدان میں ہلاک کر دیا گیا۔ جب پوری پوری قوم معجزہ طلب کرتی ہے اور معجزہ پیغمبر

دکھا دیتے ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتی ہے تو پوری قوم تباہ کر دی جاتی ہے۔

چنانچہ صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ طلب کیا اور آپ نے دعا کی تو پہاڑ سے اس کا سینہ چیرتے ہوئے ایک اونٹنی پیدا ہوئی جو حاملہ تھی اور اس نے بچہ بھی دیا چوں کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، اس لیے پیغمبر نے کہا تھا خبردار! اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا یہ آزاد ہوگی چراہ گاہوں میں جانے کے لیے اسے روکو گے نہیں۔

لیکن ظالم قوم نے اس کی کونچ کاٹ دی۔ تکلیفیں پہنچائیں، تو پھر اس کے بعد ان پر ایک ایسا عذاب آیا کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ پہاڑوں میں رہتے تھے ان کا خیال تھا کہ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی، مگر ایک چنگھاڑ تھی کسی فرشتے کی جس کی بنیاد پر ان کے محلات درہم برہم ہو گئے اور وہ پہاڑوں میں دفن ہو کر رہ گئے۔

حضرات! یہ عاد اور ثمود دونوں قومیں جزیرۃ العرب میں رہتی تھیں اور ان کے واقعات سے حجاز والے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی تباہی کی داستانیں بھی زبان زد تھیں اور ان کی آبادیوں کے آثار بھی دیکھ رکھے تھے، اس لیے ان قوموں کا تذکرہ مکہ والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے کیا گیا کہ دیکھو ان لوگوں نے انبیاے کرام کی باتیں نہیں مانیں تو ان کو تباہ کر دیا گیا۔ تم بھی اگر پیغمبر اعظم کی مخالفت کرو گے تو تم بھی تباہ ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد فرعون کا تذکرہ ہے۔ فرعون اگرچہ مصر کا بادشاہ تھا، مگر حجاز والوں میں اس کے غرقابی کے واقعات یہودیوں کے ذریعہ معلوم تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ شام اور مصر میں حجاز کے لوگ تجارت کرنے جاتے تھے، تو ان کے ذریعہ انہوں نے فراعنہ کے واقعات سن رکھے تھے۔ تو اس کا بھی ذکر کیا گیا کہ جب اس نے مظالم کی انتہا کر دی تو اس کی پوری قوم کو غرق آب کر دیا گیا۔

غرق ہونے سے پہلے اس نے کہا تھا: کہ ہم ایمان لائے ہارون اور موسیٰ کے رب

پر علیہما السلام۔لیکن اس وقت کا ایمان لانا قابل قبول نہیں تھا اس لیے کہ اس نے عذاب دیکھ لیا تھا۔ایمان وہی قابل قبول ہے جو غیب کی بنیاد پر ہو، پیغمبر کی بات مان کر بغیر دیکھے ہوئے جو ایمان لاتے ہیں وہی مومن ہیں۔اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ○ وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ○ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ○ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا○ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا○ (سورۃ الفجر،الایات:15-20)

پس آدمی کی کیفیت یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزمانے کے لیے عزت اور نعمت دیتا ہے، تو کہتا ہے: کہ میرے رب نے مجھے عزت دی، لیکن جب اس کے اوپر رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ہرگز ایسا نہیں ہے۔بلکہ جب تمہیں دولت ملتی ہے تو تم یتیم کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کو اس بات پر آمادہ نہیں کرتے کہ مسکین کو کھانا کھلائیں اور تم میراث کا مال سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اس میں جو دوسروں کا حق ہے وہ نہیں دیتے۔تم مال سے بے پناہ محبت کرتے ہو اسے خرچ کرنا ہی نہیں چاہتے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ مال دے کر بھی آزماتا ہے کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں؟ اور مال کس کے راستے پر خرچ کرتے ہو اللہ کی امانت ہے، اللہ دینے والا ہے، اس کے راستے پر خرچ کرتے ہو یا اس سے بغاوت کر کے اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق برائیوں کے راستے پر خرچ کرتے ہو۔

اور مال نہ دے کر بھی آزماتا ہے کہ تم اللہ سے شکوہ کرتے ہو یا صبر کرتے ہو؟ مگر کافروں کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم کو مال دیا گیا ہے، اس لیے کہ ہم اس عزت کے

مستحق ہیں اور مساکین کو نہیں دیا گیا اس لیے کہ وہ اس بات کے مستحق نہیں تھے کہ انہیں مال دیا جاتا۔قرآن پاک کی ایک آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے:

کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو مساکین پر، تو وہ کہتے ہیں: کہ ہم کیوں خرچ کریں اگر وہ اس کے مستحق تھے تو اللہ چاہتا تو وہ خود انہیں دے دیتا۔ بجائے اس کے کہ وہ مساکین کی مدد کرے وہ ان کی توہین کرتے تھے۔

حضرات گرامی! اس کے بعد اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا○ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا○ (سورۃ الفجر،الایات:22/21)

بلاشبہ جب زمین ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی جائے گی، پاش پاش کر دی جائے گی اور آپ کا رب اور فرشتے (رب سے مراد اللہ کا حکم) اور فرشتے قطار در قطار آئیں گے۔

وَ جِايْٓءَ يَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ

اور اس روز جہنم کو تمہارے قریب کر دیا جائے گا۔

يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (سورۃ الفجر،الایۃ:23)

اس روز انسان سوچے گا، اپنی غلطیوں کو یاد کرے گا، لیکن اس وقت کا سمجھنا اور جاننا فائدہ نہیں دے گا۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ○ (سورۃ الفجر،الایۃ:24)

وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اپنی زندگی میں آخرت کے لیے کچھ سودا کر لیا ہوتا۔ کچھ اعمال خیر بھیج دیے ہوتے۔ہم نے جیتے جی نیکیاں بھیجی ہوتیں۔

فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ○ (سورۃ الفجر،الایۃ:25)

تو اس روز اس کا عالم یہ ہوگا کہ اس کو جو عذاب دیا جائے گا خدا کی طرف سے اس کے

جیسا کوئی عذاب نہ دے سکے گا۔

وَّ لَا یُوْثِقُ وَ ثَاقَهٗۤ اَحَدٌ○(سورۃ الفجر،الایۃ:26)

اور جن زنجیروں میں جکڑا جائے گا اس طرح سے کوئی اور بھی جکڑنے والا نہیں ہوگا۔

دنیا اور آخرت کہیں بھی کوئی بھی تصور نہیں کرسکتا ہے۔

یہ ان کافروں کا معاملہ ہوگا جو اللہ کی نعمتوں کو غلط راستے پے خرچ کریں گے مساکین کے ساتھ توہین آمیز سلوک کریں گے، ان پر اپنا مال خرچ نہ کریں گے اور وراثت کو خود ہی ہڑپ جائیں گے، ان میں جن کا حق ہے اسے نہیں دیں گے۔

حضرات! یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ مسلمان عام طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اگر باپ مرجائے، ماں کا انتقال ہوجائے، تو اس کی جائداد کا مالک وہ تنہا ہوجاتا ہے۔ غیر مسلموں میں بڑا لڑکا مالک ہوجاتا ہے، اور مغربی تہذیب اور کلچر میں بیوی مالک ہوجاتی ہے۔

لیکن اللہ رب العزت نے وراثت میں حقوق متعین کیے ہیں ماں کا بھی حق ہے باپ کا بھی حق ہے، بھائیوں کا بھی حق ہے، بہنوں کا بھی حق ہے، بیٹے کا بھی حق ہے، بیٹی کا بھی حق ہے۔ ان سارے حقوق کو دینا بے پناہ ضروری ہے جس کا جتنا حصہ مقرر ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا، مرنے والا اگر وصیت نہیں کرتا اور مرنے کے بعد اس کی اولاد اگر صحیح تقسیم نہیں کرتی ہے تو وہ انہیں زنجیروں میں جکڑی جائے گی جس کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے۔

اسی طریقے سے اگر وہ یتیموں کے مال کو ہڑپ کرلیتا ہے، غریبوں کے مال کو کھا جاتا ہے، ان کی بے کسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو اسے بھی جہنم میں ڈالا جائے گا۔

عربوں میں یہ برائی بہت زیادہ تھی، جو قرآن پاک کے اولین مخاطب ہیں۔ یوں تو پورا عالم انسانی مخاطب ہے لیکن اولین مخاطب تو مکہ کے لوگ تھے اور عرب تھے۔ اور ان کا یہ عالم تھا کہ وہاں جائداد کی تقسیم کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔

جہاں تک یتامی کا مال ہے چوں کہ ان کے یہاں قبائلی جنگیں ہوتی تھیں اور یتیم بہت ہوتے تھے۔ عورتیں بیوہ ہوجاتی تھیں اور ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معاشرے کے طاقتور لوگ اس پر قبضہ کرلیتے تھے۔ بعض رشتے دار اپنے یتیم بھتیجوں بھانجوں کو اپنی نگرانی میں لیتے اور اس سے پہلے کہ وہ جوان ہوں، یتیمی کے مراحل سے آگے بڑھیں، ان کا سب کچھ ہڑپ کرجایا کرتے تھے۔ اس لیے قرآن پاک میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یتیموں کے مال کھانے والے دراصل اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کھاتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ○ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ○(سورۃ الفجر،الایات:27-30)

اب یہ مقام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے اللہ کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزاری۔ قیامت کا دن جو نفسی نفسی کا دن ہوگا، کوئی بھی پرسان حال نہ ہوگا کسی کا، مگر وہ لوگ جو نیکو کار ہوں گے ان پہ اللہ کی خاص رحمت ہوگی اور جہنم تو کافروں سے، ظالموں سے قریب ہوگی مگر جنت اہل ایمان کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہوگی۔ اللہ فرماتا ہے اس روز ندا دی جائے گی۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

اے مطمئن روح!

یہ ندا موت کے وقت بھی ہوگی اور حشر میں بھی ہوگی۔ موت کے وقت بھی ایک مومن سے یہ کہا جائے گا اس کی روح سے کہ اے مطمئن روح!

ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً

لوٹ جا اپنے رب کی طرف اس سے خوش ہوکر کے۔ اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔

فرمائے گا تو میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

حضرات! یہ انعام ہے ان لوگوں کا جو دنیا میں تکلیفیں اٹھا کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، بندوں کا حق ادا کرتے ہیں، اگر انہیں کہیں سے کوئی مال میسر آجاتا ہے اس میں یتیموں اور غریبوں کا حق بھی رکھتے ہیں اور وہ کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے ہیں۔ وہ حقوق اللہ بھی ادا کرتے ہیں اور حقوق العباد بھی ادا کرتے ہیں۔ ان کو اللہ نفس مطمئنہ دیتا ہے۔ دنیا میں بھی مطمئن ہوتے ہیں، اتنے مطمئن ہوتے ہیں کہ اتنا مطمئن دنیا بھر کی دولت سمیٹنے والا بھی نہیں ہوتا۔ قرآن عظیم نے فرمایا ہے ان لوگوں کے بارے میں جو دولت جمع کرتے ہیں:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ○ (سورۃ التکاثر،الایۃ:1)

تمہیں تکاثر نے غافل کر رکھا ہے۔

تکاثر ہوسِ کثرت طلبی کو کہتے ہیں۔ سو کو ہزار، ہزار کو لاکھ، لاکھ کو کروڑ، کروڑ کو ارب میں تبدیل کرنے کے لیے بے قرار رہنا، انہیں کبھی اطمینان نہیں ملتا، پہلے وہ دولت کماتے ہیں حصول اطمینان کے لیے اور جب دولت جمع ہو جاتی ہے تو اس کو بچانے کے لیے انتہائی مضطرب اور بے قرار رہتے ہیں۔

یادِ الٰہی دل میں ہوتی ہے تو دل مطمئن ہوتا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ○ (سورۃ الرعد،الایۃ:28)

آگاہ ہو جائیے کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن رہتا ہے۔

مشکلات آتی ہیں تو بھی مطمئن رہتے ہیں اور جب وقت نزع آتا ہے سفر آخرت کا، تو بھی ندا آتی ہے اے نفس مطمئنہ! لوٹ جا اپنے رب کی طرف۔

ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

خوشی کی حالت میں اور رضا یافتہ ہو کر کے۔

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ جنت تو ہمیشہ سے تیری منتظر رہی ہے میرے بندے، تو نے دنیا میں رہ کر جنت کا کام کیا ہے، دنیا کی لذتوں کو ٹھکرایا ہے، برائیوں سے بچے ہو، اپنے نفس کو دنیا میں پاک کیا ہے۔ اس لیے تمہیں دنیا میں بھی نفس مطمئنہ بخشا گیا اور اب تو اطمینان ہی اطمینان ہے۔ تم اس جنت میں داخل ہو رہے ہو جہاں اضطراب اور مشکل کا کوئی لمحہ تمہاری زندگی میں نہیں آئے گا۔

ایک اور بات سمجھ لیجیے! قرآن عظیم نے اہل اللہ کے بارے میں فرمایا ہے:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(سورۃ یونس،الایۃ:62)

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ غم ہوتا ہے۔

گذرے ہوئے حادثے کا کوئی غم نہیں ہوتا، بے نیاز ہوتے ہیں، وہ اور آنے والے حادثات کا کوئی خوف نہیں ہوتا، غم سے بھی بے نیاز ہوتے ہیں اور خوف سے بھی بے نیاز ہوتے ہیں وہ۔ یہ کون لوگ ہوتے ہیں؟

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (سورۃ یونس،الایۃ:63)

جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے۔

تو یہ کیوں بے نیاز ہوتے ہیں؟ اس لیے کہ ان کو دنیا ہی میں نفس مطمئنہ نصیب ہوتا ہے اور جس کو نفس مطمئنہ نصیب ہو جائے وہ کب حوادث روزگار سے غمزدہ ہوگا۔ پروردگار عالم ہم سب کو نفس مطمئنہ سے نوازے اور ہمارا انجام اور ہماری آخرت بخیر فرمائے۔ اور ایمان پہ خاتمہ فرمائے۔ اپنی رضا کے راستے میں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۱۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ○ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ○
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ○
وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ○ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا ○ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ○
فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ نَاقَةَ اللّٰہِ وَسُقْيٰهَا ○
فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۔ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ○
وَلَا يَخَافُ عُقْبٰىهَا ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○

حضرات! آج سورت الشمس کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ سورت الشمس مکی ہے اس میں 15 آیات ایک رکوع ہے۔ اس سورت میں اللہ

تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے بلند اور پست اشیا کی قسم یاد فرمائی ہے۔

سورج، چاند، دن، رات، آسمان، زمین، نفس انسانی کی قسم جو درست ہو، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: کہ کامیاب وہ ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام وہ ہوا جس نے اپنے نفس کو ناپاک کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قسم ثمود اور ان کی بدبختی کا اور عذاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اہل مکہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر تم نے میرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات کی نافرمانی کی تو تم پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:1)
قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی یا روشنی کی

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:2)
اور قسم ہے مہتاب کی جب وہ سورج کے غروب ہونے کے بعد آئے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:3)
اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کردے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:4)
اور رات کی قسم جو اسے پوشیدہ کردے، چھپالے۔

حضرات گرامی! اللہ رب العزت نے اپنی مخلوقات میں سے سورج کی قسم یاد فرمائی۔ سورج کا بڑا گہرا تعلق ہے پوری کائنات سے۔ خاص طور پر انسانوں کی زندگی سے۔ چوں کہ قرآن پاک کا مخاطب انسان ہے، اس لیے ان تمام حقائق کونیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو انسان کے اوپر اثر انداز ہوتے ہیں یا انسان کی خدمت میں لگے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انسان کو اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانی بہ کف آری و بہ غفلت نخوری

انہیں چیزوں میں سورج ہے، جس کی بے پناہ اہمیت ہے۔ سورج کا نور، سورج کی روشنی اندھیروں کو ختم کر دیتی ہے، سورج کی حرارت کے فوائد بے پناہ ہیں، سورج پودوں کو توانائی بخشتا ہے، موسم بہار کے آنے کا سبب بنتا ہے، غلوں کی پیداوار میں اس کا بہت اہم رول ہے، پودوں کو پروان چڑھانا، اور پودوں سے پھلوں کا، پھولوں کا، نکہتوں کا، بہاروں کا جو تعلق ہے وہ سورج کی بنیاد پر ہے۔ سورج نہ نکلے تو زمین بنجر ہو جائے اور کوئی چیز پیدا نہ ہو۔ سورج توانائی فراہم کرتا ہے ان تمام پودوں کو، ان تمام چیزوں کو، جو زمین سے متعلق ہیں اور جو انسانی زندگی کے لیے بے پناہ ضروری ہیں۔ سورج خود انسان کی صحت کے لیے بے پناہ ضروری ہے۔ سورج کے ذریعہ صبح طلوع ہوتی ہے، اور صبح اور دن کا وجود انسانوں کی زندگی کے لیے بے پناہ ضروری ہے۔

آپ تصور کریں کہ اگر رات ہی رات ہوتی تو انسانوں کا کیا حال ہوتا؟ سورج اور اس کی روشنی انسان کو اللہ تبارک وتعالی کی قدرت کاملہ کی یاد دہانی کراتے ہیں، جس نے اس عظیم مخلوق کو پیدا فرمایا اور وہ انسانوں کے لیے کتنی ہی توانائیاں اور کتنے ہی فوائد کو مہیا کرتا ہے۔ مگر یہ سورج اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ نے اس کو انسانوں کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (سورۃ ابراھیم، الایۃ:33)

اللہ نے تمہارے لیے چاند اور سورج کو مسخر کیا ہے، کام میں لگا دیا ہے، یہ خدمت گار ہیں انسانوں کے، اور انسانوں کا مقصد حیات عبادت الہی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورۃ الذریات، الایۃ:56)

انسانوں کو اللہ نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

انسانوں کی فطرت یہ رہی ہے کہ جن کو اللہ کی ہدایت میسر نہیں آئی، پیغمبران کرام کی ہدایت اور تعلیم سے آشنا نہ رہے، جنہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ کسی کی بندگی کریں تو انہوں نے ہر اس چیز کو پوجنا شروع کر دیا جس سے ان کو نفع پہنچے یا جس سے ان کو نقصان پہنچے۔ یہ دو بنیادی چیزیں رہی ہیں انسانوں میں گمراہ اور کافروں کی عبادت کیلئے، سورج دنیا کی بہت سی قوموں کا معبود رہا ہے۔ مغرب میں یونان کے دیوتاؤں میں سورج سب سے بڑا دیوتا ہے۔ ہندوستان میں آج بھی سورج کے طلوع ہوتے وقت باضابطہ اس کی ورشپ (worship) کی جاتی ہے، پانی چڑھایا جاتا ہے اس کی شعاعوں کو۔ ایسی دنیا کے بہت سے مقامات میں سورج کی پرستش ہوتی رہی ہے۔ اس کا اندازہ آپ یوں کر سکتے ہیں: کہ کرسمس منائی جاتی ہے یہ کہہ کر کہ جناب عیسی علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ 25 دسمبر کو جناب عیسی علیہ السلام کی پیدائش سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ کہیں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اصل میں یونانیوں نے، رومنس نے ہمیشہ سورج کی پرستش کی تھی اور دسمبر کے آخری ہفتے میں دن بڑھنا شروع ہوتا ہے، اس کو سورج کی بادشاہت کا آغاز سمجھا جاتا تھا، اس لیے وہ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ بعینہ اس کو قبول کر لیا ہے یونان اور روم کی روایات سے کرسچن نے اور اسے جناب عیسی علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

بہر کیف سورج معبود نہیں ہے، اللہ کی مخلوق ہے، سورج کو انسانوں کی خدمت کیلیے پیدا کیا گیا ہے البتہ حیات انسانی میں اور نباتات و حیوانات کی زندگی میں اس کی اہمیت مسلم ہے۔ اس لیے اللہ نے یاد دلایا ہے اپنے بندوں کو کہ جس سورج کی روشنی میں تم صبح کا آغاز کرتے ہو اور پورا دن حرکت و عمل کے ذریعہ اپنی زندگی کے لیے وسائل حیات تلاش کرتے

ہو وہ سورج میری مخلوق ہے اس کی روشنی بھی تمہارے فائدے کے لیے ہے۔

وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:5)

اور سوج جب ڈوبتا ہے تو اس کے بعد چاند طلوع ہوتا ہے۔

اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اور چاند جب کہ سورج کے بعد آئے۔ چاند کے بہت سے فوائد ہیں۔ رات کی تاریکی کو یہ روشنی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کا بھی بڑا گہرا اثر ہے نباتات کی رویدگی سے، اور اس کے ساتھ ساتھ چاند فروغ نظر کا سامان بھی ہے اور یہ چاند اور ستارے منزل کا پتا بھی دیتے ہیں۔ آپ اندازہ کیجیے کہ جس زمانہ میں روشنی کے یہ سارے سامان نہیں تھے جو آج ہیں، بجلی کا نظام نہیں تھا، اس زمانہ میں رات کے مسافروں کے لیے چاند کی کتنی اہمیت تھی؟ لوگ چاند کے ذریعہ اپنی منزلیں طے کرتے تھے۔

وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:3)

قسم ہے دن کی جب وہ آفتاب کو روشن کر دے۔

دن میں آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہوتا ہے اور آفتاب کی ضیا پاشی پوری کائنات کو منور کر دیتی ہے۔

وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:4)

اور رات کی قسم جب وہ سورج کو چھپالے۔

رات جب آتی ہے تو سورج پوشیدہ ہو جاتا ہے چھپ جاتا ہے۔

حضرات گرامی!

وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:5)

اور آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم۔ یہاں اللہ کی ذات کی طرف بھی

اشارہ کیا گیا ہے۔

وَ الْاَرْضِ وَ مَا طَحٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:6)

اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی قسم۔

یعنی پروردگار عالم کی جس نے آسمان کو بنایا، فرش زمین کو بچھایا۔ قرآن عظیم بھی یہی کہتا ہے کہ پہلے آسمان کی تخلیق ہوئی، پھر زمین کو پھیلایا گیا۔ اور سائنس بھی یہ کہتی ہے کہ یہ زمین و آسمان سورج سے ملے ہوئے تھے، تمام سیارگان فلک بھی، زمین بھی، پھر اچانک ایک دھماکہ ہوا جسے بگ بین کے نام سے یاد کرتے ہیں اور زمین الگ ہوگئی، پھر دوسرا دھماکہ ہوا تو سمندر الگ ہوگیا۔ یہ سائنس کا نظریہ ہے۔ جس کو یہ اتفاق کا نام دیتے ہیں ہمارے نزدیک وہ اللہ کا حکم ہے۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ○

(سورۃ النازعات، الایات:30/31)

اس نے زمین کو پھاڑ دیا تو اس سے سبزہ بھی نکالا اور پانی بھی پیدا فرمایا۔

یہ اللہ کی قدرت کے واضح مظاہرے ہیں جو انسانوں کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اللہ نے نفس انسانی کی قسم یاد فرمائی:

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:7)

قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے پروردگار کی۔

حضرات! چاند اور سورج، زمین اور آسمان یہ انسان کی خارجی زندگی کو فائدہ پہنچاتے ہیں، لیکن نفس جو ہے وہ انسان کی داخلی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نفس سے مراد انسان کا اپنا وجود ہے اور انسان کا قلب بھی ہے۔ نفس کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے نفس انسانی کو پیدا فرما کر انسان کو بہت بڑے امتحان سے دو چار کیا ہے۔ اللہ نے نفس کو پیدا فرمایا:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:8)

تو اللہ نے نفس کے اندر الہام فرما دیا، نافرمانی کو بھی اور تقوی کو بھی۔

الہام دراصل قلب کے اندر کسی چیز کے ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اللہ نے انسانی دل کے اندر نافرمانی کے جذبات بھی رکھے اور پارسائی کے بھی۔ اور پھر انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ پارسائی کا راستہ اختیار کرے اگر اللہ تبارک وتعالی کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اور آخرت کی نعمتوں سے فیضیاب ہونا چاہتا ہے۔

نفس دراصل حکمراں ہوتا ہے پورے وجود کا اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبران کرام کو اور خاص طور پر حضور سید عالم، سرور کائنات، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تزکیہ قلب اور تزکیہ نفس کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ قرآن پاک میں کتنے ہی مقامات پر نفس کو پاک رکھنے اور فسق وفجور سے بچانے کی تعلیمات عطا فرمائی گئی ہیں۔

تمامی انبیائے کرام کی تعلیمات میں نفس کی بڑی اہمیت رہی ہے اور اسلام میں تو اس کی اتنی اہمیت ہے کہ نفس کے معاملات ہی کی بنیاد پر آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔ اگر نفس نافرمانیوں کا شکار ہے، فجور کا شکار ہے تو جہنم اس کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ اور اگر نفس تقوی شعار ہے، پارسائی کے راستے پر چل رہا ہے تو اس کے لیے جنت ہے۔

حضرات گرامی! آج کے دور میں تزکیہ نفس پر زور نہیں دیا جاتا ہے۔ بعض بدعقیدہ جماعتوں نے روحانیت کے تمام معمولات کو جن کا تعلق نفس کے تزکیہ سے تھا اسے بدعت وغیرہ کا نام دے کر معاشرے سے خارج کر دیا ہے، دین سے نکال دیا ہے۔

لیکن آپ دیکھیں! چودہ سو سال کی عظیم تاریخ میں جتنے بھی اولیا اللہ گزرے ہیں، وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا تھا، اپنی روح کو ارتقا کے مراحل سے طے کیا اور خدا کے قرب سے نوازے گئے۔ نفس کے تقوی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے کامیابی کا اور اس کے لیے یقیناً محنت بھی کرنی پڑتی ہے، ضبط نفس سے کام لینا پڑتا ہے، خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے، بلکہ خواہشات کو پابند قانون الہی بنانا پڑتا ہے۔

انسان نفس پر کنٹرول کر کے تقوی کے راستے پر چل کر اپنے وجود کو اللہ کے قریب کر لیتا ہے اور وہ توانائیاں حاصل کر لیتا ہے، جن توانائیوں کا حصول کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کے نفس کے اندر فجور اور پارسائی دونوں پوشیدہ فرما دی ہیں۔ مگر ہم نے پارسائی کا راستہ دکھایا ہے اپنے بندوں کو، انبیاے کرام کے ذریعے سے، دین کے ذریعے سے اور نافرمانی سے روکنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن پاک کا نزول پیغمبران کرام کی جلوہ گری، یہ سب کے سب نفس کو فجور سے بچانے ہی کے لیے ہیں۔ اس کے باوجود اگر کسی شخص نے اپنے نفس کو گندہ کیا تو یقیناً وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔

دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں، زمین، آسمان، نباتات و جمادات، حیوانات یہ سب کے سب قانون الہی کے پابند ہیں، قانون فطرت کے پابند نہیں۔ ان کو فری ول نہیں دیا گیا ہے، مگر انسان کو عقل وشعور سے نوازا گیا ہے، اس لیے اس کو اختیار دیا گیا ہے کہ صراط مستقیم اور باطل کے راستے میں جسے چاہے وہ اختیار کر لے۔

اگر اس نے اپنے خالق، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سر جھکانے کا فیصلہ کیا، عبادت کے راستے پر چلا، اپنے پروردگار کو پہچانا، معرفت کا راستہ اختیار کیا، احسان شناسی کی بنیاد پر اپنے رب کی بارگاہ میں سربسجود رہا اور اپنے رب کے قوانین سے بغاوت نہ کی، تقوی

شعار رہا تو اللہ اسے ابدی انعامات سے نوازے گا۔

لیکن جو لوگ اللہ کی مخلوق ہو کر اللہ کو رب نہیں مانتے یا اس کے احکامات کی پیروی نہیں کرتے وہ ناشکرے ہیں، احسان فراموشی کر رہے ہیں، اس لیے انہیں ان کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ نفس کو پیدا کیا اور تقوی اور نافرمانی کے راستے بھی سامنے رکھے گئے اختیار دیا گیا۔ اس اختیار کے بعد کیا ہوا؟

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:9)

کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔

نفس کو پاک کرنے کے بعد کامیابی یقینی طور پر اسے میسر آئے گی۔

وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:10)

اور نامراد ہوا، خائب و خاسر ہوا، تباہ ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گندہ کیا۔

دَسّٰىهَا کے معنی دبانے کے بھی ہوتے ہیں جس نے اپنے نفس کو دبایا یعنی گناہوں میں اس قدر مبتلا رہا کہ اس کا نفس گناہوں کی مٹی کے اندر دب کر رہ گیا۔

اب اللہ تبارک وتعالی ایک ایسی قوم کا تذکرہ کر رہا ہے جس نے اپنے نفس کی پیروی کی، نبی سے بغاوت کی اور اللہ نے انہیں سزا دی۔ یہ قوم ثمود ہے۔

قوم ثمود ایک ایسی قوم تھی جو پہاڑوں کے اندر محلات تعمیر کرتی تھی۔ بڑا گہرا تعلق تھا محلات سے۔ ان کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ پہاڑ تراش کر کے وہ خوب صورت مکان پہاڑوں کے اندر بناتے تھے اور اپنے کو بہت طاقتور اور محفوظ تصور کرتے تھے۔ جب اللہ کے نبی جناب صالح علیہ السلام نے انہیں دعوت دی کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ جس نے تمہیں دولت، سرمایہ اور عزت اور طاقت وقوت سے نوازا ہے تو انہوں نے بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔

پھر انہوں نے یہ کہا کہ ہاں ہاں ہم ایمان لائیں گے اگر اس پہاڑ سے ایک اونٹنی پیدا ہو جائے۔ بطور معجزہ اللہ کے نبی نے دعا کی اور پہاڑ شق ہوا اور اس سے اونٹنی پیدا ہوئی اور صرف اونٹنی ہی نہیں بلکہ وہ حاملہ تھی، بچہ بھی اس نے دیا۔ چوں کہ یہ اونٹنی بغیر کسی ایسے ذریعے کے جو پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے، فطرت کے قانون کے مطابق اس سے الگ تھلگ محض معجزے کی بنیاد پر پیدا ہوئی تھی اس لیے یہ اونٹنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی انہوں نے معجزہ طلب کیا تھا نبی نے معجزہ دکھا دیا۔

اور ہوتا یہ ہے کہ جب اللہ کے پیغمبر سے معجزہ طلب کیا جائے اور وہ معجزہ دکھا دیں اور قوم اگر ایمان نہ لائے تو پوری قوم تباہ کر دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آقائے دو جہاں، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزات طلب کیے گئے اور آپ نے نہیں دکھایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ دکھا دیتے اور لوگ ایمان نہ لاتے تو قوم تباہ کر دی جاتی، ہاں بغیر طلب کیے ہوئے تو سینکڑوں معجزات ہیں آقائے دو جہاں کے اور انبیاے کرام کو معجزہ دے کر بھیجا گیا تھا، سرکار کو سرتاپا معجزہ بنا کر بھیجا گیا ہے، ان کی ہر ادا معجزہ ہے، اور انبیائے کرام کے معجزات موجود نہیں ہیں، مگر سرور کائنات کا عظیم معجزہ قرآن پاک ہمارے سامنے ہے۔

آیت کہتے ہیں قرآن پاک کے مکمل جملے کو اور آیت کہتے ہیں معجزے کو گویا ہر جملہ قرآن پاک کا، ہر آیت ایک مستقل معجزہ ہے اور قرآن عظیم کئی ہزار آیات کا مجموعہ ہے جو ہمارے پاس ہے۔ معجزہ وہی ہے جس کا جواب انسان نہ دے سکے اور قرآن پاک کی کسی بھی آیت کا جواب کبھی انسان نہ دے سکا ہے اور نہ قیامت تک دے سکے گا۔ یہ زندہ دین اور زندہ نبی کی زندہ کتاب ہے۔

بہر کیف انہوں نے معجزہ طلب کیا اور نبی نے معجزہ دکھایا اور پھر انہیں کہا گیا

خبر دار! اس اونٹنی کو تکلیف نہ پہنچانا، یہ چراہ گاہوں میں آزاد ہوگی اور اس کے لیے پانی کے لیے کنواں متعین کر دیا گیا، وہاں سے یہ سیراب ہوگی، تم اسے تکلیف نہ پہنچانا، مگر جب انسان غرور اور کبر کی دنیا میں بدبختی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو پھر کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:11)

ثمود قوم نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا سرکشی کی بنیاد پر۔

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:12)

جب سب سے شقی اور بدبخت کھڑا ہوا۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:13)

تو اللہ کے رسول نے اس قوم سے کہا: یہ اللہ کی اونٹنی ہے اور پانی کے لیے اس کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔

اسے تکلیف نہ پہنچانا۔ چوں کہ معجزہ سے پیدا ہوئی اس لیے اسے نَاقَةُ اللّٰهِ کہا گیا۔

فَكَذَّبُوْهُ۔ تو انہوں نے جھٹلایا۔

فَعَقَرُوْهَا۔ تو اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ○ (سورۃ الشمس، الایۃ:14)

تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا، ان کے بہت بڑے گناہ کی وجہ سے اور انہیں خاک میں ملا دیا پیوند خاک کر دیا۔

سورۂ شمس کی تشریح مکمل ہوئی۔

اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو اس سورت کی برکات و انوار سے مالا مال فرمائے۔ آمین

خطاب نمبر (۱۱۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ
الْكِرَامِ اَجْمَعِيْنَ

آج سورۃ اللیل کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ مجھے ہر طرح کی خطا اور غلطی سے بچالے اپنے فضل سے۔

حضرات گرامی! یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں 21 آیتیں ہیں۔

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ رؤسائے مکہ میں سے دو شخص بڑے مالدار تھے۔ ایک جناب صدیق رضی اللہ تعالی عنہ، تاجر پیشہ تھے، دولت مند تھے، انتہائی مخیر تھے، اسلام سے قبل بھی انہوں نے ہمیشہ غریبوں اور بے کسوں کی مدد کی اور کبھی بھی ان سے کوئی ایسا عمل صادر نہیں ہوا جسے انسانی شرافت کے خلاف سمجھا جائے، انتہائی عدل پسند تھے، اور انہیں مکہ

کے لوگ ان کے عدل کی بنیاد پر اپنا حکم مانتے تھے۔ایک طرح سے وہ چیف جسٹس تھے اپنے دور میں اسلام سے پہلے بھی،خود ارشاد فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ! اسلام تو میں بعد میں لایا ہوں،لیکن اسلام سے پہلے بھی کبھی میں نے بتوں کا سجدہ نہیں کیا،کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، جھوٹ سے ہمیشہ بچتا رہا،ہمیشہ سچ کی تائید کی اور سچ بولتا رہا،ظاہر ہے جس ذات گرامی کو اللہ تعالی نے رفاقت عظمی کے لیے منتخب کرلیا ہو اس کا ماضی بھی یقیناً بہت شاندار رہا ہوگا۔

دوسرا مالدار شخص جو تھا وہ امیہ ابن خلف تھا۔لیکن دونوں کی حالت بہت مختلف تھی،دونوں ایک دوسرے سے متضاد اخلاقی قدروں کے حامل تھے،جناب صدیق سرتاپا عدل وانصاف اور سچائی اور صداقت کے حامل تھے،اور امیہ ابن خلف انتہائی بدکردار،انتہائی درجے کا بخیل اور گستاخ تھا۔

حضرات! جناب صدیق کا سرمایہ مکی زندگی میں تھا،مگر ایمان لانے کے بعد انہوں نے سب کچھ نبی پاک کے قدموں میں قربان کردیا تھا،یہاں تک کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کی زندگی فقر وفاقہ کی زندگی تھی،وہاں وہ سرمایہ نہ تھا جو مکہ مکرمہ تھا،لیکن بات یہاں مکہ مکرمہ کی ہورہی ہے۔چوں کہ وہ انتہائی بخیل تھا امیہ ابن خلف،انتہائی گستاخ تھا اور جب اللہ کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ تھے اور سب سے زیادہ گستاخی کرنے والا اور دشمنی کرنے والا امیہ بن خلف تھا۔

جناب بلال حبشی رضی اللہ تعالی عنہ اس کے غلام تھے۔یہ خفیہ طور پر، خاموشی سے ایمان لاچکے تھے،بہت دنوں تک امیہ کو اس کی اطلاع نہ ملی کہ یہ پیغمبر اعظم پر ایمان لاچکے ہیں،لیکن جب اطلاع ہوئی تو وہ انتہائی غضبناک ہوا،اس کے بہت سے غلام تھے،اس نے

اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ صبح کو بلال حبشی رضی اللہ تعالی عنہ کے جسم ناز کو زخموں سے چھلنی کردیا جائے۔اور جب دھوپ تیز ہوجائے،تو دھوپ میں انہیں چت لٹا کر سر سے پیر تک گرم پتھر ان کے جسم ناز پر رکھا جائے۔اور مزید پتھروں کو گرم کرنے کے لیے ارد گرد آگ سلگادی جائے۔رات کو ایک انتہائی تنگ تاریک کوٹھری میں بند کردیا جائے اور باری باری تمام غلام ان کو کوڑوں سے ماریں۔اس کا خیال تھا کہ ظلم اور جبر سے تنگ آکر جناب بلال حبشی اسلامی دنیا سے کفر کی دنیا میں واپس آجائیں گے،مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اسلام قلب کو اطمینان اور روح کو وہ لذت عطا فرماتا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی لذت اور کوئی بھی دولت اس کی برابری نہیں کرسکتی اور کوئی بھی ظلم اسے اسلام سے پھیر نہیں سکتا ہے۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ گزر رہے تھے،آپ نے دیکھا کہ حضرت بلال حبشی کو زخمی کیا جارہا ہے اور ہر زخم کے بعد وہ احد احد کہتے ہیں۔اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔ انہوں نے خاموشی سے کہا کہ بلال اپنے اللہ کا نام دل میں لے لیا کرو۔بڑا ظلم ہورہا ہے تم پر، ہم سے دیکھا نہیں جاتا۔دو روز تک وہ دل سے اللہ اللہ کرتے رہے مگر تیسرے روز جب پھر گزرے جناب ابوبکر صدیق تو پھر دیکھا کہ انہیں ہر مرتبہ احد کہنے پر پتھروں سے اور کوڑوں سے زخمی کیا جارہا ہے۔تو یہ آپ سے دیکھا نہیں گیا اور بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آقائے دو جہاں کی بارگاہ میں یہ عرض کیا کہ بلال پر بڑا ظلم ہورہا ہے،اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کی تکلیف ناگوار ہو تو خرید لیجیے۔

آپ ان کو خریدنے کے لیے امیہ کے پاس گئے،تو آپ نے دیکھا سختیاں ہورہی ہیں اور وہ احد احد کا نعرہ لگا رہے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ دل میں اللہ کا نام لے لیا کیجیے۔تو جناب نے کہا کہ ابوبکر مجھے نہ روکیں،اپنے اللہ کے نام لینے میں جو

کیف سرمدی ہے اس کے بعد یہ ساری تکلیفیں مجھے پھول سی محسوس ہوتی ہیں۔

مگر پھر بھی جناب صدیق نے امیہ سے بات کی اور آدھا کلو سونا لے کر گئے تھے کہ یہ سونا تم لے لو اور بلال کو آزاد کر دو، لالچی تو تھا، حریص بھی تھا۔ لیکن اس نے یہ کہا کہ آپ بلال کو آزاد کرا لیجیے اور آپ کا جو رومی غلام ہے جو انتہائی صحت مند، ہنڈسم اور عرب کے مشہور غلاموں میں سے ہے اسے ہمارے حوالے کر دیجیے۔ غالباً آپ نے اسے سونا بھی دیا اور اپنا وہ غلام بھی حوالے کر دیا۔ جب آپ نے حضرت بلال حبشی کو آزاد کرایا اور لے کر بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ وسلم میں حاضر ہوئے تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ ابوبکر میں نے تم سے کہا تھا کہ بلال کو آزاد کرانے میں میرا بھی حصہ رکھنا، تم نے اکیلے انہیں آزاد کرا دیا۔ تو جناب صدیق کی آنکھوں میں آنسو تھے کہہ دیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں اور بلال سب آپ کے غلام ہی تو ہیں، میرا اپنا کیا ہے؟ یہ تھا مکی زندگی میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل۔

اب کافروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس قدر سرمایہ خرچ کر کے اور اپنا قیمتی غلام دے کے بلال آزاد کرایا، شاید جناب صدیق پر بلال کا کوئی احسان ہوگا۔ اس کے جواب میں یہ پوری سورت نازل ہوئی ہے۔

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ جو خدا اور خدا کے رسول کی تکذیب کرتا ہے اور تقوی اور دین داری سے انحراف کرتا ہے تو یقیناً اسے سزا ملے گی جب تک کہ وہ سچی توبہ نہ کر لے۔

اب آئیے مختصر سا ترجمہ پیش کروں۔

وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:1)

قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔

حضرات! رات ہو یا دن ہو، سورج ہو یا رات کی تاریکی ہو یا چاند کا طلوع ہونا ہو یہ

سب اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں۔ بندہ اگر قادر مطلق کی ان تخلیقات میں غور کرے، تو ہر آن اللہ کی بارگاہ میں سجدۂ بندگی پیش کرے گا اور اس کی حمد بیان کرے گا۔

یہ رات وہ ہے جس کی تاریکی چھا جاتی ہے، مگر تاریک چادر میں لپٹا ہوا انسان کس قدر سکون محسوس کرتا ہے اس کا اندازہ اس کو ہوگا جو دن میں مشقتیں جھیلتے ہیں روزی کمانے کے لیے، رزق حلال حاصل کرنے کے لیے اور رات کی چادر اوڑھ کر کے تاریکی میں سو کر کے، اپنے جسم کو پرسکون کر لیتے ہیں۔ قرآن عظیم خود ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ○ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○

(سورۃ النبأ، الایات:11/10)

ہم نے رات کو لباس بنایا ہے، پردہ پوش بنایا ہے اور ہم نے دن کو حصول معاش کے لیے پیدا کیا ہے۔

اللہ فرماتا ہے اور رات کی قسم جب وہ اپنا سایہ ڈالے، جب وہ چھا جائے اور رات کے بعد جو دن کی کیفیت ہوتی ہے وہ کتنی حسین ہوتی ہے۔

وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:2)

اور دن کی قسم جب روشن ہو جائے، اس کی روشنی پوری دنیا کو منور کر دے، اس کا اجالا ہر طرف پھیل جائے، رات کی تاریکیاں چھٹ جائیں، ظلمت شب کے بعد دن کا اجالا کتنا حسین ہوگا یہ رات اور دن کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھنے والوں کو محسوس ہوگا۔

حضرات! مشاہدے کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ انسان سرسری طور پر رات اور دن کو یا قدرت کے دوسرے تمام مظاہر کو دیکھ کر گزر جاتا ہے اور وہ کچھ بھی محسوس نہیں کرتا، لیکن وہ لوگ جو اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں کرنا چاہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ:

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک می گوید

رات اور دن تو بڑی نشانیاں ہیں اللہ کی ،کوئی سبزہ بھی زمین سے اگتا ہے تو اللہ کی توحید کا اعلان کرتے ہوئے اگتا ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقش دفترے است معرفت کردگار

صاحب ہوش کی نگاہ سبز درختوں کا ہر پتا معرفت الٰہی کا ایک دفتر ہے۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

کائنات کی ہر چیز میں اللہ کی نشانیاں ہیں، جو اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ ایک ہے،خلاق کائنات ہے ،رب العالمین ہے۔ رات کی تاریکی میں آرام کرنے والا دن کے اجالے میں جب بیدار ہوتا ہے،تو آرام کے بعد اس کے اعضا اور جوارح ،اس کا پورا وجود تازہ دم ہو کر کے حرکت وعمل کے لیے تیار ہوتا ہے اور میدان زندگی میں اترتا ہے اور رم حیات میں اپنے حصے کا کام کرتا ہے۔اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی (سورۃ اللیل،الایۃ:3)

اور اس خدا کی قسم جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔

آپ اندازہ فرمائیں! مرد اور عورت کی یا دنیا کی دوسری مخلوقات میں بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔توالد وتناسل کے ذریعے سے انسان بھی پھیلتا ہے زمین پر،اس رشتے کی بنیاد پر مرد اور عورت کے اور مخلوقات الٰہیہ میں ہر جاندار اپنے اپوزیٹ سیکس میں جنس مخالف سے تعلق قائم

کر کے اپنی نسل کو آگے بڑھاتا ہے۔اس لیے تخلیق بھی مرد اور عورت کی یا مذکر اور مونث کی یا نر اور مادہ کی اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے تمہاری تخلیق کی مرد وعورت سے، اللہ نے دونوں ہی کو پیدا فرمایا تھا لیکن تمہارا یہ عالم ہے کہ:

اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ○ (سورۃ اللیل،الایۃ:4)

تمہارے اعمال ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنے اعمال کو اللہ کی مرضی کے مطابق انجام دیتے ہیں،اپنی دولت کو اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں اس کی رضا حاصل کرنے اور جنت کے لئے خرچ کرتے ہیں۔اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی دی ہوئی دولت کو اس کی بغاوت کے لیے اس کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔اور جہنم کا سودا کرتے ہیں۔اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یہ دو متضاد کیفیتیں ہیں انسانوں کی زندگی میں یہ دو مختلف طبقے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ○ (سورۃ اللیل،الایۃ:5)

پس جس شخص نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور تقوی اختیار کیا۔

دکھاوے یا کسی بدلے کیلئے نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا اور احسان بھی نہیں جتایا تقوی اور پرہیز گاری کے راستے پر چلا، مال دیا اور تقوی اختیار کیا۔

وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ (سورۃ اللیل،الایۃ:6)

اور اچھے دین کی اچھی بات کی تصدیق کی۔

یعنی اسلام کی، تو اللہ فرماتا ہے اگر ایسا انسان مشکلات میں بھی ہوگا۔

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ○ (سورۃ اللیل،الایۃ:7)

تو بہت جلد ہم اس کے لیے آسانی فراہم کردیں گے دنیا میں بھی اور جنت کی نعمتوں کے ذریعے سے اس کو دائمی آسانی سے آشنا کریں گے۔

وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:8)

اور وہ جس نے اللہ کا حق ادا کرنے میں بخل کیا، کنجوسی کی، اور آخرت کے ثواب اور نعمتوں سے بے پرواہ بنا رہا۔

وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:9)

اور جس نے اچھی بات کو اچھے دین کو اسلام کو جھٹلایا۔

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:10)

تو ہم بہت جلد اس کے لیے دشواری کی جگہ ''جہنم'' مہیا کردیں گے، اس کے لیے جہنم کا راستہ آسان کردیں گے۔ اور یہ مال اور دولت جس کو ناجائز طور پے خرچ کر رہا ہے، اس پر غرور کر رہا ہے یہ مال اور دولت اس کے کام نہ آئے گی۔

وَ مَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:11)

اور اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہ پہنچائے گا جب کہ وہ دفن کردیا جائے گا، مٹی میں دبا دیا جائے گا، یا ہلاکت سے ہمکنار کیا جائے گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:12)

بلا شبہ ہمارے ذمۂ قدرت ہی میں ہدایت ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اسے ہدایت دیتے ہیں جو ہدایت چاہتا ہے۔ اور ہم بے نیاز ہیں اس سے جو ہدایت نہیں چاہتا، ہماری راہ سے انحراف کرتا ہے، ہم اسے ہدایت نہیں دیتے ہیں۔

وَ اِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَ الۡاُوۡلٰی ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:13)

بلا شبہ ہمارے ہی لئے ہے ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی، آغاز بھی اور انجام بھی۔ ہم ہی مالک ہیں ہر شی کے۔

فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ○ (سورۃ اللیل، الایۃ:14)

تو ہم نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا یا ہم ڈراتے ہیں جو شعلہ گوں ہے۔

لَا یَصۡلٰىہَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی ○ الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ○

(سورۃ اللیل، الایۃ:16/15)

اور یقیناً اس جہنم کی آگ میں نہیں جائے گا مگر وہ بد بخت اور شقی، جس نے تکذیب کی، جھٹلایا اور دین حق سے اس نے انحراف کیا، منہ پھیر لیا، پیٹھ پھیر لیا۔

یہاں تک تو دراصل امیہ ابن خلف کا کردار تھا۔

اب اس کے بعد جناب صدیق اکبر کا کردار ہے۔

وَ سَیُجَنَّبُہَا الۡاَتۡقَی ○

(سورۃ اللیل، الایۃ:17)

اور جہنم سے دور رکھا جائے گا اس کو جو اَتۡقٰی ہے انتہائی پرہیز گار ہے۔

اللہ تعالی نے صدیق اکبر کو اَتۡقٰی فرمایا ہے اور ایک معیار پہلے قائم فرمایا ہے۔

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰىکُمۡ ۔ (سورۃ الحجرات، الایۃ:13)

بے شک تم میں سب سے زیادہ مکرم، سب سے زیادہ افضل وہ ہے جو اَتۡقٰی ہے۔ تو پہلے فرمایا کہ جو اَتۡقٰی ہے وہ مکرم ہے، وہ افضل ہے۔ اور پھر جناب صدیق کو اللہ نے اَتۡقٰی قرار دیا ہے تو پتا یہ چلا کہ کائنات میں افضل بھی وہی ہیں، اکرم بھی وہی ہیں، جو اَتۡقٰی ہیں اور وہ جناب صدیق کی ذات ہے۔ اَتۡقٰی بایں طور ہے وہ کہ:

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی○(سورۃ اللیل،الایۃ:18)

جو مال کو تزکیہ نفس کے لیے، نفس کو پاک کرنے خالصًا لوجہ اللہ خرچ کرتا ہے۔

یاد رکھیں مال میں اگر غریبوں کا حق نہ ادا کیا جائے تو وہ مال پاک نہیں ہے، زکوۃ کو زکوۃ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مال کا میل ہوتا ہے اور زکوۃ نکالنے کے بعد سارا مال پاک ہو جاتا ہے اور زکوۃ نہ نکالی جائے تو سارا مال ناپاک رہتا ہے، نجس ہوتا ہے۔

تو اللہ فرماتا ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے تھے اپنے نفس کو پاک کرنے کے لیے، اپنی روحانی ارتقا کے لیے یا پھر اس مال کو پاک کریں جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔اس کے بعد اللہ کافروں کے سوال کا جواب دے رہا ہے کہ شاید جناب بلال نے ان پر کوئی احسان کیا ہوگا تب اتنا قیمتی، اتنا سرمایہ خرچ کر کے آزاد کیا ہے۔اللہ فرماتا ہے:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی○

اور ان پر کسی کا کچھ احسان نہیں تھا جس کا انہوں نے بدلہ دیا ہو۔

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی○

وہ تو صرف اپنے رب الاعلی کی رضا حاصل کر رہے تھے۔

وَلَسَوْفَ یَرْضٰی○

اور یقیناً اللہ ان سے راضی ہے اور خوش ہے۔

حضرات گرامی! یَرْضٰی کا فاعل جناب صدیق بھی ہو سکتے ہیں اور خود پروردگار عالم بھی، یعنی عنقریب صدیق اپنے رب سے راضی ہوں گے یا راضی ہے یا اللہ جناب صدیق سے راضی ہے۔رضی اللہ عنہ۔

صدق اللہ العلی العظیم

خطاب نمبر (۱۱۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

حضرات گرامی! آج میں سورۃ الضحی کی چند آیات مبارکہ کا بطورِ تعارف مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔اور ان شاء اللہ کل اس سورت کے دوسرے مضامین کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

سورۃ الضحی مکیہ ہے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں ایک رکوع اور صرف 11 آیات ہیں۔یہ سورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان و عظمت پر مشتمل ہے اور پوری سورت نعت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔پوری سورت میں آقائے دو جہاں، سرور کائنات، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل اور مناقب خود خالق کائنات نے بیان فرمائے ہیں۔جن کی وضاحت کی جائے تو ہزاروں صفحات لکھنے کے بعد بھی حق ادا نہ ہوگا،

بات دراصل یہ تھی کہ کچھ دنوں کے لیے وحی پاک کا آنا بند ہوگیا تھا، یہ ابتدائی دور تھا وحی پاک کا، وحی پاک کے نزول کے وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو مشقت ہوتی تھی ان کو، تھوڑا سا آرام دینے کے لیے اللہ نے وحی پاک کو کچھ دنوں کے لیے منقطع فرمادیا۔ کافروں نے یہ طعنہ دینا شروع کردیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدا نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں، انہیں اللہ نہیں چھوڑے گا لیکن کفار کا یہ طعنہ آپ پر بڑا گراں گزر رہا تھا اور آپ کو تکلیف دے رہا تھا۔

اللہ رب العزت نے قسم یاد فرما کر انتہائی محبت کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والوں کا جواب دیا ہے۔ کہ اے محبوب! آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے معاذ اللہ! یہ ان کا الزام تھا کہ خدا نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور خدا ان سے بیزار ہے اور بھی بہت سے طعنے دیے گئے۔

ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں پوری ایک ''سورۃ اللھب'' نازل ہوئی ہے جس میں اس کی بیوی کو ''حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ'' کہا گیا ہے۔ اس کو مشیت الٰہی نے سزا دی تھی اس لیے کہ وہ بڑی گستاخ تھی اور اس نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کہا تھا کہ محمد کے خدا نے نہیں بلکہ ان کے پاس جو شیطان آتا تھا اس نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ بہر حال، یہ باتیں بڑی تکلیف دہ تھیں اور آقائے کریم علیہ الصلوۃ و السلام غمزدہ تھے تو یہ پوری سورت نازل ہوئی جس میں آقائے دو جہاں کو تسلی دی گئی اور ان کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

اس سورت سے قبل سورۃ اللیل نازل ہوئی ہے اور یہ سورۃ الضحیٰ ہے۔ جس طرح رات کے بعد دن ہوتا ہے، اسی طرح ترتیب میں سورۃ اللیل کے بعد سورۃ الضحیٰ ہے۔ سورۃ اللیل کے

اختتام میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اَتْقٰی فرمادیا گیا تھا کہ وہ افضل ہیں اور سورۃ اللیل کے بعد سورۃ الضحیٰ مکمل فضائل مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پر مشتمل ہے۔ جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جناب صدیق اور آقائے دو جہاں کے درمیان کوئی اور شخصیت نہیں۔

حضور کے بعد آپ سب سے افضل ہیں اور ایمان لانے میں بھی اول ہیں، سفر و حضر میں ساتھ رہنے والے ہیں۔ ہجرت میں بھی ساتھ رہنے والے ہیں، میدان جہاد میں بھی آقائے دو جہاں کی معیت کا شرف انہیں ہمیشہ حاصل رہا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پے قربان ہونے کے لیے تیار رہیں، بدر و احد، خیبر و خندق میں ہر مقام پر وہ شمع مصطفیٰ کے اوپر پروانہ وار قربان ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔ آقائے دو جہاں کے وصال کے بعد آپ کو خلافت کا منصب عطا فرمایا گیا، جو اللہ کی جانب سے تھا۔ اگرچہ انتخاب آقا کے دیوانوں نے کیا تھا مگر اللہ کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کو امامت کا مصلیٰ عطا فرما کر اشارہ دے دیا تھا کہ میرے بعد افضل یہی ہوں گے۔ پھر وصال کے بعد آقائے دو جہاں کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ زندہ رہے تو یار غار بن کر اور آرام فرمایا تو یار مزار بن کر۔

اس کے بعد سورۃ الضحیٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بے پناہ انعامات کا ذکر فرمایا ہے کہ آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔ یعنی صرف حیات طیبہ ہی میں نہیں، بلکہ ظاہری حیات طیبہ کے بعد، پردہ فرما جانے کے بعد بھی آپ کے مراتب میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا ہی رہے گا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○

آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔

تمام انبیاے کرام، پوری کائنات تو اللہ کی رضا چاہتی ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ یہ چاہتا

ہے کہ خدا ان سے راضی ہو جائے، انبیاے بھی اسی زمرے میں آتے ہیں مگر تنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے کہ خدا ان کی رضا چاہتا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

اس سورت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا تو خود اپنے کرم سے نوازا اور آپ کو اپنی پناہ میں پروان چڑھایا۔

اللہ نے انہیں یتیم اس لیے بنایا تھا کہ وہ ان پر، ان کی پرورش پر باپ کا بھی احسان نہ ہو، بلکہ براہ راست اللہ رب العزت کی حفاظت میں وہ پروان چڑھیں اور ان کا ملجا اور ماوی صرف اللہ کی ذات ہو اور پھر اس لیے بھی کہ جس دور میں آپ جلوہ گر ہوئے تھے وہ دور یتیموں کی کثرت کا دور تھا، اللہ نے عبد اللہ کے در یتیم کو اس لیے پیدا فرمایا تھا کہ وہ تمام یتیموں پر اپنا دست شفقت رکھیں اور ایک ایسا نظام عطا فرمائیں کہ ان کے بعد صبح قیامت تک آنے والے مسلمان یتیموں سے محبت کریں۔ اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

اے محبوب! تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو اپنے فضل سے بے نیاز کر دیا، آپ کو کسی چیز کا احتیاج نہیں رہا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ اے محبوب! یتیم پر مہربانی کریں اور شدت نہ فرمائیں اور اپنے در کرم سے کسی سائل کو بغیر عطا کے واپس نہ فرمائیں اور اپنے رب کی نعمتوں کا خوب ذکر فرمائیں۔

یہ مختصر سا خلاصہ ہے اس سورت طیبہ کا۔ خدا کرے کہ ہمارا ذکر کرنا اور آپ کی سماعتیں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو اور سرکار دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی نگاہ کرم سے اللہ ہمیں نوازے۔

خطاب نمبر (۱۱۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا،
وَمَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ،
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَ الضُّحٰی ○ وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

حضرات گرامی! آئیے ہم اور آپ مل کر سب سے پہلے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام کا ہدیہ پیش کر لیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

وَ الضُّحٰی ○ وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ○

(سورۃ الضحی، الایات: 1-3)

چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالے۔اے محبوب! تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ تمہیں ناپسند فرمایا ہے۔

حضرات! اس سورت کی شان نزول یہ ہے کہ بعثت کے آغاز میں کچھ دنوں تک وحی پاک کا نزول ہوتا رہا اور پھر کچھ دنوں کے لیے بند ہوگیا۔آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ ایام جن کے بارے میں مشہور ہے کہ پچیس یا چالیس دن تک وحی پاک موقوف رہی، یہ ایام آقا پر بہت شاق گزرے۔اس لیے کہ وحی پاک دراصل اللہ سے شرف کلام کے مرادف ہے۔اور لذت نزول وحی سے چند دنوں کے لیے محرومی حضور کے لیے وصال کے بعد فراق کی طرح تھی۔دوسری طرف کافروں نے طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدا نے انہیں چھوڑ ادیا ہے یا وہ ان سے ناراض ہوگیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو وہ نزول وحی کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے اور دوسری طرف انقطاع وحی پر وہ طعنہ زن بھی ہوئے۔ابولہب کی بیوی نے تو شدید بدزبانی سے کام لیا، اس نے تو حد ہی کر دی۔معاذ اللہ! اس نے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رب نے نہیں بلکہ شیطان جو ان پر آتا تھا اس نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔معاذ اللہ! خیر یہ بدزبانی کا جو انجام ہوا اس کے لیے آپ سورہ لہب پڑھیں۔جس میں اسے مکمل سزا دی گئی، اسے حَمَّالَةَ الْحَطَب کے نام سے ذکر کیا گیا اور بڑی دردناک موت اس کی ہوئی۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اطمینان قلب اور تسکین خاطر کے لیے یہ پوری سورت نازل فرمائی۔

وَالضُّحٰى ○ (سورۃ الضحیٰ، الایۃ: 1)

چاشت کے وقت کی یا روز روشن کی قسم۔

چاشت کا وقت وہ ہے جب سورج بلند ہو کر اپنی تابناکی سے پوری دنیا کو منور کر دیتا ہے، اس میں دوپہر کی دھوپ کی طرح تمازت بھی نہیں ہوتی، یہی وقت تھا جب اللہ نے کلیم طور جناب موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا اور اسی وقت کلیم عرش، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وَالضُّحٰى کے ذریعے سے مخاطب فرمایا۔

وَالضُّحٰى کی بہت سی تفاسیر مفسرین نے بیان فرمائی ہیں۔وَالضُّحٰى سے مراد نور جمال مصطفی ہے اور وَاللَّيْلِ سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس گیسو ہیں۔
(تفسیر روح البیان)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ وَالضُّحٰى سے مراد حضور کی ولادت باسعادت ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے کفر کی تمام تاریکیوں کو ختم کر دیا تھا اور ایک نئی صبح طلوع ہوئی تھی، ایک روشن صبح، ایک تابناک صبح، انصاف اور عدل کی صبح، وحدانیت الٰہ کی صبح۔ایک ایسی صبح جب ظلم کا خاتمہ ہوا تھا اور برائیوں کی اندھیریاں چھٹ گئی تھیں۔

اسی لیے وَالضُّحٰى سے مراد ولادت باسعادت لیا ہے مفسرین نے۔اور ضُحًى سے مراد نور علم مصطفی ہے، ضُحٰى سے ولادت مراد لی گئی ہے اور سرور کائنات، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور علم کا بھی مراد لیا گیا ہے کہ جس کے ذریعے سے ساری کائنات منور ہونے والی تھی۔

ضُحٰى سے مراد وہ اسرار غیب بھی ہیں جو آپ پر روشن ہوئے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جملہ مغیبات کا علم عطا فرمایا، آپ کو عالم مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْن بنایا اور آپ پر وہ اسرار وحقائق روشن فرمائے جو آپ سے پہلے کسی اور پر روشن نہیں کیے گئے تھے۔

وہ سارے حجابات آپ کے سامنے اٹھا دیے گئے جو غیب کے حجابات تھے۔آپ کو ان تمام مغیبات کا مشاہدہ کرایا گیا۔صرف غیوب کو روشن ہی نہیں کیا گیا بلکہ آفتاب عالم تاب کی

طرح سے ہر چیز آپ کے سامنے واضح کر دی گئی تھی اس لیے "ضُحٰی" سے مراد اسرار غیب بھی ہیں جو آپ پر روشن ہوئے تھے۔

اور وَاللَّيْلِ سے مراد حضور کا عفو و کرم ہے، جس نے امت کے عیوب کی پردہ پوشی کی ہے۔ جس طرح رات کی چادر دنیا کو ڈھک لیتی ہے، اسی طرح سے اللہ کے رسول کے عفو و کرم کی چادر نے امت مسلمہ کی پردہ پوشی فرمائی ہے۔

ضُحٰی سے مراد حضور کی حیات ظاہری ہے جس سے دنیا واقف ہے، بے عیب حیات ان کے اخلاق فاضلہ سے، ان کے اخلاق حسنہ سے، ان کے کردار سے، ان کی صداقت سے، ان کی امانت سے، دعوائے نبوت اور اس کی صداقت سے، قرآن پاک کے نزول اور اس کی حقانیت سے۔ یہ حضور کے حیات ظاہری کے وہ ابواب ہیں جن سے دنیا واقف ہے۔ اور وَاللَّيْلِ سے مراد حضور کے وہ باطنی احوال ہیں جس کو ان کے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ اللہ نے دونوں قسم یاد فرمائی۔

یا وَالضُّحٰی سے مراد نزول وحی کا زمانہ ہے، جب آپ پر وحی پاک صبح کے طلوع ہونے کی طرح نازل ہوتی رہی اور وَاللَّيْلِ سے مراد انقطاع وحی کا زمانہ ہے کہ جب ایک محدود زمانے کے لیے وحی پاک منقطع ہوئی یہی مراد لیا ہے۔

بعض مفسرین نے وَالضُّحٰی سے مراد آپ کا یوم ولادت لیا ہے اور وَاللَّيْلِ سے مراد شب معراج ہے۔ یعنی اللہ نے جو آپ کا خالق ہے پروردگار عالم ہے اس نے آپ کے یوم ولادت کی قسم یاد فرمائی، اور شب معراج کی قسم یاد فرمائی۔

وَالضُّحٰی سے مراد آپ کی امت کی خوبیوں کا اظہار ہے اور وَاللَّيْلِ سے مراد امت کے عیوب کی پردہ پوشی ہے۔

مفسرین کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق وَالضُّحٰی اور وَاللَّيْلِ کی تفاسیر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی تفاسیر ہیں۔ دن اور رات کی قسم میں اس بات کا کنایہ ہے کہ مسلسل دن ہو تو انسان تھک جاتا ہے اس لیے رات آرام کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ○ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○

(سورۃ النبأ، الایات: 11/10)

ہم نے رات کو آرام کے لیے اور دن کو حصول معاش کے لیے بنایا ہے۔

آقائے دو جہاں ابتدائے وحی اور نزول وحی کے زمانہ میں یقینی طور پر گراں باری کو محسوس کر رہے تھے اور محسوس کیوں نہ کرتے؟ قرآن کا تو یہ عالم ہے کہ اللہ خود ارشاد فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (سورۃ الحشر، الایۃ: 21)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔

جب پہاڑ قرآن کے نزول کی تاب نہ لاسکے اور ریزہ ریزہ ہو جائے، لرزہ براندام ہو جائے تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی اس کا کچھ اثر تو ضرور ہوگا اس لئے آپ پر بھی یقیناً نزول قرآن کی کیفیت میں ابتداءً کچھ گرانی کی سی کیفیت تھی۔

جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آقا پر وحی پاک نازل ہوتی تو ہم ان کے پیشانی اطہر پر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے دیکھتے تھے جب کہ شدید سردی ہوتی تھی، تو ظاہر ہے کہ یہ عظیم کلام جو نازل ہو رہا تھا یہ تو صرف سینہ مصطفی تھا جو اس بار گراں کو اٹھا

رہا تھا۔ اسی لیے کچھ دنوں کے لیے وحی پاک منقطع کی گئی، تاکہ آپ تھوڑی سی راحت محسوس کریں اور پھر مسلسل وحی پاک کے لیے اپنے سینے اطہر کو اور خود کو تیار کرلیں۔ یہ بھی بعض مفسرین نے اس کا مفہوم متعین کیا ہے وَالضُّحٰی اور وَاللَّیۡلِ کے حوالے سے۔

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ○ (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:4)

اور آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔

آخرت سے مراد اگر آخرت کی زندگی ہے تو وہاں آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ آپ کے دست اقدس میں لواء الحمد دیا جائے گا۔ تمامی انبیائے کرام اور ساری کائنات اس کے نیچے ہوگی۔ آپ کو حوض کوثر سے نوازا جائے گا۔ آپ کو تمام انبیائے کرام پہ گواہ بنایا گیا ہے اور آپ کی امت تمام امتوں پر گواہ ہوگی۔ آپ کو منصب شفاعت عطا فرمایا جائے گا۔ آپ کی شفاعت سے آپ کی امت دیگر امتوں پر فضیلت حاصل کرے گی۔ آپ سب سے پہلے جنت میں تشریف لے جائیں گے اور آپ کی امت سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ اس کے بعد دوسرے انبیاے کرام اور ان کی امتیں داخل ہوں گی۔

اور اگر وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی سے دنیاوی زندگی مراد ہو اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں تو اس آیت کے نزول کے بعد سے لے کر قیامت تک اور پھر قیامت کے بعد بھی آقائے دو جہاں کے مراتب بڑھتے ہی رہیں گے۔ ان کے فضائل وکمالات میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

لیکن اگر فوری طور پر آیت کے نزول کے بعد دنیا کی زندگی مراد ہو اور جو مراد ہے بھی

آخرت دنیا دونوں تو پھر آپ اندازہ کیجیے کہ جس زمانہ میں یہ آیات کریمہ نازل ہو رہی ہیں وہ بعثت مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ابتدائی زمانہ ہے۔ کتنی دشمنیاں تھیں، کتنے مظالم تھے، کتنی دشواریاں تھیں، لوگوں کے ہاتھوں میں پتھر تھے اور آپ پیغام خداوندی کا پھول لوگوں تک پہنچا رہے تھے، اور زخم اٹھا رہے تھے۔ آپ کے لیے کتنی مشکلات تھیں، وحی پاک نازل ہو رہی ہے اور آپ کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ کبھی آپ کو دیوانہ کہا جا رہا ہے، کبھی مجنون کہا جا رہا ہے، کبھی ساحر کہا جا رہا ہے، کبھی شاعر کہا جا رہا ہے۔ ہر روز ایک نئے الزام سے آپ کو مخاطب کیا جا رہا ہے اور جو ایمان لاتے ہیں ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں کلام الہی کے ذریعہ آپ کو خبر دی جا رہی ہے کہ محبوب غم نہ کریں، آج یہ آپ پر، آپ کی وحی پر الزام عائد کر رہے ہیں، لیکن آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔

اور کائنات نے دیکھا اور دنیا نے مشاہدہ کیا کہ ہر لمحہ پیغمبر اعظم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعوت وتبلیغ کا بہتر سے بہتر ہوتا چلا گیا۔ اور ہجرت کے بعد تو وہ صبح انقلاب طلوع ہوئی کہ جس سے بہتر صبح کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا ہے۔

مکہ فتح ہوا، اسلام کو غلبہ حاصل ہوا، پورا جزیرۃ العرب زیر نگیں ہوا اور پھر اس کے بعد یہ دائرہ بڑھتا رہا اور قیصر وکسری کی عظیم طاقتیں پیغمبر اعظم کے نظام کے سامنے جھک گئیں۔ صحابہ کرام نے اسلام کے علم کو پوری دنیا میں بلند کیا اور اعلان نبوت کے بعد سے صرف ایک صدی کے اندر دنیا کے تین براعظموں پر اسلام ایک غالب قوت کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔

یہ بھی مراد ہے کہ آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔ یہ بھی مراد ہے کہ آپ کو علوم اولین وآخرین سے نوازا جائے گا۔ تمامی انبیاے کرام کو جو علوم دیے گئے ہیں وہ سب آپ کو دیے جائیں گے اور قیامت تک ہر شی کا علم آپ کو عطا فرمایا جائے گا۔ خود یہ کتاب جو

آپ پر نازل ہو رہی ہے اس کا بھی عالم یہ ہے کہ

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○

(سورۃ الانعام، الایۃ:59)

کائنات کا کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو اس کتاب مبین کے اندر نہ ہو۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○

(سورۃ النساء، الایۃ:113)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (سورۃ العلق، الایۃ:5)

انسان کامل کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ○ (سورۃ الاعلیٰ، الایۃ:6)

اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے۔

یہ تمام آیات مبارکہ ان علوم کی گواہ ہیں جو آقائے دو جہاں کو عطا فرمائے گئے۔ مبدأ فیاض سے اور خدا کی عطا سے ان کی ہر آنے والی گھڑی کے بہتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر دین اسلام کو مکمل کیا جائے گا۔

جناب آدم سے لے کر اسلام کا جو نظام تدریجاً آگے بڑھتا رہا اور تمامی انبیاے کرام کی تعلیمات میں اضافہ ہوتا رہا، جیسے جیسے معاشرے کی ضرورت اور تقاضے تھے قوانین نازل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ پر دین مکمل کر دیا گیا اور قیامت تک یہی دین اللہ نے پسند فرمالیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۃ المائدۃ الآیۃ:3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ پر نازل ہونے والی کتاب ہر طرح کی تحریف و تبدیل سے پاک فرما دی گئی، اور کتابیں تو بدل دی جاتی تھیں، تحریف کی جاتی تھیں، مگر آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے اس لیے کتاب مقدس جو آپ پر نازل ہو رہی ہے وہ آخری کتاب ہوگی اور کائنات کا ایک عظیم نظام زندگی ہوگا جو ہر دور کے لیے اور ہر عصر کے لیے ہوگا۔

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آپ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں اسلام دنیا میں پھیل جائے گا اور قیامت تک اقوام و ملل آپ کی نبوت پر ایمان لاتی رہیں گی، اسلام کا دائرہ پھیلتا رہے گا اور دنیا میں ہر جانب میں دعوت اسلام عام ہوگی۔

ان شاء اللہ مزید آیات مبارکہ کا مفہوم کل میں پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ ہمیں اور آپ کو فہم قرآن کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۱۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:5)

عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو باتوں سے بہت پریشان رہتے تھے۔ کافروں کو دعوت دیتے اور وہ ایمان نہ لاتے، تو آپ بہت غمزدہ ہوتے تھے اور یہ غم ہر روز، دن بہ دن

بڑھتا جارہا تھا، دعوت کے قبول نہ کرنے کی بنیاد پر آپ اپنے اللہ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے تھے۔

اور دوسری بات جو آپ کو پریشان رکھتی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کو تمام انسانوں کا بلکہ ساری کائنات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور اسلام کی اشاعت کی جو رفتار ہے مکہ مکرمہ میں وہ بڑی سست ہے، تو پھر پوری کائنات تک، پوری دنیا تک، آپ کا پیغام کیسے پہنچے گا؟

انہیں یقین تو تھا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کا منصب کسے عطا کرنا ہے؟ اس نے عطا فرمایا ہے، تو وہی راہیں بھی ہموار فرمائے گا۔ لیکن بہر کیف آپ کی دل سوزی اللہ کی نگاہ قدرت میں تھی۔ اس لیے اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○ (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:5)

آپ کو اللہ اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد امت کو جو فتوحات حاصل ہونے والی تھیں یا جو ممالک فتح کرنے تھے، اسلام جن علاقوں میں پھیلنا تھا، وہ ساری فتوحات اور وہ سارے ممالک، وہ ساری زمینیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھادی گئیں۔ جسے دیکھ کر آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے پناہ خوش ہوئے۔

آخرت میں آپ کو کیا نعمتیں دی جائیں گی جس سے آپ راضی ہوں گے؟ اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں اپنی امت کی شفاعت مسلسل کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ میرا رب مجھ سے فرمائے گا:

اَرَضِیْتَ یَامُحَمَّدُ! فَاَقُوْلُ نَعَمْ !یَارَبِّ رَضِیْتُ۔

اللہ مجھ سے پوچھے گا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم !کیا آپ راضی ہو گئے ہو؟ تو میں کہوں گا کہ ہاں اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔

امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل عراق سے فرمایا:

کہ تمہارے نزدیک سب سے امید افزاں یہ آیت شریفہ ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا

اے محبوب! میرے بندوں سے فرمادیجیے یا آپ اپنے غلاموں سے فرمادیجیے، جنہوں نے گناہوں کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے وہ بخش دے گا۔

بلا شبہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد تمام مسلمانوں کو بے پناہ خوشی ہوئی اور انہوں نے کہا کہ یہ آیت بڑی امید افزاں ہے، کہ اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے گا۔

مگر جناب امام باقر فرماتے ہیں:

کہ ہم اہل بیت کے نزدیک سب سے زیادہ امید افزاں یہ آیت شریفہ ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی○

آپ کو آپ کا پروردگار اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر امت کے حق میں دعا فرمائی اور عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ

اے اللہ! میری امت میری امت۔

اللہ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ جاؤ میرے محبوب سے پوچھو کہ رونے کا سبب کیا ہے؟ (جب کہ اللہ خود بھی سب کچھ جانتا ہے) حضرت جبرئیل حسب حکم حاضر ہوئے اور حال دریافت کیا، تو حضور نے انہیں تمام حال سنایا اور امت کے غم کا اظہار فرمایا۔ جناب جبرئیل بارگاہ الٰہی میں پہنچے اور عرض کی: تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں: (حالاں کہ اللہ خوب جانتا ہے) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا: کہ میرے حبیب سے کہو کہ ہم عنقریب آپ کی امت کے بارے میں آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ آپ کے قلب پاک پہ امت کی نجات کے حوالے سے جو بوجھ ہے وہ ہم اتار دیں گے اور ہم آپ کی امت کو بخشیں گے یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی○

آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

تو حضور نے ارشاد فرمایا: جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا میں راضی نہیں ہوں گا۔ سبحان اللہ۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

حضرات گرامی! یہاں چند باتیں اس حدیث پاک میں قابل غور ہیں، اللہ کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں دعا گو ہیں۔ دعا فرما رہے ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں اور زبان اقدس پے ہے۔

اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔

اے اللہ! میری امت میری امت۔

مبتدا تو ہے مگر خبر نہیں ہے امت کے بارے میں کیا طلب فرمارہے ہیں؟ صرف یہ کہہ رہے ہیں اے اللہ! میری امت میری امت۔ میں اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھانا چاہوں گا۔ کہ ایک ماں ہے جس کا بچہ بیمار ہے بخار ہے، سردی ہے، کھانا نہیں کھاتا ہے، روتا ہے، نیند نہیں آتی ہے، وہ ڈاکٹر سے بہت تفصیل کے ساتھ بتائے گی سارے مرض کو، ساری تکلیفوں کو، لیکن ڈاکٹر اس وقت آجائے جب بچہ موت کی ہچکیاں لے رہا ہو، موت سے قریب ہو، تو ماں تفصیل سے نہیں بتائے گی، وہ صرف یہ کہے گی ڈاکٹر میرا بچہ میرا بچہ۔

اللھم امتی امتی کا مقدس جملہ اور آقائے دو جہاں کی سجدہ ریزی بتارہی رہے کہ آپ اپنی امت کے بارے میں انتہائی غمزدہ ہیں ان کی نجات کے حوالے سے۔ اسی لیے اللہ نے جناب جبرئیل کو بھیجا جب کہ وہ جانتا ہے کہ محبوب کیوں غمزدہ ہیں کیا چاہتے ہیں؟ مگر جناب جبرئیل کو بھیجا گیا تا کہ بارگاہ رسول میں حاضر ہوں، واپس جا کر اپنے رب کی بارگاہ میں آقا کی کیفیت کا تذکرہ کریں اور پھر اللہ دوبارہ انہیں بھیجے اور اس انعام کے ساتھ کہ جا کے میرے حبیب سے کہہ دو کہ ہم عنقریب آپ کی امت کے بارے میں آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ یہ بہت بڑا انعام ہے۔

حضرات گرامی! جناب جبرئیل کو کیوں بھیجا گیا تھا؟

تو سن لیں کہ انہیں صرف اور صرف اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ جائیں، آقا کی کیفیت کو دیکھیں، بیان فرمائیں اور پھر حضور کا یہ غم امت کے حوالے سے امت مسلمہ تک پہنچے۔

حضرات گرامی! یہ دوسری روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○

تو آقا نے عرض کی: جب تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا۔ چلیے تمام امتیوں کو اس بات کا یقین تو ہوگیا کہ ہم بخشے جائیں گے۔ بلاشہ آقا کی عنایت سے ہم سب بخشے جائیں گے مگر ضروری ہے کہ آپ ثابت کریں کہ آپ امتی ہیں۔ امت کے معنی جماعت کے ہوتے ہیں۔ ہم اللہ کے رسول کی وہ جماعت ہیں جو ان پر ایمان لائی اور جماعت کے افراد اگر اپنے قائد سے بغاوت کریں، تو کبھی کبھی اسے جماعت سے نکال دیا جاتا ہے۔ خدانہ کرے کہ ہم میں کسی کا یہ حال ہو کہ امتی ہونے کے بعد بھی امتی کی سند ہم کو قیامت میں نہ ملے۔ اس لیے بہر کیف ہمیں امتی بننے کے لیے رسول پاک کا وفادار ہونا ہوگا، اپنی محبت کے اعتبار سے بھی، اپنے اعمال کے اعتبار سے بھی اور ایسا ہوا تو یقیناً اللہ تبارک وتعالی ہم پر کرم فرمائے گا اپنے حبیب کے صدقہ میں، اور ان سے جو وعدہ کیا ہے کہ ہم آپ کو تنگ دل نہیں کریں گے، آپ کو راضی کریں گے، اس میں ہم سب شامل ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ ہمیں شامل فرمادے اپنے کرم سے۔

حضرات! شفاعت تو ہوگی، ہم آپ کو راضی کریں گے، اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے، اس سے مراد آپ کو مقام محمود سے نوازا جائے گا، لواء الحمد آپ کے مقدس دست کرم میں ہوگا، حوض کوثر سے نوازا جائے گا اور پوری خدائی آدم سے لے کر کے جناب عیسی تک سب آپ کے مقدس علم حمد کے نیچے ہوں گے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

قیامت میں میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور آدم اور ان کے علاوہ جتنے بھی ہیں سب اس کے نیچے ہوں گے۔ کتنا عظیم یہ منصب ہے جو اللہ تبارک وتعالی ان کو قیامت میں عطا فرمائے گا، یہی وجہ ہے کہ جب انسان پریشان ہوں گے نجات کے لیے، حدیث پاک

بہت تفصیل ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ جناب آدم کے پاس جائیں گے مگر وہ معذرت کرلیں گے کہ مجھے تو اپنے نفس کی فکر ہے نفسی نفسی۔

جناب ابراہیم کے پاس جائیں گے، وہ بھی معذرت کرلیں گے، جناب موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ بھی معذرت کرلیں گے، جناب عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ تم محمد عربی کے پاس جاؤ اور جب قوم ان کی طرف بڑھے گی تو آپ فرمائیں گے:

اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا

جس شفاعت کی تم امید کرتے ہو یقیناً وہ شفاعت میرا ہی حصہ ہے۔ میں ہی یہ شفاعت کرنے والا ہوں۔

پھر آپ خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور فرماتے ہیں:

کہ میں سجدہ کروں گا اور اپنے رب کی ایسی تسبیح کروں گا جیسی تسبیح اولین و آخرین میں کسی نے نہ کی ہوگی اور یہ تسبیح خود میرا رب مجھے سکھائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ! اِشْفَعْ تُشَفَّعْ، سَلْ تُعْطَ

اے محمد! سر اٹھائیے، شفاعت کیجیے قبول کی جائے گی، مانگئے آپ کو دیا جائے گا۔

یہ بھی مفہوم ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کا۔

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:6)

کیا اللہ نے تمہیں یتیم نہ پایا تو جگہ دی؟ (یعنی اپنے دامن رحمت میں)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کا وصال آپ کی پیدائش سے قبل ہوگیا تھا، حضور کی والدہ کا وصال چھ سال کی عمر شریف میں ہوا اور وہ بھی اس عالم کے ساتھ کہ آپ

مدینہ طیبہ سے واپس ہو رہے تھے اور مقام ابوا میں آپ کی والدۂ محترمہ کا وصال ہوا، آپ اور آپ کے ساتھ جو عظیم خاتون تھیں، انہوں نے قبر کھودی اور اللہ کے رسول نے اپنے عظیم ماں کو خود دفن کیا۔

کیا عالم رہا ہوگا حضور کے کرب کا، حضور کے احساسات کا، افسوس کہ قبر امِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھی، مگر برا ہو بدعقیدگی کا کہ اب اس کے آثار مٹا دئے گئے ہیں۔ ابھی ماضی قریب تک لوگ حاضر ہوتے تھے۔ حضور کی والدہ کا وصال چھ سال کی عمر شریف میں ہوگیا تھا، حضور کے دادا کا وصال آٹھ سال کی عمر شریف میں ہوا تھا، اس کے بعد حضور اپنے چچا کی کفالت میں آئے اور عام الحزن میں ان کا بھی وصال ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم کیوں پیدا فرمایا؟ تاکہ آپ کی پرورش اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے سایے میں براہ راست ہو اور یہ جتنے وسائل تھے، چچا کا ہونا، والد کا ہونا، دادا کا ہونا یہ سب اللہ کی پرورش اور اللہ کی رحمت کے آثار میں سے ہے۔ حقیقتاً اللہ اپنے دامن رحمت میں آپ کو پال رہا تھا۔ آپ کی پرورش کے لیے والد موجود نہ رہے کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ والد کا ان پر احسان ہے، یا والد کا جب احترام کیا جائے جیسا کہ ہونا چاہیے جب کہ سرور کائنات، مخدوم کائنات ہیں، ساری کائنات میں سب سے افضل ہیں۔ ان کا احترام ہر ایک پر فرض ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! ان سب بزرگوں نے انتہائی محبت سے پالا، اس لیے کہ بچپن میں آپ کے معجزات خود انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اور آپ کے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر سبھی دل و جان سے آپ کی خدمت کرتے رہے، یہ پرورش بھی من جانب اللہ تھی، فَاٰوٰى کے مفہوم میں یہ پرورش بھی شامل ہے۔

حضرات! ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آپ کو یتیم پایا تو آپ کو پناہ دی اپنے دامن رحمت

میں ۔بعض اہل علم اور صوفیائے کرام نے فرمایا کہ عربوں کا قول ہے کہ جب کوئی نایاب چیز ہوتی تو کہتے ہیں دُرَّۃٌ یَتِیْم یہ نایاب موتی ہے ۔حضور سید عالم، کائنات میں ایسے نایاب ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بعد آپ جیسا کسی اور کو نہیں بنایا اور نہ آپ سے پہلے

رخ مصطفی ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

اللہ نے نبوت کا دروازہ ہی بند کر دیا وہ دکان ہی بند ہوگئی جہاں اس طرح کی متاع پائی جاسکتی ہو، آپ درِ یتیم اس لیے بھی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو نرغۂ اعدا میں بھی اپنی حفاظت میں رکھا، بالکل جیسے کسی درِ یتیم کو انتہائی حفاظت کے ساتھ رکھا جاتا ہے کسی محفوظ خزانے میں ۔ایسے ہی اللہ نے بھی آپ کی حفاظت فرمائی اور کمالات نبوت سے نوازا۔

اللہ نے خود آپ کی حفاظت فرمائی ۔اللہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

اور اللہ خود آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

آپ تخلیق الٰہی کے اعتبار سے ایسے درِ یتیم ہیں کہ واجب الوجود جل جلالہ نے آپ کو شاہکار عالم ایجاد بنا کر پیدا کیا۔عالم ایجاد میں کوئی آپ جیسا نہیں ہے ۔آپ سب سے افضل ہیں، آپ سب سے عظیم ہیں اور آپ سب سے برتر ہیں۔

حضرات گرامی! ان شاء اللہ کل اسی سورت طیبہ کے حوالے سے مزید مفاہیم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگار عالم ہم سب کو فہم قرآن کی توفیق عطا فرمائی اور کہیں ہم سے غلطی ہو رہی ہو تو اللہ ہمیں معاف فرمادے اپنے حبیب کے صدقے میں۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۱۱۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

حضرات گرامی! آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

آج ان شاء اللہ سورۂ والضحی کی آخری چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کروں گا، اللہ مجھے توفیق کلام عطا فرمائے اور توفیق عمل عطا فرمائے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:7)

اور آپ کو اے محبوب! اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

یہ وہ ترجمہ ہے جو امام اہلسنت، امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔
میں نے اس ترجمے کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کیوں کہ اس آیت کے ترجمے میں، اردو ترجمہ نگاروں نے بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ لفظی ترجمے کی رعایت میں انہوں نے منصب رسالت اور مقام نبوت کی پرواہ نہ کی اور انبیا علیہم الصلوۃ و السلام میں سرور کائنات جو سید المعصومین ہیں، ان کی عصمت پاک کا بھی خیال نہ رکھا۔

غور فرمائیں! کہ شاہ رفیع الدین صاحب جو اولین مترجمین میں سے ہیں، وہ کہتے کہ

اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی۔

شاہ عبدالقادر صاحب کہتے ہیں:

اور پایا تجھ کو بھٹکتا ہوا پھر راہ دی۔

اور معاذ اللہ! ایک صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے:

اور تم کو دیکھا راہِ حق کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہو تو تم کو اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا۔

تھانوی صاحب نے ترجمہ کیا ہے:

اور اللہ تعالی نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا۔

حضرات! ان ترجموں میں امام اہلسنت کا ترجمہ یہ ہے:

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

اب آئیے ان تراجم کا ایک سرسری جائزہ لیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جنہوں نے منصب نبوت کی قدر نہ کی گئی۔ اعلی حضرت کے علاوہ جنہوں نے بھی شعوری یا لاشعوری طور پر خطا کا ارتکاب کیا ہے، کم از کم وہ قرآن پاک کی دوسری آیات مبارکہ کا بھی خیال رکھ لئے ہوتے، تو ان سے یہ خطا سرزد نہ ہوتی۔

قرآن پاک کی تفسیر کی تین قسمیں بہت مشہور ہیں۔

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن۔ (۲) تفسیر القرآن بالحدیث۔ اور (۳) تفسیر القرآن بالرأی الماخوذ من القرآن والحدیث۔

مطلق تفسیر بالرأی جائز نہیں ہے۔ لیکن وہ تفسیر جو رائے پر تو ہو لیکن قرآن وحدیث سے ماخوذ ہو یا قرآن وحدیث کے مطابق ہو، تو اس کے جواز کا حکم دیا گیا ہے۔

آئیے تفسیر القرآن بالقرآن کے اعتبار سے دیکھیں کہ اللہ سورۃ والنجم میں فرماتا ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ (سورۃ النجم، الایۃ:2)

آپ کے صاحب نہ گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے۔

اب ذرا سوچئے۔ ضَلَّ ماضی کا صیغہ ہے، یعنی صرف حال میں نہیں، بلکہ ماضی میں بھی کبھی آپ گمراہ نہ ہوئے، کبھی غلط راست پر چلے، تو ایک طرف اگر اللہ یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى تو دوسری طرف اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ آپ کو بھٹکتا ہوا پایا، بے خبر پایا، بھولا ہوا پایا، یہ کتنا غلط ہے۔ اس طرح سے تو قرآن پاک میں تضاد ماننا پڑے گا۔ اختلاف ماننا پڑے گا۔ معاذ اللہ جبکہ قرآن عظیم نے اپنی حقانیت کی دلیل یہ پیش کی ہے:

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (سورۃ النساء، الایۃ:82)

اگر قرآن پاک غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا، تضاد ہوتا۔ لیکن قرآن عظیم کا یہ کمال ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے وہاں کہیں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔ تو جن لوگوں نے بے خبر پایا، بھٹکا ہوا پایا، بھٹکتے پھرتا ہوا پایا، بھولا ہوا پایا جیسے ترجمے کیے ہیں کیا ان کے ذہن میں سورۂ نجم کی یہ آیت نہیں تھی؟

جو مفہوم ان غلط ترجموں سے پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ گویا آقائے دو جہاں علیہ

الصلوۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے صحیح راستے پر نہیں تھے۔میں وہ لفظ استعمال نہیں کرتا جو انہوں نے استعمال کیا ہے، کبھی کبھی کسی خطا کی نقل بھی بڑی مشکل ہوتی ہے۔

سامعین کرام! اگر خود چاہیں تو ماضی کے سارے تراجم سامنے رکھ کر اس طرح کی بہت سی آیات مبارکہ ہیں جن میں خطاؤں کو محسوس کر سکتے ہیں۔مثال کے طور پر:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (سورۃ آل عمران الایۃ:52)

انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا اور اللہ بہترین مکر کرنے والا ہے۔

لفظی ترجمے میں یہ دھوکہ انہیں ہوا کہ لفظ مکر اردو میں فریب اور دھوکہ کے معنی میں آتا ہے۔تو کیا اللہ کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا مناسب تھا؟ یہاں بھی امام اہل سنت نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی مثالی ہے۔اور وہ ترجمہ یہ ہے۔

انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہترین خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

اسی طرح آیت شریفہ ''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'' کا ترجمہ بھی دیکھ لیں:

اردو ترجمہ نگاروں نے ترجمہ کیا ہے

''اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے، مذاق کرتا ہے''

امام اہلسنت ترجمہ فرماتے ہیں:

اللہ نے استہزا فرمایا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

یہ مشاکلہ ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انہیں لفظوں میں جواب دیا جاتا ہے جن لفظوں کی رعایت سے جواب دینا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ کا بچہ کوئی شرارت کر رہا ہوتا ہے یا کھیل رہا ہوتا ہے، آپ نے

دیکھ لیا، کہا اچھا گھر آؤ میں بھی کھیلوں گا تمہارے ساتھ تو کیا آپ کھیلیں گے اس کے ساتھ؟ تو کبھی سزا کے لیے بھی وہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔اور قرآن پاک میں اس کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔تو لفظی ترجمے میں یہ غلطیاں ضرور ہوئی ہیں، لیکن امام اہلسنت کا ترجمہ تفسیری ترجمہ ہے۔انہوں نے ترجمے ہی میں حقیقی مفہوم کی وضاحت یوں کر دی ہے کہ نہ اللہ کے نبی کی معصومیت پر، عصمت پر اور نہ خدا کی ذات پر کوئی حرف آتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص ان تراجم کو مانے جن کا حوالہ میں نے دیا ہے۔ان میں آخری ترجمہ ڈپٹی نظیر احمد صاحب کا تھا۔

''اور تم کو دیکھا راہ حق کی تلاش میں بھٹکے پھر رہے ہو تو تم کو دین اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا''۔

حضرات! یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔ایک طبقے کا یہ خیال ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چالیس سال میں جب انہیں نبوت ملی ہے، تو اس سے پہلے کہ وہ عام عربوں ہی کی طرح تھے اور معاذ اللہ! ان چالیس سالہ دور میں جو بھی ان سے کام ہوا ہے اس کو ہم دین نہیں تصور کر سکتے ہیں۔

متجد دین اور مستغربین کا ایک قول یہ بھی ہے ہمیں وہی اقوال قبول کرنے ہوں گے جو نبوت کے اعلان کے بعد اللہ کے رسول نے فرمائے ہیں، بعض نے اس حد تک زیادتی کی کہ یہ بھی کہا کہ جو اقوال ہیں، جن میں احکامات ہیں وہ تو ہم مانیں گے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو زندگی ہے وہ عربوں کی زندگی تھی ان کے اعمال کو ہم بنیاد نہیں بنا سکتے شریعت کی۔

معاذ اللہ! ان کے سامنے کیا یہ قرآن پاک کی آیت مبارکہ نہیں ہے؟

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب، الایۃ:21)

تمہارے نبی کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

اور یہ کَانَ کا صیغہ ماضی سے متعلق ہے، تم نے دیکھا ہے ان کی مقدس زندگی کو۔ میں ان ظالموں سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ تم یہ کہتے ہو کہ نبوت ان کو چالیس سال کے بعد ملی ہے، قرآن چالیس سال کے بعد ملا ہے، اس سے پہلے وہ عام عربوں کی طرح تھے، تو ظالموں مجھے پیغمبر اعظم علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی کا ایک لمحہ ایسا دکھادو نبوت سے پہلے، کہ جب انہوں نے کبھی کوئی ایسا کام کیا ہو جو قرآن کی ہدایات اور نظام توحید کے خلاف ہو، ایک لمحہ دکھادو۔

یہاں تو خود قرآن عظیم ان کے ماضی کو ان کے حال اور مستقبل کے دعوؤں پر بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

(سورۃ یونس، الایۃ:16)

اعلان نبوت سے پہلے ایک طویل زندگی میں نے تم میں گزاری ہے کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟

کیا تم نے مجھے صادق اور امین نہیں کہا تھا؟ کیا مجھے تم نے مکۂ مکرمہ کی مبارک روح نہ کہا؟ میری صداقت اور امانت کی گواہی ہمیشہ دیتے رہے ہو اور اب تم انکار کر رہے ہو یہ کافروں کو مخاطب کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ کیا میں نے نبوت سے پہلے ایک طویل عمر نہیں گزاری ہے اور غالباً یہ مصلحت تھی ورنہ وہ تو ہمیشہ نبی تھے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ○

میں نبی اس وقت بھی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان میں تھے۔

امام ترمذی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ: وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ.

(سنن الترمذی، أبواب المناقب، باب فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: 3609)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالی علیہ وسلم آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت جب آدم روح اور جسم کے درمیان میں تھے۔

لیکن اعلان نبوت چالیس سال کے بعد کیا گیا، وحی پاک کا نزول چالیس سال کی عمر میں شروع ہوا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ اس سے پہلے کی زندگی معیار شریعت نہیں، وہ عربوں کی زندگی تھی، یہ بہت بڑا الزام ہے سرور کائنات کے حیات طیبہ پر۔

اگر یہ مان لیا گیا تو سوال ہوگا کہ کیا ان کی زندگی میں ایک نوعمر بچے کے لیے قانون نہیں ہے؟ کیا نوجوانوں کیلیے ان کی زندگی میں قانون نہیں ہے؟ کیا جوانوں کے لیے وہ آئڈیل اور نمونہ نہیں ہیں اگر چالیس سال کے بعد یا چالیس سال سے شروع ہوتا ہے شریعت کا معاملہ، تو کیا بچوں اور نوجوانوں کے لیے ان کی زندگی میں کوئی نمونہ نہیں ہے؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر دور کے لیے نمونہ ہیں، ولادت سے لے کر چالیس سال تک ایک لمحہ بھی قرآن عظیم سے ہٹا ہوا نظر نہیں آئے گا۔ احکامات یقیناً بعد میں نازل ہوئے ہیں، مگر نبوت پہلے ہی عطا کر دی گئی تھی۔ میں ان ظالموں سے پوچھتا ہوں غار حرا کی تنہائیوں میں کیا عربوں کے کیریکٹر کی بنیاد پر نماز پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے عبادت کرتے تھے؟

حضرات! اس فکر نے وہابیت کو جنم دیا اور ارتداد کا راستہ دکھایا ہے، یہ مغرب

نوازوں کی باتیں ہیں اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضور کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لیے دلیل ہے، اسوہ حسنہ ہے، وہ ولادت کے بعد ہی سے خلق کی عظیم منزلوں پر فائز تھے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (سورۃ القلم، الایۃ:4)

اور بیشک تم یقیناً عظیم اخلاق پر ہو۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اخلاق کے تمام قدروں کو مکمل کر دوں۔

تو کیا وہی زندگی قابل اعتنا ہے، قابل تقلید ہے، جو چالیس سال کے بعد کی زندگی ہے۔ اگر اس جملے کو آپ محسوس کریں تو میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اللہ کی مرضی یہ تھی کہ اے محبوب! چالیس سال تک تم لوگوں کو قرآن بن کے دکھاؤ اور چالیس سال بعد قرآن پڑھ کے سناؤ، تاکہ تمہارا ماضی تمہارے حال اور مستقبل کا گواہ بن جائے اور قرآن کی صداقت کا بھی۔

اور "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا" کا بھی یہی مفہوم ہے۔

اور جو امام اہلسنت نے واضح فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اور جب وہ محبت الٰہی میں ڈوبے ہوئے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو منزل سلوک سے نوازا اور کائنات کی ہدایت کا حکم دیا۔

حضرات گرامی! قرآن پاک میں اور بھی مقامات پر اس صیغے کے ساتھ الفاظ آئے ہیں۔ جناب یعقوب علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ ان کے بیٹے مصر سے پیراہن یوسف لے کر کے آرہے تھے کنعان کی طرف، اور جناب یعقوب کنعان میں تھے جو نابینا ہو چکے تھے، مگر آپ نے فرمایا تھا کہ میں یوسف کی خوشبو کو محسوس کر رہا ہوں، تو ان کے بیٹوں نے کہا تھا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (سورۃ یوسف، الایۃ:95)

بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی (محبت) میں ہیں۔

کہاں یوسف؟ اور کہاں ان کی خوشبو؟ تو یہاں ضَلٰلٌ کے معنی کیا گمراہی کے ہیں؟ کیا ان کے بیٹے ان پر ایمان لانے والے انہیں گمراہ سمجھتے تھے؟ اور حضرت یوسف کے پیراہن کی خوشبو محسوس کرنے میں گمراہی سے کیا تعلق ہے؟ کم از کم اسی آیت کو سامنے رکھا ہوتا کہ یہاں ضلال کے معنی یقیناً یوسف کی محبت میں ڈوب جانا ہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں قرآن پاک کے فہم کی توفیق عطا فرمائے اور کہیں بھی کوئی ایسا جملہ ہماری زبان سے یا ترجمے میں نہ صادر ہو کہ جس میں عظمت رسالت مآب متاثر ہو رہی ہو یا خدا کی توحید کے بارے میں کوئی ایسی بات آجائے جو قابل گرفت ہو اللہ محفوظ رکھے ہمیں اور آپ کو۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے؟

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:8)

اور اے محبوب! ہم نے تمہیں حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔

آپ آقائے دو جہاں کی ابتدائی زندگی دیکھیے، اللہ چاہتا تو انہیں کسی سرمایہ دار کے گھر پیدا کرتا، کسی تاجدار کے گھر میں پیدا کر دیتا، بے پناہ دولت اور سرمایے کے ساتھ وہ اپنی نبوت کا اعلان کرتے اور اپنی تبلیغ کا آغاز کرتے، لیکن ایسا اللہ نے کسی نبی کے ساتھ نہیں کیا۔

جتنے بھی انبیاے کرام تشریف لائے انہیں مادی وسائل اور اسباب سے خالی بھیجا گیا ہے دعوت کے لیے، جناب موسیٰ کی زندگی دیکھیے۔ تنہا ہے۔ نہ ان کے پاس سرمایہ ہے، نہ دولت ہے، نہ اقتدار ہے، نہ فوج ہے اور نہ قوت ہے۔ اور حکم یہ ہوتا ہے کہ:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (سورۃ طٰہٰ، الایۃ:24)

فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش اور باغی ہوگیا ہے۔

فرعون جو اپنے کو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہلواتا تھا، خدائی کا دعوی کر رہا تھا، وہ انسانوں کی لاشوں پر اپنا اہرام تعمیر کر رہا تھا، وہ جو ظلم اور زیادتی کی بدترین مثالیں پیش کر رہا تھا، جو بچوں کو قتل کروا رہا تھا، اور بچیوں کو زندہ رکھتا تھا، ایسے ظالم، ایسے جابر اور ایسے حکمراں کے پاس تنہا بھیجا جا رہا ہے، بغیر سرمایہ کے، بغیر دولت کے، بغیر اقتدار کے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کے مقابلہ میں بھی اسی طرح بھیجا گیا، ایسے ماحول میں جب غربت ہے، مسکنت ہے، وسائل نہیں، اسباب نہیں، حکومت نہیں، اقتدار نہیں ہے اور ارباب اقتدار کے پاس بھیجا جا رہا ہے، ایسا کیوں کیا اللہ نے؟

یہ کیوں کیا سوال کے لیے نہیں سمجھانے کے لیے ہے۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جناب موسی بھی اگر دولت مند ہوتے اور بادشاہ ہوتے، یا ان کے پاس بھی فوج ہوتی، اقتدار ہوتا، جناب ابراہیم بھی دولت مند ہوتے، بادشاہ ہوتے فوج اور اقتدار ہوتا ان کے پاس اور پھر جناب موسی اور فرعون کا مقابلہ ہوتا، جناب ابراہیم اور نمرود کا مقابلہ ہوتا، تو دنیا یہ کہتی کہ یہ دو بادشاہوں کا ٹکراؤ تھا ایک کامیاب ہوگیا اور ایک ناکام ہوگیا، بادشاہوں کی تاریخ میں دو بادشاہوں کا اور تذکرہ شامل ہو جاتا۔

نبوت بے نقاب نہ ہوتی، حق بے نقاب نہ ہوتا، اس لیے جب انہیں بغیر سروسامان بھیجا گیا اور کامیابی ملی جناب موسی کو، جناب ابراہیم کو، تو دنیا یہ سمجھی کہ حق کی کامیابی ہے، یہ وسائل کی، اقتدار کی، سرمایہ کی اور دولت کی کامیابی نہیں ہے۔ اس حال میں اسی لیے بھیجا گیا تھا۔

اور یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات کو بھی مادی وسائل سے نوازا نہیں گیا، تاکہ دنیا یہ نہ کہے کہ انہوں نے اپنی دولت اور سرمایہ کی بنیاد پہ اسلام پھیلایا ہے۔ انہیں غریب رکھا گیا اور

ایسی غربت کے جس کے بارے میں خود سرکار فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔

اے اللہ! مجھے مسکین ہی رکھنا، مسکنت کی حالت ہی میں اپنی بارگاہ میں بلا لینا اور اٹھانا تو مساکین کے زمرے میں اٹھانا۔

اور خود فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں جنت میں جاؤں گا اور میرے ساتھ امت کے مساکین ہوں گے۔

وَطُوْبٰی لِلْغُرْبٰی وَطُوْبٰی لِلْمَسَاکِیْنِ

تمام غریبوں اور مسکینوں کو باضابطہ خوش خبری ہو۔

تو حضرات! اس لیے اللہ فرماتا ہے: کہ آپ کو ابتداءً عائل پایا ہم نے تو ہم نے غنی کر دیا۔ پہلے آپ تجارت بھی فرماتے تھے اپنے چچا کے ساتھ، پھر جناب خدیجہ کا مال لے کر آپ تجارت کرنے کے لیے گئے بطور مضاربت، اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو ایسے افراد اور ایسے اعوان وانصار دے دیے جو تبلیغ کے راستے میں آپ کا ہر طرح کا تعاون کرتے رہیں۔

جناب خدیجۃ الکبری نے اپنی ساری دولت قربان کر دی، وہ رئیس تجار مکہ، خویلد کی بیٹی تھیں، بے پناہ سرمایہ تھا لیکن تبلیغ کے راستہ میں آقائے دو جہاں پر انہوں نے سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ وصال کے وقت ان کو فاقہ ہو رہا تھا (رضی اللہ تعالی عنہا) ہمارے ماں باپ ان کے قدموں میں قربان ہوں۔

جناب ابوبکر صدیق ایک دولت مند تاجر تھے، مگر مدینہ میں ان کی زندگی مسکنت اور غربت کی زندگی تھی۔ جناب عثمان غنی نے اپنی دولت سے اسلام کو سہارا دیا۔ یہ بھی غنی

کاایک مفہوم ہے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرات گرامی! ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہم نے آپ کو عیال دار پایا، عائلا کا معنی وہ جو عیال دار ہو تو غنی کر دیا۔ یہاں عیال سے مراد تمام امت مسلمہ ہے۔ سرکار پر ایمان لانے والے سارے افراد حضور کی عیال میں ہیں، تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کو اتنا غنی کر دیا کہ آپ کے در پے آپ کی امت کا کوئی بھی سوالی آئے آپ اسے خالی ہاتھ واپس نہ فرمائیں گے۔ جس کی تائید آئندہ آیات بھی کر رہی ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے در سے کوئی خالی نہیں جاتا ہے۔ کلمۂ توحید میں جو لا ہے اس کے علاوہ کبھی آپ کی زبان پر لا نہیں آیا۔

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:9-11)

تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو اور سائل کو نہ جھڑکو، اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یتیم پیدا فرمایا گیا تھا، تاکہ آپ دنیا بھر کے یتیموں کے لیے ملجا اور ماوی بن جائیں۔ اسی لیے آپ نے یتامی سے محبت کی، ان کی خدمت کو دین اسلام میں ضروری قرار دیا۔ بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک صحابی حاضر ہوئے اور اپنے دل کی سختی کی شکایت کی، اور عرض کی یارسول اللہ! جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔ مگر میرے قلب پر اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا دوسرے صحابۂ کرام کے قلوب پر ہوتا ہے، تو آقا نے فرمایا: یتیم کے سر پہ شفقت کا ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا۔

وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:10)

یہ حضور سے فرمایا گیا تھا کہ یتیم پر دباؤ نہ ڈالو جب کہ وہ دباؤ تو ڈالتے ہی نہ تھے، وہ تو

نبوت کے اعلان سے پہلے بھی یتامی اور مساکین کو کما کر ان کی ضرورتیں پوری کرتے تھے، جیسا کہ جناب خدیجہ نے کہا تھا: کہ اللہ آپ کو مبتلائے تکلیف نہ فرمائے گا کہ آپ کما کر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ تو یہاں جھڑکنے اور دباؤ ڈالنے کا مخاطب آپ کی امت ہے آپ کے ذریعہ انہیں مخاطب کیا گیا ہے۔ بہت سے احکامات نبی کے ذریعہ امت کو دیے گئے ہیں۔ کہ آپ کی امت کو بھی اس پر عمل کرنا ہوگا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ نے پیغمبر کو جھڑک دیا ہے۔ ہائے ظالم! نبوت کے باب میں لوگ کتنا غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

اول تو یہ جھڑکنا آقائے دو جہاں کو نہیں تھا، بلکہ ان کے ذریعہ امت کو سمجھایا گیا تھا، لیکن اگر اللہ چاہے اور اپنے نبی کو ان لفظوں سے یاد فرمائے تو اسے حق ہے مگر ظالموں تمہیں کیا حق ہے؟ یہ تو محبت کا جھڑکنا ہوا نا؟ اگر ایسا ہوا بھی تو، یہ تو محبوبیت کے اعلیٰ ترین مقامات پر ہیں جو محبوب ہوتا ہے اس کو کبھی کبھی اس کی ان اداؤں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حضرات گرامی! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے قیامت میں اور پھر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا ایسے ہوں گے۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورۃ الضحیٰ، الایۃ:11)

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

یہاں نعمت سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں اور وہ نعمتیں بھی مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے اور نعمتوں کا چرچا کرنے کا اس لئے حکم فرمایا کہ نعمت کو بیان کرنا شکر گزاری ہے۔ (روح البیان، الضحیٰ، تحت الآیۃ: 11، ج10ص459)

خطاب نمبر (۱۲۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَام
اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام، معزز حضرات وخواتین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ
الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ

حضرات! آج سورت الانشراح کا تعارف پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

سورہ الانشراح مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سورت میں ایک رکوع اور 8 آیتیں ہیں۔ اس سورت کے نزول کا زمانہ آقائے دو جہاں، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا وہ دور ہے، جب ہر طرف سے مسائل اور مشکلات میں آپ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے کی کوشش کررہے ہیں اور مخالفتوں کا طوفان ہے، جو آپ کے مقدس مشن کو روکنے کے لیے، آپ کو اپنی دعوت کے مقدس مشن سے باز رکھنے کے لیے آپ کے سامنے ہے۔

شب و روز آپ مشکلات برداشت کرتے ہیں، تکلیفیں اٹھاتے ہیں، لوگوں کو دین کی دعوت دیتے ہیں، لوگوں کو جہنم سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگ آپ کو مختلف ناپسندیدہ ناموں سے یاد کرتے ہیں، کبھی دیوانہ کہتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی ساحر کہتے ہیں کبھی مجنون کہتے ہیں، کبھی سحر زدہ کہتے ہیں۔ کبھی پتھر مارتے ہیں، کبھی گلے میں چادر ڈال کر آپ کو سجدے کی حالت میں گھسیٹنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی آپ کے جسم ناز پے اونٹ کی اوجھڑی ڈال دیتے ہیں اور کبھی راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں، انتہائی مشکل اور تکلیف دہ حالت سے آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام گزر رہے ہیں۔

ان حالات میں جناب جبرئیل حاضر ہوتے ہیں اور سورت الانشراح کی تلاوت فرماتے ہیں۔ یہ سورت طیبہ آپ پر بذریعہ جبرئیل نازل کی گئی، وحی پاک کا تحمل خود ایک بہت بڑا مرحلہ تھا پیغمبر اعظم کی مقدس زندگی کے لیے، وہ امانت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آقائے دو جہاں کے قلب اطہر میں منتقل فرمائی تھی، اس امانت کے بار کو اٹھانے کے لیے زمین و آسمان نے انکار کردیا تھا، پہاڑوں پر نازل ہوتا قرآن عظیم تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجاتا، شق ہوجاتا، مگر وہ قلب مصطفی تھا جو وحی پاک کی امانت کے بوجھ کو اٹھالیا تھا۔

ایک طرف وحی پاک کا تسلسل اس کے نزول اور دعوت کی ذمہ داریاں اور دوسری

طرف دشمنوں کی مخالفتیں، شر انگیزیاں، الزام تراشیاں، یہ ساری باتیں بیک وقت تھیں۔

ایسی صورت میں اور ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی، جو آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے تسلی کا ایک سامان بھی تھی، قلب اطہر کو مطمئن کرنے کے لیے اللہ تبارک و تعالی نے اس سورت کو آپ پر نازل فرمایا۔ کہ اے محبوب! آپ غم نہ کریں ہم نے آپ کے سینہ اطہر کو کھول دیا ہے۔ ان تمام حقائق اور معلومات کے لیے، جو عالم غیب سے متعلق یا عالم شہادت سے متعلق ہیں۔ آپ کے سینہ اطہر کو ہم نے دعوت و تبلیغ کے لیے بھی کھول دیا ہے اور اس لیے بھی کہ آپ کے قلب پاک کو جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، آپ کے سینۂ اطہر کی فراخی اور کشادگی ان تکلیفوں کو محسوس نہ کرے گی، آپ انہیں درگزر کرتے رہیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ آپ کا مشن اور آپ کا پیغام مکمل ہوگا۔ اللہ نے شرح صدر کی دولت آپ کو عطا فرمائی۔ یہ وہ دولت ہے جو جناب موسی علیہ السلام نے تبلیغ اور دعوت کے آغاز سے پہلے مانگی تھی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْ قَوْلِیْ ○ (سورۃ طٰہٰ الایۃ:25-28)

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور میرے لیے میرا کام آسان فرما دے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تا کہ وہ میری بات سمجھیں۔

کلیم طور نے طلب کیا تھا اور آقائے دو جہاں کو یہ عظیم نعمت بغیر طلب کے عطا کی جا رہی ہے۔ وہ کلیم تھے جو طلب کر رہے تھے اور یہ حبیب ہیں جنہیں شرح صدر کی عظیم دولت بغیر کسی طلب کے عطا فرمائی گئی ہے اور صرف یہ نہیں، جتنی بھی نعمتیں اور معجزات انبیائے کرام کو طلب کے بعد دیے گئے تھے، آقائے دو جہاں میں وہ تمام عظمتیں، وہ تمام معجزات اور وہ تمام

خوبیاں بغیر طلب کے آپ کی ذات اقدس میں جمع کر دی گئی ہیں۔

اور بے شمار ایسی بھی بلندیاں اور عظمتیں عطا کی گئی ہیں جو کسی اور کو نہیں دی گئی ہیں۔

یہ سورت عظمت مصطفی اور رفعت شان مصطفی کے حوالہ ایک عظیم سورت ہے۔ اس سورت میں بشارت دی گئی ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے، گویا اب ظلم کی سیاہ رات ختم ہونے والی ہے اور غلبہ اسلام اور فتح و نصرت کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔

بس اے حبیب! جب آپ کامیابی کی منزلیں طے فرما لیں، تو اپنے معبود حقیقی اور محبوب حقیقی کی طرف مکمل راغب ہو جائیں۔ یہ پوری سورت، رفعت ذکر مصطفی کی سند اور نعت مصطفی ہے۔ کہ قیامت تک آقائے دو جہاں کی جو شان بیان کی جائے گی اور جو کچھ کہا جائے گا، یا لکھا جائے گا، یا پڑھا جائے گا، یا ذکر کیا جائے گا وہ اسی سورت کی تفسیر ہوگی۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○

اے محبوب! کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہ فرما دیا؟

شرح صدر سے مراد یا تو شق صدر ہے، یا کشادہ فرمانا ہے۔

شق صدر کے متعلق متعدد احادیث ہیں، آپ کے سینۂ اطہر کو تین یا چار مرتبہ شق فرمایا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جب آٹھ نو سال کے تھے، تا کہ آپ کو نبوت کا علم یقین حاصل ہو جائے۔ آپ نبی تھے۔ عالم ارواح میں آپ کی نبوت مسلم تھی، آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

كُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ ○

میں نبی اس وقت تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

ایک اور حدیث میں جب آپ سے حضرت ابو ہریرہ نے سوال کیا تھا کہ آپ کو نبوت کب عطا کی گئی؟ تو آپ نے فرمایا: جب آدم جسم اور روح کے درمیان میں تھے۔ان احادیث کی روشنی سے یہ بات واضح ہے کہ آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ و السلام نبی تھے عالم ارواح میں اور صرف نبی نہ تھے، بلکہ انبیاے کرام سے آپ کی نبوت کی تائید اور تصدیق بھی لی گئی تھی۔قرآن پاک میں ایک مستقل مضمون ہے جو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

انبیاے کرام سے آپ کی نبوت کی تصدیق اور میثاق بھی لیا گیا تھا، کہ جب وہ نبی جلوہ گر ہوں تو ان کی تائید کی جائے اور تائید کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اپنے عہد نبوت اور اپنے اپنے دور نبوت میں سرور کائنات کی تشریف آوری کی بشارت دی جائے اور انبیاے کرام نے یہ ذمہ داری پوری کی۔بہر حال آپ کو نبوت کا علم تھا، لیکن علم پر یقین حاصل ہو جائے، اس کے لیے شق صدر کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔

دوسری مرتبہ وحی کے نزول سے پہلے، آپ کا شق صدر فرمایا گیا، تا کہ آپ وحی پاک کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہو جائیں اور یہ عظیم ذمہ داری آپ کا قلب اٹھا سکے۔یہ حق الیقین کی منزل تھی۔اور تیسری مرتبہ، شب معراج میں آپ کا شق صدر فرمایا گیا، تا کہ آپ مشاہدۂ عالم غیب اور دیدار خداوندی کی صلاحیتوں سے نوازے جائیں اور نبوت کا مرتبۂ عین الیقین آپ کو حاصل ہو جائے۔پہلا شق صدر عالم اجسام میں جلوہ گر ہونے کے بعد علم الیقین کے لیے تھا۔دوسرا شق صدر وحی پاک کی ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے، اور تیسرا شق صدر شب معراج میں ان تمام امور غیبیہ کا مشاہد کرنے کے لیے جس پر ایمان لانے کی دعوت آپ دے رہے ہیں۔یعنی خدا کی ذات جو غیب الغیوب ہے، ملائکہ، جملہ انبیائے کرام، جنت اور دوزخ وغیرہ لوح محفوظ، جس

میں ہر خیر و شر کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ان سب کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کریں۔

حضرات گرامی! یہ تشریحات مفسرین کرام نے کی ہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن مفسرین کرام کے ایک بڑے طبقے نے شق صدر کی اور بھی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں، جو دیگر تفاسیر کے اندر موجود ہیں۔شرح صدر کا دوسرا مفہوم جو عام طور پہ لیا گیا ہے وہ ہے کشادگی قلب اور فراخی ہے۔یعنی آپ کے سینہ اطہر کو اولین و آخرین کے علوم و معارف سے آراستہ کیا گیا اور تجلیات ربانی کے انوار سے آراستہ کیا گیا، اور نبوت کے جملہ لوازم اور فرائض کی ادائیگی کے لیے قلب اطہر کو تیار کیا گیا، اور اس قابل بنا دیا گیا کہ وحی الٰہی کی کیفیات کو سنبھال سکیں جس کو آسمان و زمین بھی سنبھال نہ سکتے تھے۔اس لیے کہ قرآن اگر پہاڑ پہ نازل ہوتا تو پہاڑ اس کا متحمل نہ ہوتا۔خود اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (سورۃ الحشر، الایۃ:21)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں۔

کیا فرمایا کہ اس مقدس کلام پاک کو آپ کے سینہ اطہر پہ نازل فرمایا گیا، بایں طور کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرح صدر کی عظیم دولت سے نوازا اور فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○

اے محبوب! کیا ہم نے آپ کے سینہ اطہر کو کشادہ اور فراخ نہ فرما دیا؟

کہ آپ جملہ علوم اولین و آخرین کو سنبھال سکیں اپنے سینے کے اندر۔

حضرات گرامی! اس کے علاوہ آپ کو شرح صدر کے بعد اتنے علوم عطا فرمائے گئے

کہ جس کے بارے میں ارباب محبت اور ارباب عقیدت اور ارباب علم کہتے ہیں کہ لوح وقلم جس کا صرف ایک حصہ ہیں اس علم کا جو آپ کے سینہ میں موجود ہے جبکہ خود قرآن کا یہ فرمان ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ○ (سورۃ الانعام، الایۃ:59)

کوئی رطب و یابس ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین کے اندر نہ ہو۔

اور ظاہر ہے کہ شرح صدر اس لیے ہوا تھا کہ کتاب مبین کی ہر رطب و یابس اور کائنات کی ہر حقیقت کو آپ کے قلب اطہر کے اندر محفوظ کر دیا جائے۔

امام بوصیری نے اپنے قصیدہ بردہ میں نظم فرمایا ہے:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللّٰهِ وَ الْقَلَمِ

یعنی دنیا اور آخرت دونوں آپ کی سخاوت اور عطیات سے فیضیاب ہیں۔ اور لوح و قلم آپ کے علم کا ایک حصہ ہیں۔ ومن علومك میں من تبعیض کے لئے ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کا ایک مفہوم یہ بھی کہ ہم نے آپ کے سینہ اطہر کو خزینہ الٰہی کا کھلا ہوا وسیع دروازہ بنا دیا ہے۔ جس میں عالم غیب وشہادت سبھی جلوہ گر ہیں۔

اور جن حالات میں یہ سورت نازل ہو رہی ہے۔ اس اعتبار سے مفسرین نے یہ کہا ہے: کہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کفار کے طعن وتشنیع اور الزام تراشی سے آپ تنگ دل ہوا کرتے تھے، تو ہم نے آپ کے سینہ اطہر کو اتنا کشادہ کر دیا کہ اب آپ کے قلب نازک پر کفار کی الزام تراشیوں کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

حضرات گرامی! ان شاء اللہ اگلے درس میں، میں اس سورت کے مفاہیم کو عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

خطاب نمبر (۱۲۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سامعین کرام، معزز حضرات وخواتین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَ اٰلِهِ الْكِرَام اَجْمَعِيْنَ

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○

(سورۃ الانشراح، الایات:3/2)

اور ہم نے تمہارے اوپر سے تمہارا بوجھ اتار دیا۔ جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

عربوں کے معاشرے کی خرابیوں اور ان کی اسلام دشمنی کو دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے پایاں غم ہوتا تھا اور اسی غم میں آپ ہر لمحہ مبتلا رہتے تھے، اگر چہ آپ نے ابھی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا مگر پیغمبرانہ فطرت نے آپ کو ان تمام برائیوں سے دور رکھا ہوا تھا۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل مکہ کے برے اعمال سے صرف نفرت ہی نہیں کرتے بلکہ آپ غمزدہ تھے مکہ والوں بلکہ پورے عرب کی بت پرستی کو دیکھ کر کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں جھکنے کے بجائے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں اور پتھروں کے سامنے جھکے جاتے ہیں، بے جان اشیا کو اپنا معبود قرار دینے والی یہ قوم آپ کے لیے بہت تکلیف دہ تھی، اس کے علاوہ معاشرے میں جو خرابیاں تھیں، ان خرابیوں سے بھی آپ ہمیشہ پریشان رہتے تھے۔ سرمایہ دار طبقہ غریبوں پہ ظلم کرتا تھا، غلامی کی روایت عام تھی، قبائلی جنگیں صدیوں کے دامن میں پھیلی ہوئی تھیں، ہزاروں بچے یتیم ہوتے تھے، ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ قبائلی نفرتیں مسلسل بڑھتی جاتی تھیں، میلوں میں اور دوسرے مقامات پر اپنے اپنے قبیلے کی تعریف کے لیے اشعار کہے جاتے اور پھر جنگیں ہوتی تھیں۔

یہ ایک غم تھا جو آپ کے قلب نبوت پر مسلسل وزن کی حیثیت سے موجود تھا۔ اور اس غم کو آپ ایک مدت تک جھیلتے رہے۔ چوں کہ مکہ مکرمہ کی آبادی جناب ابراہیم علیہ السلام کے صدقے میں وجود میں آئی تھی، اسی لیے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ لوگ ملت ابراہیمی کے پیروکار ہوتے اور ان پر عمل کرتے لیکن وہ سب کچھ بھول گئے تھے۔ اس غم سے آزادی کی نوید سنانے کے لئے اللہ نے فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

اور ہم نے آپ سے اس بارگراں کو دور کر دیا، جس نے آپ کی پشت اطہر کو زیر بار کر رکھا تھا۔

یعنی نبوت عطا فرما کر یا اعلان نبوت کے ذریعہ، آپ کو یہ اجازت دی گئی کہ آپ ان برائیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، تبلیغ فرمائیں، معبودان باطل کی بے بسی کو ظاہر کریں اور خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں اللہ کے بندوں کو جھکائیں۔

اسی لیے آپ کی پشت اطہر سے وہ بوجھ اتر گیا جس کی بنیاد پر ہمیشہ آپ غمزدہ رہتے تھے، کہ ان کی حالت کب سدھرے گی؟ یہ کب انسانی قدروں کے حامل ہوں گے؟ اور کب یہ وحشت اور بربریت کی زندگی سے باہر نکلیں گے؟ اب آپ کو اجازت دی گئی کہ آپ انہیں نکالیے۔ آپ کی پیغمبرانہ عالی ہمتی اور فطری استعداد جس بلند مقام کا تقاضا کر رہی تھی، یعنی چوں کہ آپ پیغمبر تھے اور پیغمبر ہونے کی بنیاد پر آپ کی یہ خواہش تھی کہ اعلان نبوت کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ کو وسیع تر کیا جائے، آپ اس کا انتظار کر رہے تھے، اللہ نے آپ کو شرح صدر کی دولت سے نوازا اور اس طور پر احساس کے بارگراں کو ہلکا فرما دیا۔

ایک بات اور بھی بتائی جاتی ہے کہ ابتداءً وحی پاک کا بوجھ زیادہ محسوس ہوتا تھا، مگر اللہ پاک نے شرح صدر کے ذریعہ اس بارگراں کو آپ کے لئے ہلکا فرما دیا۔ وِزْرٌ کی ایک اور بھی توجیہ مفسرین نے کی ہے کہ ہم نے آپ کو گناہوں سے معصوم بنا کر ہر طرح کی معاشرتی بے راہ روی اور رویوں سے محفوظ رکھا، اس طرح سے آپ کے بوجھ کو ہلکا کیا گیا۔

ایک اور وجہ ہے کہ آپ کی قوم کا دعویٰ ہے کہ وہ جناب ابراہیم کی نسل سے ہیں اور پھر ان کا توحید سے انحراف کرنا، آپ کو بہت گراں گزرتا تھا، اس لیے نبوت عطا فرما کر اور دعوت کا حکم دے کر اس بارگراں سے آپ کی پشت انور کو ہلکا کر دیا گیا۔

کفار کے ظلم سے آپ شدید غمزدہ رہتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کے دل کو قوی فرمادیا اور اطمینان کی عظیم دولت عطا فرمائی، یہاں تک کہ زخم کھانے کے باوجود آپ کفار کے لیے دعائیں ہی کرتے رہے، آپ نے دعائے ہلاکت نہ کی، آپ اندازہ کریں، طائف سے واپس آرہے ہیں، زخموں سے چور چور ہیں، پورے جسم سے خون بہہ رہا ہے، آپ کے ساتھ جو صحابی ہیں وہ کہتے ہیں: یارسول اللہ! دعاے ہلاکت کیجیے تو آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

یعنی اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما کیونکہ یہ لوگ مجھے جانتے نہیں۔

صحابی رسول نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ دعاے ہلاکت فرمانے والے تھے، تو آپ نے دعائے رحمت فرمادی، فرمایا: ہاں، میں نے دعاے ہلاکت ہی کی ہے۔ گویا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا یہ مطلب ہے طبیب مریض کی ہلاکت نہیں چاہتا مرض کو دور کرنا چاہتا ہے۔ یہ قوم بیمار ہے، میں نے دعا کی کہ اللہ اسے شفا عطا فرمادے، اسے عقل و شعور سے نوازے کہ یہ مجھے پہچان سکے، اور مجھے یقین ہے کہ انہیں میں سے وہ لوگ اٹھیں گے جو اسلام کا پرچم اکناف عالم میں پھیلائیں گے۔

بعض لوگوں نے "وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ" کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ آپ پر ایک ایسا سال آیا کہ اس میں آپ کے چچا کا انتقال ہوگیا، شریک حیات جناب خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا، اس کو عام الحزن کا نام دیا گیا۔ جو لوگ تسلی دینے والے تھے وہ بھی ساتھ نہ رہ گئے، اس عام الحزن کے بعد آپ کو معراج کرائی گئی اور مشاہدات غیب کے ذریعہ آپ کے غموں کے بوجھ کو ہلکا کردیا گیا۔

اس لیے کہ ہر لمحہ کفار کے طرز عمل سے آپ پریشان رہتے تھے اور ان کے دیوانہ،

مجنون، سحر زدہ جیسے ناپسندیدہ الزامات مسلسل آپ کی سماعت طیبہ سے ٹکراتے رہتے تھے۔ یقیناً ان کلمات کے سننے سے آپ کو بوجھ محسوس ہوتا رہا ہوگا، تو اللہ نے فرمایا محبوب! دنیا والے آپ کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں اس کی آپ پرواہ نہ کریں۔ آئیے عالم بالا کی زیارت کیجیے، مشاہدہ کیجیے۔ عالم بالا کی تمام منزلوں کو آپ کے لیے آراستہ کیا گیا ہے، ہر مقام پر فرشتے آپ کے استقبال کے لیے تیار ہیں۔ انبیاے کرام جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں مختلف طبقات آسمانی میں آپ سے ملاقات کریں گے۔ وہ آپ پر سلام بھیجیں گے، آپ کو پورے عالم غیب جس میں جنت ہے، دوزخ ہے، لوح وقلم ہے، عرش و کرسی ہے، صراط ہے میزان ہے سب کا مشاہدہ کرایا جائے گا۔ حتی کہ جنت میں جنتیوں کا اور دوزخ میں دوزخیوں کا، پھر اس مقام تک آپ کو پہنچایا جائے گا، جس مقام پر کوئی اور نہ جاسکا تھا، جہاں فرشتوں کے پر جل جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالی نے اپنی ذات کو آپ کے لیے بے حجاب کیا۔ اس کے علاوہ بہت سے انعامات سے آپ کو نوازا گیا۔ تو آپ غم نہ کریں دنیا والے کیا کہتے ہیں؟ ہم نے آپ کی پشت انور سے بوجھ اتار دیا ہے۔ دیکھیے عالم بالا میں آپ کا کتنا عظیم استقبال ہو رہا ہے، معراج کے ذریعے سے، یہ بھی ایک وجہ ہوسکتی ہے اور اس کے بعد فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (سورۃ الانشراح، الایۃ:4)

اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند فرمایا۔

اے محبوب! دنیا والے جو بھی کہتے ہیں وہ کہتے رہیں ہم خالق کائنات ہیں، ہم نے آپ کے ذکر کو بہت بلند فرمادیا۔ انبیا سے میثاق میں اس کا عہد لیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں گے، تصدیق کریں گے اور ان کی تائید کریں گے۔ معراج میں تمام انبیائے کرام کی امامت کا شرف آپ کو حاصل ہوا، نماز اور اذان کے ذریعہ کوئی ساعت ایسی نہیں کہ جس میں

آپ کا ذکر نہ ہو رہا ہو۔ قیامت کے دن آپ کی عظمت کا اظہار ہوگا۔

دکھائی جائے گی محشر میں شان محبوبی
کہ آپ ہی کا کہا آپ کا سنا ہوگا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے مجھ سے عرض کی، کہ آپ کے رب نے پوچھا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند فرمایا؟ میں نے کہا: اللہ بہتر جانتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں تمہارا ذکر ہوگا۔

چنانچہ ملاحظہ فرمائیں کلمۂ شہادت، نماز، اذان، اوراد و وظائف، قرآن عظیم میں اطاعت خدا کے ساتھ ساتھ آیات میں اطاعت رسول کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ آیات قرآنیہ میں حضور کی مدح فرمائی گئی ہے۔ اللہ اپنے حبیب کو مخاطب فرماتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ، طٰهٰ، یٰسٓ، شَاهِدٌ، مُبَشِّرٌ، نَذِیْرٌ، دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ، سِرَاجٌ، مُّنِیْرٌ کے عظیم تر القاب سے یاد فرماتا ہے، مسلمانوں پر درود ضروری قرار کیا گیا ہے، ملائکہ آپ پر درود پڑھتے ہیں اور جملہ آسمانی صحیفوں میں آپ کا ذکر ہے، انبیائے کرام کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، کہ وہ اپنے اپنے دور نبوت میں سرور کائنات کی بشارت دیں۔

حضور کی حیات طیبہ پر جتنی کتابیں مسلمانوں نے اور غیر مسلموں نے لکھی ہیں کسی کے حصے میں یہ عظمت نہیں آسکی ہے۔ صبح قیامت تک نعت مصطفی علیہ السلام کے ذریعہ ذکر ہوتا رہے گا اور نعت مصطفی اہل محبت کا وظیفۂ زندگی ہوگا۔ محفل میلاد بھی دراصل وَرَفَعْنَا لَكَ

ذِكْرَكَ کی وجہ سے ہے۔ پہلے کہیں محفل میلاد ہوتی تھی، مگر مخالفین نے مخالفت کی تو اب عالم یہ ہے کہ پوری دنیا میں محفل میلاد کی کثرت ہو رہی ہے۔ امام اہلسنت نے فرمایا تھا:

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○

(سورۃ الانشراح، الایات: 6/5)

بے شک ہر مشکل کے بعد آسانی ہے اور بلاشبہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔

یہ دراصل پیغمبر اعظم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آج جن مشکلات سے گزر رہے ہیں، یہ مشکلات ہمیشہ نہیں رہیں گی، بلکہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا، جب ایک فاتح کی حیثیت سے آپ مکہ میں داخل ہوں گے اور اس کے بعد جو لوگ آج آپ پر ظلم کر رہے ہیں، آپ کے پیغام سے دور ہیں، قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں وہ فوج در فوج، جماعت در جماعت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اسلام قبول کریں گے۔

وہ دور عُسر کا نہیں یُسر کا دور ہوگا، مشکل کا نہیں آسانی کا دور ہوگا، یہ نظام قدرت اور نظام فطرت بھی ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ اس لیے آج آپ جن مشکلات سے گزر رہے ہیں، آپ غمزدہ نہ ہوں، اسے آپ اپنے دل کا بوجھ نہ بنائیں، یہ نہ محسوس کریں کہ ہمیشہ یہ مشکلات رہیں گی بلکہ یقیناً مشکلات دور ہوں گی، اللہ آپ کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے گا۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ○

(سورۃ الانشراح، الایات: 8/7)

جب آپ فرائض نبوت سے فارغ ہوجائیں تو حسب معمول ریاضت میں لگ جائیں۔

یعنی آپ عبادت تو کرتے ہیں آپ سید العابدین ہیں، کائنات میں جس کو بھی شعور عبادت ملے گا آپ کے ذریعے ہی ملے گا لیکن دعوت اور پیغام رسالت کو پہنچانے میں جو وقت لگتا ہے اس سے جب بھی آپ کو فرصت ملے، تو آپ اللہ کی بارگاہ میں بندگی کے لیے کھڑے ہوجائیں اور ریاضت میں لگ جائیں، عبادت میں لگ جائیں اور اپنے رب کی طرف مکمل طور پہ راغب ہوجائیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فَاِذَا فَرَغْتَ سے مراد نماز اور فَانْصَبْ سے نماز کے بعد کے اذکار مراد ہیں۔ اور یقیناً دعائیں عبادت کا حاصل ہیں۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَة

دعاء عبادت کا مغز ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے اپنے حبیب کو اس پوری سورت میں تسلی بھی دی ہے، ان کے مقامات بلند کا اظہار بھی فرمایا ہے، ان کی رفعت ذکر کا اعلان بھی فرمایا اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہ حالت ہمیشہ نہ رہے گی یقیناً آپ غالب ہوں گے اور کامیاب ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالی ہمیں قرآن پاک کے فہم کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۱۲۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَ اٰلِهِ الْكِرَام اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ○ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ○ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

آج سورۃُ التین کا مفہوم عرض کرنے کی کوشش کروں گا یہ سورت بھی مکیہ ہے، اس میں ایک رکوع آٹھ آیات ہیں، اس سورت کا آغاز انجیر اور زیتون کی قسم سے کیا گیا ہے، ان مقدس قسموں کا تعلق انبیائے کرام کی جلوہ گاہوں سے ہے۔

تین، زیتون، طورسینین اور بلد الامین یہ چار مقدس اشیاء ہیں جن کی قسم اللہ تبارک وتعالی، خلاق کائنات نے یاد فرمائی ہے۔

اس سورت میں انسان کی تخلیق کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا، بوقت ولادت فطرت کے مطابق اسلام پر پیدا کیا گیا تھا، بعد میں اس نے انحراف کیا تو اس کو اسفل السافلین میں داخل کر دیا گیا مگر وہ لوگ جو اپنی فطرت پر قائم رہے، دل سے ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کو بے انتہا اور کبھی ختم نہ ہونے والے ثواب سے نوازا جائے گا۔

پھر آخر میں فرمایا گیا کہ اس حقیقت کے ادراک کے باوجود اللہ تعالی ہی نے انسان کو پیدا کیا اور حسین وجمیل شکل وصورت عطا فرمائی اور عقل وشعور اور نطق سے نوازا اور جملہ مخلوقات سے انسان کو ممتاز کیا، پھر بھی انسان یوم جزا کے متعلق آپ کی تکذیب کرے تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تبارک وتعالی احکم الحاکمین ہے؟

حضرات گرامی! یہ مختصر سا تعارف ہے اس سورت کا اب آئیے تھوڑی سی تفصیل کرنے کا شرف حاصل کروں۔

وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ○ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○

(سورۃ التین، الایات: 1-3)

انجیر کی قسم، زیتون کی قسم، طورسینا کی قسم اور اس امن والے شہر کی قسم۔

اللہ رب العزت نے ان پھلوں کی اور طورسینا، بلد امین کی قسم یاد فرمائی ہے۔ اس لیے کہ جہاں تین اور زیتون پیدا ہوتے ہیں وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے اور جلوہ گاہ ہے، طورسینا حضرت موسی علیہ السلام کے لیے مرکز تجلیات الہی اور نزول توریت نیز اللہ تبارک وتعالی سے شرف ہم کلامی کے لیے مخصوص ہے، جہاں حضرت موسی علیہ السلام کو نبوت، توریت اور شرف کلام سے نوازا گیا وہ طورسینا ہی ہے۔ اور بلد الامین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے ولادت ہے جہاں خانہ کعبہ بھی ہے جو تعمیر ابراہیم علیہ السلام ہے اور جس کی تعمیر کے وقت یہ دعا کی گئی تھی اسے ایسا شہر بنا دے جو محفوظ ومامون ہو۔

چنانچہ عہد جاہلیت میں بھی اگر کسی کے باپ کا قاتل بھی کعبہ مقدسہ میں آجاتا تو محفوظ ہو جاتا تھا یہاں تک کہ اگر کوئی جانور بھی حرم میں آجاتا تو شکاری واپس ہو جاتے تھے اور شکار نہیں کرتے تھے۔

تین اور زیتون کے طبی فوائد بھی بے پناہ ہیں، انجیر مشہور پھل ہے جو جسم کے تمام فضلات کو خارج کر دیتا ہے، زود ہضم ہے اور بہت سے امراض معدہ کے لیے مفید ہے، گردوں کو صاف کرتا ہے، مثانہ کی پتھری توڑتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے، بواسیر کو ختم کرتا ہے اور وجع المفاصل یعنی گھٹیا کے درد میں مفید ہے۔

زیتون کے بہت سے فوائد ہیں اس سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں، پتے کی پتھری کو خارج کرتا ہے، دل کے لیے انتہائی مفید ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ

(سورۃ المؤمنون، الایۃ: 20)

یہ وہ درخت ہے جو طور سیناء سے نکلتا ہے، جس سے تیل بھی نکلتا ہے اور کھانے والوں کے لیے بہترین سالن ہے۔

اور بہت ممکن ہے کہ جس درخت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کیا تھا اور انہیں نبوت سے نوازا گیا تھا وہ زیتون ہی کا درخت ہو۔ واللہ اعلم

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (سورۃ التین، الایۃ:4)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت اور اعتدال میں پیدا فرمایا۔

بعض مفسرین نے یہاں انسان سے مراد کافر کو لیا ہے خاص طور پر ولید ابن مغیرہ یا وہ تمام کفار جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہ تھے اس لیے بعد میں فرمایا گیا:

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ○ (سورۃ التین، الایۃ:5)

پھر ہم نے اس کو انتہائی نچلے درجے میں گرا دیا جہنم کے نچلے طبقہ میں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ انسان ہے جو اپنی فطرت اسلامی سے بغاوت کر کے کفر کا راستہ اختیار کرے یقیناً وہ دوزخ میں، اسفل السافلین میں داخل کیا جائے گا، اور مقام انسانیت سے گر کر جانوروں سے بدتر ہو جائے گا۔

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی تخلیق کا شاہکار قرار دیا ہے اسی لیے فرمایا کہ انسان کو ہم نے انتہائی بہترین ساخت اور اعتدال پر پیدا فرمایا۔ لیکن اس نے ہم سے بغاوت کی، اسلام کو قبول کرنے کی بجائے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور یہ بھول گیا کہ جس پروردگار عالم نے اسے یہ شکل وصورت دی ہے، اس کو بہترین تقویم سے نوازا ہے پھر اس کی بارگاہ میں جانا بھی ہے اور اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔

انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور وہ صلاحیتیں کسی اور مخلوق کے اندر نہیں ہیں، انسان کو بہترین شکل وصورت دی گئی، انتہائی متناسب سراپا دیا گیا جب کہ دوسرے جانور حالت رکوع میں ہوتے ہیں یا بہت زیادہ جھکے ہوئے ہوتے ہیں، انسان جیسی شکل وصورت کسی اور کو نہیں دی گئی، انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل سے نوازا، شعور سے نوازا اور حق وباطل کے امتیاز کی مکمل صلاحیت بخشی۔

لیکن انسان نے جب فطرت سے بغاوت کی اور وہ راستہ چھوڑ دیا جس پہ چلنا تھا تو اس کا مرتبہ جانوروں سے بدتر ہو گیا۔ بظاہر وہ انسانوں میں نظر آتا ہے مگر وہ انسان نہیں ہوتا بلکہ وحشی درندہ ہو جاتا ہے اور بدکرداری کی وجہ سے جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حضرات! میں نے کہا کہ اس نے اپنی فطرت سے بغاوت کی وہ اس لیے کہا ہے کہ اللہ کے رسول تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ،

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین، الرقم:1385)

ہر پیدا ہونے والا بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر بعد میں اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

چونکہ انسان کی تخلیق اسلامی فطرت پر ہوئی تھی اور اس نے اپنی تخلیق سے بغاوت کی ہے بڑے ہونے کے بعد جو اسے آزادی دی گئی تھی، آزادی کے بنیاد پر اس نے غلط راستہ اختیار کیا تو پھر وہ انسانیت کے مرتبہ سے گر گیا، دنیا میں جانوروں سے بدتر زندگی گزارے گا، بہت خوش باش نظر آئے گا مگر کردار کے اعتبار سے جانور سے بدتر ہو گا، جہنم کے سب سے نچلے

طبقہ میں رکھا جائے گا۔

سامعین کرام! آپ آج انسانوں کا جائزہ لیں جتنے افراد اسلام سے بغاوت کر کے اپنے کو ترقی یافتہ کہتے ہیں ان کی زندگی کیا جانوروں جیسی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔

ایک درندہ اپنا شکار کھانے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے اور جب تک دوبارہ اسے بھوک نہ لگے وہ شکار نہیں کرتا شیر وغیرہ۔لیکن انسان اتنا وحشی ہے کہ پوری پوری قوموں کو تباہ کرنے کے بعد بھی اس کی اقتدار کی بھوک نہیں مٹتی اور ایک علاقہ کو تباہ کرنے کے بعد دوسرے ملک پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔کیا یہ انسانیت سے گرا ہوا نہیں ہے؟ پھر معاشی زندگی میں وہ دوسروں کا حق مارتا ہے اور اپنی زندگی پوری کرتا ہے، جانوروں میں بہت سے جانور ایسے ہیں جو ایک ساتھ مل کر کھا لیتے ہیں لیکن انسان ان کتوں کی طرح سے بن جاتا ہے کہ اگر کوئی ٹکڑا پڑا ہوا ہے تو دو کتے جھپٹے اور آپس میں لڑتے ہیں اور کبھی وہ آپس میں لڑ کر تباہ ہو جاتے ہیں اور وہ ٹکڑا یونہی پڑا رہ جاتا ہے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دنیا گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہے اور اس کو طلب کرنے والے کتے ہیں اور جانور سے تشبیہ اس لیے نہیں دی گئی کہ اور جانور مل کر کھا لیتے ہیں ایک مردار پر بہت سے گدھ کھا لیتے ہیں اور لڑتے نہیں ہیں لیکن کتے لڑتے ہیں اور آپس میں لڑ کر زخمی ہو جاتے ہیں۔اور کبھی وہ ٹکڑا پڑا رہ جاتا ہے۔

کیا انسان بھی ایسا نہیں ہے کہ دنیا کے حصول کے لیے اپنے ہی جیسے انسانوں پر ظلم کرتا ہے؟ اور دنیا وہیں کی وہیں پڑی رہ جاتی ہے پھر وہ فنا ہو جاتا ہے پھر دوسرے پیدا ہوتے ہیں اسی دنیا میں، اسی زمین پر جس کے لیے اس نے ظلم کی انتہا کر دی تھی۔

اسی طریقہ سے اگر معاشرتی زندگی میں اگر دیکھیں تو انسان ایسے گناہ کرتا ہے، ایسے

عمل کرتا ہے جو جانور بھی نہیں کرتا۔

آج کل مغرب میں بڑا رواج ہے معاذ اللہ! عمل قوم لوط کا اور باضابطہ اسے قانون کی شکل دے دی گئی ہے، اس کے خلاف بولا جائے تو یہ غیر قانونی اور حکومت کی مخالفت سمجھا جاتا ہے حالاں کہ جانور بھی اپنی جنس مخالف میں دل چسپی لیتا ہے اپنے ہم جنس میں نہیں۔

یہ بدترین صورت حال کیا اسفل السافلین کا مقام نہیں ہے جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ایسی بے شمار برائیاں ہیں کہ جن کا ارتکاب کرنے والا جانور سے بدتر ہوتا ہے۔

اسی لیے اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ:

ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں اعتدال اعضا کے ساتھ پیدا کیا۔

اصل میں جمال کہتے ہیں اعضا کے درمیان انتہائی خوبصورت اعتدال کو اور توازن وتناسب کو اللہ تبارک وتعالی نے پیدا کیا مگر انسان نے اپنی بدکرداری کے بنیاد پر اپنے کو بدترین مخلوق بنالیا اور اسفل السافلین میں اپنے کو داخل کرلیا۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

ہم نے انسان کو عقل اور شکل وصورت کے اعتبار سے اعتدال وتوازن کے ساتھ عمدہ ساخت میں پیدا کیا۔پھر ہم نے اسے بدترین حالت کی طرف لوٹا دیا۔ایسی حالت کہ جس کے تصور سے انسانی روح کانپ جاتی ہے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

صرف وہ لوگ (اسفل السافلین کی منزل میں اترنے سے محفوظ رہے) جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا۔

برائیوں کے ماحول میں، بدکرداریوں کے ماحول میں، بغاوت اور انحراف کے

ماحول میں وہ ایمان پر قائم رہے اور نیک عمل کرتے رہے۔

اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ (سورۃ التین، الایۃ:6)

تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

ان کو اتنا اجر دیا جائے گا کہ جو کسی مکان وزمان کے اندر محدود نہ ہوگا بلکہ ہمیشگی کی زندگی دی جائے گی اور نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ○ (سورۃ التین، الایۃ:7)

پھر کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد کہ وہ جانتا ہے کہ جزا وسزا کا معاملہ یقیناً پیش آئے گا۔

آخرت پر یقین رکھنے والا اور دین کو ماننے والا کبھی بھی آپ کی تکذیب نہیں کرسکتا ہے۔ اے محبوب تکذیب وہی لوگ کریں گے جو آخرت پر یقین نہیں رکھیں گے لیکن انہیں خبردار کردیا گیا ہے:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ○ (سورۃ التین، الایۃ:8)

کیا پروردگار عالم سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔

جو یقیناً احتساب فرمائے گا اور پھر ظالموں کو، مکذبین کو بدترین سزا دے گا۔

اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو ان لوگوں میں شامل فرمائے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کرتے رہیں اور ہمیں اہل جنت کے صورت میں اجر غیر ممنون سے نوازے۔

خطاب نمبر (۱۲۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا
وَمَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ.
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ
الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دوجہاں، حضور شفیع المذنبین علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرات گرامی! آج میں سورۃ العلق یا سورۃ الاقراء دونوں نام ہیں، کی چند آیات

مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

اس کی پہلی پانچ آیات مبارکہ ابتدائے وحی کی آیات مبارکہ ہیں۔وحی پاک کا آغاز انہیں آیات شریفہ سے ہوا ہے،آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی پاک کا آغاز رویائے صادقہ (سچے خوابوں) کے ذریعے سے ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان فرماتی ہیں:

کہ ابتداءً آپ پر سچے خوابوں کا نزول شروع ہوا اور وہ خواب ایسے تھے کہ شب میں جو کچھ دیکھتے دن میں صبح کی طرح وہ خواب عالم محسوسات میں نظر آتے تھے۔

سچے خوابوں کا آغاز جب ہوا،تو آپ تنہائی پسند ہو گئے اور آپ غار حرا میں قیام فرمانے لگے۔کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کئی کئی روز وہاں قیام فرماتے،اپنے ساتھ کچھ کھانے پینے کا سامان لے جاتے،ستو اور کھجوریں وغیرہ۔اور وہاں قیام فرماتے،پھر تشریف لاتے اور پھر واپس جاتے،یہ کیفیت کم وبیش چھ مہینے تک جاری رہی اور اس کے بعد ایک شب غالباً سترہ رمضان المبارک تھی،حضرت جبرئیل آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے فرمایا:

اِقْرَأْ

پڑھیے۔

آپ نے فرمایا:

مَا اَنَا بِقَارِئٍ

میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔

پھر دوبارہ انہوں نے کہا پھر بھی آپ نے یہی جواب دیا۔تیسری بار بھی۔

پھر انہوں نے آپ کو اپنے سینہ اطہر سے لگا کے کافی زور سے دبوچا ایک بار پھر دوسری بار،اور پھر تیسری بار۔

اس کے بعد آپ نے پوری آیت کریمہ پڑھی۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ○

پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے آپ سب کو پیدا فرمایا،سب کی تخلیق فرمائی۔

حضرات گرامی!اس آیت کریمہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ سب سے پہلی آیت ہے جو آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام پر نازل ہوئی،جب جبرئیل نے تین بار اپنے سینہ اطہر سے لگانے کے بعد پڑھنے کے لیے کہا تو آپ نے پڑھنا شروع فرمایا۔

مفسرین کرام نے نہ پڑھنے کی بہت سی وجوہ بیان کی ہیں۔ان میں ایک بات یہ ہے کہ ابتداءً جس کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں ذکر کیا ہے۔کہ پہلی بار وحی پاک کا تجربہ ہو رہا تھا،اور جناب جبرئیل کو دیکھ کر آپ کے قلب پاک پر ایک خوف سا طاری ہوا اور آپ نے اسی بنیاد پے کہا کہ:

مَا اَنَا بِقَارِئٍ

میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔

لیکن جب جناب جبرئیل نے یہ کہا کہ:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ○

یہ آیت طیبہ پڑھی تو آپ نے پڑھنا شروع کیا کہ پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔

حضرات!اپنے رب کے نام سے پڑھنے کے حکم کی لذت ہی اتنی عظیم ہے کہ آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام نے پڑھنا شروع کر دیا۔

کتنا حسین انداز تخاطب ہے۔یعنی پڑھانے والا وہ رب ہے،جس نے ساری کائنات

کو پیدا کیا ہے اور آپ کا رب ہے۔ خاص طور پر کافِ خطاب کے ذریعہ اس محبوبیت کبریٰ کا اعلان ہو رہا ہے جو اللہ کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو بارگاہ خداوندی میں حاصل تھی۔

حضرات! اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی، کہ آقائے دو جہاں اپنے رب کی معرفت پہلے ہی سے رکھتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو پہلے رب کا تعارف کرایا جاتا اور پھر کہا جاتا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔

لیکن اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کہہ کر اس بات کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ نبی اپنے رب کو پہچانتے ہیں اگر نہ پہچانتے تو کس کی یاد میں آپ پورے پورے ہفتے کئی کئی روز تک، کتنے مہینوں سے غار حرا کی تنہائیوں میں آ کے اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ وہی رب جس نے آپ کو خلوت گزینی کا حکم دیا ہے اور جس کی یاد میں آپ یہاں آتے ہیں تنہا، اسی رب کے نام سے پڑھیے، خوفزدہ نہ ہوئیے، یہ کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے آپ کے قلب پاک پر پھر آپ نے پڑھا۔ پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔

حضرات گرامی! یہاں چند باتیں جاننا ضروری ہے، کہ آغاز تلاوت سے پہلے اللہ کا نام لینے کا حکم دیا گیا اپنے رب کے نام سے پڑھیے، اس سے یہ قانون بنا کہ جب بھی تلاوت قرآن عظیم کی جائے تو اللہ کے نام سے اس کا آغاز کیا جائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پڑھا جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی مہتم بالشان کام کرنا ہو تو اللہ کے نام سے شروع کیا جائے۔ حدیث پاک میں ہے:

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِذِكْرِ اللّٰهِ أَقْطَعُ۔

(سنن الدار قطنی، کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث:884)

کوئی عظیم الشان کام اگر اللہ کے ذکر سے نہ شروع کیا جائے تو نامکمل رہتا ہے۔

اور نزول قرآن سے زیادہ مہتم بالشان امر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔ پڑھنے کا آغاز، نزول قرآن کا آغاز اللہ کے نام سے ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تلقین کی گئی کہ پڑھیے۔

سرور دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام امی تھے آپ کو کسی انسان نے نہیں پڑھایا تھا مگر آپ کا پڑھانے والا پروردگار ہے، اس لیے وہ آپ کو پڑھنے کے لیے حکم دے رہا ہے کہ میں پڑھانے والا ہوں، اور آپ پڑھیے، آپ میرے تلمیذ ہیں، کسی اور کے نہیں اور جسے میں پڑھاؤں گا وہ کائنات کے حقائق کا کس قدر جاننے والا ہوگا اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (سورۃ العلق، الایۃ:1)

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔

اے محبوب! پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے ساری کائنات کو۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (سورۃ العلق، الایۃ:2)

انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔

اللہ نے تخلیق انسانی کے آغاز کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انسان کو اللہ نے ایک خون بستہ سے (جمے ہوئے خون سے) پیدا فرمایا ہے۔ تخلیق انسانی کے تذکرہ کے بعد اللہ تبارک وتعالی انسان کی عظمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ ہم نے اسے خون بستہ سے پیدا کیا اور ظاہر ہے کہ جمے ہوئے خون سے پیدا ہونے والا انسان اس قدر صاحب علم و بصیرت ہوا کہ دنیا میں کوئی اور مخلوق اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

حضرات گرامی! بہر حال جب وحی پاک نازل ہوئی، تو روایات میں آیا ہے کہ آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ و السلام گھر تشریف لے گئے اور ہماری عظیم تر ماں خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا:

"زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ"

مجھے چادر اوڑھاؤ مجھے چادر اوڑھاؤ۔

وہ فرماتی ہیں: کہ آپ کے جسم پاک پر کپکپی طاری تھی اور میں نے چادر اوڑھادی۔ آقا نے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف محسوس ہو رہا ہے، جناب خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے تسلی دی، ایک رفیق حیات اور شریک زندگی کا جو رول ہوسکتا ہے کسی دشواری کے وقت وہ انہوں نے ادا کیا، انہوں نے کہا کہ آپ ہرگز اندیشہ نہ کریں واللہ! اللہ تعالی آپ کو کبھی تنہا نہ چھوڑے گا ،رسوا نہ کرے گا۔اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں،لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں،ناداروں کی امداد خود کما کر کرتے ہیں،مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، اور مصیبت کے وقت لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔

آپ اندازہ کیجیے اس سے ایک عظیم خاتون کی طرز زندگی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کو وقتی پریشانی میں دیکھ کر کس قدر حوصلہ دے رہی ہیں۔اور یقیناً ایک شریک زندگی کا طرز عمل یہی ہونا چاہیے، جو انہوں نے ایسے وقت میں پیش کیا۔

پھر آپ کو لے کر وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس گئیں ،اور کہا کہ انہیں دیکھیے یہ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے غار حرا میں جو واقعہ پیش آیا تھا،اس کا تذکرہ کیا تو وہ بول اٹھے کہ یہ تو وہی ناموس ہے ،یہ وہی فرشتہ ہے جو جناب موسی اور جناب عیسی کے پاس بھی آیا کرتا تھا۔کاش! میں اس وقت تک زندہ اور توانا ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی ،آقائے دو جہاں کو بڑی حیرت ہوئی ،کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ جو مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے، مجھے صادق اور امین کہتی ہے،اپنی آبادی کی آبرو اور مقدس روح کے نام سے مجھے یاد کرتی ہے،کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟

تو جناب ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں: جب بھی کسی نبی نے اپنی نبوت کا اعلان کیا،اس

کے پاس وحی پاک آئی تو اس کی قوم نے اسے نکالا ہے اور آپ کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آئے گا۔کاش! میں اس وقت زندہ رہتا۔

حضرات! وہ بوڑھے ہو چکے تھے،اور انہوں نے بت پرستی کو چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی ،اور توریت وانجیل کو عربی میں لکھتے تھے اس لیے وہ ان کی بشارتوں سے واقف تھے اور وہ پہچان گئے کہ آپ آخری نبی ہیں اس لیے انہوں نے یہ فرمایا تھا۔بہر کیف ان کا بعد میں انتقال ہوگیا اور وہ اس وقت تک زندہ نہیں رہے جب آپ کو آپ کی قوم نے واقعی نکالا۔

یہاں کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ وحی پاک کیا ہے؟ اس لیے آپ وحشت زدہ ہو گئے تھے اور گھبرا گئے تھے،لیکن ارباب علم نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ کہیں سے آپ یہ نہیں کہتے ہوئے نظر آتے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ یہ کیا کیفیت ہے جو مجھ پر طاری ہوئی؟ بلکہ آپ لرزیدہ ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ قرآن پاک اگر پہاڑ پہ نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔وہی قرآن پاک پہلی بار قلب مصطفی پہ نازل ہو رہا تھا اور جبریل بھی پہلی بار آپ کے پاس آئے تھے،تو اتنا عظیم کلام جب نازل ہوگا تو یقیناً قلب کی جو کیفیت ہونی تھی وہ ہوئی،یہ نزول قرآن کی عظمت اور اس کے جلال کا اثر تھا آپ کے قلب پاک پر، جس نے آپ کو لرزہ براندام کیا تھا۔وحی پاک کی حقیقت سے ناواقفیت نہیں تھی اور جب کہ یہ فرمایا گیا تھا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔تو آپ اپنے رب سے ہمیشہ ہی آشنا تھے،اس لیے اس طرح کا کوئی شبہ کرنا غلط ہوگا۔

مستشرقین نے بھی اس کو بہت اچھالا ہے اور مختلف ناپسندیدہ باتیں کہی ہیں۔مگر اہل اسلام کو،اہل ایمان کو جو سرور کائنات سے محبت کرتے ہیں ان کی نبوت مطلقہ اور سیادت عامہ پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہیے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (سورۃ العلق، الایات:4/3)

پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔

سب سے پہلے اللہ نے فرمایا کہ آپ اس رب کے نام سے پڑھ رہے ہیں جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے، جو کائنات کا خالق و مالک ہے، جو پروردگار ہے، اس لیے آپ خوفزدہ نہ ہوں پڑھیے۔ پھر دوبارہ حکم دیا گیا: پڑھیے! آپ کا رب بڑا کریم ہے، اکرم ہے۔ یہ رب وہ ہے کہ جس نے تعلیم دی ہے قلم کے ذریعے سے۔ معلم حقیقی پروردگار عالم ہی ہے۔ کائنات میں جہاں کہیں بھی جو علم ہے، وہ وحی الٰہی کی بنیاد پر اللہ کا عطا کیا ہوا ہے اور تعلیم کا سب سے پہلا ذریعہ قلم ہی ہے یہی وجہ ہے کہ قلم قدرت نے لوح محفوظ پر تمام علوم کو محفوظ کر دیا ہے۔ وہاں بھی قلم کا تذکرہ ہے۔ قلم قدرت ہی نے لکھا ہے لوح محفوظ میں مقادر کائنات کو، اور حقائق کائنات کو، اور قلم ہی کے ذریعہ کائنات کے اولین اور آخرین کے علوم کو محفوظ کیا گیا ہے۔

ایک تو یہ مراد ہے قلم سے اور دوسرا یہ کہ قلم کی اہمیت اتنی ہے کہ دنیا میں جو بھی علم پھیلے گا، جو بھی حقائق محفوظ کئے جائیں گے وہ قلم ہی کے ذریعے سے، اگر قلم نہ ہوتا، تو تاریخیں مرتب نہ ہوتیں، اگر قلم نہ ہوتا، تو حقائق کونیہ کو باضابطہ محفوظ نہ کیا جا سکتا، اگر قلم نہ ہوتا، تو ریسرچ اور تحقیق کے سارے مراحل طے نہ ہوتے، یہ قلم ہی کی قوت ہے، کہ جس کے ذریعے سے انسان علم اور فضل کے میدان میں آگے بڑھا ہے اور کامیاب ہوا ہے۔

اور پھر اس قلم کی اہمیت تو وہاں بہت زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ جب آقائے گرامی پر، حضور علیہ السلام پر وحی پاک نازل ہو رہی ہے، تو لوگ اسے یاد کر لے رہے ہیں، لیکن یاد کرنے کے بعد قلم کے ذریعے سے انہیں ضابطہ تحریر میں لا رہے ہیں۔ اگر قلم نہ ہوتا تو قرآن پاک اصلی شکل میں ہمارے پاس نہ پہنچ سکتا۔

پھر قلم کا یہ بھی کمال ہے کہ آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام کی پوری زندگی کا جو

ریکارڈ محفوظ ہے احادیث کی شکل میں، یہ قلم ہی کی کرامت ہے کہ ان کی ہر ادا، ان کا ہر لمحۂ حیات، ان کا ہر گوشۂ حیات، ان کی جلوتیں اور خلوتیں، ان کا سفر و حضر، ان کے غزوات، سب کچھ قلم کے ذریعے سے محفوظ کر لیے گئے ہیں، احادیث کا یہ عظیم ذخیرہ قلم کے ذریعے سے ہی ہم تک پہنچا ہے۔ آقا جب کچھ فرماتے تو صحابہ جو کچھ یاد کر سکتے تھے وہ یاد کرتے، اور جو لکھ سکتے تھے اسے لکھ لیا کرتے تھے، یہ سلسلہ تھا کہ جس کی بنیاد پہ آج پوری حیات طیبہ محفوظ ہے۔

یہاں دو باتیں عرض کرنا چاہوں گا، آپ اندازہ فرمائیے! کہ جس عظیم پیغمبر پر سب سے پہلے اِقْرَاْ نازل ہوا پڑھیے اس سے علم کی اہمیت کا اور تعلیم کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آج انہیں کی قوم قاری نہیں رہ گئی ہے، پڑھنے والی نہیں رہ گئی ہے، جو نبی غار حرا کی تنہائیوں سے کتاب لے کر کے آئے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آئے
اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لائے

جس پیغمبر گرامی کو حکم دیا گیا کہ اللہ نے قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا ہے آج اسی پیغمبر کی قوم کے ہاتھ میں قلم نہیں ہے۔ سب دوسروں کے ہاتھ چلا گیا ہے۔

اسلامی انقلاب ایک خالص علمی انقلاب تھا، ایک خالص فکری انقلاب تھا، اسلام کی جلوہ گری کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جائے جو بطور وراثت آدم ذہن انسانی میں منتقل ہو رہا ہے، امت مسلمہ نے جب تک کتاب اور قلم سے اپنا رشتہ جوڑے رکھا، وہ دنیا میں تحقیق اور ریسرچ کے مقام میں سب سے بلند تھی اور آگے تھی دنیا تقلید کر رہی تھی اس کی۔

مسلمانوں کی درسگاہوں میں پڑھنے کے لیے دنیا ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھی، لیکن جب سے مسلمانوں کے ماحول سے کتاب اور قلم کا رشتہ ٹوٹا ہے، اس کے بعد سے مسلمان مسلسل پسماندہ ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر یہ سورت طیبہ ہر دور میں مسلمانوں کو آگاہ کرتی رہے گی اور مہمیز

کرتی رہے گی کہ انسانی زندگی میں کتاب اور قلم بے پناہ ضروری ہیں۔

میں تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا، ہر صاحب ہوش، کتاب اور قلم کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے، اب آگے فرمایا جارہا ہے:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ (سورۃ العلق، الایۃ:5)

انسان کو وہ سب کچھ سکھایا اللہ نے جو وہ نہیں جانتا تھا۔

حضرات! انسانوں کا امتیاز ساری کائنات میں علم ہی کی بنیاد پر ہے۔ لیکن یہاں اَلْاِنْسَان سے مراد کون ہے؟ مفسرین کا ایک طبقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہاں اَلْاِنْسَان سے مراد حضور سید عالم کی ذات ہے۔ یا جناب آدم علیہ السلام کی ذات ہے۔

آدم علیہ السلام کو اللہ نے جب پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: یا اللہ! کیا اس زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو زمین کو شر و فساد سے بھر دے؟ انہیں جنوں کی تخلیق کا تجربہ تھا، جنوں نے ایسا ہی کیا تھا، اللہ نے ایسے موقع پر جناب آدم کو اسما کا علم دیا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (سورۃ البقرۃ، الایۃ:31)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیا کے نام سکھائے۔

تمامی اسما کا علم دیا ہے اور اسما بغیر مسمیات کے نہیں ہو سکتے ہیں، کسی چیز کا نام ہوگا تو کوئی شئی موجود ہوگی۔ اور مسمیات کے حقائق بھی ہوتے ہیں۔ تو نہ صرف یہ کہ جناب آدم کو اسما کا علم دیا گیا بلکہ کائنات میں جو کچھ پیدا ہونے والی چیزیں تھیں، وجود میں آنے والی چیزیں تھیں صبح قیامت تک، سب کا مشاہدہ بھی کرایا گیا اور سب کی کیفیات اور سب کے حقائق کا بھی ان کو علم دیا گیا۔ مفسرین نے اس کی وضاحت کی ہے۔

سب کچھ جناب آدم علیہ السلام کے ذہن پاک میں محفوظ کر دیا گیا، اور پھر جیسے جیسے انسانوں کا ارتقا ہوتا رہا، آگے بڑھتا رہا انسان، تو علم آدم انسانوں کے دین میں منتقل ہوتا رہا

اور تحقیق اور ریسرچ کے دروازے کھلتے رہے ہیں۔ ایک تو مفہوم یہ بتایا گیا ہے۔

اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد جناب آدم بھی ہیں اور سرور کائنات علیہ الصلوۃ و السلام بھی ہیں۔ اس لیے کہ ان کے بارے میں اللہ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○

(سورۃ النساء، الایۃ:113)

اللہ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پہ بے پناہ فضل ہے۔

وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ اور وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں کس قدر مناسبت ہے کائنات کے تمام علوم اور تمام حقائق حضور سید عالم سرور کائنات کو عطا فرمائے گئے اور چوں کہ اس کے بعد حضور ہی کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لیے راجح قول یہ ہے کہ یہاں اَلْاِنْسَان سے مراد جو معرفہ ہے حضور آقائے دو جہاں ہی کی ذات ہے۔

اب اللہ ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ○ (سورۃ العلق، الایۃ:6)

ہاں بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔

اللہ نے اسے علم دیا، اللہ نے اسے خون بستہ سے پیدا فرمایا اور صاحب عقل و شعور بنایا، دولت اور سرمایہ سے نوازا، زندگی کی قدروں سے آشنا کیا، مگر وہ سب کچھ بھول کر اپنے خالق ہی سے بغاوت کرتا ہے، اپنے رب ہی سے دور ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: بغاوت کی وجہ کیا ہے؟

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ○ (سورۃ العلق، الایۃ:7)

اس بنا پر کہ وہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے، بے نیاز سمجھتا ہے۔

وہ سمجھتا ہے کہ دولت ہے میرے پاس سرمایہ ہے میرے پاس، اعوان وانصار کی طاقت ہے، قبائلی قوت ہے میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟ حالاں کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ:

اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ○ (سورۃ العلق، الایۃ:8)

بلاشبہ (اے غافل انسان! تجھ کو) اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔

اپنے رب کی طرف جانا ہے تجھے، جس نے تجھے پیدا کیا ہے خون بستہ سے، سمیع وبصیر انسان بنایا ہے، دولت وقوت سے نوازا ہے، لوٹ کے اسی کی طرف جانا ہے، تمہیں حساب دینا پڑے گا، مگر انسان بھولا ہوا ہے۔

اب یہاں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے، کہ ابوجہل نے جب یہ دیکھا کہ حضور کعبہ مقدسہ میں نماز پڑھتے ہیں تو اس نے قسم کھائی کہ اب میں نے ان کو دیکھا تو ان کا سر کچل دوں گا، اور انہیں فنا کر دوں گا معاذ اللہ! پھر ایک دفعہ آقا مقام ابراہیم پر اپنے رب کی بارگاہ میں سربسجود تھے اور اس نے ارادہ کیا کہ بڑا سا پتھر اٹھا کر آپ پر حملہ آور ہو، لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھا، تو وہ وزنی پتھر ہاتھ سے گر گیا اور وہ ہاتھ بڑھائے ہوئے، پھیلائے ہوئے، جیسے کسی کو دفع کر رہا ہو بھاگتا ہوا واپس ہوا، لوگوں نے کہا کیا ہوا؟ تو اس نے کہا کہ میں جب بڑھا ان کی طرف تو میں نے دیکھا کہ ان کے اور میرے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور اس کے شعلے اٹھ رہے ہیں اور کچھ پرندے ہیں جو مجھ پہ حملہ کرنا چاہتے ہیں تو میں خوفزدہ ہو کے بھاگ آیا۔ یہ اس آیت کا شان نزول ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی (سورۃ العلق، الایۃ:10/9)

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔

عَبْدًا بندے سے مراد سرور کائنات ہیں اِذَا صَلّٰی جب کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ○ (سورۃ العلق، الایۃ:11)

بھلا دیکھیے اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ (تو کتنا کامیاب ہوتا۔)

یعنی اس نے یہ دیکھا کہ وہ آپ پہ حملہ آور ہونا چاہتا ہے، مگر کامیاب نہیں ہوا، مگر ضد یہ تھی کہ اس کے بعد بھی اس نے ہدایت قبول نہ کی۔

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ○ (سورۃ العلق، الایۃ:12)

یا وہ پرہیزگار ہوتا اور پرہیزگاری کا حکم دیتا۔

تو یہ اس کے لیے کتنا بہتر ہوتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ (سورۃ العلق، الایۃ:13)

آپ نے دیکھا کہ اس نے آپ کو جھٹلایا بھی اور آپ سے منہ بھی پھیرا۔

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ○ (سورۃ العلق، الایۃ:14)

کیا وہ نہیں جانتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے سب کچھ؟

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ○ (سورۃ العلق، الایۃ:15)

ہرگز، خبردار، آگاہ ہو جا! کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آیا اپنے طرز عمل سے تو ہم ضرور اسے گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بل۔

نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ○ (سورۃ العلق، الایۃ:16)

وہ پیشانی جو جھوٹ بولنے والی ہے اور خطا کار پیشانی ہے۔

آپ اپنے رب کی بارگاہ میں پیشانی جھکا رہے ہیں اور وہ ظالم ایک اکڑی ہوئی پیشانی لے کر آپ کو فنا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اللہ دیکھ رہا ہے۔

فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ○ (سورۃ العلق، الایۃ:17)

پس وہ بلائے اپنے تمام مددگاروں کو۔

وہ کہتا تھا میرے پاس بڑی طاقت ہے، بڑی قوت ہے، ایک آواز دوں، تو پورا

مکہ نہیں پورا جزیرۃ العرب جمع ہو جائے گا اور میں (معاذ اللہ) محمد کے دیوانوں کو ختم کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تو وہ بلائے اپنے ہم نشینوں کو اور مددگاروں کو اور ہم

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ○ (سورۃ العلق، الایۃ:18)

اور ہم فرشتوں کو حکم دیں گے۔

وہ فرشتے یقیناً اسے فنا کر دیں گے اور پھر یہی ہوا، بدر میں اسے بالوں کے اور پیشانی کے بل گھسیٹ کر اس گڈھے میں ڈال دیا گیا جو گڈھا جہنم کی طرف سے تھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○ (سورۃ العلق، الایۃ:19)

خبردار! تم اس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور (ہم سے) قریب ہو جاؤ۔

اے پیغمبر! آپ گھبرائیے نہیں، اس کی ایک بات بھی نہ سنیے وہ دھمکیاں دیتا ہے وہ آپ کے قتل کا منصوبہ بناتا ہے وہ اپنی طاقت پر غرور کرتا ہے، آپ اس کی بات مت سنیے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

اور سجدہ کیجیے اور ہم سے قریب ہو جائیے۔

حضرات! یہ آیت سجدہ ہے۔ آپ نے سماعت فرمالیا ہے آپ بھی سجدہ کر لیجیے اور میں بھی سجدہ کرنے جا رہا ہوں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۲۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

حضرات گرامی! آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِيْنَ

حضرات! آج میں نے سورۃ القدر تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اور اس کا ترجمہ اور مختصر سا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ (سورۃ القدر،الایۃ:1)

بے شک ہم نے قرآن کو اتارا ہے شب قدر میں۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اترتے ہیں فرشتے اور جناب جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کے حکم سے ہر امر خیر کے لیے، یہ سراسر امن وسلامتی ہے طلوع فجر تک۔

حضرات گرامی! یہ چند آیات مبارکہ سورۃ القدر کی ہیں، آئیے ہم اس سورت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

سورۃ القدر کے شان نزول میں دو باتیں وارد ہوئی ہیں:

ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی قوم میں ایک عابد اور زاہد بزرگ تھے جن کی عمر بہت لمبی تھی اور انہوں نے 80 سال سے زیادہ رات میں عبادت کی تھی اور دن میں جہاد فرمایا تھا۔ جب یہ بات صحابہ کرام کو معلوم ہوئی تو جو نیکیوں میں ایک دوسرے سے ہمیشہ آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے ان کے ذہن میں خیال آیا کہ ہماری عمریں تو اتنی زیادہ نہیں ہوتیں اور اگر ہو بھی تو اتنے زمانہ تک اسی سال یا اس سے کچھ زیادہ سالوں تک ہم جہاد اور عبادت کیسے کرسکیں گے؟ امم سابقہ تو نیکیوں میں ہم سے آگے بڑھ گئیں۔ اس کے بعد یہ سورت نازل ہوئی آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتیوں کو تسلی دینے کے لیے۔

دوسری روایت ہے کہ خود آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ اے میرے مولی! میرے امتیوں کی عمریں کم ہیں اور یہ طاعت وعبادت میں دوسرے نبیوں کی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائیں تو یہ سورت نازل ہوئی۔

مفہوم یہ ہے کہ بے شک ہم نے قرآن عظیم کو نازل کیا ہے لیلۃ القدر میں۔ اللہ تبارک وتعالی لیلۃ القدر کی تعریف فرمارہا ہے اور اس کا تعارف کرارہا ہے کہ یہ رات اتنی عظیم ہے کہ اس میں ہم نے انسان کو سب سے بڑا انعام قرآن عظیم عطا فرمایا ہے، یہ وہ تحفہ ہے اور انعام ہے کہ امم سابقہ میں کسی اور قوم کو نہیں عطا کیا گیا۔

بلا شبہ توریت اور انجیل بھی منزل من اللہ ہیں مگر وہ کتاب جو قیامت تک باقی رہنے والی ہے، ایک مکمل نظام زندگی اور نظام عبادت واخلاق کی حیثیت سے وہ صرف قرآن ہے اور انبیائے کرام کی نبوتیں بھی محدود زمانے کے لیے تھی مگر قرآن ساری کائنات کے لیے قیامت تک دستور حیات ہے اور نظام زندگی ہے اور یہ باقی رہے گا۔

لیلۃ القدر کا تعارف اس طور پر کہ قرآن پاک نازل ہوا یہ خود بہت اہم تعارف ہے اور بھی فضائل نہ ہوتے تو یقیناً قرآن پاک کے نزول کی وجہ سے اس شب کی عظمت اپنے مقام پر ہمیشہ باقی رہتی۔ جب کہ اللہ تبارک وتعالی نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (سورۃ البقرۃ:الایۃ:185)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا ہے۔

تو ایک مقام پر فرمایا گیا کہ رمضان کے مہینہ میں نازل کیا گیا اور ایک مقام پر فرمایا گیا کہ لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان ہی میں ہے۔ بہت سی روایات دوسرے مہینوں کے سلسلے میں بھی ہیں لیکن قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کے ذریعہ ہم نے قرآن پاک کو لیلۃ القدر میں نازل کیا اور لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہی ہوتی ہے تو یقیناً اس لیلۃ القدر سے مراد ماہ رمضان کی ہی مقدس رات ہے۔

دوسری بات یہ کہ قرآن پاک تیئس سال میں نازل ہوا اور یہاں اللہ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ

ہم نے نازل فرمایا۔

باب انزال سے اگر آتا ہے تو پورا نازل کیا اور باب تنزیل سے اگر ہو تو تدریجاً نازل کیا معنی کیا جاتا ہے تو ہم نے پورا قرآن عظیم لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن عظیم تیئس سال میں نازل ہوا ہے پھر شب قدر کا تذکرہ کیوں فرمایا گیا؟ تو مفسرین نے جواب دیا ہے کہ قرآن عظیم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر شب قدر کی رات میں پورا اتارا گیا اور پھر آسمان دنیا سے بارگاہ رسول میں تیئس سال کے مدت میں تدریجاً، نجماً نجماً، آیۃً آیۃً نازل ہوتا رہا۔

حضرات! شب قدر کتنی عظیم ہے اس کا اندازہ اس آیت کریمہ سے آپ کر سکتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ (سورۃ القدر، الایۃ:1)

ہم نے اس کو نازل کیا ہے شب قدر میں

قدر سے مراد عزت اور عظمت والی مقدس رات ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (سورۃ الزمر، الایۃ:67)

انہوں نے اللہ تبارک وتعالی کی عظمت کو نہیں پہچانا ویسے جیسے اس کا حق ہے۔

تو یہاں قدر کا معنی عزت ہے، عظمت اور شرف ہے۔ تو یہ عزت والی رات ہے، شرف والی رات ہے، عظمت والی رات ہے۔

قدر کا معنی تقدیر کے بھی ہوتے ہیں۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ

خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ ہاں قدر سے مراد تقدیر ہے۔

یہ شرف اور عظمت والی رات ہے اور تقدیر سنوارنے والی رات ہے جو چاہے اس رات اپنے رب کی عبادت کر کے دعاؤں کے ذریعہ اپنی تقدیر سنوار سکتا ہے۔

قدر کے معنی تنگی کے بھی ہوتے ہیں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس رات آسمان سے اتنے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ پوری زمین تنگ ہو جاتی ہے۔

احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کے طاق راتوں میں ہے اکیس، تیئس، پچیس، ستائیس اور انتیس۔

اللہ تعالی نے ایک شب متعین کیوں نہیں فرمادی کہ بندوں کو آسانی ہوتی؟

اللہ تعالی کی مرضی یہ تھی کہ شب قدر کی تلاش میں میرے بندے کم از کم ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں میری بارگاہ میں حاضر ہوں اور میری عبادت کریں۔

اور دوسری وجہ یہ تھی کہ جس طرح سے اس رات میں نیکیاں بہت زیادہ بڑھا دی جاتی ہیں تو اس رات میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا گناہ بھی زیادہ ہوگا اس لیے متعین نہیں کی گئی کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی حیثیت عام راتوں کی سی ہوگی اور مقدر بیدار ہے اور رات مل گئی تو اس کو قدر کی رات کا ثواب میسر آئے گا۔

حضرات گرامی! یہ رات کتنی اہم ہے خود اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ (سورۃ القدر، الایۃ:2)

اے حبیب! کیا آپ جانتے ہیں کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟

اس مقدس رات کو واضح فرمانے کے لیے اپنے پیغمبر سے کہا جا رہا ہے کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ رات کتنی قدر والی ہے، شب قدر کیا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (سورۃ القدر،الایۃ:3)

شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اللہ تبارک وتعالی بعض مقامات کو، بعض ایام کو اور بعض راتوں کو ثواب کے لیے منتخب فرمالیتا ہے اس میں ثواب ہزاروں گناہ بڑھادیا جاتا ہے۔رمضان کی ساری راتیں اور سارے دن، آخری عشرے کی راتیں اور ان کے ایام تو بعض ایام اور بعض مقامات کی بنیاد پر ثواب بڑھادیا جاتا ہے اور ان ہی ایام میں ایک بہت اہم رات شب قدر ہے۔

قدر کے یہ بھی معنی ہے کہ اس رات میں عبادت کرنے کی بہت قدر واہمیت ہے، بڑا وقار ہے اس عبادت کا جو اس رات میں کی جائے۔

ابو بکر وراق نے فرمایا کہ جس کی کوئی قدر ومنزلت نہ ہو اس رات کو عبادت کرے تو اسے اللہ تبارک وتعالی عزت ومنزلت عطا فرمادیتا ہے۔

شب قدر اس لیے ہے کہ بہت عظمت اور عزت والی کتاب اس میں نازل ہوئی یا شب قدر اس لیے بھی ہے کہ عزت والے فرشتے نازل ہوتے ہیں خاص جناب جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں، یہ رات اس لیے بھی اہم ہے کہ اس رات میں اللہ تبارک وتعالی خیر وبرکت سے نوازتا ہے اور مغفرت عطا فرماتا ہے، اس رات میں اللہ تبارک وتعالی مومنوں کے لیے رحمت کو مقدر فرمادیتا ہے، ان کی تقدیر میں رحمت لکھی جاتی ہے، یہ رات اس لیے بھی اہم ہے کہ اس رات میں عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کے برابر کردیا جاتا ہے۔

میں نے آغاز گفتگو میں کہا تھا کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کہ اے اللہ! میرے امتیوں کی عمر اتنی نہیں ہوتی ہے تو یہ اتنے اعمال کیسے کرسکیں گے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالی نے اس سورت کو نازل

فرمایا کہ اے میرے محبوب! تمہارا امتی اگر شب قدر کی ایک رات میں عبادت کرلے اور وہ قبول ہوجائے تو تیرا اسی برس چار مہینہ کے برابر ہے، ایک ہزار مہینوں کے برابر ہے ایک رات۔

اگر بنی اسرائیل میں کسی نے اسی سال تک عبادت کی ہے تو اے میرے محبوب! عمریں زیادہ ہوں یا نہ ہوں اگر میں کرم فرماؤں اور بندے کی وہ رات قبول ہوجائے، شب قدر کی تو اسے تیرا اسی برس چار مہینہ کے برابر ثواب عطا فرمایا جائے گا، ایک ہزار مہینوں کی راتوں کے برابر مگر ایک ہزار مہینہ کی وہ راتیں ہیں جس میں شب قدر نہیں ہے اور اگر اسے کئی شب قدر میسر آجائے تو اس کا حساب لگائیں کہ کس قدر وہ نوازا جائے گا اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں۔

حضرات گرامی! شب قدر اس لیے بہت اہم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

(صحیح البخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر باب فضل لیلۃ القدر،الرقم:2014)

جو شخص شب قدر میں ایمان اور امید ثواب پر اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر عبادت کرے گا اس کے تمام گزرے ہوئے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

آپ اندازہ فرمائیں! تمام گزرے ہوئے گناہ معاف کردئے جائیں گے اس لیے کہ وہ تمام رات اپنے رب کی بارگاہ میں انتہائی اخلاص کے ساتھ کھڑا ہوگا اور عبادت کرے گا۔

حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے مغرب اور عشا کی نماز باجماعت پڑھ لی شب قدر میں اسے لیلۃ القدر کا اور شب قدر کا حصہ ضرور ملے گا۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○

(سورۃ القدر، الایۃ:4)

اس رات فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔

روح القدس لقب ہے جناب جبرئیل علیہ السلام کا، تمام فرشتے اترتے ہیں ملائکہ جمع کا صیغہ ہے اور جناب روح الامین کا تذکرہ الگ سے کیا گیا ان کی عظمت کی بنیاد پر یا اس لیے کہ وہ سید الملائکہ ہیں تو تنہا فرشتے ہی نہیں اترتے بلکہ جناب جبرئیل بھی اترتے ہیں وہ بھی تشریف لاتے ہیں اس مقدس رات میں۔

ایک مفہوم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ روح سے مراد یہ ہے کہ عالم علیین کی روحیں اترتی ہیں عبادت گزاروں کو دیکھنے کے لیے اور دعا کرنے کے لیے۔

آپ جانتے ہیں علیین میں وہ مقدس روحیں ہیں جو نجات یافتہ ہیں اولیا کی، صدیقین کی، شہدا کی، صالحین کی، بزرگوں کی، مومنین کی اور متقین کی روحیں وہاں ہوں گی اور وہ روحیں ان لوگوں کو دیکھنے کے لیے آئی ہوں گی جنہوں نے اللہ کی عبادت کی ہے، بزم سجا رکھی ہے اور خدا کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔

حضرات! لاتعداد فرشتے نازل ہوتے ہیں جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ کیوں نازل ہوتے ہیں؟ یہ مومنین کی عبادت کو دیکھتے ہیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔ عبادت کرنے والے جہاں بھی، جس مقام پر بھی ہوں وہ وہاں جاتے ہیں اور ان کی عبادتوں کو بارگاہ الٰہی میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اے اللہ! ان بندوں کو معاف کر دے، یہ تیری بارگاہ میں کھڑے ہیں عجز و انکساری کے ساتھ، مکمل انابت کے ساتھ، ان گھروں میں جاتے ہیں جن گھروں میں شب میں عبادت ہوتی

ہے سوائے اس گھر کے جہاں شرابی ہو، جنبی ہو یا تصاویر ہوں یا مجسمے ہوں ان گھروں میں فرشتے نہیں جاتے کیوں کہ یہ ساری باتیں انہیں پسند نہیں ہیں۔

جنبی اسے کہتے ہیں جس پر غسل فرض ہو مگر اس نے غسل نہ کیا ہو یا اس طرح کی کوئی بھی گندگی ہو۔ فرشتے انتہائی پاکیزہ ہیں اور وہ کبھی بھی کسی بھی مقام پر نہیں جاتے جہاں گندگی ہو، دو فرشتے جو مقرر کیے گئے ہیں ہمارے اعمال کو لکھنے کے لیے اگر انسان پر غسل فرض ہو جائے تو اسے جس قدر جلد ہو غسل کرنا چاہیے اس لیے کہ وہ فرشتے دور کھڑے رہ کر ہمارے اعمال کو دیکھتے رہتے ہیں اور لکھتے رہتے ہیں، ہم سے دور ہو جاتے ہیں، انہیں تکلیف ہوتی ہے جنبی اور ناپاک لوگوں کے قریب ہونے سے۔ یہ فرشتے ہمارے اعمال کے گواہ ہیں اور دنیا میں سبھی اپنے گواہوں کی قدر کرتا ہے مگر انسان کس قدر بھولا ہوا ہے کہ قیامت میں جو گواہی دینے والے ہیں، اس کی دستاویز تیار کرنے والے ہیں، اس کے صحیفۂ حیات کو مرتب کرنے والے ہیں ان کو تکلیف پہنچاتا ہے گندا رہ کر کے، کس قدر بدترین عمل ہے۔

شرابی شراب انتہائی ناپسندیدہ شئی ہے، ام الخبائث ہے، تصاویر اور مجسمے بھی ان کو پسند نہیں ہیں۔ تصاویر اور مجسموں کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی بزرگ نے، کسی بھی نبی نے یہ نہیں کہا کہ مجھے پوجو مگر ہوتا یہ ہے کہ مجسمہ ہے یا تصویر ہے لوگ دیکھتے ہیں پہلے احترام کرتے ہیں، پھر جھکتے ہیں، پھر سجدہ کر لیتے ہیں چونکہ مجسمہ اور تصاویر شرک کی بنیاد بنتے ہیں اور جو چیز شرک کی بنیاد بنے اس کو بھی فرشتے پسند نہیں کرتے ہیں۔

آپ نے سنا ہوگا کہ جب امام اہل سنت کے وصال کا لمحہ قریب آیا تو آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میرے گھر سے وہ نوٹ بھی نکال دو جس میں کسی بادشاہ کی تصویر ہو اس زمانہ میں تصویر ہوتی تھی اس لیے کہ فرشتے آنے والے ہیں تو فرشتوں کی آمد کا احترام کرنا یہ اس

بات کی دلیل ہے کہ وہ ہمارے اعمال کو خدا کی بارگاہ میں پیش کریں گے۔ اسی طریقہ سے اللہ تعالی نے فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دیا ہوتا ہے۔

فرمایا جارہا ہے اس رات فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔ ان کی اپنی خواہش بھی ہوگی کہ وہ لوگ جو دنیا میں رہ کر اپنی روح کو ملکوتیت سے وابستہ کرتے ہیں انہیں دیکھیں لیکن اللہ تبارک وتعالی بھی حکم دیتا ہے کہ جاؤ میرے بندو کو دیکھو اور اس لیے بھی کہ فرشتے جو آرہے ہیں یہ دنیا میں آہی رہے ہیں آخرت میں بھی تمہارا استقبال کریں گے اور اگر تم دنیا میں عبادت کروگے اور یہ دیکھیں گے تو یہاں فرشتے تمہاری زیارت کے لیے آئیں گے۔ مولائے کائنات سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

فرشتے اس رات کو اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ وہ ہم پر سلام پڑھیں اور ہماری شفاعت کریں جس کو ان کا سلام پہنچے گا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ خدا کرے کہ ہم سب لوگ ان میں شامل ہوں جن کے گناہ اس مقدس رات بخش دیے گئے ہوں، موت سے پہلے کم از کم ایک شب قدر ضرور عطا فرمائے کہ جس میں ہمارے گناہ بخشے گئے ہوں۔

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (سورۃ القدر، الایۃ:5)

یہ رات صبح طلوع ہونے تک سلامتی ہے۔

شب قدر کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ رات صبح طلوع ہونے تک سراسر بلاؤں اور آفتوں سے سلامتی والی ہے۔

وما علینا الا البلغ المبین

خطاب نمبر (۱۲۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ○ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ان شاء اللہ تعالی سورۃ البینہ کا ترجمہ ومفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

سورۃ البینہ مشہور قول اور جمہور کے نزدیک مکی سورت ہے اور بعض مفسرین نے اسے مدنی بھی قرار دیا ہے جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس سورت میں اہل کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے جو مدینہ میں قیام فرما تھے حالانکہ یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے اس لیے کہ اور بھی مکی سورتوں میں اہل کتاب کے لئے اشارۃ یا کنایۃ آیات مبارکہ نازل ہوئی ہیں۔

اس میں ایک رکوع آٹھ آیات مبارکہ ہیں، اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسول میں عرض کی کہ حضور اس سورت کو ابی ابن کعب رضی اللہ تعالی عنہ کو سنائیں یہ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ پیغام حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچایا اور یہ سورت ان کو سنائی اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ آپ کو سنایا جائے تو انہوں نے انتہائی حیرت سے پوچھا کیا خدا کی بارگاہ میں میرا بھی ذکر ہوا ہے؟ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔

اس سورت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب اس وقت تک اپنے مزعومہ دین کو نہ چھوڑیں گے جب تک کہ ایک عظیم الشان رسول روشن دلائل کے ساتھ نہ آجائیں اور وہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ گر ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا کہ بعض مشرکین اور بعض اہل کتاب اپنے باطل دین میں اس قدر راسخ ہیں کہ وہ ایمان نہ لائیں گے تو ان کے لیے سخت عذاب ہے مگر جو لوگ ایمان لائیں گے اور اعمال صالحہ کریں گے نماز، روزہ وغیرہ کی پابندی کریں گے ان کے لیے جنت کی نعمتیں ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس سورت میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار اخلاص پر اور نیت کی سچائی پر ہے۔ یہ مختصر تعارف ہے اس سورت کا اب آئیے ترجمہ سماعت فرمالیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ○ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ○ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ○ (سورۃ البینۃ، الایات: 1-3)

مشرکین اور اہل کتاب ایمان نہ لائیں گے، وہ کفر سے کبھی الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل اور رسول آجائیں اللہ کی طرف سے جو ان پر پاکیزہ صحیفہ

تلاوت کر رہے ہوں، جس میں لکھی ہوئی تمام باتیں سچی اور درست ہیں۔

حضرات! پہلے ہی فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین، اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد بت پرست ہیں۔ ان ہی تین طبقات کو دعوت دینے کے لیے قرآن مقدس نازل ہوا اس لیے کہ مکہ مکرمہ اور حجاز میں یہی تین تھے اور آج بھی یہی تین طبقے ہیں۔ یا تو شرک کی ہزاروں قسمیں ہیں اور ہر ملک کا مشرک اپنے اپنے معبودان باطل کو خدا مان کر شرک کر رہا ہے یا پھر اہل کتاب میں سے یہود ونصاریٰ ہیں۔

اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ جو کافر ہو گئے ہیں اہل کتاب میں سے مشرکین میں سے یہ کبھی الگ نہ ہوں گے اپنے دین سے، باطل دین سے، اپنے شرک سے جب تک کہ نہ آجائے ان کے پاس ایک روشن دلیل یعنی ایک عظیم الشان رسول رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ میں تنوین شان کی ہے۔ ایک عظیم الشان رسول اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو انہیں پاکیزہ صحیفہ تلاوت کریں اور انہیں سنائیں۔

ظاہر ہے کہ اس رسول سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی وہ اس بات کا انتظار کر رہے تھے، وہ اس بات کی خواہش کر رہے تھے کہ وہ اپنے مزعومہ دین پر اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک کہ ان کے پاس روشن دلیلیں نہ آجائیں اور پیغمبر نہ آجائے جو پاکیزہ صحیفے ان کے سامنے تلاوت کریں جس میں لکھی ہوئی سچی باتیں ہوں اور درست ہوں۔

حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے، اپنے باطل دین سے الگ نہ ہوں گے، جدا نہ ہوں گے جب تک ان کے پاس روشن دلیل نہ آجائے اور وہ رسول نہ آجائے جو ان کے سامنے پاکیزہ صحیفہ تلاوت کرے۔

تو وہ دلائل بھی آچکے ہیں آپ کے ذریعہ سے، اور قرآن پاک بھی نازل ہو چکا ہے

اور آپ کی رسالت بھی جلوہ گر ہو چکی ہے اور جو کتاب مقدس ہے قرآن عظیم اس میں سچائیاں بھی ہیں اور ایسے حقائق ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ یہ ان کا مطالبہ تھا، یہ ان کی خواہش تھی یہ اس لیے بھی ہے کہ یہود و نصاری کو معلوم تھا کہ ایک آخری نبی آنے والے ہیں جو ہماری کتابوں کی تصدیق بھی کریں گے، جو سچے نبی ہوں گے اور آخری نبی ہوں گے، ان کی کتابیں توریت، انجیل میں، زبور میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود تھیں۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (سورۃ الصف، الایۃ:6)

اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔

تو یہود و نصاری حجاز مقدس میں جہاں جہاں آباد تھے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ عظیم الشان رسول تشریف لائیں ان کے ساتھ کتاب بھی ہو تو ایمان بھی لائیں لیکن ایسا ہوا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان میں بہت بڑا طبقہ منحرف ہو گیا اس کی دو وجہیں تھیں:

ایک وجہ یہ تھی کہ اب تک جو انبیائے کرام تشریف لائے تھے وہ بنی اسرائیل میں تشریف لائے تھے وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ آخری نبی بھی جناب اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہی سے ہوں گے اور اس طرح ہماری سیاسی برتری اور

سیادت ہمیشہ قائم رہے گی لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ آخری نبی، موعود و مبشر نبی حجاز مقدس میں بنی اسماعیل میں جلوہ گر ہو چکے ہیں اس کے باوجود کہ وہ جانتے تھے کہ وہ نبی برحق ہیں پھر بھی ایمان نہ لائے۔ قرآن عظیم فرماتا ہے:

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ (سورۃ البقرۃ، الایۃ:146)

یہ نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

بیٹوں سے تشبیہ اس لیے دی گئی کہ ہزاروں ہم شکل افراد میں بھی بیٹے کو پہچاننا باپ کے لیے بہت آسان ہوتا ہے، وہ کبھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ بیٹوں کی طرح پہچان رہے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو، اس کے باوجود بھی ایمان نہیں لا رہے ہیں تاکہ ان کی قیادت، ان کی سیادت ختم نہ ہو جائے حالانکہ قرآن پاک نے بتایا تھا کہ تم اگر ایمان لاؤ گے اجتماعی طور پر پوری قوم یہود و نصاری تو تمہارا اقتدار قیامت تک کے لیے باقی رہے گا، کبھی زوال پذیر نہیں ہوگا مگر انہوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور ان میں ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو ایمان نہیں لائی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ

(سورۃ البینۃ، الایۃ:4)

اور فرقوں میں بٹ گئے اہل کتاب جب کہ ان کے پاس روشن دلیل آچکی ہے۔

اس سے پہلے بھی وہ فرقوں میں بٹے تھے عیسائیوں کے ہزاروں فرقے ہیں، یہودیوں کے بہت سے فرقے ہیں وہ اس کتاب کو مان کر بھی جو ان پر نازل ہوئی تھی فرقوں میں بٹے ہوئے تھے اور کتاب کو تحریف و تبدیل کا شکار بنا دیا اور جب آخری کتاب نازل ہو گئی

ہے اور آخری رسول بھی آ گئے ہیں تو بھی وہ ایمان لانے کے بجائے آپس میں بٹ گئے ہیں۔
اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ان میں کچھ ایمان لائے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے اور ایک یہ ہے کہ وہ سبھی باطل پر ہیں جیسے کہ وہ انبیائے بنی اسرائیل کے ماننے کے سلسلہ میں وہ فرقوں میں بٹے تھے اور باطل پر تھے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

انہیں کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا گیا تھا جو ان کے لیے بڑی مشکل ہو، ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والی ہو یا کوئی ایسا دین ہو جو نیا ہو جس سے یہ آشنا نہ ہوں، یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین جس سے مکہ والے آشنا تھے مگر شرک میں مبتلا تھے اور حضرت موسی اور حضرت عیسی علیہما السلام کا دین جس سے مدینہ والے یہود و نصاری آشنا تھے ویسا ہی دین ان ہی تمام خوبیوں کو سمیٹ کر بلکہ مزید بے شمار خوبیوں کے ساتھ پیغمبر آخر الزماں لے کر آئے ہیں ان کو تو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے جس بات کا انہیں پہلے حکم دیا گیا تھا۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (سورۃ البینۃ:الایۃ:5)

حالانکہ انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کریں۔ دین کے سلسلہ میں مخلص ہو کر، مکمل اخلاص کے ساتھ۔

عبادت کی اصل اخلاص ہے، اخلاص نہ ہو تو عبادت قبول نہیں ہوگی۔ قرآن پاک میں کتنے ہی مقام پر عبادت گزاروں کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ تم عبادت ضرور کرو مگر اخلاص کے ساتھ، صرف اللہ تبارک وتعالی کے رضا کے لیے کرو۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورۃ الذاریات،الایۃ:56)

ہم نے انسان اور جنات کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

تو جب عبادت کے لیے پیدا کیا گیا تو عبادت میں کامل اخلاص ہونا چاہیے اور اخلاص عمل نیت کے اخلاص کے بنیاد پر ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

بلا شبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اس لیے عبادت کرو تو صرف اللہ تبارک وتعالی کی رضا کے لیے کرو اس میں دوسری خواہشات کو شامل نہ کرو اسی بات کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ حنفا ہر ایک سے الگ ہو کر کے، یکسو ہو کر کے مکمل تبتل کے ساتھ، دین حنیف کے مطابق، دین ابراہیمی کے مطابق۔

حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ○

سورۃ البینۃ،الایۃ:5)

ہر باطل سے جدا ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہ سیدھا دین ہے۔

بلا شبہ ان میں جو ایمان لائیں ان کو وہ تمام نعمتیں ملیں گی جس کا وعدہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے لیکن جو ایمان نہیں لائیں گے ان کو بدترین سزاؤں سے دو چار کیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا (سورۃ البینۃ،الایۃ:6)

بیشک اہلِ کتاب میں سے جو کافر ہوئے وہ اور مشرک سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اہل کتاب اور مشرکین میں جو کفر کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے، مشرکین جو اپنے شرک پر جمے ہوئے ہیں اگر وہ حق کا انکار کریں گے ان دلائل

کو دیکھنے کے بعد بھی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی، دلیل کے آجانے کے بعد بھی اور سچے دین کے جلوہ گر ہونے کے بعد بھی اگر وہ ان باتوں کا انکار کریں گے اور اللہ تبارک وتعالی کی عبادت نہیں کریں گے اخلاص کے ساتھ، یکسو ہو کر، دین حنیف کے مطابق نماز نہیں قائم کریں گے، زکاۃ نہیں دیں گے تو یہ منکرین وہ ہیں جن کے لیے اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ہے: وہ اہل کتاب میں بھی ہوں گے اور مشرکین میں بھی ہوں گے، اہل کتاب میں بھی کچھ لوگ تو ایمان لائیں لیکن کچھ ایمان نہیں لائیں، مشرکین میں بھی ایمان لانے والے بھی ہیں اور انکار کرنے والے بھی ہیں تو جو ایمان نہیں لائیں گے ان کے اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے، آتش جہنم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

ان کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں ہے، کسی خاص زمانے تک نہیں بلکہ انہیں خلود فی النار کا حکم دیا گیا ہے وہ اس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ (سورۃ البینۃ،الایۃ:6)

اور یہی لوگ مخلوق میں سب سے بدترین لوگ ہیں۔

کیوں ایسا کہا گیا؟ اس لیے کہ کچھ لوگ نہ جاننے کی بنیاد پر کفر کرتے ہیں مگر یہ نبی تو وہ ہیں کہ جن کے نام کے حوالہ سے، جن کے خاندان کے حوالہ سے، جن کے شہر بعثت کے حوالہ سے، جن کے دار الہجرت کے حوالہ سے، جن کے صحابہ کے حوالہ سے، جن کے رفقا کے حوالہ سے توریت وانجیل میں آیات موجود ہیں۔

قرآن عظیم فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ

(سورۃ الفتح،الایۃ:29)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل ورضا چاہتے ان کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے اثر سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ مثال ان کی توریت میں بھی موجود ہے اور انجیل میں بھی موجود ہے اور ایمان لانے والوں میں باضابطہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھ کر ایمان قبول کیا تھا کہ بلاشبہ یہ وہی آخری نبی کے رفقا اور صحابہ ہیں جن کی بشارتیں دی گئیں۔

مگر یہود ونصاری شر البریۃ ہیں، یہ مخلوق میں سب سے بدتر اس لیے ہیں کہ یہ جان بوجھ کر ایمان نہیں لا رہے ہیں، ان کے سامنے حقائق روشن ہیں، یہ جانتے ہیں اسلام حق ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ پہلے تو باضابطہ ان کے نام پر اللہ تبارک وتعالی سے مدد مانگا کرتے تھے جب بھی اہل کتاب کا مقابلہ مشرکین سے ہوتا تو یہ کہا کرتے تھے۔

اے اللہ! اس پیغمبر کے صدقہ وطفیل ہمیں کامیابی عطا فرما جس کے آنے کی بشارت ہمارے انبیا نے دی ہے اور پھر انہیں کامیابی ملتی تھی، صدیوں تک ان کا یہ معمول رہا لیکن جب وہ پیغمبر جلوہ گر ہو چکے تو انہوں نے انکار کر دیا تو حقائق کو جاننے کے بعد بھی، دلائل کو

جاننے کے بعد بھی، روشن کتاب کو دیکھنے کے بعد بھی اور بینات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ انکار کرتے ہیں تو یقیناً مخلوق میں شر البریہ ہیں، سب سے برے لوگ ہیں۔ ان کے برعکس

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ○

(سورۃ البینۃ:الایۃ:7)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔

اب باضابطہ یہ دو جماعتیں ہیں، یہ دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کو شر البریہ کا نام دیا ہے قرآن نے بدترین مخلوق کا یہ اہل کتاب اور مشرکین ہیں جو پیغمبر کو جاننے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے اور مخالفت کیں لیکن ان ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا تو وہ کائنات میں سب سے بہتر ہیں ان کا انعام کیا ہے؟ جو شر البریہ ہیں ان کے لیے کہا گیا کہ ان کو نار جہنم میں ہمیشہ رکھا جائے گا اور جو خیر البریہ ہیں ان کے لیے فرمایا گیا:

جَزَآؤُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ

(سورۃ البینۃ.الایۃ:8)

ان کا صلہ ان کے رب کے پاس بسنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ،ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہ صلہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

یعنی ان کا بدلہ، ان کی جزا اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں دائمی جنت ہے، ہمیشگی کی جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بدلہ ان کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اور جو شر البریہ ہیں ان کو خلود فی النار کا حکم دیا گیا، جو خیر البریہ ہیں

ان کو خلود فی الجنۃ کا حکم دیا گیا۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے جنت میں کہ اللہ تبارک وتعالی ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالی سے راضی ہیں۔ جنت میں سب سے بڑا انعام اللہ تبارک وتعالی کی رضا ہے، رضائے الہی وہ دولت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں اپنے رب کا مشاہدہ بھی کریں گے یہ خیر البریہ کے افراد جو مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔

یہ سعادت، یہ مقام، یہ مرتبہ، یہ اعزاز، یہ جزا ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے رب سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں، اپنے رب سے بے نیاز نہیں ہوتے ہیں، ہمیشہ نیاز مند رہتے ہیں، اس کی بارگاہ میں، ہمیشہ حالت خوف میں لرزہ براندام رہتے ہیں چاہے کتنا ہی اونچا مقام مل جائے انہیں مگر اللہ تبارک وتعالی کا خوف ان پر پوری زندگی طاری رہتا ہے۔

ایک طرف خوف ہے اور ایک طرف خوف دائمی بے نیازی ہے، دنیا میں اگر وہ خشیت ربانی کے حامل رہے تو دنیاوی زندگی چند روزہ ہے، محدود زندگی ہے اس کے نتیجہ میں انہیں ہر خوف سے بے نیاز کر دیا جائے گا جنت میں جہاں وہ اللہ تبارک وتعالی سے راضی ہوں گے اور اللہ تبارک وتعالی ان سے راضی ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو ان لوگوں میں شامل فرمادے جس سے ہمارا رب راضی ہو جائے، ہمیں اپنی خشیت کی دولت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۲۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْقَارِعَۃُ ○ مَا الْقَارِعَۃُ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ ○
یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ○
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○
فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ ○ فَهُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ○
وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ ○ فَاُمُّہٗ هَاوِیَۃٌ ○
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَہْ ○ نَارٌ حَامِیَۃٌ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ، تاجدار مدینہ، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کردیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ

حضرات! آج میں نے سورۃ القارعہ کی تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، یہ سورت بھی مکی ہے، اس میں گیارہ آیات مبارکہ ہیں، اس سورت میں بھی قیامت اور حشر کے مناظر کو پیش کیا گیا ہے اور نیکو کاروں، گنہگاروں کے انجام کی خبر دی گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

دہلا دینے والی۔ وہ دل دہلا دینے والی کیا ہے؟ آپ کو کیا معلوم ہے کہ یہ کڑک کیا ہے جس دن لوگ بکھرے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ مختلف رنگ کی دھنکی ہوئی روئی کے مانند ہوں گے، جن لوگوں کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ اپنے پسندیدہ عیش میں ہوں گے جنت میں، جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو ان کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو معلوم ہے کہ ہاویہ کیا ہے؟ یہ ایک دھکتی ہوئی آگ ہے۔

قرآن عظیم میں قیامت اور حشر وغیرہ کے مختلف نام موجود ہیں اور ہر نام قیامت کے کسی نا کسی خاص حیثیت کو واضح کرتا ہے مثلاً اَلْقَارِعَۃُ، الطامۃ، الحاقۃ، الغاشیۃ یہ تمام نام قرآن میں قیامت سے متعلق ہے۔ اتنے ناموں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مسلمان ہی نہیں بلکہ سارے انسان قیامت کے لرزہ خیز مناظر کو جان سکیں اور محسوس کرسکیں۔

گزشتہ سورتوں میں ان تمام ناموں کی تشریح پیش کرچکا ہوں امام رازی نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ قیامت برپا ہونے کے لیے تین طرح کی چنگھاڑ ہوگی، کڑک ہوگی۔

القارعہ کے معنی ہوتے ہیں کسی مضبوط شئی کا کسی مضبوط شئی پر ٹکرانا جیسے پتھر اور لوہے کو ٹکرایا جائے لیکن یہاں پتھر اور لوہے کا ٹکرانا نہیں ہے، جب قیامت ہوگی اور سیارگان فلک

آپس میں ٹکرائیں گے۔ دنیا میں ایک بم پھٹ جائے تو پورے پورے شہر پہ لرزہ طاری ہوجاتا ہے لیکن جب قیامت برپا ہوگی، سیارے آپس میں ٹکرائیں گے، پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح سے اڑ رہے ہوں گے، ابتداءً انسان بے ہوشی کی کیفیت میں بے خبر ہوں گے اور پھر وہ اس طرح بکھر جائیں گے جیسے شمع کے ارد گرد پروانہ ہوتے ہیں۔ یہ کیفیت ہوگی۔

اس کیفیت کے حوالہ سے امام رازی نے فرمایا ہے کہ صور پھونکنے سے پہلے جس میں حشر برپا ہوگا تین طرح کے بھیانک آوازیں ہوں گی ،لرزہ دینے والی الصیحۃ الاولی جس کو سن کر ہوش وحواس فنا ہوجائیں گے ،الصیحۃ الثانیہ جب مخلوق فنا ہوجائے گی اور سوائے اسرافیل کے کوئی بھی نہ رہے گا،الصیحۃ الثالثۃ جب حضرات اسرافیل کو بھی موت سے ہم کنار کیا جائے گا اور پھر انہیں زندہ کیا جائے گا اور پھر وہ صور پھونکیں گے اور حشر برپا ہوگا لوگ جی اٹھیں گے۔

اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (سورۃ القارعۃ،الایۃ:4)

جس دن آدمی بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔

قرآن پاک میں سورۃ القمر میں فرمایا گیا ہے:

كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ (سورۃ القمر،الایۃ:7)

وہ بکھرے ہوئے ٹڈیوں کی طرح سے ہوں گے۔

آپ نے پتنگوں کو اور ٹڈیوں کو دیکھا ہوگا کہ مردہ گرتی ہیں تو پورے پورے میدان میں بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔ میدان محشر میں انسان اسی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے۔

ہاویہ میں انہیں داخل کیا جائے گا جن کے اعمال برے ہوں گے، جنہیں بخشش میسر

نہیں ہوگی۔ ہاویہ جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہے جس کی گہرائی کا علم سوائے اللہ تبارک وتعالی کے کسی کو نہیں ہے۔ ہاویہ کا دوسرا مفہوم دھکتی ہوئی آگ ہے شعلۂ جوالہ کی شکل میں چنانچہ قرآن عظیم میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے:

وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ (سورۃ النور،الایۃ:57)

ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

یہاں جو فرمایا گیا ہے کہ جن کے اعمال خراب ہوں گے "فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ"، تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ یہاں ام سے مراد مأواھم ہی ہے آخری ٹھکانہ جو ہمیشہ رہے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ستر گناہ زیادہ ہوگی، دنیا کی آگ سے مراد صرف وہ آگ نہیں ہے جس سے کھانا پکایا جاتا ہے، لکڑی جلائی جاتی ہے بلکہ وہ آگ بھی دنیا ہی کی آگ ہے جس سے لوہے پگھل جاتے ہیں اور جس کی تپش انتہائی شدید ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ ستر گناہ جہنم کی آگ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آتش دوزخ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک اسے جلایا گیا تو وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک اسے جلایا گیا تو وہ سیاہ ہوگئی اور اب بھی وہ انتہائی سیاہ اور تاریک ہے۔

آگ میں روشنی بھی ہوتی ہے لیکن جہنمی آگ دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ جل رہی ہوگی اور روشنی نام کی کوئی بھی چیز نہیں ہوگی۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے کم عذاب والا جہنمی وہ ہوگا جس کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جس سے اس کا دماغ کھول اٹھے گا اور پگھل جائے گا (اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے عذاب جہنم سے) یہ ہے ہاویہ۔

میزان عمل میں اعمال کو تولہ جائے گا۔ یہ میزان کیا ہے؟ معتزلہ وغیرہ نے کہا کہ میزان ایک استعارہ ہے اعمال کے صحیح اور غلط ہونے کے حوالہ سے اس لیے کہ معتزلہ ہمیشہ ہر بات کو عقل کے معیار پر تولنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن عقل کبھی بھی شریعت مطہرہ کے معاملہ میں حکم نہیں بن سکتی ہے۔ عشق پر بنیاد رکھی جاتی ہے اور وہ ایمان باللہ ہے اس لیے دیکھنا یہ ہے کہ وہ اولین حضرات جن کے سامنے قرآن نازل ہو رہا تھا انہوں نے میزان کے بارے میں کیا کہا ہے، جو براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تلامذہ تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

اَلْمِیْزَانُ لَهٗ لِسَانٌ وَ كَفَّتَانِ یُوْزَنُ فِیْهِ الْحَسَنَاتُ وَ السَّیِّئَاتُ

(شعب الایمان، حشر الناس بعد ما یبعثون من قبورهم إلی الموقف الذی بین لهم من الأرض، فصل "وإذا انقضی الحساب کان بعده وزن الأعمال)

میزان کی ایک زبان اور دو ہتھیلیاں ہیں جس میں نیکیاں اور برائیاں تولی جاتی ہیں۔

زبان استعارہ اس چیز کا جس کو پکڑا جائے گا اور اسکے دو پلڑے ہوں گے اور اس میں صرف اعمال کو تولا جائے گا۔

بخاری شریف کی بڑی مشہور حدیث ہے اور آخری حدیث ہے جس میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

كَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ، حَبِیْبَتَانِ إِلَی الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح، الرقم:6406)

یہ دو کلمے ہیں جو بہت ہلکے ہیں زبان پر جن کی ادائیگی بہت آسان ہے، جن میں

کوئی ثقل نہیں ہے، کوئی بوجھ نہیں ہے، یہ ہلکے ہیں ادائیگی کے اعتبار سے زبان پر لیکن میزان میں بہت وزنی ہیں۔ یہ دو کلمہ کیا ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.

حضرات گرامی! اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تنزیہ اور حمد بیان کی گئی ہے سبحان کے معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے، منزہ ہے اور حمد کا معنی ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ تمام خوبیوں کا جامع ہے اور خود اللہ کی تعریف بھی یہی ہے:

المستجمع لجمیع الصفات الکمالیه

اللہ وہی ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہو۔

سبحان جو ہے یہ صفت تنزیہ ہے اور حمد صفت تحلی ہے اتنا پڑھنے کے بعد انسان اللہ کی تمام وہ صفات تنزیہ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس سے پاک قرار دیا گیا ہے اور بحمدہ میں تمام صفات تحلیہ، ثبوتیہ کو شامل کرلیا گیا ہے اس لیے میزان پر بڑے وزنی ہوں گے۔

اب یہاں یہ معلوم ہوا کہ حضور کا ثقیلتان فرمانا اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ میزان پر اعمال وزن ہوں گے، اعمال یا تو وزنی ہوں گے یا تو ہلکے ہوں گے۔ قرآن پاک میں ایک مقام پر فرمایا گیا ہے کہ کافروں کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا قیامت میں۔

معتزلہ کا سوال کہ ثواب اعمال تو اعراض سے ہے جو ہر تو نہیں ان کا وزن کیسے ہوگا۔

تو مفسرین اور، شارحین حدیث نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ میدان قیامت میں ہر عمل کو ایک وزن دے دیا جائے گا اور پھر جو وزن دیا جائے گا اس کو میزان پر رکھا جائے گا۔

اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ کاتبین جو ہمارا نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں ان کو رکھا جائے گا اور انہیں تولا جائے گا اور بھی بہت سی تعبیرات ہیں۔ بہر کیف ہمارا ایمان ہے کہ میزان

ہے اور اس پہ اعمال تولے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ترازو نصب کیا جائے گا پھر اہل صلاۃ کو، نماز والوں کو بلایا جائے گا انہیں ان کی نمازوں کا اجر دیا جائے گا۔

پھر حج کرنے والوں کو بلایا جائے گا اور انہیں اجر دیا جائے گا۔

پھر اہل بلا کو بلایا جائے گا وہ جو دنیا میں آزمائے گئے تکالیف کے ذریعہ سے ان کو بلایا جائے گا، ان کے اعمال نہ تولے جائیں گے، نہ ہی ان کا وزن کیا جائے گا، نہ ہی ان کے نامۂ اعمال کو کھولا جائے گا اہل بلا کو بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

قرآن عظیم میں فرمایا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کے لئے بے حساب اجر دیا جائے گا تو یہاں بے حساب سے ایک مراد تو وہی ہے کہ بے پناہ اجر دیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ ان کا حساب ہی نہیں لیا جائے گا۔

حضرات! دو صفات ہیں شکر اور صبر، شکر کے بھی بہت سے فضائل ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (سورۃ ابراھیم، الایۃ:7)

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے سنا دیا کہ اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔

لَئِن شَكَرْتُمْ یہ سادہ ماضی ہے لَأَزِيدَنَّكُمْ یہ تاکید در تاکید کا صیغہ ہے یعنی تم صرف شکر ادا کرو گے تو ہم تمہارے رزق کو بے پناہ اور یقیناً بڑھا دیں گے شکر کا یہ مقام ہے۔

لیکن صبر کا مقام کیا ہے؟ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ بے شک اللہ تبارک وتعالی صبر

کرنے والوں کے ساتھ ہے اور اللہ کی مشیت اور اللہ کی رضا جس کے ساتھ ہو جائے وہ تو بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

تفسیر مظہری میں علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ یہاں اہل بلا سے مراد وہ عشاقان الٰہی ہیں جو محبت الٰہی کے راستہ میں ہزاروں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں لیکن سرمستیٔ عشق انہیں اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ سے دور نہیں کرتی بلکہ بلائیں آتی ہیں اور محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ان عشاقان الٰہی کو بغیر حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔

دعا کریں اللہ تبارک وتعالی ہمیں جہنم کی آگ سے بچائے اور جنت کی نعمتوں سے ہم کنار فرمائے، ہمارے اعمال کو وزن عطا فرمائے اور ہمارے بد اعمال کو اپنے فضل سے دنیا ہی میں معاف فرما دے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خطاب نمبر (۱۲۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ○ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○
کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○
کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ○
لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ○ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ○

حضرات گرامی! آج سورۃ تکاثر کا ترجمہ اور مفہوم بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ روز ایک ہزار آیات

کی تلاوت کرے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ایک ہزار آیات ہر روز کون پڑھ سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہر روز اگر اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ لیا کرے تو اسے ایک ہزار آیات پڑھنے کا ثواب میسر آئے گا۔ سبحان اللہ

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ○ (سورۃ التکاثر، الایۃ:1)

تم کو زیادہ مال جمع کرنے کے حرص نے غافل کر رکھا ہے یعنی حرص کثرت طلبی نے تم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے، آخرت سے، دین سے غافل کر دیا ہے۔

حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (سورۃ التکاثر، الایۃ:2)

یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ جاؤں گے۔

یعنی جب تک انسان زندہ ہے اسے آخرت کا خیال نہیں آتا نہ قبر کا خیال آتا ہے، نہ حساب کا خیال آتا ہے، وہ صرف مال جمع کرنے میں لگا رہتا ہے اور آخرت سے اور اپنے انجام سے غافل رہتا ہے یہاں تک کہ موت آپہنچتی ہے پھر وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ○ (سورۃ التکاثر، الایات:2-6)

عنقریب، بلاشبہ تم جان لوگے اور پھر یقیناً تم جان لوگے، کاش! تم یقینی علم کے ساتھ تم اپنا انجام دیکھ لیتے یا جان لیتے، تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔

یعنی اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت نہیں کرو گے، آخرت سے غافل رہو گے، صرف مال جمع کرنے میں لگے رہو گے، دوزخ کو دیکھو گے، عین الیقین کے طور پر اسے

دیکھو گے اور پھر تم سے دنیا کے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

حضرات گرامی ! مال میں کثرت کی طلب اس وقت ناجائز ہے جب وہ طلب اللہ تعالی کی یاد سے غافل کرنے والی ہو یا صرف حصول دنیا کے لیے ہو لیکن اگر مال کی طلب کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالی کی عبادت اور کامل بندگی کا احساس ہو اور غفلت نہ ہو اور جائز طریقہ سے مال کمایا جائے ناجائز طریقہ سے نہیں تو مال کی یہ طلب مستحسن ہے ممنوع نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ تم مال اور اولاد کے کثرت میں اللہ تبارک وتعالی کی یاد سے غافل ہو گئے۔ یہ ہے اس آیت کریمہ کا مفہوم۔

یہ آیت یہودیوں میں سے ایک شخص ابن زید کے بارے میں نازل ہوئی مگر یہ قول اس لیے صحیح نہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور مکی سورتوں میں یہودیوں کو مخاطب نہیں کیا گیا اور نہ ان کے بارے میں کثرت سے کوئی بات کی گئی ہے۔

ہاں بعض علاقے ایسے تھے جیسے عبد مناف اور بنو سہم وغیرہ یہ ایک دوسرے سے عداوت اور دشمنی رکھتے تھے اور اپنی سیادت اور اپنے نسب پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنی دولت پر اور وہ کہا کرتے تھے کہ ہم فلاں ابن فلاں ہیں اور یہ اس وقت تک ہوتا رہا جب تک کہ وہ فوت نہ ہو گئے، تو اس قبائلی عصبیت کو اور نسلی عصبیت کو، ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ بلاشبہ جو سادات ہیں ان کا احترام ضروری ہے مگر خود ان کو اس پر ناز کرنا اسی وقت جائز ہے جب کہ وہ اس کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سورت طیبہ تمام انسانوں کے لیے نازل کی گئی ہے وہ لوگ جو تکاثر کے بنیاد پر، کثرت طلبی کے بنیاد پر مسلسل غافل رہتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سورت طیبہ کو تلاوت فرمائی۔

اور آپ نے فرمایا کہ آدم کا بیٹا یہ کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال اے ابن آدم! تیرا مال تو صرف وہی ہے جس کو تم نے کھالیا اور فنا کر دیا، جس کو تم نے پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا اور جس کو تم نے صدقہ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیا صرف وہی تمہارا مال ہے اس کے علاوہ جو تم نے چھوڑا وہ تمہارا مال نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو یعنی پہاڑوں کے درمیان جو پھیلا ہوا میدان ہوتا ہے وہ ہو تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہو جائیں یہ ہوس، یہ کثرت طلبی کی خواہش اس وقت تک رہتی ہے کہ وہ مر جاتا ہے اور اس کا منہ مٹی کے سوا اور کوئی شئی نہیں بھر سکتی ہے۔ بلاشبہ جو توبہ کرنے والے لوگ ہیں اللہ تبارک وتعالی ان کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

گفت چشم تنگ دنیادوست را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

دنیادار کی لالچی نگاہ کو اللہ تبارک وتعالی قناعت دے دے تو ہی وہ آسودہ ہوتی ہے ورنہ پھر قبر کی مٹی ہی اسے آسودہ کر سکتی ہے۔

حضرات! کثرت طلبی وہاں ناجائز اور غیر مستحسن ہے جو صرف دنیا کے لیے اور آخرت سے غافل کرنے والی ہو مگر کوئی دولت اس لیے حاصل کرے کہ اس سے اللہ تعالی کے بندوں کی مدد کرے، اس کے راستہ میں خرچ کرے تو یہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن بھی ہے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہیے ایک وہ شخص جس کو اللہ تبارک وتعالی نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستہ میں خرچ کرے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ تبارک وتعالی نے علم دیا ہو علم کے مطابق فیصلہ کرے اور

لوگوں کو تعلیم دے۔

اولاد کی کثرت بایں طور ہو کہ وہ مسلمان ہوں، مومن ہوں اور رسول پاک کے امت میں شامل ہوں تو یہ بھی مستحسن ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کثرت سے بچہ پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنے والی ہو اور بچہ پیدا کرنے والی ہو۔

حضرات گرامی! اس لیے ضروری ہے کہ اس سورت کے حقیقی مفہوم کو سمجھا جائے، اس سورت میں علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین فرمایا گیا ہے پھر فرمایا گیا ہے کاش تم علم الیقین کے ساتھ تم اپنا انجام جان لیتے، بے شک تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے، پھر تم ضرور دوزخ کو عین الیقین کے ساتھ دیکھو گے اور ضرور تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو تمہیں دنیا میں دی گئی تھیں۔

اس آیت کا مفہوم ایک تو یہ ہے کہ مال کی کثرت پر فخر نہ کرو کیوں کہ اس بے جا فخر پر تم کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا کاش! تم اپنا انجام جان لیتے یعنی اگر تم اپنا انجام جان لو تو دولت پر فخر کرنا چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر مال و دولت کے حصول میں اس طرح نہ لگ جاؤ کہ تمہیں نہ آخرت کا احساس، نہ جہنم کے عذاب کا خوف ہو، نہ جواب دہی کا احساس ہو۔

حضرات! علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین یہ تین منزلیں ہیں۔ دلائل کے ذریعہ سے جو علم حاصل ہو جائے وہ علم الیقین ہے جو لوگ دنیا میں ہیں اور قرآن و احادیث کے ذریعہ سے آخرت کا علم حاصل کرتے ہیں انہیں علم الیقین حاصل ہے لیکن دوسری منزل وہ موت کی ہے جیسے ہی وہ موت سے دو چار ہوں گے اور آخرت ان کی نگاہوں کے سامنے ہوگی تو یہ عین الیقین ہوگا اور پھر میدان قیامت میں وہ حق الیقین کے مرحلہ پر پہنچیں گے۔ سب کچھ اپنی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

حضرات گرامی! نعمتوں کے بارے میں سوال ہر ایک سے ہوگا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کو گھر سے باہر آئے تو آپ تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ملے آپ نے ان سے پوچھا کہ تم اس وقت باہر کیوں نکلے ہو، تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! بھوک کی وجہ سے، آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں بھی اسی سبب سے باہر آیا ہوں، پھر آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ چلو، پھر آپ ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ گھر میں نہیں تھے جب ان کی شریک زندگی نے آپ کو دیکھا تو مرحبا کہا اور آپ اپنے لوگوں ہی میں آئے ہیں یہ کہا اور پھر آقائے دو جہاں کو اور صحابین کریمین کو دیکھا تو کہا الحمدللہ! آج سے پہلے میرے گھر میں اتنے معزز اور مکرم مہمان کبھی نہیں آئے۔

اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے لیے پانی لینے کے لیے گئے ہیں اتنے میں وہ بھی آگئے۔ پھر وہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیٹھنے کی درخواست کی اور جب آپ تشریف فرما ہوئے تو وہ باہر گئے اور پکی اور تازہ کھجوروں کا خوشہ لے کر بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے اور پھر ایک دودھ دینے والی بکری کو ذبح کیا آپ نے اس بکری کا گوشت کھایا، آپ کے اصحاب نے بھی۔ اور ان خوشوں سے کھجور کھائے اور پانی پیا جب آسودہ ہوئے تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے آج کی نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا، تم اپنے گھر سے بھوکے نکلے تھے اور گھر لوٹنے سے پہلے تمہیں یہ نعمتیں دی گئیں۔

اس میں چند باتیں معلوم ہوئیں کہ مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ طیبہ کی زندگی میں بھی بھوک کی مشقتیں برداشت کر رہے تھے، وہ رسول جو قاسم نعمت الٰہی ہیں، قاسم ارزاق عالمین ہیں، انہوں نے اپنے لیے بھوک کو پسند کیا تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ مدینہ کا اسلامی انقلاب دراصل حصول سرمایہ کے لیے تھا جیسا کہ مستشرقین کہتے ہیں۔

(اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر لعنت کرے)

''پیغمبر اعظم نے بھوکے لوگوں کو جمع کر کے ایک انقلاب برپا کیا، آبادیوں پر حملہ کیا تا کہ وہ خوش حال ہو جائیں۔ معاذ اللہ!''

اگر ایسا ہوتا تو قیصر وکسری کے فاتحین کے پاس کوئی محل تو ہوتا کہاں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محل؟ کہاں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا محل؟ ان کی مسجدیں تو ضرور موجود ہیں محل موجود نہیں۔ ہیں کہاں ہے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محل؟ وہ تو زندگی کے آخری لمحات تک فاقہ کرنے والے لوگ تھے اور اگر کبھی آسودہ ہوئے تو فورا آپ نے یہ احساس بیدار کیا اپنے صحابہ کے ذہنوں میں کہ تمہیں ان نعمتوں کا حساب دینا پڑے گا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے کافی ہے کہ روٹی کا ایک ٹکڑا جو تمہاری بھوک مٹا دے اور اتنا کپڑا جو تمہارے جسم کو چھپا سکے اور ایک غار جو تمہیں گرمی اور سردی سے محفوظ کر سکے یعنی ایک مکان۔

ان تین نعمتوں کے علاوہ باقی تمام نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ مبتلائے غفلت وفریب ہیں اللہ تعالیٰ نے صحت بخشی ہے اور فراغت عیش تو ان سے بہت زیادہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے اپنی جوانی کو، اپنی صحت کو کس کام میں خرچ کیا اور وہ

دولت جو تم کو میں نے دی تھی اس کو کہاں خرچ کیا؟ قرآن پاک میں ہے:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

(سورۃ الاسراء، الایۃ:36)

بے شک کان، آنکھ، دل ان میں سے ہر ایک چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

حدیث پاک میں ہے: ایک بندے کو قیامت میں لایا جائے گا اور اللہ فرمائے گا کیا میں نے تم کو کان، آنکھ اور مال و اولاد نہیں دیے تھے یعنی یہ بھی نعمت ہیں وہی چیزیں نعمت نہیں جو خارج وجود ہیں بلکہ جو نعمت ہے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا کان کس لیے استعمال کیا ہے؟ آنکھوں سے کیا دیکھا؟ دل میں کس کی محبت پالی؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ہمیشہ آخرت کے انجام سے لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ○ (سورۃ التکاثر، الایۃ:8)

اس روز تم سے تمام نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

بعض صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کس نعمت کے بارے میں ہم سے سوال پوچھا جائے گا یہ تو صرف کھجور اور پانی ہے جو ہم کو میسر ہے اور جب کہ دشمن ہمارے سامنے موجود ہیں، تلوار ہمارے کاندھوں پر ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! بے شک اس کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت میں اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو بلائے گا اور اس کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی عزت وجاہت سے متعلق سوال کرے گا جس طرح سے اس کے مال کے بارے میں سوال فرمایا گیا۔

یعنی صرف مال ہی کے بارے میں نہیں ۔وہ ساری نعمتیں صحت ہے، عزت ہے، آبرو ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے بخشی ہے، تحفظ ہے، وقار ہے ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ یہ نعمتیں ہم نے تمہیں دی تھی کیا تم نے ہماری عبادت کی اور ہمارا شکر ادا کیا۔

حضرات گرامی ! اس لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ تبارک وتعالی کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، ہوس، کثرت طلبی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

ہاں ! اگر کوشش محنت اور جائز طریقہ سے مال میسر آجائے تو اسے اللہ تبارک وتعالی کے راستہ میں خرچ کرنے کی کوشش کریں۔

ایک مغربی دانشور مسلمان ہو گئے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں سکون کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ سکون کہاں میسر آئے گا؟ میں نے دولت مندوں کو دیکھا تو دولت کے انبار میں بھی وہ بے قرار رہتے تھے مزید دولت کے حصول کے لیے، دولت مل گئی تو اس کو بچانے کے لیے، اس کو محفوظ رکھنے کے لیے وہ مضطرب اور بے قرار رہتے تھے، میں نے ارباب اقتدار کو دیکھا اگر اقتدار مل گیا ہے تو اس کے تحفظ کے لیے سراپا اضطراب رہتے تھے، اہل شہرت کو دیکھا تو وہ شہرت میں بھی مطمئن نظر نہیں آئے باہر شہرہ ہے اور گھر کی تنہائیوں میں غمگین نظر آئے مجھے۔

مجھے کہیں سکون نہیں ملا نہ دولت میں، نہ اقتدار میں، نہ شہرت میں اور میں سوچ رہا تھا کہ اے اللہ! حقیقی سکون کیسے میسر آئے گا انہی دنوں میں نے مصر کا سفر کیا اور میرے ایک مسلمان دوست نے یہ سورت طیبہ پڑھی:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ○حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ○

تمہیں ہوس، کثرت طلبی نے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ تم قبر دیکھ لیتے ہو۔

تو قبر تک تو سکون ملنا ممکن ہی نہیں ہے ان لوگوں کے لیے جو تکاثر میں مبتلا ہیں اس آیت کریمہ نے مجھے یقین دلایا کہ صرف اسلام ہے کہ جس کے دامن میں سکون مل سکتا ہے جہاں تکاثر نہیں ہے بلکہ جہاں صرف اس بات کی کوشش ہے کہ اللہ تعالی کی رضا حاصل کی جائے اور مسلمان صرف ذکر الہی سے ہی مطمئن ہوسکتا ہے، دولت سے نہ اقتدار سے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ(سورۃ الرعد الایۃ:28)

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تبارک وتعالی کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتا ہے۔

شیخ سعدی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بادشاہ مرنے لگا اس کی کوئی اولاد نہیں تھی تو اس نے یہ کہا کہ کل مسجد میں جو سب سے پہلے آئے اسے بادشاہ بنا دینا تو ایک فقیر جو رات کو مسجد میں آکر سو گیا تھا جب لوگ صبح کی نماز پڑھنے مسجد گئے تو لوگوں نے اس کو وہاں پایا اس کو بادشاہ بنا دیا گیا، تاج پہنا دیا گیا، تخت پر بیٹھا دیا گیا۔ جب پڑوسی بادشاہ نے دیکھا کہ ایک ایسا شخص تخت پر بیٹھا ہے جس کو تاج وتخت کے تحفظ کی صلاحیت نہیں ہے اس نے حملہ کیا اور ملک کے حصہ پر قبضہ کر لیا، ایک روز بہت افسردہ بیٹھا ہوا تھا تو اس کا ایک ساتھی جو اس کے ساتھ بھیک مانگا کرتا تھا وہ آیا اور کہا کہ آپ تو بادشاہ ہو گئے ہیں، بڑی نعمتوں میں ہیں مبارک ہو یہ کرسی اور یہ تاج وتخت، کہا نہیں بھائی مبارک بادمت دو مجھے۔ کل تو ہمیں صرف ایک روٹی کا غم تھا مل جاتی اور اطمینان سے سو جاتے تھے اور آج پوری دنیا کا غم ہے نہ رات کو نیند آتی ہے اور نہ دن کو سکون میسر آتا ہے۔

حضرات ! دولت، اقتدار اور ہوس کثرت طلبی میں سکون نہیں ہے سکون صرف آخرت کی یاد اور آخرت کے احساس اور اللہ تبارک وتعالی کے ذکر میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو تکاثر کے بجائے آخرت کے دولت سے نوازے۔

خطاب نمبر (۱۲۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○
اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے سورۃ العصر کے مفہوم کو سمجھنے سے پہلے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام کی نذر پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

حضرات گرامی! سورۃ العصر میں تین آیات مبارکہ اور انہیں پہ مشتمل ایک رکوع ہے۔ اللہ رب العزت نے اس سورت میں زمانہ کی قسم یاد فرمائی ہے زمانہ کی قسم یا زمانہ محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کی قسم! بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے، خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو حق اور

صبر کی وصیت کی۔

یہ سادہ سا ترجمہ ہے سورۃ العصر کا جس کے بارے میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف سورہ عصر ہی نازل ہوتی تو انسان کی ہدایت کے لیے کافی تھی اس لیے کہ انسان کی زندگی کی کامیابی کے لیے، کامرانی کے لیے جتنی باتوں کی ضرورت ہے وہ سب اس میں موجود ہے۔

زمانہ بڑا عجیب ہے کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اسی پر ہے انقلابات (اضافت) زمانہ تغیرات پیدا کرتے ہیں، دنیا اور آخرت کی کامیابی کا بھی دارومدار زمانہ ہی پر ہے۔

عصر کا معنیٰ کسی چیز کا آخری حصہ یا نچوڑ ہے اسی لیے پھلوں کے عرق کو عصیر کہتے ہیں اگر انسان زندگی کے مختلف ادوار میں غلطی کر چکا ہے لیکن زندگی کے آخری حصہ میں وہ سچی توبہ کرلے اور توبہ قبول ہو جائے تو ان شاء اللہ وہ اہل جنت میں شمار ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

وَإِنَّمَا الأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا

(صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الأعمال بالخواتيم، وما يخاف منها، الرقم: 6493)

بلاشبہ اعمال کا اعتبار خاتموں سے ہے۔

مگر خاتمہ کی بنیاد بھی گزرا ہوا زمانہ ہے۔ فرمایا گیا:

كَمَا تَعِيشُونَ تَمُوتُونَ وَ كَمَا تَمُوتُونَ تُبْعَثُونَ وَ كَمَا تُبْعَثُونَ تُحْشَرُونَ۔

جیسے تم جیتے ہو ویسے ہی مروگے اور جیسے مروگے ویسے اٹھوگے اور جیسے اٹھوگے ویسے ہی تمہارا حشر ہوگا۔

تمہیں موت اسی کیفیت میں آئے گی جیسی زندگی تم نے گزاری ہے، اگر زندگی ایمان وعمل کے ساتھ گزاری ہے تو امید کی جاتی ہے کہ موت کے وقت بھی ایمان وعمل کے دولت سے نوازے جاوگے اور سفر آخرت ایمان وعمل کے ساتھ ہوگا، اگر پوری زندگی ایمان وعمل کے بغیر گزری ہے تو موت کے وقت بھی یہی کیفیت ہوگی اور قیامت میں اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں موت ہوگی۔

بہر کیف چونکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے جب تک موت کی ہچکیاں نہ آجائیں یا قیامت قائم نہ ہوجائے تو بندوں کو مایوس ہونے کے بجائے غلطیوں سے توبہ کر لینی چاہیے اگر ہوگئی ہیں تو کیوں کہ زندگی کے آخری حصہ میں بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں توبہ کرلے تو یقیناً وہ جنتی ہوگا۔

اس میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ لوگ تکالیف اور مصائب کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ بڑا خراب زمانہ ہے، بڑا مشکل دور ہے، یہ کیسا زمانہ ہے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جب کہ فرمایا گیا ہے کہ تم زمانے کو گالی مت دو اس لیے کہ انقلابات زمانہ تو میرے فیصلہ سے ہوتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے والعصر میں اللہ تعالی کو مضاف بنایا ہے ورب العصر زمانے کے رب کی قسم، زمانے کے خالق کی قسم، زمانے کے پروردگار کی قسم، اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ زمانہ موثر نہیں ہے تمہاری زندگی میں بلکہ تمہارے اعمال تمہاری زندگی کے فیصلے کرتے ہیں اور موثر ہوتے ہیں اس لیے زمانے کو مطعون کرنے کے بجائے ایمان وعمل صالح اور حق وصبر کی وصیت سے کام لو۔

حضرات گرامی! زمانہ تو مظاہر قدرت میں سے ہے دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ارباب

فلسفہ نے زمانے کے وجود ہی کا انکار کیا ہے۔ حالاں کہ زمانے کی تقسیم کبھی سال کے اعتبار سے، کبھی صدی کے اعتبار سے، کبھی دن کے اعتبار سے، اوقات کے اعتبار سے، صبح وشام کے اعتبار سے کی جاتی ہیں یہ ساری تقسیمات زمانے کی ہیں اور زمانہ منقسم ہوتا ہے۔

لیکن زمانہ ہے کیا؟ کیا ماضی زمانہ ہے؟ کیا مستقبل زمانہ ہے؟ انسان کے لیے، ماضی وہ ہے جو گزر گیا اور مستقبل وہ ہے جو آنے والا ہے، زمانے کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ کل کہیں تو جیسے ہی آپ نے کاف ادا کیا یہ ماضی بن گیا اور لام ابھی مستقبل اور جیسے ہی لام ادا کیا وہ ماضی ہوگیا۔ حال کہاں ہے؟ حال تو بے حال ہے۔ بہر کیف اسی حال میں ہم جی رہے ہیں اس لیے زمانے کی قسم یاد فرمائی گئی ہے اور والعصر سے مراد سب سے حسین ترجمہ جو کیا ہے امام اہل سنت اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ فرماتے ہیں:

زمانۂ محبوب کی قسم! اور یقینی طور پر یہ بات زیادہ قریب فہم ہے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالی نے شہر محبوب کی قسم یاد فرمائی ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (سورۃ البلد، الایۃ:1)

مجھے اس شہر کی قسم۔

حیات طیبہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (سورۃ الحجر، الایۃ:72)

اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

تو جس چیز کی نسبت حضور کی طرف ہوجائے اللہ رب العزت نے اس کی قسم یاد فرمائی ہے تو وہ زمانہ جس کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ولادت اور انقلابات اسلام کے حوالہ سے ہے وہ زمانہ یقیناً اس قابل ہے کہ اس کی قسم یاد فرمائی جائے اور وہ زمانہ وہ ہے

کہ اس سے بہتر زمانہ نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ بعد میں کبھی ہوگا، تمام ادوار وایام میں زمانہ محبوب ہی سب سے پسندیدہ زمانہ ہے، خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ،

(سنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، باب كراهية الشهادة لمن لم يستشهد الرقم: 2362)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ سب سے بہتر زمانہ کونسا ہے تو آپ نے فرمایا: میرا اور پھر جو ان سے ملے یعنی صحابہ کرام اور پھر جو ان سے ملے یعنی تابعین۔ تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنے زمانہ کو بہتر فرمایا ہے۔

حضرات گرامی! والعصر سے مراد مفسرین نے نماز عصر بھی لی ہے۔

نماز عصر کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ

(سورۃ البقرۃ، الایۃ: 238)

تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور پر نماز عصر کی اور ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کامل متوجہ ہو کر کے کھڑے ہوا کرو۔

یہاں وسطی سے مراد اکثر مفسرین نے نماز عصر ہی لی ہے، نماز عصر کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟ امام اہل سنت کا ایک شعر ہے۔

مولیٰ علی نے واری تیری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر جو سب سے اعلیٰ خطر کی ہے

اس لیے کہ نماز عصر کا وقت بہت مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، کاروبار کا شباب ہوتا ہے، دن ختم ہو رہا ہوتا ہے اور لوگ اپنے تمام کاروبار کو جلدی سے مکمل کرنا چاہتے ہیں، خریدار ٹوٹے پڑتے ہیں، آفس بند ہو رہے ہوتے ہیں، لوگوں کو اپنے گھر پہنچنے کی خواہش ہوتی ہے، دنیا بھر میں عصر کا جو وقت ہے بہت ہی مصروفیت کا وقت ہے اور اس وقت میں نماز کے ترک ہو جانے کے خطرات زیادہ ہوتے ہیں اس لیے صلاۃ وسطی کی اہمیت بتائی گئی۔

اور دوسری وجہ یہ بتائی گئی کہ دو اوقات ایسے ہیں جن میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں رات کے فرشتے دن کی نماز میں رخصت ہو رہے ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے صبح کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور دن بھر وہ رہتے ہیں اور جب ان کے رخصت ہونے کا وقت ہوتا ہے تو عصر کی نماز ہوتی ہے، عصر میں رات کے فرشتے پھر آتے ہیں اور دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی مکمل کر کے واپس جا رہے ہوتے ہیں، کارکنان قضا وقدر ہیں جو واپس جا رہے ہوتے ہیں اس لیے ان دو وقتوں کی بڑی اہمیت ہے خاص طور پر عصر کی کیوں کہ یہ مصروفیت کا وقت ہے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلے جو نمازیں ہیں ان میں کبھی کوتاہی نہ کرو ویسے کوتاہی کسی بھی نماز میں جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ کوتاہی اور کسل نفاق کی علامت ہے۔

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى (سورۃ التوبۃ، الایۃ: 54)

اور نماز کو نہیں آتے مگر جی ہارے (سستی کی حالت میں)

نشاط طبیعت کے ساتھ، مکمل قنوت وتوجہ کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا چاہیے۔

لیکن خاص طور پر ان دو نمازوں فجر اور عصر کے وقت۔ فجر کی نماز اس لیے کہ خواب

سے بیداری کا وقت ہوتا ہے اور نیند تو پیاری ہوتی ہی ہے دنیاداروں کے لیے۔

ہم سے کب پیار ہے
بس نیند تمہیں پیار ی ہے

تو یہ کیفیت ہوتی ہے انسانوں کی اس لیے نیند سے بیدار ہونا بعض اوقات شاق گزرتا ہے اس لیے اس کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔

اور عصر کا وقت مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، دن کا آخری حصہ ہوتا ہے، نچوڑ ہوتا ہے اس لیے اس وقت بھی کام کی کثرت ہوتی ہے۔کسی طبقہ کو دیکھیے کسان سورج کو غروب ہوتا دیکھ کر جلدی جلدی کام کرتا ہے تا کہ وہ اپنا کام مکمل کر لے، آفس بند ہو رہے ہوتے ہیں، دکانوں میں ہجوم ہوتا ہے، لوگ کاروباروں میں مصروف ہوتے ہیں ایسے موقعوں پر اگر نماز چھوٹ جائے تو اس کے امکانات زیادہ ہیں اس لیے فرمایا گیا کہ عصر کا زیادہ خیال رکھا جائے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○(سورۃ العصر،الایۃ:2)

بے شک انسان خسارے میں ہے۔

حضرات! خسارہ دو طرح کا ہوتا ہے نفع میں کمی ہو جائے یا رأس المال ہی ضائع ہو جائے۔تو انسانی زندگی کا سب سے بڑا خسارہ یہ ہے کہ رأس المال، اصل مال ضائع ہو رہا ہوتا ہے یعنی ہم اپنی زندگی کے جتنے سال وماہ اور ایام لے کر آئیں ہیں ایک دن بھی اگر وہ بغیر عمل کے گزر گیا۔تو وہ ضائع ہو گیا تو یہاں صرف منافع کا نقصان نہیں ہے، منافع کا نقصان تو اس طور پر ہے کہ ہم نے نوافل کم پڑھی یا مکمل طور پر نماز کا حق ادا نہیں کیا یا عبادت اور طاعت میں کوئی کمی کر دی تو یہ منافع کا نقصان ہوا لیکن دن گزر رہے ہیں اور ہم نے کچھ کیا ہی نہیں تو زندگی تو

اصل مال ہے۔رأس المال ہے اس کا ضائع ہونا یقیناً بدترین خسارہ ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (سورۃ العصر،الایۃ:3)

مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

زمانے گزرنے کے ساتھ ساتھ عمر کا سرمایہ ضائع ہوتا رہتا ہے مگر پھر وہ اوقات شمار کیے جائیں گے آخرت کے انعامات کے لیے جس میں ایمان ہو، عمل صالح ہو، حق وصبر کی وصیت ہو یہ چار چیزیں ہیں: ایمان، عمل صالح، حق اور اس کے بعد صبر کی وصیت۔

جہاں ایمان ہوگا وہاں عمل صالح بھی ہوگا اس کا ہونا ضروری ہے۔ایمان بیج ہے جو قلب کے اندر ہوتا ہے اگر قلب کی زمین صحیح ہے، موسم خوشگوار ہے بیج کی برآوری کے لیے، بارش بھی میسر ہے تو یقیناً بیج سے پھل اور پھول نکلیں گے، اگر زمین صالح نہیں ہے، موسم ناساز گار ہے تو ہوسکتا ہے کہ پھل اور پھول نہ نکلے تو ایمان جس قلب کے اندر ہوگا اور وہ قلب صالح بھی ہوگا تو عمل صالح کے پھل اور پھول کا نکلنا لازمی ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایمان ہو اور زمین قلب بھی مناسب ہو اور عمل صالح نہ پایا جائے۔

قرآن پاک میں سینکڑوں مقامات پر ایمان وعمل صالح کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے لیکن یہاں چار باتیں کی گئی ہیں: ایمان، عمل صالح اور حق وصبر کی وصیت۔

یاد رکھیے! جب ایمان کے ساتھ آپ نیک اعمال کریں گے تو پھر آپ کو حق پر قائم رہنا اور حق کی دعوت دینا بھی ضروری ہے صرف تنہا عمل کافی نہیں ہے آپ کے لیے ذاتی طور پر قرآن عظیم نے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (سورۃ التحریم، الایۃ:6)

اے ایمان والو! اپنے کو بھی بچاؤ اور اپنے اہل کو بھی جہنم کی آگ سے جس کے ایندھن انسان بھی ہیں اور پتھر بھی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورۃ آل عمران، الایۃ:110)

تم ایک بہترین امت ہو تم کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے آخری امت ہونے کی بنیاد پر کہ تم بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

اس لیے حق وصبر کی وصیت یہ ایمان وعمل صالح کے ساتھ ضروری ہے اور جب انسان دین حق کے لیے، قائم رہنے کے لیے لوگوں کو دعوت دے گا تو مشکلات بھی پیش آئیں گی، ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ انسان حق کی دعوت دے اور باطل انہیں مشکلات میں مبتلا نہ کرے تو پھر وہاں صبر کرنا پڑے گا۔

ذاتی زندگی میں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح ہے، عمل صالح میں حرام سے پرہیز کرنا ہے، گناہوں سے پرہیز کرنا ہے، خواہشات نفس کو کچل دینا ہے، نفس امارہ کی بات نہیں سننی ہے، تمام باطل لذتوں اور ناجائز وحرام لذتوں سے کنارہ کش ہونا ہے اور آپ جب ان مراحل سے گزریں گے تو آپ کو صبر کرنا پڑے گا پھر زمانہ دشمن ہوگا آج کے دور میں مسلمانوں کے ساتھ جو مسائل ہیں وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

پوری دنیائے کفر اور باطل مغرب کی تہذیب یہ سب اہل ایمان کے لیے بہت بڑا

امتحان کا ماحول ہے، ایمان کا بچانا مشکل ہوگیا ہے، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایمان کا بچانا اتنا مشکل ہوگا جیسے کہ ہتھیلی پہ انگارے کا رکھنا تو ظاہر ہے انگارے کو ہتھیلی پر رکھیں گے، مشکلات آئیں گے تو صبر کرنا پڑے گا اور یہی صبر استثناء ہے ناکامیوں کے سلسلہ میں۔ تنہا عمل صالح کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حق پر قائم رکھنے کے لیے ایک دوسرے کو وصیت کرنا اور آمادہ کرنا اور تبلیغ کرنا اور اس راہ میں جو تکلیفیں ہیں ان کو برداشت کرنا ہے۔ اس سورت کا یہ مختصر سا مفہوم ہے لیکن لاکھوں مضامین اس کے اندر پوشیدہ ہیں یہ اہل حقیقت جانتے ہیں اور ارباب ذوق جانتے ہیں۔ مطالعہ کیجیے تو ان چار باتوں میں ایمان اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا، عمل صالح اور اس کی تفصیلات و کیفیات، حق پر قائم رہنے اور اس کی مشکلات اس کے بعد صبر یہ ساری چیزیں اپنے دامن میں ہزاروں مسائل اور تفصیلات رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف سورہ عصر ہی نازل ہوتی تو انسان کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو ایمان اور عمل صالح، حق وصبر کی وصیت کی توفیق کامل عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۲۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○
اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ○
وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آیئے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ۔

آج سورۃ الفیل کے مضامین پیش کیے جائیں گے یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اس میں ایک رکوع اور صرف پانچ آیات مبارکہ ہیں، اس سورت میں اہل مکہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ ابرہہ جو طاقت وقوت میں تم سے بہت زیادہ تھا اسے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے ذریعہ سے ہلاک کردیا۔

حضرات! ابرہہ کون تھا؟

اس کی ہلاکت کا واقعہ کیا تھا اس سورت کو سمجھنے کے لیے اس کا جاننا ضروری ہے۔

ابرہہ یمن کا گورنر تھا، یمن جس کا دارالسلطنت آج بھی صنعاء ہے اور اس وقت بھی یہ صنعاء ہی تھا، یمن اس زمانے میں حبشہ کے زیر اہتمام تھا اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی جو عیسائی تھے ان کی حکومت کا ایک حصہ ہے، ابرہہ ایک انتہائی طاقت ور نمائندہ تھا حکومت کا اور نجاشی نے، حبشہ کے بادشاہ نے اس کو یمن کا گورنر مقرر کیا تھا۔

اس زمانے میں پورے حجاز اور اس سے متعلق سارے ممالک کعبہ مقدسہ کی وجہ سے اور مکہ مکرمہ کی وجہ سے عربوں کی قوت کا مرکز سمجھتے تھے اگرچہ کعبہ میں حاضری کی تمام وہ روایات جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاری تھیں وہ ختم ہو چکی تھی، کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھ دیئے گئے تھے اور بتوں کی پرستش ہوتی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے تعلق سے اور دنیا بھر کے لوگوں کے مرکز عقیدت ہونے کی وجہ سے اہل مکہ کو خاص اہمیت حاصل تھی جو اہل یمن کو حاصل نہ تھی۔ ابرہہ چونکہ عیسائی تھا اس کو یہ بات بڑی ہی شاق گزرتی تھی اور ناگوار تھی کہ یمن جو انتہائی خوش حال ملک ہے اور پورے جزیرۃ العرب کے لیے تجارت کا مرکز بھی ہے، سمندروں کے کنارے ہونے کی وجہ سے بے شمار ملکوں کے آنے جانے کا ذریعہ بھی ہے لیکن اس کے مقابلے میں مکہ کو اہمیت کیوں دی جارہی ہے؟ اس نے سوچا کہ ہم

صنعا میں ایک گرجا تعمیر کریں گے اور لوگوں کو مکہ مکرمہ کے بجائے، کعبہ کے بجائے گرجا گھر میں عبادت کا حکم دیں گے اور مائل کریں گے۔

چنانچہ اس نے گرجا تعمیر کیا اور اس نے تمام اطراف وجوانب کے شہروں اور قریوں کو بلاد کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ مکہ کے بجائے صنعاء میں اس گرجے کی عبادت کے لیے آئیں۔ اس کا خیال تھا اس طرح سے کعبہ کی مرکزیت ختم ہو جائے گی اور مکہ کے بجائے صنعاء تجارت کا مرکز بن جائے گا لیکن ایسا ہوا کہ ایک تجارتی قافلہ جو یمن میں ٹھہرا ہوا تھا اس کے کسی فرد نے اس گرجے میں نجاست داخل کر دی۔

پہلے بھی وہ کعبہ مقدسہ کو ڈھانے کی کوشش کرتا رہا تا کہ جب کعبہ نہیں ہوگا تو مجبوراً یہاں لوگ آئیں گے لیکن اس واقعہ نے اس کو مشتعل کیا اور اس نے ایک بڑی فوج تیار کی، اس فوج میں اس نے ہاتھیوں کو شامل کیا، ابرہہ جس پہ سوار تھا اس ہاتھی کا نام محمود تھا ،ہاتھیوں کی فوج کو لے کر کے وہ مکہ مکرمہ کی طرف بڑھا۔

یاد رکھیے! یہ سب کچھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پچاس دن پہلے ہوا اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے سال کو عام الفیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں اور اب بھی کسی تاریخ کو یاد رکھنے کے لیے کسی بڑے واقعہ کو بنیاد بنایا جاتا ہے جیسے حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت کے واقعہ کو عیسوی تاریخ کے لیے بنیاد بنایا گیا۔ اگر چہ وہ صحیح نہیں ہے مگر روایت یہی ہے، ہجرت پیغمبر اعظم کو ہجری کے لیے بنیاد بنایا گیا۔ اسی طریقہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس واقعہ کو باضابطہ تاریخ کا حصہ بنایا گیا اور اس سال کو عام الفیل کا نام دیا گیا اور اگر اسلام غالب نہیں ہوتا تو شاید عرب عام الفیل کے نام ہی سے اپنے سالوں اور مہینوں کا شمار کرتے۔

بہر کیف آقائے دو جہاں کی تشریف آوری سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ اس نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور ایک بڑی فوج لے کر ہاتھیوں کے گروہ کے ساتھ روانہ ہوا۔

مکہ مکرمہ کے لوگوں نے اور حجاز کے لوگوں نے ہاتھی نہیں دیکھے تھے یا دیکھے بھی تھے تو اس طرح سے نہیں کہ وہ حملہ آور ہو سکتے ہیں، انہیں اونٹوں پر سفر کرنے کا تجربہ تھا مگر ہاتھیوں کے ساتھ ان کی رسم وراہ نہ تھی۔ چنانچہ وہ یمن سے مکہ مکرمہ تک جتنے علاقوں سے گزرا لوگوں نے جنگ کرنے کے بجائے اس کی سرداری کو قبول کر لیا کچھ علاقوں میں کچھ لوگوں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی مگر وہ اصحاب الفیل کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے وہ بڑھتے بڑھتے مکہ مکرمہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر رہ گیا اور اس نے پڑاو ڈالا اور مکہ والوں سے چھیڑ چھاڑ کا آغاز کیا اور اس کے فوجیوں نے مکہ والوں کے اونٹ ہانک کر اپنے فوجی کیمپ میں لے گئے جس میں حضرت عبد المطلب جو کعبہ مقدسہ کے متولی تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جد امجد تھے ان کے دو سو اونٹ بھی تھے۔

جب حضرت عبد المطلب کو معلوم ہوا تو آپ ابرہہ سے ملنے گئے، حضرت عبد المطلب انتہائی حسین وجمیل، انتہائی قد آور اور انتہائی متاثر کرنے والے شخصیت تھے وہ گئے تو ابرہہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑا ہو گیا اور بڑی عزت کے ساتھ ان کو بیٹھایا اور پوچھا کہ آپ کس لیے آئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے کہ تم ہمارے انٹوں کو اور مکہ والوں کے اونٹوں کو ہانک لائے ہو اسے واپس کر دو، اسے بڑی حیرت ہوئی۔

اس نے کہا کہ جناب والا! آپ کعبہ کے متولی ہیں، کعبہ کی حفاظت آپ کی ذمہ داری ہے اور میں کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں اور آپ نے کعبہ کے بارے میں کوئی سوال ہی نہیں کیا، میں سمجھتا تھا آپ شاید مصالحت کرنے کے لیے آئے ہوں گے، خراج پیش

کرنے کے لیے آئے ہوں گے یا کعبہ کو بچانے کے لیے آئے ہوں گے۔ یہ آپ نے اونٹوں جیسا ہلکا سوال کر دیا تو جناب عبد المطلب نے انتہائی اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ اونٹ میرے ہیں اس لیے میں لینے آیا ہوں مگر کعبہ اللہ تبارک وتعالی کا گھر ہے اور وہ اپنے گھر کو ضرور بچائے گا۔

اس جواب کی توقع اسے نہ تھی، اس نے اونٹ واپس کر دیے، آپ تمام اونٹوں کو لے کر مکہ مکرمہ آگئے اور آپ نے دفاعی نقطہ نظر سے مکہ کے تمام باشندوں سے کہا کہ تم لوگ پہاڑوں میں چھپ جاؤ، غاروں میں پناہ لے لو اور قدرت کا نظارہ دیکھو اور، اللہ تبارک وتعالی کے فیصلے کا انتظار کرو جو ابرہہ حملہ آور پر اثر ہونے والا ہے ایسا نہ ہو کہ تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے۔

ابرہہ اپنے ارادے کے مطابق مکہ کی طرف بڑھا، سب لوگ وہاں چھپ چکے تھے اور جناب عبد المطلب کعبہ مقدسہ کی دیواروں کے نیچے دعا میں مصروف تھے جس کو تمام مورخین نے انتہائی پرسوز انداز سے لکھا ہے۔

''اے اللہ! ہم کمزور لوگ ہیں اپنے گھروں کی حفاظت کرتے ہیں اور تو قادر مطلق ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما''۔

اور یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ابرہہ جب کعبہ مقدس کی طرف بڑھا اور قریب آیا تو اس کے ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا ایک جگہ بیٹھ گئے سب کے سب ہاتھی اور وہ ہاتھی بھی جس پہ وہ سوار تھا اس نے بہت کوشش کی باضابطہ ضربیں لگائیں جو طریقہ ہوتا ہے ان کا مگر ہاتھی نہیں اٹھا۔

ایک مرتبہ اٹھا تو سمت مخالف میں جانے لگا اور بھی ہاتھیوں کا حال یہی تھا، وہ دائیں بائیں یا پیچھے کسی طرف بھی جاسکتے تھے مگر کعبہ کی طرف جانے کے لیے تیار نہ تھے جیسے

ان کے قدم جم گئے ہوں۔ اسے بڑی حیرت ہوئی لیکن یہاں سے اس بات کا احساس ہوا کہ شاید یہ اللہ تبارک وتعالی کا گھر ہے شاید میں اسے فتح نہ کر سکوں۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سمندر کے جانب سے سفید پرندوں کے غول کے غول، اپنے پنجوں میں کنکریاں لے کر وہاں آئے، ہر پرندہ کے پاس تین کنکریاں تھیں دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں اور ان پر کنکریاں برسانا شروع کر دیا ننھی نازک کنکریاں اور عالم یہ تھا کہ ہاتھیوں پر پڑتی تو ہاتھیوں کے جسم کو چیرتے ہوئے نکل جاتیں اور انسانوں کے سر پر پڑتی تو پیروں سے نکل جاتیں اور تھوڑی ہی دیر میں اس کی فوج اور اس کے ہاتھیوں کا اکثر حصہ چبائے ہوئے بھس کی طرح سے جیسے جانور چبا کر کے منہ سے نکال دیتا ہے گھاس وغیرہ کو بلکل یہی کیفیت ان کی ہوگئی۔ ابرہہ وہاں سے بھاگا لیکن وہ بھی محفوظ نہیں رہا اسے ایک بیماری لاحق ہوئی اور وہ یمن پہنچ کر موت سے ہم کنار ہو گیا۔

اس واقعہ میں بہت سی باتیں پوشیدہ ہیں چونکہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کا واقعہ ہے ابھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے ہیں، ابھی ولادت طیبہ نہیں ہوئی مگر اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے چونکہ اسی سال کچھ دنوں کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ گر ہونے والے تھے اس لیے کعبہ مقدسہ کی حفاظت اللہ تبارک وتعالی نے فرمائی کہ کعبہ حضور کی تبلیغ اور دعوت کا اور ساری کائنات کا مرکز بننے والا تھا۔

کعبہ مقدسہ اپنی اصل کی طرف لوٹنے والا تھا جس کے لیے جناب ابراہیم نے اسے تعمیر کیا تھا اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے اس کی حفاظت کا فرمائی۔

حضرات! یہ ایک بار نہیں ہوا اس سے پہلے تبع حمیری نے جب حملہ کرنا چاہا تھا تو اس

کی فوج بھی بیمار پڑگئی تھی اور خود تبع حمیری بھی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوگیا تھا کہ جس کا کوئی علاج نہیں تھا پھر اس نے توبہ کی اور کعبہ پر غلاف چڑھایا اور مدینہ کی طرف سے واپس شام کی طرف روانہ ہوا تو مدینہ میں اس کے کچھ ساتھی رک گئے وہ یہود تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہاں رہنا ہے اس لیے کہ یہ وہی مقام ہے جہاں آخری نبی جلوہ گر ہونے والے ہیں، نبی موعود ومبشر۔ان ہی اہل کتاب میں سے تبع حمیری نے ایک خط لکھا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے کہ یہ خط اس نے اپنے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کے حوالہ کیا اس نے اپنے بیٹے کے حوالہ کیا اور یہ وصیت کی اپنے بیٹے کو کہ وہ اس خط کو منتقل کردے اسی طرح نسلا بعد نسل منتقل ہو کر جب وہ آخری نبی آئیں گے تو یہ خط ان کو مل جائے گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہود مدینہ طیبہ میں آخری نبی کے انتظار میں وہاں قیام پذیر ہوئے تھے اور جب کوئی مقابلہ کافروں سے ہوتا تو وہ دعا کرتے تھے کہ اس نبی کے صدقہ میں کامیابی عطا فرما جو آنے والے ہیں لیکن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے امید کے خلاف بنو اسحاق میں نہیں بلکہ بنو اسماعیل میں جلوہ گر ہوئے اور اس طرح انہیں اپنے اقتدار کا سورج ڈوبتا ہوا نظر آیا تو جانتے ہوئے بھی وہ ایمان نہیں لائیں۔قرآن پاک نے کہا ہے۔

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ (سورۃ البقرۃ،الایۃ:146)

یہ پیغمبر کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں۔

ان میں کچھ صاحب شعور عبد اللہ ابن سلام جیسے لوگ ایمان لائے لیکن اکثریت ایمان نہ لائی اور پھر جو کچھ ہوا آپ جانتے ہیں تاریخ کے حوالہ سے

بہر کیف تبع کے زمانے کے یہود وہاں قیام پذیر تھے جب آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در دولت پہ

آپ نے قیام فرمایا تو آپ نے سب سے پہلے یہ کہا کہ ابو ایوب تمہارا غلام ابو لیلی کہاں ہے؟ جس کے پاس تبع کا خط منتقل ہوتا ہوا آرہا ہے، نگاہ رسالت سو سال کے پہلے کا واقعہ دیکھ رہی تھی پھر خط پیش ہوا اور آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔

تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے تبع کے حملہ سے کعبہ مقدسہ کو بچایا اور اس وقت بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔

یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ اب بھی خطرات تو ہیں، اب ابابیل کا لشکر آئے گا یا نہیں آئے گا اگر کعبہ پر کوئی حملہ ہوتا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس وقت چونکہ مسلمان نہیں تھے تبع کا زمانہ ہو یا اصحاب الفیل کا اس لیے اللہ تعالیٰ نے براہ راست کعبہ مقدسہ کو اپنے کرم سے محفوظ کیا۔اب مسلمان موجود ہیں اس لیے انہیں خود اس کی حفاظت کرنی ہوگی، اپنے کعبہ کی حفاظت تمہیں خود کرنی ہے اب ابابیل کا لشکر نہیں آنے والا۔

ہاں! اگر مسلمان کعبہ مقدسہ اور حرم پاک کے دفاع کے لیے تیار ہو جائیں اور کمزور پڑنے لگیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچے گی لیکن اقدام خود مسلمانوں کو کرنا ہوگا غائبانہ کرے ایسے واقعات پیش آئیں بہر کیف یہ جملہ معترضہ تھا یا درمیانی بات تھی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ○ (سورۃ الفیل،الایۃ:1)

آپ نے دیکھا کہ اصحاب فیل کے ساتھ آپ کے رب نے کیا کیا

کیا محبت بھرا انداز ہے! اللہ تعالیٰ یہ بھی ارشاد فرما سکتا تھا کہ میں نے کیا یعنی اے محبوب! جو آپ کا رب ہے اگر اس نے ابرہہ کے حملوں سے کعبہ کو محفوظ کیا ہے ابابیل جیسے پرندوں کے ذریعہ سے تو آپ غم نہ کریں وہ آپ کو بھی اور آپ کی قوم کو بھی محفوظ رکھے گا اور کعبہ

کی حرمت بحال فرمائے گا یہ بہت محبت بھرا انداز ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ کیا آپ نے نہیں دیکھا یا آپ نے دیکھا یہ ترجمہ کرتے ہوئے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تو آپ کی ولادت سے پچاس دن پہلے کا ہے تو یہ کیوں فرمایا جارہا ہے کہ کیا آپ نے دیکھا۔

اہل محبت جواب دیتے ہیں کہ آپ نے عالم ارواح سے دیکھا تھا، آپ نے مشاہدہ فرمایا تھا لیکن کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کی اتنی شہرت تھی ظاہر ہے عام الفیل نام ہی رکھا تھا اس سال کا گویا یہ واقعہ عین مشاہدہ کی طرح سے تھا۔

بہر کیف، آپ کی بعثت سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا تھا یہ معجزہ تھا آپ کی نبوت کا، آپ کے ظہور کا جو اللہ تعالی کی طرف سے جلوہ گر ہوا تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ یہ پرندے سفید رنگ کے تھے اور ہر ایک کے پاس تین کنکریاں دو پنجوں میں اور ایک منقار میں ہوتی تھی۔

حضرات! بعض ظالموں نے اسے شعبدہ کا نام دیا ہے، فریب نظر کا نام دیا ہے۔ فریب نظر اور ہاتھیوں کا بھس بن جانا، فریب نظر ہاتھیوں کا تباہ ہو جانا اگر یہ شعبدہ ہوتا تو قرآن کے مخالفین، پیغمبر اعظم کے مخالفین آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ یہ قرآن کیا کہہ رہا ہے ہم تو یہاں کے رہنے والے ہیں یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا لیکن ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے اس واقعہ کا انکار کیا ہو اس سے قرآن پاک کی عظمت اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔

کیا اللہ تعالی نے ان کے فریب کو گمراہی میں نہ ڈالا یا دوسرے لفظوں میں ان کے فریب کو ناکام نہ کیا اور ان کے اوپر ابابیل پرندوں کو بھیجا۔

تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ○

(سورۃ الفیل، الایۃ:4)

وہ ان فوجیوں کو اور ابرہہ کی قوم کو کنکریوں سے مارتی تھیں یہ عالم تھا۔

روایت میں آیا ہے کہ ان کنکریوں کے ذریعہ سے جس فوجی کی یا جس ہاتھی کی موت آنے والی ہوتی تھی نشان زدہ تھیں وہ کنکریاں اور ان پر ان کا نام لکھا ہوا تھا۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○

(سورۃ الفیل، الایۃ:5)

تو اللہ تعالی نے انہیں چبائے ہوئے اور کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔

اے محبوب! آپ کا رب قادر مطلق ہے آج اگر یہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو انہیں ابابیل جیسے پرندوں سے ہلاک فرما سکتا ہے مگر اس کے علم میں ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں گے اس لیے آپ صبر کیجیے اور دعوت کے کام کو آگے بڑھائیے۔ اللہ تعالی کامیابیوں سے نوازے گا آپ اپنی ذمہ داری میں مصروف رہیں ہم اپنی کرم نوازی میں۔

حضرات! اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل کامیابیوں سے نوازے۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

خطاب نمبر (۱۳۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ○ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ○
فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ○
الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج سورۃ القریش کا مختصر سا مفہوم بیان کرنے کا شرف حاصل کروں گا، یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں ایک رکوع اور چار آیات مبارکہ ہیں۔

قریش عرب کا سب سے مشہور اور معزز قبیلہ ہے اس کے شرف کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی قبیلہ میں جلوہ گر ہوئے خود ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰہَ اصْطَفَی کِنَانَۃَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِیلَ، وَاصْطَفَی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ، وَاصْطَفَی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِی ھَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِی مِنْ بَنِی ھَاشِمٍ

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وتسلیم الحجر علیہ قبل النبوۃ، الرقم: 1-(2276))

اللہ تعالیٰ نے منتخب فرما لیا، چن لیا کنانہ کو اولاد اسماعیل میں سے اور بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا اور قریش میں بنو ہاشم کو اور مجھے بنو ہاشم میں سے منتخب فرمایا ہے۔

قریش کے شرف وعظمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہیں کعبہ کی تولیت کا منصب حاصل تھا اور حجاج کرام کی خدمت کا شرف حاصل تھا۔

قریش کا معنی متفرق اور منتشر ہونے کے بعد جمع ہو جانا ہے یہ قبیلہ پورے جزیرۃ العرب میں مختلف مقامات میں منتشر تھا پھر جناب قصی نے ان کو جوار کعبہ میں جمع کیا تا کہ وہ کعبہ کی خدمات انجام دے سکیں۔

قریش کا معنی تلاش رزق کرنے والا قبیلہ، یہ لوگ تجارت کے ذریعہ اپنا رزق خود تلاش کرتے تھے۔

قریش کا معنی تفتیش کرنے والا قبیلہ، یہ لوگ حجاج کی ضروریات کی تحقیق کر کے انہیں پورا کرتے تھے۔

قریش نے تجارت کا پیشہ اس لیے اختیار کیا کہ مکہ مکرمہ کی زمین وادی غیر ذی ذرع تھی ابتداءً قریش کے لوگوں کے رزق کا دارومدار حجاج کرام کی خدمات اور ان کے ہدایا و

تحائف پر ہوتا تھا مگر یہ سال بھر کیلیے نا کافی ہوتا تھا اور کبھی کبھی شدید فاقہ کی نوبت آجاتی تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت ہاشم رضی اللہ تعالی عنہ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور پورے قبیلہ قریش کو تجارت کے لیے آمادہ کیا چنانچہ اس قبیلے کے لوگ دو تجارتی سفر اختیار کرتے سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے یہ طے کیا کہ تجارت سے جو منافع حاصل ہوگا ہم اس کو غریبوں پر برابر تقسیم کر دیں گے چنانچہ ان تجارتی اسفار سے یہ قبیلہ پورے حجاز میں معاشی اعتبار سے بھی ممتاز ترین قبیلہ بن گیا۔

خود جناب ہاشم اونٹ، بھیڑ اور بکریوں کو ذبح کر کے اور روٹیوں کا چورا کر کے شوربے میں مالیدہ بنا کر غریبوں میں تقسیم کیا کرتے تھے اس لیے ان کا لقب ہاشم پڑ گیا۔

قریش کے اس تجارتی اسفار نے دنیا کے ان مسلمانوں کو جو آج معاشی طور پہ تنگی میں مبتلا ہیں خاص طور پر ہندوستانی مسلمان ان کے اوپر نوکریوں کے دروازے بند ہیں، معاشی پسماندگی کی بنیاد پر وہ زوال سے دو چار ہیں انہیں بھی چاہیے کہ تجارت کو اپنا پیشہ بنائیں اور تجارت کی بنیاد پر اپنی معاشی حالت کو درست کریں، نوکری کی خواہش میں پوری زندگی گزارنا اور ہمیشہ دست نگر رہنا یہ کبھی بھی مناسب نہیں ہے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی تجارت فرمائی اور تجارت کو سنت بھی بنا دیا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ، وَالصِّدِّيقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ.

(سنن الترمذی، أبواب البیوع، باب ما جاء فی التجار وتسمیة النبی صلی اللہ علیہ وسلم إیاھم، الرقم:1209)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا اور امانت دار تاجر قیامت میں انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔

کتنا بڑا انعام ہے اہل تجارت کے لیے اور کتنی بڑی خوش خبری ہے ان لوگوں کے لیے جو صداقت اور امانت کے ساتھ تجارت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام پوری دنیا میں تاجروں کے ذریعہ سے پھیلا، ہندوستان میں اسلام ابتداءً ان تمام سواحل پر جلوہ گر ہوا جو سمندر کے کنارے تھے اس لیے کہ وہاں تاجر پیشہ لوگ آتے تھے، افریقہ کے ممالک میں بھی اسلام تاجروں کے ذریعہ سے پھیلا، انڈونیشیا اور ملیشیا کے علاقوں میں بھی اسلام تاجروں کے ذریعہ سے پھیلا، لوگ انتہائی امانت دار اور دیانت دار ہوتے تھے مسلمان ہونے کی بنیاد پر مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ دین کی دعوت بھی دیتے تھے، ان کے ایک ہاتھ میں مال تجارت ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا، لوگ ان کی امانت، ان کی سخاوت، ان کی دیانت، ان کے طرز عمل، ان کی انسانی قدروں کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا کرتے تھے۔

کاش! آج بھی مسلمان اپنے اسلاف کی روایات کو اختیار کر کے قریش کے طرز کے مطابق تجارت کو اپنا پیشہ بنائیں اور خوش حالی کے راستہ پر چل پڑیں۔

قریش کا دوسرا بڑا کام یہ تھا کہ سبھی تجارت تو نہیں کر سکتے تھے اس لیے جو منافع ہوتا تھا وہ غریبوں میں برابر تقسیم کیا کرتے تھے یہ اشتراک کی بڑی خوبصورت شکل تھی جو آج کہیں اور نہیں پائی جاتی ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالی نے قریش پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے اور خاص طور پر ان دونوں تجارتی سفروں کا جس نے ان کی معاشی حالت کو سنوار دیا تھا اور قریش پورے حجاز میں انتہائی ممتاز قبیلہ تصور کیا جاتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ○اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ○

اللہ تبارک وتعالی نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کردی اس لئے،اور یہ الفت سردیوں اور گرمیوں میں سفر کے لئے (تجارت کی غرض سے) تاکہ وہ خوش حال ہوجائیں پس قریش کو چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں یعنی کعبہ مقدسہ کے رب کی ،وہ رب جس نے ان کو بھوک میں کھلایا ہے، فاقہ کشی سے نجات دی ہے اور خوف سے امن عطا فرمایا ہے اس لیے کہ وہ جوار کعبہ میں بستے ہیں اور وہ شہر امین اور بلد مامون ہے جہاں انہیں کسی طرح کا کوئی خوف نہیں ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ اللہ تعالی کی عبادت کریں اور شکر ادا کریں۔

اللہ تعالی نے رزق فراواں عطا فرمایا، مکہ مکرمہ کو دارالامن بنا دیا، ابرہہ کو ابابیل سے تباہ کر کے کعبہ اور اہل مکہ کی حفاظت کی اس لیے چاہیے کہ قریش اپنے رب کی عبادت کریں جس نے ان کو آسودگی عطا فرمائی اور حفظ وامان سے بھی نوازا یہ سورت سورۃ الفیل کے بعد نازل ہوئی ہے چونکہ امن وامان کا مکمل تحقق ہو چکا تھا اس لیے اللہ تعالی نے فرمایا کہ تجارتی قافلوں کے ذریعے سے تمہیں معاشی اعتبار سے خوش حال کیا اور ابرہہ کے ظلم سے نجات دے کر اس بلد کو، اس شہر کو مامون ومحفوظ کر دیا تاکہ تم پرسکون زندگی گزار سکو اور اس سورت طیبہ میں تمام دنیا کے اہل ایمان کو اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جب انہیں خوش حالی میسر آئے اور امن میسر آئے تو اپنے رب جو رب الکعبہ ہے اس کی عبادت کریں اور اللہ کی بارگاہ میں شکر گزار ہوں۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

خطاب نمبر (۱۳۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِیْنَ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ○فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ○
وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ○فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ○
الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○
الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ○وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

آج سورہ ماعون کی سات آیات مبارکہ کا مختصر سا مفہوم عرض کرنے کی کوشش

کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرات! یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک کچھ آیات مبارکہ مدینہ طیبہ میں بھی نازل ہوئی ہیں مفہوم اور مضمون کی مناسبت سے غالباً انہوں نے یہ خیال فرمایا ہوگا کہ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

بہر کیف نزول کہیں بھی ہوا ہو مگر اس میں دعوت فکر اور دعوت عمل دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ (سورۃ الماعون، الایۃ:1)

اے محبوب! کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا اس انسان کو جو دین کو جھٹلاتا ہے۔

یہاں دین سے مراد اسلام ہے اور دین سے مراد یوم جزا دونوں مراد ہیں۔ قرآن پاک کی پہلی سورت سورۃ الفاتحہ میں دین کا لفظ یوم جزا کے طور پر استعمال ہوا ہے اور اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ میں الدِّيْنَ مکمل اسلام کے مفہوم میں نازل فرمایا گیا ہے۔ یہاں دونوں مراد ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ یہ کفار مکہ جو اسلام کو جھٹلاتے ہیں اور روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اس کے نتیجہ میں یہ اس بات سے بے فکر ہیں، بے خوف ہیں، اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہمارا کوئی احتساب نہیں ہوگا، ہم دنیا میں جو چاہیں کریں جیسے چاہیں رہیں، جتنے ظلم چاہیں ڈھائیں لوگوں پر، جتنے حقوق کو غصب کریں، جتنے لوگوں کو ذلیل اور رسوا ٹھکرائیں اس کا کوئی مواخذہ ہم سے کبھی نہیں ہوگا۔

یاد رکھیے! جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ دنیا میں بدترین ظلم کے عادی اور

خوگر ہو جاتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کان سے کوئی مواخذہ کرنے والا نہیں، وہ طاقت ور ہیں اور پھر وہ اپنی طاقت کے نشہ میں، دولت کے نشہ میں، اقتدار کے گھمنڈ میں وہ مجبوروں، بے کسوں، یتیموں اور مسکینوں پر اپنا ظلم ڈھاتے ہیں۔ یہ فرما کر کے کہا:

اے محبوب! کیا آپ نے نہیں ملاحظہ فرمایا اس انسان کو جو دین کو جھٹلاتا ہے، یوم جزا کو، اسلام کی تکذیب کرتا ہے تو وہ بے خوف ہے اپنے طور پر، یہ اس کا زعم باطل ہے، یہ اس کا گمان محض ہے، خوش فریبی ہے، اپنے کو دھوکہ دے رہا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ (سورۃ الماعون، الایۃ:2)

یہی وہ ظالم ہیں جو یتیم کو دھکے دے کر نکالتا ہے۔

حضرات گرامی! عربی جزیرہ میں دو طبقے بلکہ تین طبقے بہت مظلوم تھے ایک طبقہ یتیموں کا تھا اور یتیموں کی کثرت تھی اس لیے کہ صدیوں کے دامن میں پھیلی ہوئی قبائلی جنگوں نے یتیموں کو بے سہارا کر دیا تھا، قبیلے قبیلوں سے ٹکراتے تھے جو قبیلہ غالب ہوتا وہ اکثر مردوں کو قتل کر دیتا تھا جو بچے یتیم ہوتے تھے انہیں غلام بنا لیتا تھا یا بدترین سلوک ان کے ساتھ کرتا تھا کچھ ظالم ایسے بھی تھے جو یتیموں کی پرورش کے نام پر انہیں اپنے پاس رکھتے تھے اور ان کے مال کو کھا جایا کرتے تھے اور اگر کوئی یتیم ان سے سوال کرتا تو اسے دھکے دے کر باہر نکال دیتے تھے یہ ان کا طرز عمل تھا۔

یہی وجہ ہے کہ عبداللہ کے در یتیم جو رحمۃ للعالمین بن کر جلوہ گر ہوئے تھے انہوں نے یتامیوں کے بارے میں بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ

وَالْوُسْطَى۔ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب فضل من یعول یتیما، الرقم: 6005)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے دو انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ

(سنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب حق الیتیم، الرقم: 3679)

مسلمانوں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جہاں یتیم ہو اور اس کی بہتر پرورش ہوتی ہو۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزر رہے ہیں صحابہ کرام نے محسوس کیا کہ ایک گھر ہے جو بہت روشن ہے ظاہر ہے بجلی کی روشنی تو نہیں رہی ہوگی وہ کسی نیک عمل کی روشنی ہی تھی جسے نگاہیں محسوس کر سکتی تھیں، دیکھ سکتی تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو اس میں کسی یتیم کی پرورش ہو رہی ہوگی یا کسی بچی کی پرورش ہو رہی ہوگی یا پیدا ہوئی ہوگی۔ اوکما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اس طرح کی احادیث مبارکہ میں یتیموں کے ساتھ بہتر سلوک کی بار بار تاکید کی گئی ہے اس لیے کہ آپ کی نگاہوں کے سامنے وہ سارے یتامی تھے جو ظلم و جبر کی چکیوں میں پسے ہوئے تھے یا تو انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا یا پھر ان کے سن بلوغ سے پہلے پہلے ان کی دولت کو خرچ کر دیا جاتا تھا اس لیے تاکید فرمائی گئی اور یہاں اس کو بدترین ظالم قرار دیا گیا جو یتیم کو ذلیل سمجھتا ہے اور دھکے دے کر باہر نکالتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا طبقہ مساکین کا تھا آج بھی مساکین کے سلسلہ میں ارباب سرمایہ کا جو طرز عمل ہے وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ سرمایہ دار یتیموں اور مسکینوں کو انتہائی غریب ہونے کی بنیاد پر ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ کبھی اس بات کی کوشش نہیں کرتا

کہ وہ یتامی کی اور مساکین کی ضرورتوں کو پورا کرے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے زکاۃ کے مصارف میں سے یتیموں اور مسکینوں کو باضابطہ طور پر اہمیت دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صدقات نافلہ میں بھی اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ یتیموں اور مسکینوں کا ہمیشہ خیال رکھا جائے احادیث بہت کثیر ہیں، قرآن پاک کی درجنوں آیات مبارکہ اس مفہوم کی تائید کرتی ہیں اور یتامی اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی باضابطہ تلقین کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یہ ظالم نہ صرف یتیم کو دھکا دیتا ہے بلکہ

وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ○ (سورۃ الماعون، الایۃ: 3)

اور نہ ہی غریبوں کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو آمادہ کرتا ہے۔

برا نگیختہ نہیں کرتا، اس بات کی کوشش نہیں کرتا خود بھی نہیں کرتا اور لوگوں کو بھی کچھ دینے کی ترغیب نہیں کرتا، اگر کچھ نہ کر سکے تو کم از کم لوگوں سے کہتا کہ تم ان کا خیال رکھو لیکن چونکہ خود وہ کسی یتیم، کسی غریب کو سہارا دینے کی کوشش نہیں کرتا تھا اس لیے وہ دوسرے کو بھی آمادہ نہیں کرتا تھا بلکہ قرآن پاک میں آیا ہے سورۂ یٰسین میں:

أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ (سورۃ یٰس، الایۃ: 47)

کیا ہم اسے کھلائیں جس کو اللہ چاہتا تو کھلا دیتا۔

معاذ اللہ! وہ اسی قابل تھے کہ ان کو یتیم اور غریب رکھا جائے اللہ چاہتا تو انہیں کھلا دیتا جب وہ نہیں کھلا رہا ہے تو ہم کیوں کھلائیں؟ ان ظالموں کو یہ احساس نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اگر کچھ دیا ہے تو آزمانے کے لیے، اس نے اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ تمہیں سرمایہ دے کر آزمائے اور کسی مسکین کو صبر کی بنیاد پر آزمائے اگر دولت دی گئی ہے تو اس لیے تاکہ دولت کو

یتامی اور مساکین پر خرچ کرو اور اپنی دولت سے لوگوں کو فائدہ پہنچاو۔

لیکن جن کے سامنے آخرت نہیں ہے جو تکذیب دین کرتے ہیں وہ مساکین کو کیوں کھلائیں گے؟ انہیں جزا کی امید نہیں ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم مساکین کو کھلائیں گے وہ ضائع ہو جائے گا تو بطور طنز کہتے ہیں کہ ان مسکینوں کو اللہ تعالی ہی نہ دے تو پھر ہم دینے والے کون ہوتے ہیں۔

کاش! وہ جان جاتے کہ اللہ تعالی نے طبقہ مساکین کو پیدا فرمایا ہے تو اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو اہل ثروت ہیں انہیں آزمایا جائے، وہ اپنی دولت میں مسکینوں کے حق کو محفوظ رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے ہیں، ان کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ○ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ○

(سورۃ الماعون، الایات: 5/4)

تو ویل ہے، خرابی ہے، تباہی ہے، بربادی ہے یا جہنم کا نچلا طبقہ ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو نمازوں کی ادائیگی میں غفلت برتتے ہیں ۔

حضرات! اگرچہ یہ آیت کریمہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے خود کو محض مسلم معاشرے کا فرد ثابت کرنے کے لیے مسجدوں میں آتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے لیکن دل سے وہ ایمان نہیں لائے تھے، ان کی نماز میں وہ خشوع وخضوع نہیں ہوتا تھا جو ایک مومن کی نماز میں ہوتا ہے، نماز کو اللہ تعالی کی طرف سے ایک فریضہ سمجھ کر نہیں بلکہ سیاسی اعتبار سے پڑھتے تھے کہ اگر مسلمان غالب ہو گئے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ کر ان کے غلبہ میں شریک ہو جائیں گے دولت اور سرمائے میں، اور اگر نہیں تو ہم کافروں کے ساتھ رہ کر فائدہ

اٹھائیں گے۔ ان ہی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں تھے۔

مکہ مکرمہ میں جتنے بھی مسلمان تھے سب مخلصین تھے، وہ ساھون میں شمار نہیں کیے جائیں گے لیکن جو لوگ مدینہ طیبہ میں منافقت کے بنیاد پر اسلام کا دعوی کرتے تھے وہ نمازوں میں انتہائی غفلت کرتے تھے، ان کا یہ عالم تھا کہ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

نہیں آتے ہیں نماز کے لیے مگر تاخیر کے ساتھ، سستی کے ساتھ۔

وہ نماز دل سے اللہ تعالی کی عبادت سمجھ کر کے نہیں کرتے ہیں۔

حضرات! اگرچہ یہ آیت کریمہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن ذرا ہم اپنے اعمال پر غور کریں! کیا نماز کے ادائیگی کے لیے ہمارے دل میں وہی جذبہ ہے، وہی شوق ہے، وہی خشیت ہے، وہی اخلاص ہے جس کا نماز ہم سے مطالبہ کرتی ہے، جس کے لیے قرآن پاک میں بار بار اقامت صلاۃ کا حکم دیا گیا ہے، نماز کو قائم کرو یعنی اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ، خشوع وخضوع کے ساتھ، اپنے دل کو بارگاہ الہی میں جھکا کر، کوشش کر کے اپنے ذہن کو تمام باطل خیالات سے پاک کر کے نماز پڑھو۔

سرکار دو عالم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

بغیر دل کی مکمل حاضری کی نماز نہیں ہوتی۔

تو جو لوگ نماز پڑھتے ہیں لیکن دل کو حاضر نہیں کر پاتے ہیں یا کوشش نہیں کرتے ہیں یا اتنے غافل ہے کہ آخری وقت آجائے تو نماز پڑھیں اور کبھی کبھی نمازیں قضا بھی ہو جاتی ہیں تو نماز پڑھ کر بھی وہ نماز کی حقیقی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں۔ (اللہ تعالی ہم سب کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے جو نماز کے سلسلہ میں ہم سے ہوئی ہیں)

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ○(سورۃ الماعون،الایۃ:6)

یہ وہ لوگ ہیں جو نماز ریا کاری کے لیے پڑھتے ہیں۔

دکھاوے کے لیے پڑھتے ہیں تا کہ لوگ انہیں مسلمان سمجھیں تو ظاہر ہے آج ایسے مسلمانوں کے بارے میں فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ منافق ہے یا سست کردار ہے لیکن یہ صفت بہر کیف منافقین کی ہے جو ریا کاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں ،دکھاوے کے لیے پڑھتے ہیں، جن کی نمازیں قیامت میں ان کے منہ پر ماردی جائیں گی اور ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا میزان عمل پر۔

وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○ (سورۃ الماعون،الایۃ:7)

اگر کوئی ان سے کچھ سوال کرتا ہے روزمرہ کی ضروری چیزوں کے سلسلہ میں تو انکار کر دیتے ہیں۔

نہیں دیتے وہ ضرورت کی چیزیں جو ان کے پاس ہیں وہ ان لوگوں کو نہیں دیتے جن کے پاس نہیں ہے اس لیے ان کے لیے ویل ہے جہنم کی کھائی ہے یا رسوائی ہے قیامت کے میدان میں۔

حضرات گرامی! یہ مختصر سا مفہوم تھا سورۃ الماعون کا، پروردگار عالم ہمیں ان تمام اخلاقی خوبیوں سے نوازے جن کی طرف یہ آیات اشارہ کر رہی ہیں اور ان تمام رذائل سے محفوظ کر دے جن کا تذکرہ ان آیات مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۳۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ○فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ○
اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ○

معزز حضرات! سامعین کرام! آئیے ہم اور آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کی کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَ اٰلِهِ الْكِرَام اَجْمَعِيْنَ

آج سورۃ الکوثر کا بہت مختصر مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی بعض مفسرین کے نزدیک یہ مدنی بھی ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور مکی ہے، یہ بھی ممکن ہے یہ دو بار نازل ہوئی ہو اپنی اہمیت کی بنیاد پر، یہ سورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک سے متعلق ان تمام عظمتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرمائی تھیں۔

شان نزول: صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنی محفل میں موجود تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی تھوڑی دیر بعد آپ نے سر اٹھایا تو آپ تبسم فرما رہے تھے، صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! آپ تبسم کیوں فرما رہے؟ تو فرمایا کہ مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی ہے اور پھر آپ نے سورۃ الکوثر کی تلاوت کی۔

شب معراج آپ نے نہر کوثر کا مشاہدہ فرمایا اور آپ نے جب پانی پر ہاتھ رکھا تو زعفران کی خوشبو محسوس کی، جناب جبرئیل سے آپ نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ

هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ اَعْطَاكَهُ اللّٰهُ

یہ کوثر ہے، یہ حوض کوثر ہے، یہ نہر کوثر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

اس سورت کا شان نزول یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو صاحبزدگان کا یکے بعد دیگرے پیدائش کے بعد ہی انتقال ہوگیا چنانچہ قریش کے گستاخوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ معاذ اللہ! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو ابتر ہو گئے ہیں۔

ابتر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا کوئی فرزند نہ ہو، کافروں کا یہ خیال تھا کہ آپ کا نسب منقطع ہوگیا ہے اس لیے اب آپ کا دین بھی آگے نہ بڑھ سکے گا، اس سورت کے نزول کے بعد کافروں میں ایک خوف پیدا ہوگیا وہ سمجھ گئے کہ ہماری خوشی چند روزہ تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رب نے انہیں کوثر سے نوازا ہے اور ابتر تو ہم ہونے والے ہیں۔

اس سورت میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کا ذکر ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے تو آپ نماز پڑھئے، قربانی دیجیے آپ تو بڑی شان والے ہیں۔ آپ کا دشمن اور آپ سے بغض رکھنے والا ابتر ہے۔

حضرات گرامی! جتنی بھی آیات جن میں عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان

ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے اِنَّا ہم نے کا مقدس اسلوب اپنایا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بلاشبہ ہم اپنی عظمت الوہیت اور شان عظمت کے ساتھ ارشاد فرما رہا ہے: اَعْطَيْنٰكَ، صرف اَعْطَيْنَا نہیں فرمایا اَعْطَيْنٰكَ بلکہ خطاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ہم نے اپنے دست کرم سے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف عطا فرمایا بلکہ ہم نے اس کا مالک بھی آپ کو بنا دیا ہے۔

کوثر مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مفہوم ہے بے عدد، بے شمار نعمتوں سے نوازا جانا۔ آپ اندازہ فرمائیے! کہ پوری کائنات کے بارے میں قرآن عظیم کا فیصلہ ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ

اے پیغمبر! فرما دیجیے کہ پوری کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب تھوڑی ہے۔

جب دنیا کی ساری متاع تھوڑی ہے تو جسے اللہ تعالیٰ نے کوثر فرمایا ہو، کثرت خیر سے یاد فرمایا ہو بتائیے کہ اس کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے، ان خوبیوں کا، ان عظمتوں کا، ان عطاؤں کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائے۔

مفسرین کرام نے کوثر سے مراد حوض کوثر بھی لیا ہے، قرآن عظیم بھی لیا ہے، دین اسلام بھی لیا ہے، صحابہ کرام کی کثرت بھی مراد لی ہے، کوثر سے مراد قلب مصطفی کا نور پاک بھی ہے، سرور کائنات کا بلند مقام، مقام محمود بھی مراد ہے اور اس سے مراد الخیر الکثیر بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ تمام نعمتیں الکوثر میں داخل ہیں، دشمن تو خوش ہو رہے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسل منقطع ہوگئی شاید ان کے بعد ان کے دین کو آگے بڑھانے والا کوئی نہ ہو مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ

تعالی کے ذریعہ سے آپ کی نسل پاک کو قیامت تک پوری دنیا میں پھیلا دیا اور یہ نسل پاک قیامت تک رہے گی اس قدر کثرت ہوئی کہ دنیا کے ہر گوشہ میں سادات پائے جاتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ (سورۃ الکوثر، الایۃ:2)

پس نماز پڑھو اور قربانی دو۔

دراصل اللہ تعالی پیغمبر اعظم کو حکم دے کر پوری دنیا کے مسلمانوں کو مطلع فرما رہا ہے کہ جب بھی تم کو کوئی نعمت ملے تو خدا کی بارگاہ میں جھکو اور قربانی دو یہ اس لیے کہ جو نعمتیں دینے والا ہے، جس نے زندگی عطا فرمائی ہے، صحت وتوانائی سے نوازا ہے، جس نے رزق فراواں عطا فرمایا ہے وہی معبود ہے، اسی کی بارگاہ میں جھکنا اور اسی کو نذر پیش کرنی ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دے کر امت مسلمہ کو آگاہ کیا گیا کہ تم بھی اللہ تعالی بخشی ہوئی نعمت کے شکریہ میں پیغمبر اعظم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤ اور قربانی پیش کرو۔

مشرکین اور اہل ایمان میں فرق یہ ہے کہ مشرکین کھاتے تو اللہ کا ہیں، نعمتیں تو اللہ تعالی انہیں دیتا ہے مگر سجدہ وہ غیر اللہ کا کرتے ہیں یہ بغاوت ہے اور یہ بہت بڑی ناشکری ہے اسی لیے اس کو کفر کہا گیا ہے، کفر کے معنی ناشکری کے بھی ہوتے ہیں اور کفر کے معنی انکار معبود برحق کے بھی ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (سورۃ الکوثر، الایۃ:3)

بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

آپ کو تو ہم نے کوثر عطا فرمایا ہے۔ اتنی عظمتیں عطا فرمائی ہیں جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا لیکن جو آپ کا دشمن ہے، جو آپ کو ابتر کہتا ہے اور جو لوگ حقیقی طور پر آپ سے بغض رکھنے اور آپ سے دشمنی رکھنے والے ہیں وہی ابتر ہیں چنانچہ ان سب کی نسلیں منقطع ہو گئیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتر کہہ کر خوش بھی ہوتے تھے اور مذاق بھی اڑاتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالی اس سورت کی عظمتوں سے ہمیں واقف ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ کثرت خیر جو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے انتہا عطا فرمائی گئی اس کا صدقہ ہم کو ملے ان کے صدقہ میں ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی دولت سے نوازے، ایمان کے ساتھ زندہ رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۳۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک پڑھ لیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! آج سورۃ الکافرون کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا ہے اور اس کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، اس سورت میں ایک رکوع اور چھ آیات مبارکہ ہیں، یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار مکہ شروع میں تو یہ سوچتے تھے آغاز دعوت میں اسلام آگے نہ بڑھ سکے گا اور مسلمان دوبارہ کفر کو اختیار کر لیں گے اس لیے وہ ظلم کرتے رہے مسلمانوں کو ستاتے رہے، آقائے دو جہاں پر طرح طرح کے اعتراضات عائد کرتے رہے، کبھی دیوانہ کہتے، کبھی کاہن کہتے لیکن جب اسلام دن بہ دن مکہ میں پھیلنے لگا اور لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو انہیں خوف محسوس ہوا اور انہوں نے یہ سازش کی کہ پیغمبر اسلام کو دعوت سے روکنے کے لیے انہیں دولت، سرداری اور شادی کی پیشکش کی تا کہ وہ اپنے دین کی دعوت سے باز آجائیں اور کفر اختیار کر لیں جس سے یہ اپنا وقار باقی رکھ سکیں۔

وہ جناب ابو طالب کے پاس آئے اور ان کے ذریعہ سے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آپ ایک نئے دین کی دعوت دے کر مکہ میں اختلافات پیدا کر دیے ہیں، اس لیے اگر آپ کو مال و دولت چاہیے تو ہم مکہ کا کل سرمایہ آپ کے قدموں میں ڈال دیں گے، اگر آپ سرداری چاہتے ہیں تو ہم بالاتفاق آپ کو اپنا سردار اور بادشاہ تسلیم کر لیں گے اور اگر آپ چاہیں تو ہم مکہ کی کسی خوبصورت ترین لڑکی سے آپ کی شادی کر دیں۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ ان کی یہ پیشکش سنی اور پھر آپ نے فرمایا: اگر تم میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج لا دو تو بھی میں اپنی دعوت سے باز نہ آؤں گا، وہ خاموش ہو کر چلے گئے، لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔

انہوں نے ایک اور سازش کی ولید ابن مغیرہ، عاص ابن وائل اور بہت سارے روسائے مکہ مل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی وجہ سے ہم میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے اس لیے ایسا کیجیے کہ کبھی آپ بتوں کی پرستش کر لیں، ہمارے معبودوں کو سجدہ

کرلیں اور کبھی ہم آپ کے ساتھ آپ کے اللہ عبادت کرلیں گے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا: اللہ کی پناہ اس بات سے کہ میں اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی عبادت کروں، وہ مایوس ہو کر چلے گئے اور پھر سورۂ کافرون نازل ہوئی۔ اس سورت کے نزول کے بعد آپ نے صحن کعبہ میں روسائے مکہ کی موجودگی میں اس کی تلاوت کی اور اس طرح سے ان کی تمام امیدوں نے دم توڑ دیا اور اہل ایمان کے لیے قیامت تک ایک ضابطہ مقرر کر دیا گیا کہ دولت ہو، سرمایہ ہو، اقتدار ہو یا کوئی اور خواہش ہو توحید کے سلسلہ میں، دین کے سلسلہ میں کبھی بھی کوئی دعوت قبول نہ کی جائے گی۔

اسلام حق ہے اور حق کبھی باطل کے ساتھ اختلاط نہیں کرتا۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ سورہ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

جناب ابن نوفل سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے کچھ نصیحت کریں تو آپ نے فرمایا کہ سوتے وقت سورہ کافرون پڑھ لیا کرو کیوں کہ یہ سورت شرک سے برأت کا ذریعہ ہے۔

حضرات! یہ سورت ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی جن کے بارے میں علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس سورت کے نزول کے بعد بھی اور خاص طور پر فتح مکہ کے بعد بھی بیشتر مشرکین ایمان لائے اور قیامت تک ایمان لاتے رہیں گے۔ اس لیے یہ سوال اگر پیدا ہو کہ یہ سورت جب نازل ہوئی تو اس کے بعد بھی لوگ ایمان لائے تو اس کا جواب یہی ہے کہ علم الٰہی میں یہ بات تھی اور علم الٰہی سے استفادہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی یہ جواب دے دیا تھا کہ میں نہ ان کی عبادت کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم جو اس وقت حاضر ہو میرے پاس

میرے معبود برحق کی عبادت کرو گے۔

حضرات گرامی! آپ نے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، آپ کو اپنے علم نبوت کے ذریعہ معلوم تھا کہ یہ سوت نازل ہونے والی ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: قل کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ حکم خداوندی ہے، پیغمبر اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں اس لیے ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ ہو کہ پیغمبر اپنے موقف سے ہٹ جائیں گے یا اپنے موقف کو تبدیل کر دیں گے یہ اللہ تعالی کا حکم ہے۔

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر کو کافر ہی کہا جائے گا جب تک وہ ایمان نہ لائے، یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''کافر کو کافر نہ کہو ممکن ہے کہ وہ مومن ہو جائے''۔ جب تک وہ حالت کفر میں ہے اسے کافر ہی کہا جائے گا اور جب مومن ہو گا تو اسے مومن کہا جائے گا۔

اس سورت میں ایک مضمون کی تکرار ہے۔

پہلے ''لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ'' فرمایا گیا ہے۔

پھر ''وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ'' ہے۔

تکرار ویسے تو تاکید کا فائدہ دیتا ہے مگر اس تکرار میں اور بھی حسن ہے۔ وہ یہ ہے کہ لَآ اَعۡبُدُ سے مراد ہے کہ میں نہ اس وقت عبادت کرتا ہوں اور ''وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ'' سے مراد یہ ہے کہ نہ میں مستقبل میں عبادت کروں گا کہ کہیں کفار دوبارہ یہ پیشکش نہ کر سکیں۔

آج کے ماحول میں مختلف باطل ادیان اور مذاہب کے لوگ مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں اور اتحاد بین المذاہب، قومی یکجہتی وغیرہ خوبصورت ناموں سے جو انتہائی بد صورت ہیں دھوکہ دے کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سورت طیبہ قیامت تک کے لیے ایک ضابطہ فراہم کر رہی ہے کہ کفر اور ایمان میں

کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا، توحید اور شرک کبھی ایک موقف پر جمع نہیں ہوسکتے ہیں۔

ہاں کچھ بے دین اور ضمیر فروش کلمہ گو آج بھی مائل ہوجاتے ہیں، دنیاوی مفادات کے لیے، شہرت کے لیے، اقتدار کے لیے تو ان کا یہ عالم ہوتا ہے کہ

ہاتھ چومیں گے میرے ہندو مسلماں دونوں
ایک میں دست صنم، ایک میں قرآن ہوگا

مگر اہل ایمان کو سورہ کافرون اس اتحاد سے ہمیشہ کیلیے بری الذمہ قرار دیتی ہے۔

حضرات! فتنے ہر دور میں اٹھتے رہے ہیں اور ایمان کا سودا کرنے کے لیے باطل ہمیشہ خوبصورت الفاظ کے ذریعہ پیشکشیں کرتا رہا ہے اور آج بھی، بہت سے ممالک میں صرف وہ لوگ کسی عہدے کے قابل سمجھے جاتے ہیں جن کے دلوں سے ایمان نکل چکا ہوتا ہے یا جو حالات کے ساتھ مصلحت کی بنیاد پر باطل کو قبول کر لیتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک سچا مرد مومن کبھی بھی باطل کے بازار میں بکتا نہیں ہے۔ بکا وہ کرتا ہے جو کبھی پہلے بک نہ چکا ہو اور ایک مومن تو بازار مصطفی میں اپنی جان اور اپنا مال اپنا سب کچھ خدا کی بارگاہ میں فروخت کر چکا ہے اس لیے مومن تو یہ تصور بھی نہیں کرسکتا ہے کہ وہ باطل کے ساتھ کوئی ایسی صلح کرے کہ جس کی بنیاد پر اس کے عقائد پر حرف آئے یا اس کے عقیدۂ توحید کو مجروح ہونا پڑے۔

حضرات! اب آپ اس سورت کا سادہ ترجمہ ملاحظہ فرمالیں:

تم فرماؤ اے کافرو! میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جسے میں پوجتا ہوں اور نہ ہی میں پوجوں گا جسے تم پوجا کرتے ہو اور نہ تم پوجو گے جسے میں پوجتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

یہ ضابطہ ہے قیامت تک کیلیے اس لیے باطل سے اتحاد اہل حق کبھی نہیں کرسکتے۔

خطاب نمبر (۱۳۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ
وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا
صدق اللہ العلی العظیم
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

معزز حضرات، سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ان شاء اللہ سورۃ النصر کا مفہوم پیش کروں گا، اس سورت کا نام سورۃ النصر بھی ہے، سورۃ الفتح بھی ہے، یہ مدنی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیات ہیں، یہ سورت فتح مکہ کے

وقت نازل ہوئی اور بعض روایات کے اعتبار سے حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہو چکا ہے اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، دین مکمل ہو چکا ہے اور جس نظام زندگی، آئین حیات اور آئین عقائد ومعمولات کے لیے آپ کو مبعوث کیا گیا تھا وہ ہر اعتبار سے مکمل ہو چکا ہے، پورا جزیرۃ العرب اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکا ہے، اسلام دوسرے ممالک میں بھی متعارف ہو رہا ہے اور پھیل رہا ہے آپ نے اس کار نبوت کو مکمل کر دیا ہے جس کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا اس لیے اب آپ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اب اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے اور اپنی امت کے لیے اس سے مغفرت طلب کیجیے بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حضرات! ذرا غور فرمائیں ایک زمانہ وہ تھا کہ جب آپ اپنے یار غار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت فرما رہے تھے اور غار ثور میں آپ نے قیام فرمایا تھا کفار مکہ آپ کے خون کے پیاسے تھے ہر طرف سے آپ کی تلاش جاری تھی، انعامات مقرر کیے گئے تھے کہ جو بھی آپ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سونے سے لاد دیا جائے گا۔

دولت کی لالچ میں بہت سے لوگ نکل پڑے تھے مختلف اطراف میں اور کچھ لوگ غار ثور کے اوپر بھی پہنچ چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے اپنے محبوب کو کافروں سے محفوظ رکھا۔ بڑی مشہور روایت ہے کہ غار کے اوپر مکڑیوں نے جالا تن دیا، کبوتر نے انڈے دے دیے کافر اوپر ٹہل رہے تھے اور جناب صدیق نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور اگر وہ نگاہیں ذرا نیچی کریں تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے تو آپ نے فرمایا تھا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (سورۃ التوبۃ، الایۃ:40)

صدیق غم نہ کرو ہمارے ساتھ ہمارا پروردگار ہے۔

اسی جملہ کو باضابطہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا حصہ بنا دیا اور روایت فرمائی کہ جب وہ اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ عالم تھا کہ آپ اپنا وطن چھوڑ رہے ہیں، کفار مکہ آپ کو تلاش کر رہے ہیں، خاموشی کے ساتھ اپنے یار کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے بظاہر ہجرت کا یہ معاملہ بہت ہی بے کسی کا معاملہ نظر آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کبھی بے کس نہیں ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو آپ ہجرت فرما رہے ہیں اور سراقہ مدلجی قبیلہ مدلج کا ایک بہادر آپ کے قریب پہنچتا اور کمند ڈالنا چاہا تو اس کے گھوڑے کے قدموں کو زمین نے پکڑ لیا اس نے معذرت کی زمین نے چھوڑ دیا دوبارہ ارادہ کیا پھر زمین نے گھٹنوں تک پکڑ لیا تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ سچے رسول ہیں، پھر اس نے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجیے اور میں واپس جا رہا ہوں اور جو بھی آئے گا اس کو بھی واپس لے جاؤں گا۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سراقہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسری کے کنگن دیکھ رہا ہوں، کسری کا کنگن دراصل صدیوں سے کسری کے خاندان میں کسری کے بعد کسری پہنتے تھے تو وہ ان کی بادشاہت کی علامت تھی، نگاہ رسالت دیکھ رہی تھی کہ یہ شخص سونے کی لالچ میں مجھے گرفتار کرنے آیا ہے تو میرے در سے کوئی مایوس تو واپس نہیں جائے گا تو یہ مجبوری کا لمحہ تھا، وہ مختار تھے مگر تعلیم امت کے لیے آپ نے ہر زخم برداشت کیے ہجرت فرمائی تاکہ جب دین پر حرف آئے اور ایمان بچانا مشکل ہو تو امت مسلمہ نبی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے وطن کو اور سب کچھ چھوڑ دے لیکن ایمان کو بچا لے۔

پھر مدینہ پاک سے جو انقلاب برپا ہونے والا تھا، وہ زمین مخصوص کر دی گئی تھی توریت وانجیل میں اس کا تذکرہ ہے اس لیے آپ کو ہجرت تو کرنی ہی تھی اور پھر یہی ہوا کہ

حضرت عمر فاروق کے زمانے میں ایران فتح ہوا اس سے پہلے حضرت سراقہ بیمار ہوئے (وہ اسلام لا چکے تھے) لوگوں نے کہا: حضور کوئی وصیت کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو مجھے موت آجائے گی؟ موت اپنا رخ بدل سکتی ہے مگر میرے آقا کے فرمان میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے ہاتھ میں کسری کا کنگن دیکھ رہا ہوں اور میں نے کنگن تو ابھی پہنا ہی نہیں ہے، پھر وہ صحت مند بھی ہو گئے۔

ایوان کسری میں کنگن تلاش کیا گیا جب ملا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا سراقہ وہ لمحہ یاد کرو کہ جب میرے آقا نے اس کا وعدہ کیا تھا آج اسے پہن لو۔

حضرات! بہر کیف بظاہر یہ بڑا عجیب معاملہ تھا کہ آپ نے اپنا وطن چھوڑا، کعبہ مقدسہ کو چھوڑتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ اے کعبہ! میں تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا لیکن میری قوم نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں تجھ سے دور چلا جاؤں، ایک وقت وہ تھا۔

اور ایک وقت یہ آیا کہ مختلف غزوات اور سرایا سے کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد فتح مکہ کا دن آیا اور آپ دس ہزار مجاہدین کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو عالم یہ ہے کہ آپ کا سر انور اونٹ کے کوہان پر جھکا ہوا تھا اور اپنے رب کی تسبیح بیان کر رہے تھے۔ دنیا کے فاتحین کی طرح سے نہیں کہ وہ انتقام کی بنیاد پر مفتوحہ ممالک میں خون وخرابہ کرتے ہیں، آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ مکہ فتح ہوگیا اور یہ بہت بڑی کامیابی تھی، فتح مکہ ہی دراصل پیغمبر اعظم کے مشن کی آخری منزل تھی اور اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس منزل تک پہنچ گئے تو اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا کہ آپ نے اپنا مشن مکمل کر لیا ہے، اب اسلام ایک غالب قوت کی حیثیت سے نمایاں ہوگیا ہے اور قیامت تک باقی رہے گا، اب اپنے رب کی تسبیح کیجیے اور استغفار کیجیے۔

یہاں استغفار سے مراد مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد امت کے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائیں یقیناً ان سے خطائیں بھی ہوئیں، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمنی بھی کی، اسلام کے مقابل میں مختلف جنگوں میں بھی شریک رہے تو اللہ تعالی حکم دیتا ہے کہ آپ دست کرم اٹھا دیجیے، وہ سارے لوگ جو آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے ہیں آپ کے استغفار سے ان سب کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

حضرات! یہاں دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (سورۃ النصر، الایۃ:3)

اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے، تسبیح اور حمد یہ دو مقدس الفاظ ہیں جنہیں بار ہا حکم دیا گیا ہے اور دعاؤں میں استعمال کیا گیا ہے۔

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ

تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالی کی ذات کو تمام نقائص اور کمزوریوں سے منزہ اور پاک سمجھنا اور حمد کہتے ہیں ان تمام کمالات اور عظیم صفات کو ذات الٰہی کے اندر تسلیم کرنا۔ تسبیح صفات تنزیہ میں سے ہے اور حمد صفات تحلی میں سے ہے اور اسم اللہ جو اللہ تعالی کا ذاتی نام ہے اس کی تعریف تو یہی ہے۔

اَللّٰهُ هُوَ اسْمُ الذَّاتِ الْمُسْتَجْمَعَةِ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ

کلمۂ اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہو۔

تسبیح اور تحمید دونوں کو شامل ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بخاری شریف کی تالیف کا کارنامہ انجام دینے کے بعد

آخری حدیث یہی نقل کی تھی:

كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ.

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح، الرقم:6406)

یہ دو کلمے ہیں جو بہت ہلکے ہیں زبان پر جن کی ادائیگی بہت آسان ہے، جن میں کوئی ثقل نہیں ہے، کوئی بوجھ نہیں ہے یہ ہلکے ہیں ادائیگی کے اعتبار سے زبان پر لیکن میزان میں بہت وزنی ہیں۔

یہ دراصل امام بخاری نے آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا، بخاری شریف ایک عظیم کارنامہ تھا اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی تالیف مکمل کر چکے تھے تو پھر انہوں نے بخاری شریف کا اختتام اس حدیث پاک سے کیا۔

اور آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد بحکم الٰہی اپنی ذات کو تسبیح وتحمید الٰہی کے لیے اور استغفار امت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد بکثرت تسبیح واستغفار فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا بیان کیا گیا یعنی دین مکمل ہو چکا ہے، مکہ فتح ہو چکا ہے اور اگر حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی تو حجۃ الوداع بھی ہو چکا ہے اور آپ الوداع کہنے والے ہیں اور آخرت کا سفر کرنے والے ہیں۔ جس عظیم منصب کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔

اور قرآن پاک نے باضابطہ اعلان بھی فرما دیا تھا:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (سورۃ المائدۃ الایۃ:3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس لیے اس سورت کو سورۃ التودیع بھی کہتے ہیں، سورۃ الوداع جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جانثار غلاموں اور اپنی امت سے رخصت ہونے والے ہیں۔

یہ مختصر سا تعارف تھا اس سورت کا، اب آئیے ترجمہ سماعت فرمالیں:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ (سورۃ النصر:1-3)

اور جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے اور اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجیے، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطاب نمبر (۱۳۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ ○ مَا اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ○
سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ ○ وَّ امْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ○
فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ اپنے اور ساری کائنات کے آقا، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

حضرات! آج سورۃ اللھب کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، سورہ لہب مکیہ ہے، اس میں پانچ آیات ہیں اور ایک رکوع ہے۔

شان نزول: آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آیت "وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" نازل ہوئی کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے، انہیں دین کی دعوت دیجیے۔ عربوں کا یہ طریقہ تھا خاص طور پر مکہ مکرمہ میں رہنے والوں لوگوں کا کہ جب کوئی بڑا اعلان کرنا ہوتا یا کوئی حادثہ ہوتا یا کوئی خطرہ ہوتا تو صفا پہاڑ پہ جا کر یا صَبَاحَا کہتے تھے، یہ ایک طرح کی ندا تھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی اہم بات ہے اور لوگ صفا کے دامن میں جمع ہو جاتے تھے اور پھر اس کے بعد آواز دینے والا اپنا مقصد عرض کرتا تھا۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دیجیے اور اللہ تعالی کے عذاب سے ڈرائیے تو آقائے دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام نے اہل مکہ کی عادت کے مطابق اس پہاڑ پر جا کر آواز دی اور تھوڑی ہی دیر میں پورا قبیلۂ قریش جمع ہوگیا، قریش کے تمام شاخیں اور اس کے تمام سربراہان وہاں موجود ہو گئے اور دیکھا کہ پہاڑ کے اوپر آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہیں۔

آقا نے فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج ہے جو گھوڑوں پر سوار ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم یقین کرو گے؟ لوگوں نے کہا کہ یقیناً اس لیے کہ ہم نے کبھی آپ کے باب میں کذب کا تجربہ نہیں کیا ہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ کہا یا کوئی غلط بات کہی ہو، ہم نے آپ کی چالیس سالہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو دیکھا ہے اس لیے آپ جو کہیں گے یقیناً ہمیں منظور ہوگا، ہم اس پر یقین کریں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کوئی دشمن اس کے پیچھے تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالی کا عذاب تمہاری زندگیوں کے پہاڑ کے پیچھے ہے، تم اس سے غافل ہو، میں اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تم مجھ پر ایمان لاؤ

اور عذاب الٰہی سے بچنے کی کوشش کرو۔

حضرات گرامی! یہ بڑی حیرت انگریز بات تھی ان کے لیے، ان میں سب سے پہلے جس شخص نے انتہائی گستاخانہ لہجہ میں جواب دیا وہ ابولہب تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چچا تھا، اس نے اپنی انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور گستاخی کی، سخت لہجہ میں بات کی اور کہا کہ کیا تم نے ہمیں اس لیے بلایا تھا۔ چونکہ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس لیے بھی یہ سورت طیبہ نازل ہوئی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، جن ہاتھوں سے اس نے اشارہ کیا گستاخانہ طور پر، جن انگلیوں کو اس نے اٹھایا ہے پیغمبر اعظم کی طرف وہ سلامت نہ رہیں۔

حضرات گرامی! اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں لوگ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں مگر مشیت اپنے گستاخوں کو اس طرح جواب نہیں دیتی جس طرح آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخ کو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی شان میں گستاخی گوارہ نہیں ہوتی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے تھے، وہ انتخاب تھے پروردگار عالم کا اس لیے یہ سورت ابولہب کے نام کے ساتھ اس کی گستاخی کے حوالہ سے نازل ہوئی اور پھر انجام بھی وہی ہوا جس کا تذکرہ میں کرنے والا ہوں۔

حضرات! ابولہب نے بے پناہ گستاخیاں کیں مختلف مقامات پر، مختلف طریقوں سے شعب ابی طالب میں محصور کرنے کا منصوبہ اسی کا تھا جس میں اللہ کے رسول اور ان کے دیوانوں کو بے پناہ تکلیفیں اٹھانی پڑی۔

حضرات! جب یہ سورت طیبہ نازل ہوئی۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ○

ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو ہی گیا۔

اس کے نتیجہ میں وہی ہوا جو کہ قرآن عظیم نے کہا تھا، یہ بھی سرور کائنات کے معجزات میں سے ہے اور سرور کائنات کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے اس لیے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنہا تھے اور بظاہر مادی طور پر خود ابولہب کو سزا دینے کے حالت میں نہیں تھے۔ مگر ہوا یہی کہ اس کے بیٹے بھی تباہ ہوئے جن کو دونوں ہاتھوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

تَبَّتْ کا معنی تباہی اور بربادی کے بھی ہوتے ہیں یعنی وہ تباہ و برباد ہو گئے اس کے دونوں ہاتھ، خرابی کے بھی ہوتے ہیں۔

حضرات! ہوا ایسا کہ ابولہب نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور جنگ بدر پیش آئی اور ابولہب اپنی فطری کمزوری کی بنیاد پر یا خوف کی بنیاد پر یا بزدلی کی بنیاد پر خود جنگ میں شریک نہ ہوا، اس جنگ کی قیادت ابوجہل وغیرہ نے کی تھی یہ خود گھر پہ رہا لیکن اس کے بعد اس کو ایک شدید بیماری عدسہ کی لاحق ہوئی، پورے بدن پر چھالے پڑ گئے اور عالم یہ تھا کہ بدبو کی وجہ سے دور دور سے لوگ متنفر ہوتے تھے، اس کے بیٹوں نے کچھ حبشی غلاموں کے ذریعہ سے اپنے بیمار باپ کو ایک پہاڑی کے دامن میں لے جا کر چھوڑ دیا جہاں وہ تڑپتا رہا، کراہتا رہا اور پھر مر گیا۔

مرجانے کے بعد اس خوف سے اس کے بیٹوں نے ہاتھ نہیں لگایا کہ یہ کوئی متعدی بیماری ہے جو انہیں لگ جائے گی، جب قریش نے طعنہ دینا شروع کر دیا تو انہوں نے کچھ حبشی غلاموں کے ذریعہ پیر میں رسی بندھوا کر ایک گڈھے میں ڈال دیا اور پھر اس پر پتھر اور

مٹی ڈال دی گئی اور اس طرح وہ دفن ہوا یہ ہے ابولہب کا انجام۔

لہب کے معنی ہوتے ہیں شعلوں کے، اس کا چہرہ بہت سرخ تھا اس لیے اس کو ابولہب کہا جاتا تھا لیکن اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ جس طرح سے اس کا چہرہ سرخ ہے مگر گستاخی رسول کی بنیاد پر، اسلام سے نفرت کی بنیاد پر اسے جہنم کے شعلوں سے ہم کنار کیا جائے گا اور اسے تباہ و برباد ہونا پڑے گا۔

اسے بڑا فخر تھا اپنی دولت پر، اپنے سرمائے پر، اپنے اقتدار پر اس کے پاس بہت زیادہ سونا تھا، اس کی بیوی ام جمیل جب بن ٹھن کے نکلتی تھی تو اس کے بدن میں سیروں سونے کے زیورات ہوتے تھے مگر اس کے باوجود وہ بے پناہ کنجوس تھی، وہ جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا کاٹ کر لاتی تھی، ان لکڑیوں میں جو کانٹے ہوتے تھے ان کانٹوں کو اللہ کے رسول کے راستہ میں بچھا دیتی تھی تا کہ ان کے مقدس پائے ناز زخمی ہوں، اس طرح کی اور بھی تکالیف دینے کی کوشش کرتی تھی۔

عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ حرم کعبہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضرت صدیق نے دیکھا کہ ابولہب کی بیوی بڑی تیزی کے ساتھ قریب آرہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھپ جائیے یا کہیں اور چلے جائیے اس لیے کہ یہ بڑی گستاخ ہے، بڑی بدزبان ہے یقیناً یہ کوئی گستاخی یا بدزبانی کرے گی اور آپ اسے برداشت نہ کر سکیں گے، آپ کو گوارہ نہیں ہوگا، آپ کو تکلیف ہوگی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر غم نہ کرو وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔

چنانچہ وہ آئی اور اس نے تلاش کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے لیکن وہ دیکھ نہ سکی اس نے صرف یہ پوچھا کہ کیا تم بھی ایمان لائے ہو کہا ہاں میں تو سب سے پہلے

ایمان لایا ہوں اس نے مزید کچھ نہیں کہا اور جب وہ چلی گئی تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان میں حائل ہو گیا تھا میں موجود تھا اور وہ مجھے دیکھ نہ سکی۔

اس طرح کی بہت سی گستاخیاں اس کی مشہور ہیں احادیث اور تواریخ میں۔ تو قرآن پاک نے نہ صرف ابولہب کی گستاخی کا تذکرہ فرمایا بلکہ اس کے بارے میں بھی فرمایا چونکہ اسے دولت پہ ناز تھا، گھر میں جو سونا موجود تھا اس پہ ناز تھا، اپنے تین بیٹوں پہ ناز تھا جس میں ایک بیٹا بعد میں اسلام بھی لایا فتح مکہ کے بعد لیکن دو بیٹے وہ اس کے دونوں ہاتھوں کی طرح ٹوٹ گئے، کبھی کبھی دست و بازو کہتے ہیں اپنی اولاد کو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ (سورۃ اللھب، الایۃ:2)

اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کچھ کام نہ آئی۔

اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ نہ ہی جو اس نے کمایا تھا اس سے کوئی فائدہ اس کو پہنچا۔ اس نے گستاخی کی تھی اور اس گستاخی کے سزا میں اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے، تباہ و برباد ہو گیا۔ نہ مال فائدہ مند ہوا، نہ دولت فائدہ مند ہوئی، نہ اس کی کمائی نے اس کو کچھ فائدہ پہنچایا۔

حضرات گرامی! آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بڑی نازک اور بہت ہی عظیم بارگاہ ہے۔ آپ دیکھیے اور پورے قرآن عظیم کا مطالعہ کیجیے جب اللہ تعالیٰ کے باب میں کافروں نے کوئی بات کہی ہے تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے، اور جب رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کافروں نے کوئی بات کہی

ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش رہے اور خدا نے جواب دیا۔

مثال کے طور پر کافروں نے کہا کہ وہ شاعر ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (سورۃ الحاقۃ،الایۃ:41)

اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں کتنا کم یقین رکھتے ہو۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ (سورۃ یٰس،الایۃ:69)

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔

جب کافروں نے کہا کہ آپ مجنون ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (سورۃ القلم: ۲۶۔آیت: ۲۲)

آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں۔

اور جب ساحر کہا گیا تو قرآن پاک نے اس کا جواب دیا کہ آپ ساحر نہیں۔

تو جہاں جہاں کافروں نے کوئی الزام لگایا تو قرآن نے اس کا جواب دیا اور یہاں بھی صورت حال یہی ہے کہ ابولہب نے گستاخی کی۔اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو صابر تھے بلکہ سید الصابرین تھے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب دیا کہ جس ہاتھ سے اس نے اشارہ کیا وہ ہاتھ اس کے ٹوٹ گئے اور تباہ و برباد ہو گئے۔

یہ اطلاع بہت پہلے دی گئی لیکن کبھی کبھی مستقبل کی بات کو ماضی کے صیغہ سے ایک یقین کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ یقیناً وہ ہوگا اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لیے تَبَّتْ يَدَا أَبِي لهب بھی فرمایا گیا اور وَّ تَبَّ بھی فرمایا گیا۔

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ○ (سورۃ اللھب،الایۃ:2)

ابولہب کے مال نے اسے بے نیاز نہیں کیا اور نہ ہی اس کی کمائی نے۔

یہاں کسب سے مراد اس کی اولاد بھی ہو سکتی ہے اس لیے کہ وہ بہترین کمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (سورۃ اللھب،الایۃ:3)

اب وہ شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔

یہ ابولہب کہلاتا ہے، انتہائی سرخ رو ہے یہ چہرے کے اعتبار سے، سرخ رو ہے۔اردو کی اصطلاح کے اعتبار سے نہیں مگر اپنی گستاخی کی بنیاد پر، اسلام دشمنی کی بنیاد پر باضابطہ اسے شعلوں والی آگ میں ڈالا جائے گا، اس آگ میں جس سے شعلہ اٹھ رہے ہوں گے جو بھڑک رہی ہوگی عنقریب اس میں وہ ڈالا جائے گا۔

وَّ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ (سورۃ اللھب،الایۃ:4)

اور اس کی بیوی لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔

اور اس کی بیوی کو بھی جو ایندھن اٹھانے والی ہے اور بدبخت ہے چونکہ وہ بھی دشمنی میں اپنے انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اس لیے اس کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کہا گیا یا ہے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ لکڑیوں کا گٹھر اٹھا کر لاتی تھی انتہائی کنجوسی کی بنیاد پر اور لکڑیوں کے کانٹوں سے پیغمبر اعظم کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی اس لیے اسے حمالة الحطب کہا گیا ہے۔لیکن حمالة الحطب کا ایک مفہوم عربی میں اور بھی ہے جو شخص چغل خوری کرتا ہے، غیبت کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان چغل خوری اور غیبت کر کے مخالفت کی آگ بھڑکاتا ہے، جنگ کرانے کی کوشش کرتا ہے اس کو بھی حمالة الحطب کہا جاتا ہے گویا کہ ایندھن اٹھانے والی ہے جو چغلی کرتی پھرتی ہے یا چغلی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرات گرامی! عالم یہ ہے کہ چغل خور یا غیبت کرنے والا نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے

عذاب کا شکار ہوتا ہے بلکہ جس قوم میں ایسا انسان ہوتا ہے اس قوم کے اوپر بھی اگر قوم اسے منع نہ کرے یا اس سے بری الذمہ نہ ہو یا اس کی شکایتوں کو سننے سے انکار نہ کرے تو وہ بھی عذاب الٰہی کا مستحق ہو جاتی ہے۔ کعب احبار نے ایک راویت نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل میں بڑا شدید قحط پڑ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی "اے اللہ! یہ تیرے بندے ہیں ان پر عذاب آگیا ہے اے الٰہی! ان سے عذاب ٹال دے، تو ندا آئی کہ موسیٰ تمہاری قوم میں ایک شخص چغل خور ہے اور جب تک وہ موجود رہے گا قحط دور نہ ہوگا۔

چنانچہ قوم نے چغل خور کو الگ کر دیا اور اس کے بعد پھر قحط دور ہوا، بارش ہوئی اور کھیتیاں شاداب ہوگئیں، بظاہر چغل خوری عام رواج بن گئی ہے آج کے زمانہ میں مگر انتہائی بدترین گناہ ہے، آپ نے سنا ہوگا غیبت ہو، چغل خوری ہو اس کے بارے میں قرآن عظیم فرماتا ہے کہ کیا تم میں کا کوئی آدمی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے یقیناً تم ناپسند کرو گے۔ آپ اندازہ کریں کہ چغل خوری کس قدر سنگین جرم ہے۔

مردہ بھائی سے تشبیہ کیوں دی گئی اس لیے کہ مردہ بھی اپنے خلاف لگائے ہوئے الزام کا دفاع نہیں کرسکتا اور جو غیر حاضر ہے اگر اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے، چغلی کی جائے تو وہ بھی دفاع نہیں کرسکتا ہے تو کس قدر عظیم مثال دی گئی ہے قرآن عظیم میں اس لیے اس کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ کیا کم ہے کہ حمالۃ الحطب ابولہب کی بیوی کا لقب تھا جو انتہائی سخت دشمن رسول تھی، آقائے دو جہاں کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتی تھی۔

حمالۃ الحطب کے اور بھی بہت سے مفاہیم ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ○

اس کے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی ہے۔

اس کے گلے میں مونجھ کی رسی ہوگی یہ بھی ایک خبر ہے جو قرآن دے رہا ہے نبوت کی دلیل ہے اس کے دو مفاہیم ہیں ایک تو یہ کہ چونکہ وہ مونجھ کی رسی کا گٹھر بنا کر لاتی تھی اس لیے قیامت میں مونجھ کی رسی ہی اس کے گردن میں ڈالی جائے گی اور اس طرح سے اسے جہنم میں کھینچا جائے گا جیسے وہ لکڑیوں کا گٹھر لے کر آتی تھی۔

اور دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس کی موت بھی اسی طرح سے ہوئی کہ وہ لکڑیوں کا گٹھر لے کر آرہی تھی اچانک کہیں آرام کرنے لیے بیٹھی تو سر پر گٹھر تھا گٹھر پھسلا اور رسی اس کے گلے میں پھنس گئی اس کی موت واقع ہوگئی۔

بہر کیف یہ دردناک سزا گستاخی رسول کی بنیاد پر، اور دشمنی کی بنیاد پر ابولہب کو بھی دی گئی اور ابولہب کی بیوی کو بھی۔

حضرات گرامی! اب آپ اس سورت طیبہ کا مفہوم سماعت فرمائیں۔

ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا، بے نیاز کیا اور نہ ہی جو اس نے کمایا تھا اس سے کوئی فائدہ اس کو پہنچا۔ یقیناً بہت جلد شعلوں والی آگ میں، بھڑکنے والی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور اس کی بیوی کو بھی جو لکڑی کا گٹھر اٹھانے والی ہے اس کے گلے میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

اب ذرا سوچیں! اس میں تین باتیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے ہاتھ ٹوٹ گئے، دوسری بات یہ کہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اور تیسری بات یہ کہ اس کو جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا اور ایمان نہیں لایا اس لیے ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی کو جو بہت بدبخت ہے سزا دی جائے گی۔

یہ سورت طیبہ اس وقت نازل ہوئی جب اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا اور بظاہر یہ بات

قرین قیاس نہیں تھی کہ یہ قریش کا سرمایہ دار، لیڈر اس برے انجام سے ہم کنار کیا جائے گا اور اس کو یہ سزا ملے گی لیکن گستاخی رسول اور دین کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ ہوا اور ثابت بھی ہوا اور سچ بھی ہوا۔ اس کے دونوں بچے عتیبہ اور عتبہ یہ اسلام کی تشریف آوری سے پہلے، جلوہ گری سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو شہزادیاں ان کے نکاح میں تھیں۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ان دونوں شہزادیوں کو، بیٹیوں کو طلاق دے دی، اس میں ایک شخص نے صرف طلاق ہی نہیں دی غالباً عتبہ تھا جس نے بڑی گستاخی بھی کی، اس نے آپ کا دامن بھی پھاڑا، گریبان پر اس نے ہاتھ بھی ڈالا، بدتمیزی بھی کی اور یہ کہا کہ آپ کی بیٹی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس گستاخی کے سزا کے بارے میں روایتوں میں آتا ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے، جب آپ نے یہ فرمایا تو باوجود یہ کہ ابولہب دشمن تھا اسے یقین ہوگیا کہ اب میرے بچے کا بچنا مشکل ہے۔ جب وہ تجارتی قافلہ کے ساتھ شام جا رہا تھا تو ابولہب نے رفقائے قافلہ کو کہا کہ میرے بیٹے کا خیال رکھنا اس کے بارے میں پیغمبر نے کہا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہ واقعہ پیش نہ آجائے اس سفر میں۔ قافلہ والوں نے اس کا خیال رکھا جہاں پڑاو ہوتا تو اس کو بیچ میں سلاتے تھے ایک رات وہ سو رہا تھا کہ اچانک شیر آیا اس نے قافلہ والوں کے منہ سونگھنے شروع کیے اور جب اس کے پاس پہنچا تو شیر نے اس کو پھاڑ دیا اور اس طرح اس کی بدترین موت واقع ہوئی۔

یہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان تھا جو اس طرح پورا ہوا اس سے یہ معلوم ہوا کہ شیر بھی گستاخ رسول کو پہچانتا ہے، پورے قافلے میں صرف اس شخص کو اس نے اپنا شکار بنایا جو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا تھا۔

حضرات گرامی! آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب و احترام تو دنیا کے ہر مسلمان کا ایمان ہے، مسلمان تو ان کی شان میں کچھ کہنے کی جسارت ہی نہیں کر سکتا لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کافر بھی اگر کچھ کہتا ہے تو اس کو سزا مل جاتی ہے اور یہاں ان لوگوں کے لیے بڑی نصیحت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی گستاخی کرتا ہے تو ہمیں برداشت کرنا چاہیے، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی برداشت کرتے تھے۔

میں ان بھولے اور نادان لوگوں سے کہوں گا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برداشت کرتے تھے لیکن کیا رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیوانے برداشت کر سکتے ہیں؟ جس کی شان میں گستاخی کی جائے وہ صبر کر لیں لیکن اگر وہ کسی کا محبوب ہے تو محبت کرنے والا اسے کبھی بھی گوارہ نہیں کر سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا کہ میرے محبوب کی شان میں گستاخی کی جائے اور جتنے بھی گستاخ تھے ہر ایک کو سزا ملی تو آج رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیوانوں اور محبت کرنے والوں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ کوئی گستاخی کر رہا ہے تو صبر کر کے بیٹھ جاو یقیناً اگر کچھ اور نہیں کر سکتے ہیں تو نفرت کا اظہار کر سکتے ہیں، احتجاج کیا جا سکتا ہے اور اگر اسلامی مملکت ہے تو قانون کا تقاضہ یہ ہے اور خلیفۃ المسلمین کا یا کوئی بھی حکمراں ہو کہ گستاخ رسول کو سزا دے اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو یقیناً یہ اس کے ایمان کی کمزوری نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ مومن ہی نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں آقائے دو جہاں، تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم ہمیشہ ان کے حضور مودب رہیں اور ان تمام لوگوں سے اجتناب کریں جو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بے جا جسارتیں کرتے ہیں۔

خطاب نمبر (۱۳۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میں سورۃ الاخلاص کا تعارف کرانے کی کوشش کروں گا، یہ سورت قرآن کی عظیم ترین سورت ہے جس میں توحید کا بیان ہے، خود اللہ تعالی نے اپنی توحید کے حوالہ سے ان چار آیتوں میں جو اس سورت کے اندر ہیں، توحید کے تمام گوشوں کا احاطہ فرمالیا ہے اور شرک کے تمام امکانات کو ختم فرمادیا ہے، جتنے طریقے ہیں شرک کے ان تمام کا ان چار آیتوں کے اندر اس کا رد کر دیا گیا ہے۔

مشرکین ایک خدا کے بجائے بہت سے خداوں کو مانتے ہیں چنانچہ اس سورت

میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے ذریعہ ان تمام اقوام باطلہ اور مشرک قوموں کا رد کیا گیا ہے جو ایک سے زیادہ خداوں کو مانتے ہیں۔ خدا ایک ہے وحدہ لاشریک ہے، ازلی اور ابدی ہے۔

اس سورت میں ان فلسفیوں کا بھی رد ہے جو دنیا کو، کائنات کو قدیم تصور کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالی خالق ہے، صرف وہی قدیم ہے، ازلی اور ابدی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اس کے علاوہ کائنات کی جتنی بھی چیزیں ہیں پوری کائنات اس کا آغاز بھی ہے اور اس کی انتہا بھی ہے ۔

اللہ تبارک وتعالی خالق ہے، پروردگار ہے اور کائنات کے خالق کو کائنات سے پہلے موجود ہونا بایں طور پر ضروری ہے کہ اس کی کوئی ابتدا نہ ہو، اس سورت میں اس کی طرف مکمل اشارہ کر دیا گیا ہے کہ خدا واحد ہے، ایک ہے، لاشریک ہے، اس کے مثل کوئی نہیں، اس کے جیسا کوئی نہیں توحید کے جتنے بھی مضامین ہیں یہ سب اس میں سمیٹ دئے گئے ہیں۔

کچھ اقوام وہ ہیں جو خدا کے بارے میں یہ یقین رکھتی ہیں کہ خدا موجود تو ہے مگر اس پوری کائنات کے نظام کو تنہا نہیں چلا سکتا اس لیے اس نے اپنے بہت سے خداؤں کو شریک بنا لیا ہے جس کے نتیجہ میں انہوں نے باطل خداؤں کی ایک دنیا آباد کر رکھی ہے، سینکڑوں خداؤں پر یقین رکھتے ہیں اس سورت میں خدائے واحد کا ذکر فرما کر اس بات کو رد کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ بھی کوئی معبود ہے۔

کچھ قومیں ایسی ہیں جو اللہ تبارک وتعالی کے باب میں یہ یقین رکھتی ہیں کہ وہ نظام کائنات کو چلانے کے لیے کچھ شرکاء کا محتاج ہے معاذ اللہ! اس کے بغیر نظام کائنات نہیں چل سکتا، چنانچہ انہوں نے کچھ شریک بنا دیے ہیں کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا ہے کہ یہ دیوی ہے جو روزی دیتی ہے اس کا نام لکشمی رکھ دیا ہے، کچھ کے بارے میں کہا کہ یہ علم کی دیوی ہے

اس کا نام سرسوتی رکھ دیا ہے اس لیے ہر کام کے لیے انہوں نے ایک خدا یا ایک دیوی بنا رکھی ہے۔جس کے نتیجہ میں خدا ان کے نزدیک مجبور مطلق ہے وہ کچھ نہیں کرسکتا اس سورت میں اس کی بھی تردید کی گئی جس کی وضاحت ہوگی۔

کچھ لوگ خدا کی اولاد مانتے ہیں،فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں،حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس میں اس کی بھی تردید کی گئی ہے۔

کچھ لوگوں نے یہ سوال کیا تھا کہ خدا کا باپ کون ہے؟ معاذ اللہ! خدا کا نسب کیا ہے؟ اس کا جواب بھی اس سورت میں دے دیا گیا ہے،اس سورت کا نام سورۃ النجاۃ بھی ہے،اس لیے کہ اس سورت کے ذریعہ انسان کفر وشرک اور تمام گناہوں سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے۔ نیز اس سورت پر ایمان لانے والا عذاب جہنم سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

قرآن پاک کا مطالعہ فرمائیں تو جن لوگوں کیلیے خلود فی النار کا حکم دیا گیا ہے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا تو وہ مشرکین ہی ہیں یہ سورت سورۃ النجاۃ ہے جو جہنم کی آگ سے بچالیتی ہے۔

اس سورت کا نام سورۃ الاساس بھی ہے اس لیے کہ یہ ایمان کی اساس ہے جتنے بھی اعمال ہیں یا عقائد کی جتنی شاخیں ہیں اس کی اساس اور بنیاد عقیدۂ توحید ہے بغیر عقیدۂ توحید کے کوئی اور عقیدہ معتبر نہیں اور نہ کوئی عمل مقبول ہے اس لیے اس کا نام سورۃ الاساس بھی ہے۔

اسے سورۃ المانعہ بھی کہتے ہیں،یہ اپنے تلاوت کرنے والوں کو دوزخ کے عذاب سے بچالیتی ہے۔اس کو سورۃ النور بھی کہا گیا ہے اس لیے کہ یہ وہ منور سورت ہے جو مومن کے دلوں کو بھی روشن کرتی ہے،دنیا اور آخرت کو بھی روشن کرتی ہے اور اس کا اجالا ذہن کے افکار وخیالات کو آراستہ کرتا ہے اور روشن کرتا ہے،اس سے گھر بھی روشن ہوتے ہیں،اس سورت پر ایمان کی بنیاد پر قبر اور حشر بھی روشنی سے معمور ہوں گے،اس سورت پر ایمان لانے والا وہ

کہیں بھی ظلمت کا شکار نہ ہوگا نہ دنیا میں اور نہ ہی انتقال کے بعد اور نہ ہی آخرت میں،کیوں کہ ہر جگہ یہ سورت روشنی بخشے گی،اس کی نورانیت سے مومن ہمیشہ فیضیاب ہوتا رہے گا۔

اس کا نام سورۃ الامان بھی ہے اس لیے کہ یہ سورت ایمان رکھنے والوں کو اللہ تعالی کے قہر وغضب سے امان دیتی ہے اور بچالیتی ہے۔

حضرات! اس سورت کے اور بھی اسمائے مبارکہ ہیں،اسمائے مبارکہ کی کثرت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورت خود اللہ رب العزت کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔

اس سورت کا نام سورۃ الولایت بھی ہے،اس کا نام سورۃ المعارفہ بھی ہے توحید کی معرفت اور اللہ تبارک وتعالی کی پہچان یقینی طور پر،حقیقی طور پر اس سورت کے ذریعہ سے ہوتی ہے،اس سورت میں اللہ تعالی کی سبحانیت،اس کی الوہیت کو ثابت کیا گیا ہے اس لیے یہ سورت عقیدہ کی اساس بھی ہے اور عقیدہ کی بنیاد بھی ہے۔

اس سورت کو تہائی قرآن عظیم قرار دیا گیا ہے،آقائے دو جہاں،سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو تہائی قرآن،ثلث قرآن سناؤں گا،آپ نے صحابہ کرام کے سامنے سورۃ الاخلاص کی تلاوت فرمائی اور اپنے حجرۂ پاک میں تشریف لے گئے۔

صحابہ نے سمجھا کہ شاید وحی پاک کا نزول ہونے والا ہے اس لیے آپ نے تنہائی اختیار کرلی ہے اور وہ منتظر رہے کہ قرآن پاک ہم سنیں گے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زبان سے،ثلث قرآن کی سماعت کا شرف حاصل کریں گے۔آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا اور میں نے صرف سورۃ اخلاص کی تلاوت کی ہے،یاد رکھو! یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرات! اس سورت کے زمانہ نزول کے بارے میں اختلاف ہے عام طور پر مشہور یہی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور کافروں کی، مشرکوں کی بے جا جسارتوں کے بنیاد پر غلط سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔

کافروں نے پوچھا تھا آپ بتائیے کہ جس خدا پر آپ ایمان لاتے ہیں اس کا نسب کیا ہے؟ معاذ اللہ! ، اس کا وارث کون ہوگا؟ یہ خدا کے تصور سے مکمل نا آشنائی یا جہالت تھی یہ سوال ہی انتہائی بے ہودہ سوال تھا، اس کے جواب میں سورۃ الاخلاص نازل ہوئی کہ خدا وہ ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے، وہ ساری کائنات کا خالق ہے، اس کا کوئی خالق نہیں ہے، وہ انسانوں کی طرح سے اولاد نہیں رکھتا ہے، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کوئی اس سے پیدا ہوگا، وہ خلاق کائنات ہے اس نے ساری کائنات کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔

اسی طرح سے مدینہ طیبہ میں یہودوں نے کچھ سوال کیے تھے چنانچہ یہ سورۃ طیبہ یا تو دوبارہ نازل ہوئی یا آقائے دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو دوبارہ تلاوت فرمایا مدینہ طیبہ میں۔ اسی لیے بعض مفسرین نے اسے مدنی بھی کہا ہے۔

حضرات گرامی! حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ قریش ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب نامہ تو بیان کیجیے، ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔

دوسری روایت حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے کہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور ان کا سردار کعب ابن اشرف یہودی تھا، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالی ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اللہ تعالی کو کس نے پیدا کیا ہے؟ معاذ اللہ! یہ سوال اس قدر تلخ تھا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے اور قریب تھا

کہ ان سوالات کرنے والوں پر کوئی عذاب نازل ہو جاتا مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آقائے دو جہاں کو تسلی دی اور یہ سورت اس وقت نازل ہوئی۔

حضرات گرامی! اس سورت کے مضامین کے بارے میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ دنیا میں جتنے بھی مشرکین ہیں اور شرک کی جتنی قسمیں ہیں ان تمام قسموں کا تذکرہ ان چار آیتوں کے اندر کر دیا گیا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں! دنیا میں مشرک اقوام میں ایک طبقہ وہ ہے جو ایک خدا کو نہیں بلکہ بہت سے خداوں کو مانتا ہے، کفار عرب کہا کرتے تھے کیا ایک خدا ہے جو اتنے بڑے نظام کو چلا رہا ہے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے اور آج بھی دنیا میں مختلف کاموں کے لیے مختلف خداؤں کو گڑھ لیا گیا ہے، کسی ملک میں علم کی دیوی اور ہے جسے سرسوتی کہتے ہیں اور دولت کی دیوی اور ہے جسے لکشمی کہتے ہیں، ایسے ہی مختلف مصیبتوں سے بچانے کے لیے بہت سے دیوتاؤں کو گڑھ لیا ہے اس طرح ہزاروں خداؤں کا عقیدہ انہوں نے تراش لیا ہے۔

لیکن اس سورت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ خدا ایک ہے اور خدا کائنات کے نظم کے لیے اور تخلیق کائنات کے لیے، تدبیر کائنات کے لیے کسی اور کا محتاج نہیں ہے اور جو محتاج ہو وہ خدا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، وہ بے نیاز ہے، وہ غنی ہے۔

بعض اقوام کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کی اولاد بھی ہے عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، یہودیوں نے بھی کہا تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں بعض کافروں نے کہا تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں جس کا جواب قرآن پاک نے مختلف مقام پر دیا ہے کہ اللہ وہ ہے جو لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ہے اور وہ اس طرح کے رشتوں سے پاک ہے، ساری کائنات کا خالق ہے، ساری کائنات کا پروردگار ہے اور ساری کائنات سے پہلے ہے

اور ہمیشہ رہے گا نہ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا ہے۔

لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ میں یہ عقیدہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کا نہ کوئی بیٹا ہے، نہ کوئی نسب نامہ، نہ اس کا کوئی وارث ہے۔

وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی اللہ تبارک وتعالی کا ہم پلہ نہیں، نہ اس کی ذات میں اس کا کوئی شریک ہے، اس کے جیسا ہے، نہ اس کی صفات میں کوئی اس کی مثیل ہے، اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

ان تمام مضامین کو قرآن عظیم نے کم از کم تین تہائی حصہ میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ سارے مضامین ان چار آیتوں کے اندر جمع کر دئے گئے ہیں اس لیے اسے ثلث قرآن فرمایا ہے اللہ تبارک وتعالی کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔

ہمارے علما نے اور مشائخ نے مختلف عبادتوں میں اور دعاؤں میں تین مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھنے کی تلقین اسی لیے کی ہے کہ تین مرتبہ پڑھنے والا پورے قرآن عظیم کا ثواب حاصل کرے گا۔

ایک اور وجہ ہے اسے تہائی قرآن کہنے کی مضامین کے اعتبار سے کہ قرآن پاک میں توحید کا بیان ہے، سینکڑوں آیات مبارکہ توحید کو بیان کرتی ہیں، قرآن میں آخرت کا بیان ہے اور قرآن پاک میں وہ مضامین ہیں جن کا مختصر تذکرہ اس سورت میں کر دیا گیا ہے۔

ایک صحابی ہیں جو ہر نماز میں تلاوت کے ساتھ ساتھ آخر میں سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے، بعض لوگوں نے اللہ کے رسول کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! سورۃ اخلاص تمام نمازوں میں پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم نے ان سے پوچھا، انہیں بلایا جائے جب وہ آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو آپ سے

شکایت ہے کہ آپ تمام نمازوں میں سورہ اخلاص پڑھتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ تو عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے اس سورت سے بے پناہ محبت ہے تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس سورت سے محبت کرتا ہے اللہ تعالی بھی اس سے محبت فرماتا ہے یعنی گویا رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت دی کہ وہ اس سورت کو پڑھتے رہیں۔

قرآن پاک میں ان تین باتوں پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ توحید، رسالت اور بعث بعد الموت یا قیامت پر اگر آپ مکی سورتوں کا مطالعہ کریں تمامی سورتوں میں توحید اور رسالت اور قیامت کا تذکرہ ہے، جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں ان کا تو دراصل عنوان ہی یہ مضامین ہیں خاص طور پر ۲۸، ۲۹، اور ۳۰ ویں پاروں کی سورتوں میں۔

حضرات! یہ اس لیے کہ مکہ مکرمہ میں عقیدہ کی تعلیم دینی تھی، عقیدے کی اصلاح کرنی تھی، اعمال کا دارومدار عقائد کی صحت پر ہے چونکہ وہ بت پرست تھے اور توحید کے قائل نہیں تھے، رسالت کے منکر تھے اور بعث بعد الموت کے بھی قائل نہیں تھے اس لیے ان تین مضامین کا مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں زیادہ ذکر کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ تین مضامین باب عقائد میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اس لیے سورۃ الاخلاص میں توحید کا تذکرہ کیا گیا ہے تین مضامین میں توحید کا تذکرہ یہ ثلث قرآن بن جاتا ہے اسی لیے اس کو تہائی قرآن کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

حضرات! اس سورت کے واسطہ سے اللہ کی بارگاہ میں جو دعا کی جائے گی اللہ تبارک وتعالی اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک شخص نماز پڑھ کر یہ دعا کر رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ بِاَنِّیۡ اَشۡھَدُكَ اَنَّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ الۡاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیۡ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ وَلَمۡ یَكُنۡ لَكَ كُفُوًا اَحَد

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں گواہی دیتے ہوئے کہ بے شک تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو احد ہے، تو صمد ہے، تو وہ ذات ہے جو لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ہے، اور تو وہ ذات ہے جس کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ اللہ کے رسول نے یہ سنا تو اسے بشارت دی اور ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِهٖ لَقَدۡ سَأَلَهٗ بِاسۡمِهِ الۡاَعۡظَمِ الَّذِیۡ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعۡطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ

وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس سائل نے جو دعا کی ہے اللہ تبارک وتعالی کے اسم اعظم کے حوالہ سے کی ہے اور جب بھی اسم اعظم کے ذریعہ سوال کیا جائے گا دیا جائے گا اور جب اس مقدس اسم کے ذریعہ دعا کرے گا دعا قبول کی جائے گی۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سورت کے اندر اسم اعظم ہے اور وہ ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں جو سورۃ الاخلاص کے توسل سے کی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت اور اکابرین نے سورۃ الاخلاص کو ان تمام دعاؤں میں شامل کیا ہے جس کا تعلق مغفرت سے ہے، نجات سے ہے اور کامیابی سے ہے۔

حضرات! گرامی ایک اور روایت سماعت فرمائیں یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ یہ دعا کر رہا تھا:

اَسۡئَلُكَ یَا اللّٰهُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنۡ لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ وَ لَمۡ یَكُنۡ

اللّٰهُ كُفُوًا اَحَدٌ۔

میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اے اللہ جو احد ہے، صمد ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ لم یلد و لم یولد ہے اور یہ کہ کوئی بھی اس کا ہم پایہ نہیں ہے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غُفِرَ لَكَ، غُفِرَ لَكَ، غُفِرَ لَكَ

تین مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تمہیں بخش دیا گیا تمہیں بخش دیا گیا۔

حضرات! یاد رکھیں! آپ بھی اپنی دعاؤں میں صحابی رسول کی اس ادا کو شامل فرما لیں (اللہ تعالی آپ کے لیے بھی اور ہم سب کے لیے بھی اس دعا کو نجات کا ذریعہ بنا دے)۔

ایک اور روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسول میں حاضر تھے تو ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ حاضر ہوئے تو سید الملائکہ حضرت جبرئیل نے کہا یہ ابو ذر ہیں ان کو دیکھنے کے بعد تو آقا نے فرمایا کہ جبرئیل کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ عالم ملکوت میں یہ یہاں سے زیادہ مشہور ہے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس فضیلت کی وجہ کیا ہے؟ تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ ان کے فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو ہمیشہ چھوٹا سمجھتے ہیں، انتہائی متواضع ہیں اور قل ھو اللہ احد کی تلاوت کثرت سے کرتے ہیں۔

عالم ملکوت میں، فرشتوں کی دنیا میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ کی شہرت دو باتوں سے تھی: اپنے مقام بلند کے باوجود وہ ہمیشہ اپنے کو چھوٹا سمجھتے تھے، تواضع سے کام لیتے تھے اور قل ھو اللہ احد کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالی عنہ سے راویت ہے کہ ایک شخص نے اپنی غربت و ناداری کی شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! بہت غریب ہوں، میرے پاس کچھ بھی

نہیں ہے تو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو وہاں کوئی موجود ہو تو اسے سلام کرو اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو مجھ پر درود بھیجو، سلام پڑھو اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھو۔ تو انہوں نے اس ہدایت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا وافر عطا فرمایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی مدد کرنے گئے اور بہت زیادہ خوش حال ہو گئے۔

کیا عمل تھا؟ گھر میں داخل ہوں اگر کوئی موجود ہو تو آپ سلام عرض کریں اور موجود نہ ہو تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھیجیں اور اس کے بعد ایک بار سورہ اخلاص پڑھیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ رزق فراواں عطا فرمائے گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفا میں یہ بات کہی ہے کہ اللہ کے رسول نے یہ کیوں فرمایا کہ جب گھر میں کوئی موجود ہو تو اسے سلام کرو نہیں تو مجھ پر درود پڑھو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ درود پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پاک تمام مومنین کے گھر میں موجود رہتی ہے۔

ترجمہ سماعت فرمائیں:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○اَللّٰهُ الصَّمَدُ○لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ○وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○(سورۃ الاخلاص،الایات:1-4)

آپ فرمادیں اے محبوب! وہ اللہ ایک ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہم سر ہے، اس کے برابر ہے۔

وَلَا نِدَّ لَهٗ وَلَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ وَلَا مَثِيْلَ لَهٗ

خدا ایک ہے اور جو معبود برحق اور خالق کائنات ہے اسے ایک ہی ہونا چاہیے، متعدد خالق نہیں ہو سکتے اور متعدد خدا نہیں ہو سکتے ہیں تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں ان تمام مشرکین کا رد

کیا گیا ہے، جو تعدد الٰہ کے قائل ہیں یا بہت سے خدا کو مانتے ہیں، یہ ممکن نہیں کہ کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے بہت سے خدا شامل ہوں اور مشترک عمل کر رہے ہوں، قرآن عظیم نے بہت خوبصورت استدلال فرمایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (سورۃ الانبیاء،الایۃ:22)

اگر زمین وآسمان میں بہت سے معبود ہوتے تو فساد عظیم برپا ہو جاتا۔

زمین قائم رہتی نہ آسمان قائم رہتا اس لیے کہ بہت سے خداؤں کا مطلب یہ ہے کہ سب کی اپنی مرضی ہوتی، اپنے فیصلہ ہوتے، ایک کہتا زمین گردش کرے دوسرا آسمان کے بارے میں، ایک رات کا فیصلہ کرتا دوسرا دن کا، ہر معاملہ میں اختلاف ہوتا اور زمین وآسمان قائم رہ ہی نہیں سکتے بلکہ ان کی تخلیق ہی نہیں ہوتی۔

متعدد خدا میں تخلیق ونظم میں اختلاف کا پایا جانا لازمی تھا، آپ دنیا میں دیکھیے ایک مملکت کا صدر ایک ہی ہوتا ہے ورنہ دو صدر اگر ہوں گے تو فیصلہ کبھی نہیں ہو پائے گا۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ جتنے بھی خدا ہوتے وہ سب ایک ہی فیصلہ کرتے تو اگر فیصلہ ایک ہی کرنا ہے تو اتنے خداؤں کی ضرورت کیا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان میں اتحاد ہوتا تو یقیناً ان میں ایک تابع ہوتا اور ایک متبوع ہوتا اور جو متبوع ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور اگر دونوں برابر ہوں اور ایک ہی فیصلہ کریں تو دو کی ضرورت کیوں ہیں۔

صدیوں کے دامن میں پھیلا ہوا یہ نظام کائنات اور اس میں عدم اختلاف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی واضح دلیل ہے۔ سورج آج کی تاریخ میں جس وقت نکلے گا آج سے لاکھوں سال پہلے بھی اسی وقت نکلا ہوگا اور آج ڈوبے گا تو ہزاروں سال کے بعد بھی آج کی تاریخ

میں اسی وقت ڈوبے گا، کوئی فرق نہیں ہوتا ہے کائنات میں، یہ سیارگان فلک جو اپنے اپنے محور پر تیر رہے ہیں انہیں کشش ثقل نے سنبھال رکھا ہے، اس میں اتنا توازن ہے کہ یہ سیارے اگر ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں تو کائنات تباہ ہو جائے گی۔

وہ کون ہے؟ جس نے کائنات کو اس قدر متوازن رکھا ہے اور ایسی تدبیر فرمائی ہے کہ کائنات ہمیشہ قائم و دائم رہے جب تک اللہ کی مرضی ہو، جب تک قیامت نہ آجائے تو کیا یہ متعدد خداوں سے ممکن تھا۔ پھر خاص بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہر دور میں ہزاروں انبیائے کرام بھیجے مختلف ادوار میں اور سب یہی کہتے رہے ہیں کہ اللہ تعالی ایک ہے اس کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو یقیناً کوئی نہ کوئی کبھی تذکرہ تو کرتا، یہ انبیا جو منزل من اللہ ہیں کیا ان لاکھوں انبیائے کرام نے خدائے وحدہ قدوس کے علاوہ کسی اور کی الوہیت کی بات کی ہے، سب کا دعوی یہی تھا کہ اللہ تعالی ایک ہے اور سب کی دعوت بھی یہی تھی کہ اللہ تعالی ایک ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تو ان تمام مشرکین کی تردید ہے جو ہزاروں خداؤں کو مانتے تھے، مشرکین ہزاروں خداؤں کو مانتے ہیں، حرم کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، مجوس آتش پرست کم از کم دو خدا کو ضرور مانتے ہیں ایک کا نام انہوں نے یزدان رکھا ہے اور دوسرے کا نام اہرمن رکھا ہے، یزداں کا معنی ہے جو خالق خیر ہے اور اہرمن کا معنی ہے جو خالق شر ہے۔ یہ سب باطل عقائد ہیں، اللہ تعالی ہی ہر شئی کا خالق ہے وہ خیر ہو یا شر ہو۔

یہ خیر وشر کی تخلیق دراصل اس نے اپنے بندوں کو آزمانے کے لئے فرمائی ہے، انبیائے کرام کو بھیج کر کے خیر کا راستہ بتا دیا ہے اور تمہیں اختیار دیا گیا ہے کہ تم خیر کا راستہ اختیار کرو یا شر کا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ایسے دور میں ہوئی جب پوری دنیا

میں جھوٹے خداؤں کی پرستش ہو رہی تھی اور دنیا کے مختلف ملکوں میں لکڑی، سونے، مٹی، چاندی، لوہے اور پتھر کے خدا پوجے جاتے تھے، عقل کا اندھا پن اور دیوالیہ پن یہ ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا معبود تراشتے تھے اور اس کے سامنے سر جھکاتے تھے اتنی بھی عقل نہیں کہ خالق تو وہ ہو سکتا ہے جو پیدا کرنے والا ہو اور جو بنایا جائے، جو پیدا کیا جائے اور جن کی تشکیل دی جائے وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ مگر جب خدا دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔

کوئی ضروری نہیں ہے کہ پتھروں لکڑیوں اور لوہے کے خدا کو ماننے والے صدیوں پہلے پتھروں کے دور میں رہ رہے ہوں آج بھی ان کی پوجا ہوتی ہے، پڑھے لکھے لوگ بھی کرتے ہیں، علم رکھتے ہیں اور پھر بھی پتھروں کے سامنے جھکے ہوئے ہیں یہ کیوں؟ اس لیے کہ تنہا علم، ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، ہدایت کے لیے نبی کا ہونا ضروری ہے، اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالی کے وجود کا احساس انسانی فطرت کے اندر رکھ دیا گیا ہے جب پوچھا گیا تھا ارواح کائنات سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو سب نے کہا تھا "بَلٰی" تو ہمارا رب ہے، جب آزاد روح دنیا میں انسانی ڈھانچہ میں آگئی اور جسم انسانی میں پنہاں ہوئی تو اس نے اپنے معبود کو تلاش شروع کیا اور جب اللہ کے نبی کی ہدایت میسر آئی تو اس کو معرفت الہی میسر آگئی اور اگر ہدایت نہیں میسر آئی تو اس نے اپنی عقل کے ذریعہ سے یا اپنی خواہشات کے ذریعہ سے جسے چاہا خدا بنا لیا دوسرے لفظوں میں خالق مظاہر میں نہیں بلکہ مظاہر میں ہی الجھ کر رہ گئے درختوں کو، پہاڑوں کو، سمندروں کو، دریاؤں کو، سورج اور چاند کو، ستاروں کو، سیاروں کو ہر چیز کی پرستش کرنی شروع کر دی جس میں کوئی خوبی نظر آئی اسے خدا مان لیا، جس سے وہ ڈرے اسے خدا مان لیا، جس سے نقصان کا خطرہ ہوا اسے خدا مان لیا، جس سے فائدہ کی امید ہوئی اسے خدا مان لیا۔ خوف کو،

خواہش کو، نفع کو، نقصان کو، اقتدار کو اور ان کے مظاہر کو انہوں نے خدا مان لیا اس لیے کہ نبی کی ہدایت انہیں میسر نہیں آئی حالانکہ ہر دور میں اللہ تعالی نے انبیائے کرام کو ہدایت کے لیے بھیجا تھا لیکن عقل وشعور رکھنے کے بعد بھی مشرکین انبیائے کرام کا انکار کرتے رہے۔

ابو جہل، جس کا پہلا نام ابوالحکم تھا یہ حکمتوں کا باپ جہالت کا باپ کس طرح بن گیا، ابولہب جو شعلہ گوں چہرے والا تھا، دولت مند تھا اور سردار قریش میں سے تھا وہ اتنا دیوانہ کیسے ہوگیا کہ اس نے نبی کی مخالفت کی، انہیں ستانے کی کوشش کی۔

اس زمانہ کے کافر قرآن پاک پر جو اعتراض کیے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن سنتے تھے مگر سمجھنے کے لیے نہیں، ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے سنتے تھے کہ اس میں کوئی نقص تلاش کریں جو کہ ممکن ہی نہیں تھا۔

تو جو قرآن کی زبان سمجھتے تھے وہ بھی ایمان اس لیے نہیں لائے کہ وہ اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کر رہے تھے، اپنی ضد پر قائم تھے، اپنی انا کی پوجا کر رہے تھے اور اس طرح سچائی جان کر بھی ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

آج بھی بت پرست اقوام میں ہزاروں ایسے افراد ہیں جو سچائی کو جانتے ہیں کیا ایک ملک کا سربراہ یہ نہیں جانتا کہ اس مٹی کے بنائے ہوئے بت میں نفع نقصان کی کوئی طاقت نہیں ہے مگر جھکا ہوا نظر آتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اندھا وشواس یا ایک ایسا تاثر جس کی بنیاد پر اس نے مظاہر کو معبود سمجھ رکھا ہے، اس کے سامنے جھکا ہوا نظر آتا ہے۔

تو ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' دراصل ان تمام باطل مشرکین کی تردید کرتا ہے جو ایک کے علاوہ متعدد خدا مانتے ہیں۔ اسی طریقہ سے اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ تعالی بے نیاز ہے۔

متعدد خداؤں کے ماننے کی وجہ یہ بھی تھی ان کے یہاں کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک

وسیع ترین کائنات ہے ایک خدا اس کائنات کے نظم کو کیسے قائم کرسکتا ہے، کیسے باقی رکھتا ہے؟ کائنات کو اس کے مختلف امور کے مختلف خداؤں کو ہونا چاہیے چنانچہ بہت سے خداؤں کو ماننا شروع کر دیا جو خدائی میں شریک تھے اور خدا کی مدد کرتے تھے اس طرح کا عقیدہ رکھنے والوں کی تردید اللہ تعالی نے فرمائی ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ تعالی بے نیاز ہے، صمد وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور کائنات کی ہر شئی اس کی محتاج ہو قرآن کریم میں اللہ الصمد کی مختلف تعبیرات کچھ اس طرح کی گئی ہیں کہ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ وہ مستغنی ہے اور ستودہ صفات ہے هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، حکمراں ہے۔ هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ وہ روزی دیتا ہے، کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا ہے، وہ اس کا محتاج نہیں ہے، كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ کائنات میں جو چیز ہے وہ سب فنا ہونے والی ہے سوائے اس ذات ذوالجلال والاکرام کے جو ہمارا معبود برحق ہے۔

حضرات! قرآن پاک نے اس کی بھی تردید کی ہے کہ دنیا کی جو بھی قومیں خدا کے اولاد مانتی ہیں وہ ہوش میں آجائیں کہ جو اولاد والا ہوگا وہ معبود نہیں ہوسکتا، خدا نہیں ہوسکتا اس لیے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے اللہ تعالی واجب الوجود ہے اور قدیم ہے تو اگر بیٹا اس کا ہوتا تو وہ بھی واجب الوجود اور قدیم ہوتا اور کائنات میں دو واجب الوجود اور قدیم نہیں ہوسکتے، وہ صرف ایک ہے جو پروردگار عالم ہے یہی وجہ ہے کہ جب کفار مکہ نے اور عرب کے یہود نے یہ کہا تھا کہ خدا کا نسب بیان کرو تو اس کے جواب میں قرآن عظیم نے کہا تھا۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔

نسب نامہ اس کا ہوتا ہے جس کا کوئی باپ ہو، جس کا کوئی بیٹا ہو وہ تو خلاق کائنات

ہے جب یہ رشتے موجود نہ تھے تو بھی وہ تھا اور جب موجود نہیں رہیں گے تب بھی ہوگا، وہ ازلی اور ابدی ہے، قدیم ہے، واجب الوجود ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

تو کفو کے معنی ہوتے ہیں ہم پلہ اور برابر ہونے کے اور یاد رکھیے کہ کائنات کا کوئی بھی فرد اللہ تعالیٰ کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، اس کی قدرت، اس کے علم، اس کے اختیار، اس کے ارادے، اس کی تخلیق ان سب میں کوئی نہ شریک ہے نہ کوئی اس کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی برابر نہیں ہوسکتا اس لیے شرک کے جتنے بھی گوشے تھے اس مختصر سی سورت میں ان تمام مشرکین کی تردید کردی گئی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○اَللّٰهُ الصَّمَدُ○لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ○وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○

تم فرماؤ: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور کوئی اس کے برابر نہیں۔

اور قرآن پاک میں تین تہائی سے زیادہ مضامین خدا کی وحدانیت اور شرک کی تردید میں ہیں اور اس سورت نے قرآن پاک کے ان تمام مضامین کو سمیٹ لیا ہے، توحید کے ثبوت کیلیے اور شرک کی تردید کیلیے اللہ تعای نے جو آیتیں نازل فرمائی ہیں اگر مفسر لکھنا چاہے تو ہر آیت کے ساتھ اس سورت کے سینکڑوں مضامین اور سینکڑوں آیات کو نقل کرسکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس مقدس سورت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے فیوض وبرکات سے ہمیں نوازے اور ہماری حیات میں اور ہمارے عقیدہ میں اور ہماری زندگی میں کوئی شائبہ وشک بھی نہ ہو۔

خطاب نمبر (۱۳۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ○مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ○
وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ○
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ○وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ○مَلِكِ النَّاسِ○اِلٰهِ النَّاسِ○
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ○
الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ○مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ○

سامعین کرام! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک پڑھ لیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَ اٰلِهٖ

الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ۔

آج کے درس میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی شان نزول کے بارے میں کچھ روایات پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

یہ دونوں سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں ،سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے مضامین ایک جیسے ہیں اس لیے یہ دونوں ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں ان دونوں سورتوں کو معوذتین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،،سورۃ الفلق میں ایک رکوع اور پانچ آیات ہیں اور سورۃ الناس میں ایک رکوع اور چھ آیات ہیں۔

بعض صحابہ کرام سے روایت یہ بھی ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھیں لیکن جو واقعہ بطور شان نزول مفسرین نے بیان کیا ہے وہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا تھا اور صلح حدیبیہ کے بعد اس لیے جمہور کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ سورت مدینہ طیبہ ہی میں نازل ہوئی ہے۔

سن ۷ ہجری میں ایک یہودی لبید ابن عاصم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو کیا اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے یہ سورت نازل کی گئی تھی۔

حضرات! اس جادو کا جہاں تک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کے پیغام کو ،ان کے مشن کو ختم کرنے کے لیے کفار مکہ ہی کافی ہیں اگر چہ روز اول سے یہود سازشیں کرتے رہے مگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ صلح حدیبیہ میں کافروں سے ،مشرکین مکہ سے صلح ہوگئی ہے تو اب انہیں خیال ہوا کہ ہمارے زوال کا آغاز ہو چکا ہے اور اگر ہم نے پیغمبر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تو یقینی طور پر ہم زوال پذیر ہوں گے اور مدینہ طیبہ اور قرب وجوار میں جو ہماری معاشی حکمرانی تھی وہ ختم ہو جائے گی۔

اس خیال سے انہوں نے بہت سی سازشیں کیں، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم پر جادو بھی کرایا گیا، ان کے اوپر پتھر گرانے کی کوشش کی گئی، انہیں زہر بھی دینے کی کوشش کی گئی۔ ان میں جادو کا واقعہ سب سے پہلے پیش آیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض لوگوں نے یہ روایت کی ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کا حصہ نہیں ہیں جب کہ ان ہی سے دوسری روایت ہے کہ وہ نماز میں معوذتین کی تلاوت کیا کرتے تھے اور ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے بھی مروی ہے کہ وہ نماز میں اس کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی روایت 'احاد میں سے ہے اور قرآن کے سلسلہ میں خبر واحد معتبر نہیں ہے اس لیے مفسرین نے اس کو قبول نہیں کیا ہے۔

مستشرقین یورپ نے بھی اور کچھ متجددین نے بھی یعنی عصر حاضر کے معتزلہ نے اس روایت کو لے کر قرآن پاک پر اعتراض کیے ہیں کہ قرآن پاک میں بعض سورتیں قرآن کا حصہ نہیں ہیں حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ یہ سورتیں قرآن ہی کا حصہ ہے۔

طبرانی نے اوسط میں سند حسن سے حضرت عبداللہ ابن مسعود ہی سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ مجھ پہ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کے مثل مجھ پر آیات نازل نہیں ہوئی تھی اور وہ معوذتین ہیں۔

کچھ نام نہاد لوگوں نے جن کے ذہن میں صحابہ کرام سے کینہ تھا اور وہ دبے لفظوں میں صحابہ کرام کی مخالفت کرتے تھے کبھی یہ کہہ کر کہ وہ معیار ایمان نہیں ہیں حالانکہ قرآن عظیم نے انہیں معیار ایمان قرار دیا ہے:

اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

ایمان لاؤ اس معیار پر جس معیار پر صحابہ ایمان لائے۔

اس طرح ایمان لاؤ جس طرح صحابۂ کرام ایمان لائے، قرآن نے خود ان کو معیار قرار دیا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے ناقص علم یا اپنی تجدد پسندی کی بنیاد پر کبھی یہ کہا کہ وہ معیار ایمان نہیں اور کبھی اس طرح کی باتیں کرنے کی کوشش کیں کہ یہ سورتیں قرآن میں شامل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کی ذات پر اعتراض کیا۔

ان کو یہ خیال نہیں آیا کہ یہ اعتراض صرف صحابی پر نہیں بلکہ قرآن کی صداقت پر بھی ہوگا اور اس طرح انہوں نے فتنہ کا ایک دروازہ کھول دیا جس سے دشمنان اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔

بہرحال یہود مدینہ نے صلح حدیبیہ کے بعد یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب اسلام کا سیل رواں کبھی نہیں رکے گا، اس کا روکنا ناممکن ہے چنانچہ انہوں نے پیغمبر اسلام کو تکلیف دینے کے لیے ابن عاصم جو مشہور جادوگر تھا اس کے پاس گئے اور اسے بہت سی دولت پیش کی اور اس سے کہا گیا کہ تم محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو کرو۔

اسے جادو کرنے کے لیے ایک یہودی لڑکے سے جس کا آنا جانا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں تھا اس سے کچھ بال حاصل کیے اور ان پر جادو کر کے کنویں میں دفن کر دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت مضمحل رہنے لگی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انہیں خبر دی کہ فلاں کنویں میں کپڑے میں کنگھی اور موئے مبارک دفن ہے انہیں نکلوائیے اور اس وقت یہ سورہ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب نکلوایا کنگھی اور موئے مبارک کو تو ان پر گرہیں پڑی ہوئی تھیں دھاگہ کی گرہیں ان میں لگائی گئی تھیں، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۃ الناس اور سورۃ الفلق کی تلاوت اس طرح کی کہ ہر آیت کے بعد ایک گرہ کھولتے تھے اور جب تلاوت مکمل ہوگئی تو اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت بشاش

ہوگئی اور جادو کے اثرات ختم ہو گئے یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے ہے اس لیے اس کا انکار نا ممکن ہے۔

اب یہاں چند باتیں سمجھنی ضروری ہیں تا کہ ذہن میں کوئی شبہ نہ جنم لے، بعض لوگوں نے کہا کہ کیا جادو کا اثر ہوتا ہے؟ ان کے جواب میں ساحران فرعون اور ہاروت وماروت کا قصہ قرآن عظیم میں موجود ہے اگر اثر نہ ہوتا تو قرآن پاک میں یہ واقعات نہ مذکور ہوتے تفصیلات کے لیے آپ قرآن پاک کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جب اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ ابن عاصم نے جادو کیا ہے تو صحابہ کرام نے عرض کی حضور اجازت دیں تو ہم اس کا سر قلم کر دیں گے سبحان اللہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دے دی ہے اب تم اس سے کوئی تعارض نہ کرو۔

آپ اندازہ کیجیے! اپنے ذاتی دشمنوں کے ساتھ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ کس قدر رحم وکرم کا تھا اس سے زیادہ دشمنی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اسلام کی شمع کو بجھانے کے لیے، اسلام کے پیغام کو روکنے کے لیے، اسلام کے سیل رواں کو روکنے کے لیے خود پیغمبر اعظم کی حیات طیبہ کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی یقیناً وہ قابل قتل تھا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی جادو کا اثر ہو سکتا ہے اہل سنت کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت ان کی نبوت کی حیثیت ہے، ان کی نورانیت کی حیثیت ہے اس حیثیت پر کبھی بھی کوئی شئی انہیں متاثر نہیں کر سکتی لیکن جہاں تک بشری حیثیت کا معاملہ ہے تو وہ درد بھی محسوس کرتے

تھے، زخمی بھی ہوتے تھے، ان کے دندان مبارک بھی شہید کیے گئے اس لیے بشری حیثیت سے ان پر جادو کا اثر انداز ہونا ان کی نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

ہاں! مستشرقین نے یہ ہنگامہ برپا کیا کہ جب تک وہ جادو کے اثر میں رہے ہوں گے تو ممکن ہے کہ قرآن پاک کا پیغام صحیح طور پر نہ پہنچا سکے ہوں یا انہوں نے شریعت میں کوئی ایسی بات شامل کر دی ہو جو اصل شریعت سے مختلف ہو، یہ دشمنان اسلام تو ہمیشہ ایسے موقع تلاش کرتے رہتے ہیں جب کہ صحابہ کرام کی روایات موجود ہیں کہ اس وقت بھی جب آپ متاثر تھے نہ نماز کی پابندی میں کوئی فرق آتا تھا، نہ معمولات میں کبھی کوئی فرق آتا تھا، نہ وحی پاک کے نزول میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ اس کے بیان اور اس کی تشریح میں فرق آیا تھا۔

ہاں! طبیعت مضمحل ضرور تھی لیکن اضمحلال اتنا نہیں تھا کہ وحی الٰہی کے پہنچانے میں ان سے کوئی کمی ہو جاتی۔

ایک سوال اور بھی ہے کہ کیا جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے؟

حضرات! اسلام شرک کو ختم کرنے کے لیے جلوہ گر ہوا ہے اس لیے اگر جھاڑ پھونک میں، دعا اور تعویذ میں ایسے کلمات ہوں جو مشرکانہ ہوں تو یقیناً وہ قطعی حرام ہیں بلکہ شرک بھی ہیں لیکن اگر آیت کریمہ پر مشتمل ہو دعا تعویذ یا جھاڑ پھونک یا اسمائے حسنیٰ پر مشتمل ہوں تو بالکل جائز ہے بلکہ مستحسن ہے اور سنت ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسنین کریمین پر معوذتین کی تلاوت کر کے دم کیا کرتے تھے، آقائے دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام سونے سے قبل سورۃ الاخلاص اور معوذتین کو پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم فرماتے اور پورے جسم اطہر پر پھیر لیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

طبیعت ناساز ہوئی تو حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ پر یہ پڑھ کر کے دم کیا سماعت فرمائیے:

بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی، الرقم:40-(2186))

صحابہ کرام کے معمولات میں سے تھا کہ وہ دوسروں کو اللہ اور رسول کے فرمان کے مطابق دعائیں پڑھ کر کے فائدہ پہنچاتے تھے۔

پروردگار عالم ہمیں آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور کلمات شریفہ کے ذریعہ سے شفا عطا فرمائے، یہ جائز بھی ہے اور مستحسن بھی ہے اور بھی بہت سی روایات ہیں جو صحابہ کرام سے مروی ہیں لیکن میں نے مختصراً چند روایتوں کو پیش کیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته